خلافتِ راشدہ — یا اللہ مدد — طبع جدید

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
الآیۃ

تحفۂ خلافت

مجموعہ تفسیرِ آیاتِ قرآنی

تالیف

امامِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی قدس سرہٗ

۱۲۹۳ھ — ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہٗ

ناشر

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم

باہتمام

تحریک خدامِ اہلِ سُنّت پاکستان جہلم

خلافت راشدہ　　　یا اللہ مدد　　　حق چار یار

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

القرآن الحکیم

تحفہ خلافت

مجموعہ تفسیرِ آیاتِ قرآنی

تالیف

امامِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی قدس سرہٗ

۱۲۹۳ھ ——— ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہٗ

ناشر

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم

باہتمام

تحریکِ خدامِ اہلِ سُنّت پاکستان ۞ جہلم

خلافتِ راشدہ — یا اللہ مدد — حق چار یارؓ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
القرآن الحکیم

تحفہ خلافت

مجموعۂ تفسیرِ آیاتِ قرآنی

تالیف

امامِ اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد عبد الشکور فاروقی مجددی لکھنوی قدس سرہٗ

۱۲۹۳ھ ــــ ۱۳۸۱ھ

مقدمہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہٗ

ناشر

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم

باہتمام

تحریکِ خدامِ اہلِ سنّت پاکستان جہلم

قیمت -/ روپے

فہرست مضامین تحفۂ خلافت

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	امام اہلِ سنتؒ چودھویں صدی کی عظیم شخصیت (از مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ)	۵ تا ۵۰
۲	مقدمہ تفسیر آیات خلافت از امام اہل سنتؒ	۵۱
۳	مسئلہ امامت و خلافت میں اختلاف کی تنقیح	۶۸
۴	عصمت امام کی بحث	۷۱
۵	مسئلہ خلافت	۷۸
۶	مقاصد خلافت	۷۹
۷	چند ضروری مسائل	۸۰
۸	قرآن شریف کے حجت قطعی ہونے کا اور تفسیر بالرائے کا مطلب	۸۴
۹	تفسیر بالرائے کا مطلب	۸۹
۱۰	روایت حدیث کا شریعت و عقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے۔	۹۶
۱۱	پہلا فرق	۱۰۲
۱۲	دوسرا فرق	۱۰۳
۱۳	تیسرا فرق	۱۰۳
۱۴	چوتھا فرق	۱۰۴
۱۵	اس سلسلہ تفسیر کے التزامات	۱۰۵
۱۶	تفسیر آیت استخلاف	۱۰۷
۱۷	پہلی آیت	۱۰۹
۱۸	فصل اوّل	۱۱۰
۱۹	فصل دوم	۱۱۵
۲۰	فصل سوم	۱۲۶
۲۱	روایات اہل سُنّت	۱۲۶
۲۲	اقوال مفسرین اہل سُنّت	۱۳۱
۲۳	روایاتِ تفاسیر شیعہ	۱۵۰
۲۴	فصل چہارم	۱۵۰
۲۵	تفسیر آیاتِ مذمت منافقین	۱۶۴
۲۶	پہلی آیت	۱۶۴
۲۷	دوسری آیت	۱۶۶
۲۸	تیسری آیت	۱۶۷
۲۹	چوتھی آیت	۱۶۹
۳۰	پانچویں آیت	۱۷۰
۳۱	چھٹی آیت	۱۷۱
۳۲	ساتویں آیت	۱۷۲
۳۳	تفسیر آیت مودۃ القربیٰ	۱۷۴
۳۴	آیت مودۃ القربیٰ	۱۷۵
۳۵	اس آیت کی تفسیر چار فصلوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔	۱۷۶
۳۶	فصل اوّل	۱۷۶
۳۷	فصل دوم	۱۸۳
۳۸	کون لوگ اس کے قائل ہیں؟	۱۸۶
۳۹	کون لوگ اس کے قائل ہیں؟	۱۹۵
۴۰	کون لوگ اس کے قائل ہیں؟	۱۹۹
۴۱	کون لوگ اس کے قائل ہیں؟	۲۰۱
۴۲	خلاصہ	۲۸۶
۴۳	فصل سوم	۲۸۷
۴۴	مخالفین صحابہ کرامؓ کہتے ہیں	۲۹۰
۴۵	مخالفین صحابہ کرامؓ بڑی دلیری کے ساتھ	۲۹۱
۴۶	اعتراض اوّل	۲۹۲
۴۷	اعتراض دوم	〃
۴۸	اعتراض سوم	〃
۴۹	اعتراض چہارم	〃
۵۰	اعتراض پنجم	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۱	الجواب واللہ الموفق للصواب	۲۹۳
۵۲	فصل چہارم	۲۹۶
۵۳	تفسیر آیت فئی ملقب بہ وظیفہ مدح صحابہ رض	۲۹۹
۵۴	آیات تقسیم فئی	۳۰۰
۵۵	فصل دوم	۳۰۲
۵۶	فصل سوم	۳۱۵
۵۷	تتمہ	۳۲۹
۵۸	تراجم اہل سُنت، فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ	۳۳۸
۵۹	اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی	۳۳۹
۶۰	تراجم شیعہ اردو ترجمہ مولوی مقبول المحدث	〃
۶۱	تراجم ختم ہوگئے	۳۴۰
۶۲	تفسیر آیت قتال مرتدین و آیت ولایۃ	۳۴۱
۶۳	باب اوّل، صحیح تفسیر دونوں آیتوں کی فصل اوّل	۳۴۴
۶۴	فصل دوم	۳۵۰
۶۵	فصل سوم	۳۵۲
۶۶	فصل چہارم	۳۵۵
۶۷	باب دوم تفسیر آیت ولایۃ	۳۵۷
۶۸	تفسیر آیت اولی الامر	۳۶۲
۶۹	دسویں آیت آیۃ اولی الامر	۳۶۳
۷۰	تراجم علما، اہل سنت و شیعہ	〃
۷۱	صحیح تفسیر آیت کی	۳۶۴
۷۲	احادیث نبویہ متعلق اطاعت اولی الامر	۳۷۲
۷۳	مخالفین صحابہ کرام رض کہتے ہیں	۳۷۵
۷۴	جواب	۳۸۰
۷۵	خلاصۃ الکلام	۳۸۱
۷۶	ضمیمہ آیت اولی الامر	۳۸۲
۷۷	عبارت نصیحۃ الشیعہ متعلق تفسیر آیت اولی الامر	
۷۸	ایک شبہ کا جواب	۳۹۲
۷۹	تفسیر آیات امامت	۳۹۴
۸۰	اصل حقیقت	۳۹۹
۸۱	پہلی آیت، دوسری آیت	۴۰۰
۸۲	تیسری آیت	۴۰۱
۸۳	چوتھی آیت، پانچویں آیت	۴۰۲
۸۴	چھٹی آیت۔	۴۰۳
۸۵	ساتویں آیت، آٹھویں آیت	۴۰۴
۸۶	نویں آیت، دسویں آیت	۴۰۵
۸۷	گیارھویں آیت	۴۰۶
۸۸	تفسیر آیت رضوان	۴۱۶
۸۹	آیت رضوان	۴۱۷
۹۰	تفسیر	۴۱۸
۹۱	واقعہ حدیبیہ کے کچھ مختصر حالات	۴۲۶
۹۲	تفسیر آیت مباہلہ	۴۳۸
۹۳	آیت مباہلہ	۴۴۰
۹۴	مخالفین صحابہ کرام رض کہتے ہیں	۴۴۳
۹۵	اہل سُنت کہتے ہیں	۴۴۴
۹۶	تفسیر آیت تمکین	۴۵۷
۹۷	تیسری آیت	۴۵۸
۹۸	اس آیت کی تفسیر بھی چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے۔	۴۵۹
۹۹	فصل اوّل	۴۶۰
۱۰۰	فصل دوم	۴۶۵
۱۰۱	ایک نفیس تحقیق	۴۶۷
۱۰۲	فصل سوم۔ روایات اہل سُنت	۴۶۹
۱۰۳	روایات مخالفین صحابہ کرام رض	۴۷۴
۱۰۴	فصل چہارم	۴۷۹
۱۰۵	تفسیر آیت میراث ارض	۴۸۲
۱۰۶	آیت	۴۸۴

نمبرشمار	مضمون	صفحہ	نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۰۷	فصل اوّل	۴۸۷	۱۲۸	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۵۳
۱۰۸	فصل دوم	۴۸۹	۱۲۹	تفسیر آیت دعوت اعراب یعنی	
۱۰۹	فتح بیت المقدس کا واقعہ	۴۹۳		خلافت راشدہ اور قرآن،	۵۵
۱۱۰	مخالفین صحابہ کرامؓ کہتے ہیں۔	۴۹۶	۱۳۰	شرح الفاظ	۶۸
۱۱۱	اہل سنت کہتے ہیں	۴۹۷	۱۳۱	تفسیر آیات حفاظت قرآن	۹۸
۱۱۲	فصل سوم، ایک تاریخی واقعہ	۴۹۹	۱۳۲	پہلی آیت۔ دوسری آیت	۹۹
۱۱۳	تفسیر آیت معیت	۵۰۷	۱۳۳	تیسری آیت	۰۴
۱۱۴	گیارہویں آیت، آیت معیت	۵۰۸	۱۳۴	پہلی آیت انا له لحافظون کی	
۱۱۵	توضیح	۵۰۹		مکمل بحث۔ مبحث اوّل	۱۳
۱۱۶	تفسیر	۵۱۰	۱۳۵	مبحث دوم	۲۱
۱۱۷	شرح الفاظ	۵۱۶	۱۳۶	ان لوگوں کا نام جنہوں نے اس کو بیان کیا۔	۲۲
۱۱۸	استدلال	۵۱۸	۱۳۷	مبحث سوم	۵۳
۱۱۹	اعتراضات مخالفین	۵۲۰	۱۳۸	مبحث چہارم	۶۱
۱۲۰	تفسیر آیت اظہار دین	۵۲۳	۱۳۹	تفسیر آیت تطہیر	۷۳
۱۲۱	سورۂ توبہ	۵۲۴	۱۴۰	اہل سنت کہتے ہیں	۸۷
۱۲۲	تفسیر	۵۲۵	۱۴۱	باقی رہی حدیث کساء	۹۲
۱۲۳	استدلال	۵۴۰	۱۴۲	وہ حدیث یہ ہے	۹۵
۱۲۴	مخالفین صحابہؓ	۵۴۳	۱۴۳	عبارت تحفہ متعلق آیت تطہیر	۱۵
۱۲۵	جواب ان اقوال فاسدہ کا	۵۴۴	۱۴۴	اس حدیث کے فوائد	۱۷
۱۲۶	خلاصۃ الکلام۔ فریقین کی چند حدیثیں	۵۴۷	۱۴۵	تتمہ عشرۃ کاملۃ	۴۶
۱۲۷	چند نفیس نکتے	۵۵۲	۱۴۶	خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام	۵۰
			۱۴۷	تفسیر آیت تبلیغ	۵۳

قائد اہل سنت الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم

بانی و مرکزی امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان کی

تمام تصانیف اور ردّ رفض و بدعت پر جملہ مطبوعات

ملنے کا پتہ

(۱) سنّی دارالاشاعت جامع مسجد نواب دین کرم آباد وحدت روڈ لاہور ۱۶

(۲) مکتبہ حنفیہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلہ جہلم شہر

34388
حق چار یار

یا اللہ مدد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام اہل سنت رح

چودھویں صدی کی ایک عظیم شخصیت

از قلم قائد اہل سنت الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم
بانی و مرکزی امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ "تفسیر آیات قرآنی" ۱۳۸۶ھ میں جناب محمود الحسن و نور محمد تاجران کتب ۱۴ اے بی شاہ عالم گیٹ لاہور نے شائع کیا تھا جو نایاب ہے۔ اس کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت تھی اور احباب کا تقاضا بھی تھا۔ حق تعالیٰ کی توفیق خاص سے اس کا جدید ایڈیشن نئی کتابت کے ساتھ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب زید مجدہم مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم (امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب) شائع کر رہے ہیں۔ مضامین اور مباحث کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام "تحفہ خلافت" تجویز کیا گیا ہے۔ خداوند کریم اس عظیم علمی و تحقیقی تحفہ سے ملک و ملت کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام اہل سنت کے مختصر حالات زندگی

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رح لکھنؤ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ کاکوری میں بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ موافق ۱۰ جنوری ۱۸۷۷ء پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۸ سال کی عمر میں بمقام لکھنؤ بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ موافق ۲۲ اپریل ۱۹۶۲ء اس جہان فانی سے بعالم جاودانی رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بر آئنہ باد بنا چار باید شش نورشید
ز جام دہر سے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

آپ کے والد ماجد مولانا حافظ محمد ناظر علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولینا حافظ عبدالسلام نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ امام اہلسنت نے ابتدائی تعلیم سلوہ میں حاصل کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک جامع علم و عمل استاد حضرت مولانا سید عین القضاۃ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ جہاں آپ نے درسی کتب کی تکمیل کی۔ چنانچہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں :

حضرت مرحوم کی ذاتِ والا میں بہت سے اوصاف حق تعالےٰ نے ودیعت فرمائے تھے جو اس زمانہ میں کبریت احمر کہنے کے قابل ہیں۔ حضرت مرحوم نسباً سید تھے۔ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے وطن آپ کا حیدر آباد دکن تھا۔ اپنے والد ماجد جناب سید محمد وزیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ کم سنی میں لکھنؤ تشریف لائے اور پھر یہیں قیام ہو گیا۔ لکھنؤ میں آکر مسند الوقت حضرت علامہ ابوالحسنات مولانا الشیخ محمد عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ اکثر کتب درسیہ حضرت ممدوح سے اور بعض آپ کے منتہی طلبہ سے پڑھیں۔ حلقہ درس آپ کا اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ سلیقہ تعلیم اور طریقہ درس ایسا عمدہ تھا کہ جو شخص ایک کتاب بھی آپ سے سمجھ کر پڑھ لیتا، ایک قسم کی استعداد اس میں پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ حقیر ۱۳۰۹ھ میں وارد لکھنؤ ہوا حسب ذیل کتب جناب مرحوم سے میں نے پڑھیں۔ علم الفرائض، اقلیدس،

میبذی - میرزاہد رسالہ - میرزاہد ملاجلال - میرزاہد شرح مواقف - تحقیقات مرضیہ - حمداللہ - قاضی مبارک - صدرا - شمس بازغہ - مسلم الثبوت - خیالی مع حاشیہ سیالکوٹی - شرح چغمینی - بست باب اصطرلاب - شرح نخبۃ الفکر - مشکوٰۃ - بخاری - ترمذی - شمائل ترمذی - سب کتب میں اول سے آخر تک میری ہی قرأت ہوتی تھی آپ کا قاعدہ تھا کہ جو طالب العلم عبارت غلط پڑھتے تھے - صرف و نحو میں ان کی استعداد اچھی نہ ہوتی ان کو قرأت کی اجازت نہ دیتے تھے - باقی کتب درسیہ یہاں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں - رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین والحقہم بعبادہ الصالحین (النجم لکھنؤ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ)

النجم کا اجراء امام اہل سنت خود تحریر فرماتے ہیں کہ النجم کی اشاعت سے پہلے کچھ دنوں میرا قیام دہلی میں تھا غالباً یہ زمانہ ۱۳۲۲ھ سے قبل کا ہے - اس وقت سب سے پہلے رسالہ الاصلاح میری نظر سے گزرا جس میں یہ دلخراش مضمون کچھ عجیب انداز سے لکھا گیا تھا کہ شیخین رینی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) کا روضہ پیغمبر میں مدفون ہونا ناجائز ہے - اس لئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کے گھر میں بغیر اذن داخل ہونے کی ممانعت کی ہے - یہ پہلا دن تھا کہ شیعوں کے قلم سے ایک ناپاک حملہ بزرگان اسلام کی شان میں دیکھ کر دل کو صدمہ ہوا - اسی وقت میں نے اس کا جواب لکھا جو کرزن گزٹ میں شائع ہوا حالت یہ تھی کہ شیعوں کے خلاف اگر کوئی دفاعی مضمون بھی لکھا جائے تو کوئی اس کے چھاپنے پر راضی نہ ہوتا تھا - اس کے بعد جب لکھنؤ آنا ہوا تو یہاں کی حالت ہی دگرگوں پائی -

شیعوں کے مشہور واعظ مقبول احمد صاحب کا نیا نیا عروج تھا - امرائے شیعہ اپنے یہاں اعلانیہ مجلسیں کر رہے تھے اور مقبول احمد صاحب بیان فرماتے تھے

بیان کیا تھا کھلے الفاظ میں تبرّا ہوتا تھا۔ مراسم قدیم کی بنا پر سُنی بھی اُن مجالس میں شریک ہوتے تھے اور کئے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں تمام شہر میں ایک شور برپا ہوگیا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ گلی کوچوں میں جو شیعہ کسی سُنی کو دیکھ لیتا تھا اس سے کہتا تھا کہ دیکھو ہمارے مولوی صاحب تمہارے مذہب کا کس طرح رد فرما رہے ہیں۔ اب تمہارے میں کوئی نہیں جو جواب دے۔ اس وقت سے پہلے لکھنؤ میں کبھی شیعوں کی یہ جرأت نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ اپنی سلطنت کے زمانے میں بھی۔

استاذی المرحوم مولانا سید محمد عین القضاۃ صاحب نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اس فتنہ کا علاج بہت ضروری ہے۔ ادھر مولوی عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کا بھی اصرار ہوا۔ اور چونکہ بعض آخری کتابوں میں میرے ہم سبق تھے لہٰذا ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا۔ میں نے اس وقت مقبول احمد صاحب کو ایک خط لکھا کہ سنا گیا ہے کہ آپ اپنی مجالس میں مذہب اہل سنت پر اعتراض کیا کرتے ہیں اگر یہ سچ ہے تو میں چاہتا ہوں کہ ان اعتراضات کو آپ میرے سامنے بیان کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ اس خط کے پہنچتے ہی تمام مجلس میں ایک ہل چل پڑگئی اور کئی دن کے بعد اس خط کا یہ جواب ملا کہ میں اس وقت فیض آباد نواب شفا الدولہ کے خاندان کا طلبیدہ جا رہا ہوں۔ چنانچہ وہ تشریف لے گئے۔ مناظرہ پر کسی طرح راضی نہ ہوئے مگر تبرّا بازی بھی ترک نہ کی جس کی سزا اُن کو ملی یعنی ایک ہزار روپیہ جرمانہ ان پر ہوا۔

اس وقت لکھنؤ کی حالت یہ تھی کہ دو اخبار شیعوں کے یہاں سے نکل

لہ یہ مولوی مقبول احمد دہلوی بہت غالی شیعہ تھے۔ اپنے ترجمہ قرآن میں بھی انہوں نے سبِّ صحابہ کا فریضہ ادا کیا۔ اور ان کا ضمیمہ ترجمہ قرآن پاکستان میں ضبط ہوچکا ہے۔ مگر شیعوں نے اسے دوسرے نام سے علیحدہ بھی شائع کر دیا ہے (خادم اہل سنت غفرلہٗ)

رہے تھے۔ ایک الحکم اور دوسرا اخبار امامیہ، اور اصلاح اور شیعہ کھجوہ ضلع سارن سے نکلتا تھا۔ ان اخباروں میں جو ناقابل برداشت حملے مذہب اہل سنت پر ہوتے تھے ان کا کوئی جواب ہماری طرف سے نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی جواب دینے کا ارادہ بھی کرتا تو اس کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ ان سب حالات کو دیکھ کر النجم کا آغاز کیا گیا۔ النجم کے شائع ہوتے ہی شیعوں میں ایک غیر معمولی تگ ودو شروع ہوئی اور ہر قسم کی کوشش اس کے بند کرانے کے لئے کی گئی۔ مگر خدا کے فضل سے کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ کئی سال تک النجم اخباری شکل میں ہفتہ وار رہا۔ اس کے بعد پندرہ روزہ رسالہ کی صورت میں کر دیا گیا۔ اس کے بعد کچھ دنوں بند رہا پھر خدا کی تائید سے شروع ہوا۔ اور اب دور جدید میں پہلے تو ماہوار تھا مگر اب بعونہ تعالیٰ پندرہ روزہ ہے (النجم ۱۴ ذیقعدہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ)

النجم کا فیضان خاتم النبیین امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب مثل تاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے) قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔ سِرَاجًا مُّنِیْرًا یعنی آپ آفتاب رسالت ہیں۔ لہٰذا جو اہل ایمان بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے والے ہیں بلاشبہ وہ آفتاب رسالت کے انوار ہدایت سے منور ہو کر نجوم ہدایت بن گئے ہیں۔ ہر ہر صحابی کے سینے میں جو نور ایمان ہے وہ انوار نبوت کی شعاعوں کا ہی عکس ہے اور یہ وہی مقدس جماعت صحابہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں ہی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی قرآنی سند عطا فرما دی ہے۔

یعنی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ چونکہ امام اہل سنت کا مقصد اس رسالہ کے اجراء سے دفاع صحابہؓ ہی تھا۔ اس لئے آپ نے مذکورہ ارشاد رسالت کی روشنی میں اس کا نام النجم رکھا۔ یعنی ہدایت کا ستارہ النجم ایک خالص علمی اور دینی رسالہ تھا۔ جس کو حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے طفیل امام اہل سنت کی ہمت و استقامت سے صحیح معنوں میں ہدایت کا ستارہ بنا دیا۔ جس کا نور نہ صرف دورِ حاضر میں بلکہ صدیوں تک ان شاء اللہ تعالیٰ سے اہل ملت اسلامیہ کو ظلماتِ باطل میں نور ہدایت دیتا رہے گا۔ النجم میں امام اہل سنت نے سنی شیعہ نزاعی مسائل کے سلسلے میں ہر موضوع پر مدلل اور محققانہ مضامین لکھے ہیں اور یہ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی بھی النجم میں ہی شائع ہوتا رہا ہے حضرت مولانا نے ہر اس آیت قرآنی کی جامع اور محققانہ تفسیر لکھی ہے جس سے اصحاب رسول یا خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحقانیت ثابت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے آپ کی یہ ایک عظیم الشان دینی خدمت ہے جو دورِ حاضر میں اور کسی عالم دین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسی بنا پر علماء حق نے آپ کو امام اہل سنت کا عظیم خطاب دیا ہے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

حضرت تھانویؒ کا ارشاد

سنی شیعہ نزاعی مسائل میں امام اہل سنت کو حق تعالیٰ نے ایک اجتہادی شان عطا فرمائی تھی۔ اور اکابر دین بھی اس سلسلے میں آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ ایک سائل کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ:۔ اس کا جواب مجھ سے اچھا مولوی عبدالشکور صاحب مدرس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ دیں گے۔ (النجم ماہ شعبان ۱۳۴۲ھ)

حالانکہ یہ امام اہل سنت کا ابتدائی دور تھا جس میں وہ ایک دینی مدرسہ میں

صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت دین کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ باوجود خلوت نشین بزرگ ہونے کے حضرت تھانوی قادیانیوں اور شیعوں سے عدم اشتراک کی تاکید فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ:۔ اٹاوہ سے خط آیا کہ حضور جلسے میں ضرور شریک ہوں اور اس جلسہ میں قادیانی اور شیعہ وغیرہ بھی شریک ہوتے تھے اور خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر حضور سب کیساتھ شریک نہ ہوں تو اوروں کی تقریر کے وقت حضور کو وہاں نہیں رکھیں گے۔ حضور علیحدہ رہیں۔ مولینا نے فرمایا کہ لوگ اس قدر نہیں سمجھتے کہ جن مخالفین کو مدعو کیا اور متعدد اُنے جلسہ بنایا۔ کل کو اگر وہ اپنے عقائد سکھانے لگیں تو اس کے انسداد کا کیا طریق ہوگا۔ لوگ اس قسم کی کارروائی صرف شہرت اور نمود کے لئے کرتے ہیں۔ مخالفین کا اسلامی جلسوں میں کیا کام۔ سوائے ضرر کچھ نہیں ہوتا اور اگر میں جلسے کے وقت شریک نہ ہوں تو یہ کب ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ گمراہی پھیل رہی ہو اور میں اسی شہر میں حجرے میں بیٹھا رہوں۔ مولانا نے جواب یہ لکھا کہ کیا آپ میرے وعظ کا جلسہ اس کے بعد نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا کریں تو میں آسکتا ہوں۔" (مقالات حکمت ص۱۵۸)

حضرت مدنیؒ کی نظر میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے شیعہ فرقہ کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب کو ہیں۔ ان سے دریافت کرنا چاہیئے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم مکتوب ص۵۵)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی استبداد سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے سیاسیات میں بھرپور قائدانہ حصہ لیا تھا لیکن اس کے

باوجود آپ نے دفاع صحابہؓ کا فریضہ بہرحال انجام دیا ہے۔ ادبہ لکھنو کی مدح صحابہؓ تحریک کے سلسلہ میں مدح صحابہ کے وجوب پر مدلل مضامین لکھے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب سیکریٹری صاحب مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ لکھنو کے نام اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں ''احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثناء وصفت، ان سے محبت رکھنے کی تاکید، ان کی شان میں گستاخی کی مذمت۔ ان کی تابعداری کرنے کا حکم، ان کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ، عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لیکچر دیتے ہوئے خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثنا وصفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے۔ (دیکھیے درمختار شامی عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسب تصریح امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص۱۵) اس کو شعار اہل سنت و جماعت بھی قرار دیا گیا ہے الخ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم مکتوب نمبر ۱۷) امام اہل سنت نہ صرف ایک علامہ محقق تھے بلکہ آپ نقشبندی مجددی سلسلہ کے شیخ طریقت بھی تھے۔ آپ نے نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا شاہ عبد اللہ ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا تھا۔

امام اہل سنّت کی جامعیت | حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضہم (بانی ماہنامہ الفرقان بریلی (حال لکھنو) جو ایک صالح عالم و بزرگ ہیں) نے امام سنت کی وفات کے بعد الفرقان میں ایک مضمون بعنوان ''حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی مجددی میری واقفیت اور تاثرات'' لکھا تھا جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

اکثر ناظرین کو اخبار اور دوسرے ذرائع سے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہو چکی ہو گی کہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ دوشنبہ کے دن مغرب سے کچھ پہلے اہل سنت کے جلیل القدر ربانی عالم اور نقشبندی مجددی سلسلہ کے صاحب مقام اور صاحب ارشاد شیخ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقیؒ نے ہماری اس

دنیا سے دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اَللّٰھُمَّ اغفرلہ ولا تُضِلَّنَا بعدہٗ

(۲) اپنے وقت کے ایک مشہور صاحب لسان اور صاحب قلم عالم اور ہفتہ وار النجم لکھنؤ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے حضرت مولانا کا تذکرہ تو میں اپنے بچپن سے سنتا تھا لیکن زیارت کا اتفاق سب سے پہلے اب سے تقریباً ۴۸ ، ۴۹ سال قبل (غالباً ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء) جمعیت علمائے ہند کے اجلاس منعقدہ مُراد آباد میں ہُوا تھا ۔ اپنے تصور کے بالکل خلاف مولانا کی ہیئت اور وضع قطع دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی ۔ بالکل پُرانے قسم کے سیدھے سادے علما کی وضع تھی ۔ سر پر پرانے علما کا سا عمامہ جسم پر قبا ، ہاتھ میں لاٹھی تما عصا "

(۳) پھر اسی سال کچھ عرصہ کے بعد ایک ضرورت سے امروہہ میرا جانا ہُوا ۔ میں ان دنوں منطق و فلسفہ اور اصول فقہ و علم کلام کی آخری کتابیں پڑھ رہا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ مولانا آج کل مدرسہ اسلامیہ چلّہ (امروہہ) میں صدر مدرس ہیں ۔ میں مولانا کی زیارت کے ارادہ سے نیز اس نیّت سے کہ موقع ملے گا تو کسی سبق میں بھی شریک ہو کر استفادہ کروں گا ۔ مدرسہ گیا ، لیکن اس وقت اتفاق سے طب کی مشہور کتاب نفیسی کا آپ کے یہاں درس ہو رہا تھا ۔ میں بیٹھا تو پورے سبق میں رہا لیکن وہ میری دلچسپی کی چیز نہیں تھی ۔ البتہ یہ بات اسی دن معلوم ہوئی کہ مولانا فن طب کے بھی فاضل ہیں ۔

(۴) رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد اتفاق سے تین سال میں اسی مدرسہ اسلامیہ میں مدرس رہا جس سے مولانا کا تعلق رہا تھا ۔ اس مدرسہ کے اکثر کارپرداز اور ارباب انتظام چونکہ حضرت مولانا سے عقیدت و ارادت کا خاص تعلق رکھتے

تھے اور اس تعلق کی وجہ سے مولانا نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولوی عبدالمومن صاحب فاروقی کو تعلیم کے لئے وہاں بھیج دیا تھا۔ اس لئے سال میں دو چار مرتبہ ضرور مولانا کی تشریف آوری امروہہ میں ہوتی تھی، اور میری طبیعت کو چونکہ مولانا سے خاص مناسبت تھی اور مذاہبِ باطلہ اور فرقہائے ضالہ کی تردید سے اس زمانہ میں راقم السطور کو بھی گہری دلچسپی تھی اور مولانا بھی انہی وجوہ سے ناچیز پر خاص الخاص عنایت و شفقت فرماتے تھے اس لئے ہر ملاقات میں ربط و تعلق بڑھتا اور گہرا ہوتا رہا۔

(۵) "علمی رسوخ" کے تحت لکھتے ہیں مد جن لوگوں کو مولانا کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا، اُن کو غالباً بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ ممدوح صرف مناظر و مصنف ہی نہیں بلکہ علمائے راسخین میں سے تھے۔ نامور اصحاب درس کی سی ٹھوس علمی استعداد اور اپنے دائرہ میں مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس کے ساتھ قدرت نے حافظہ بے نظیر دیا تھا۔ راقم سطور نے اپنی عمر میں بہت کم حضرات ایسے قوی الحافظہ دیکھے ہیں سلامتی فہم کے ساتھ ذہانت و ذکاوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حصہ وافر عطا فرمایا تھا ان سب چیزوں کے جمع ہونے کی وجہ سے خالص علمی حیثیت سے بھی مولانا کا مقام بہت بلند تھا۔ علوم دین کے مختلف شعبوں میں سے علم قرآن سے خاص شغف تھا آپ کا سلسلہ تفسیر آیات آپ کے تدبّر فی القرآن کی زندہ اور باقی رہنے والی شہادت ہے۔

(۶) مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا لکھنویؒ کا نماز اور قرآن کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ تعلق بالقرآن کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "دوسری قابلِ ذکر خصوصیت قرآن مجید کے ساتھ حضرت مولانا کا خاص شغف اور تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے چھ صاحبزادے عطا فرمائے (جن میں سے دو[1] کا سامنے انتقال

---

[1] یہ دو صاحبزادے مولانا عبدالغفور صاحب مرحوم اور مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب فاروقی اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب امام اہل سنت کی حیات میں ہی آپ کے زیر سایہ

ہو چکا ہے) ان میں سے چار حافظ قرآن ہوئے اور دو بھائی اپنی بیماری کی وجہ سے پورا قرآن حفظ نہیں کر سکے تھے۔ اگرچہ حضرت مولانا نے اس کے لئے پوری کوشش فرمائی۔ مولانا پہلے خود حافظ قرآن نہیں تھے لیکن اب سے چند سال قبل بالکل بڑھاپے کے دور میں خود محنت کر کے حفظ کیا اور زندگی کے ان چند اخیر سالوں میں تو بس تلاوت قرآن ہی ان کا دن رات کا شغل اور وظیفہ تھا۔ گزشتہ آٹھ دس سال میں صبح یا شام جس وقت بھی حاضری کا اتفاق ہوا یہی دیکھا کہ قرآن مجید سامنے ہے اور اس کی تلاوت میں مشغول ہیں۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ اپنے خاص اہل محبت اور نیاز مندوں تک کا زیادہ آنا اور دو چار منٹ سے زیادہ بیٹھنا باعث گرانی ہونے لگا تھا۔ اس گرانی کا اظہار زبان سے تو میں نے کبھی نہیں سنا لیکن دو تین ہی منٹ کے بعد چہرے سے محسوس ہونے لگتا تھا کہ انہیں شغل تلاوت کا یہ انقطاع شاق ہو رہا ہے اور وہ منتظر ہیں کہ آنے والا رخصت ہو تو وہ اپنے شغل میں مشغول ہوں۔"

(۷) مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت۔ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے

تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے۔"

امام اہل سنّت کا خاص موضوع

(۸) حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں :- اگرچہ حسب ضرورت مولانا نے مناظرے عیسائیوں سے بھی کئے۔ آریہ سماجیوں اور قادیانیوں سے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے فرقہ ہائے ضالہ سے بھی۔ لیکن مولانا کا خاص موضوع شیعی حملوں سے صحابہ کرام رضؓ اور مسلک اہل سنت کی حفاظت اور ان کا دفاع اور مذہب شیعہ کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت قائم کرنا تھا۔ اور یہ وہ موضوع ہے، جو ہندوستان کے خاص تاریخی حالات کی وجہ سے اس ملک کے اکابر علماء و مصلحین کی علمی اور دینی کوششوں کا صدیوں سے خاص موضوع رہا ہے۔ اب سے قریباً ساڑھے تین سو سال پہلے گیارہویں صدی ہجری میں تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے معاصر بیہقیٔ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد استاد الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے تلامذہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

الغرض اپنے اپنے زمانے میں ان سب ہی حضرات کی دینی اور اصلاحی کوششوں کا خاص موضوع اور ہدف (ان خاص تاریخی اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) یہی مسئلہ[1] رہا جس شخص نے اس موضوع سے متعلق ان

---

[1] چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور رسالہ رد الرفضہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین وغیرہ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی تحفہ اثنا عشریہ۔ سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس وسیلۃ النجاۃ۔ فتاویٰ اور مکتوبات وغیرہ۔ علامہ حیدر علی کی ازالۃ الغین اور منتہی الکلام (باقی اگلے صفحہ پر)

اکابر کی کتابیں دیکھی ہیں اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے اس سے بھی وہ واقف ہے۔ اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا نے اس موضوع کو اپنے ان پیشرو اکابر سے کئی گنا زیادہ نکھارا۔ اور ایک سعادت مند پیرو کار کی طرح ان کے کام کی تکمیل کرکے ان کی روحوں کو شاد اور مطمئن کیا۔ اس ناچیز کا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا کی تحقیق و تنقیح نے اس دائرے کے کئی بنیادی مسئلوں کو جو علمی اور نظری تھے۔ اور ان کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے تھے ایسا بدیہی بنا دیا کہ عامیوں کے لئے بھی ان کا سمجھنا آسان ہو گیا۔

امام التبلیغ کی شہادت

(۹) امام اہل سنت کے تعارف کے سلسلہ میں ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔ آخر میں اس دور کے ایک مسلّم عارف بلکہ یقین و معرفت کے امام حضرت مولینا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارشاد پر تاثرات کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت مولانا اپنے وصال کے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے تھے اور قریباً ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا تھا۔ ایک روز دارالعلوم کی مسجد کے وضوخانہ میں وضو فرما رہے تھے۔ دارالعلوم کے دو تین اساتذہ بھی ساتھ بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ مولانا معین اللہ صاحب ندوی (موجودہ ناظر شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء) مولانا کے بالکل سامنے بیٹھے وضو کر رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶) حضرت نانوتویؒ کی ہدایۃ الشیعہ، اجوبۂ اربعین، مکتوب شہادت حسین اور الاسولۃ الکاملۃ فی الاجوبۃ الکاملۃ۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ہدایۃ الشیعہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ کی مطرقۃ الکرامۃ اور ہدایات الرشید وغیرہ ایسی محققانہ تصانیف ہیں جن کے ذریعہ ان اکابر اسلام نے مذہب اہل السنت والجماعت کی حقانیت کو آفتاب نصف النہار کی طرح ثابت کر دیا ہے۔ (خادم اہل سنت غفرلہ)

حضرت مولانا کی ان پر شفقت و عنایت کی خاص نظر تھی۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا میاں مولوی معین اللہ! حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں حضرت جانتا ہوں۔ زیارت بھی کی ہے؟ فرمایا نہیں۔ تم نہیں جانتے، پھر فرمایا۔ وہ امام وقت ہیں۔ لکھنؤ کے اسی سفر میں ناچیز راقم سطور بھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمرکاب تھا۔ ایک صحبت میں (اب یاد نہیں کس سلسلہ میں) خود مجھ سے فرمایا کہ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ (حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال چند ہی روز پہلے ہو چکا تھا) الخ (ماخوذ از ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ) دورِ حاضر کے امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کو امام وقت قرار دینا ایک عظیم سند ہے۔ اور امام وقت یا امام اہل سنت کا مفہوم ایک ہی ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام اہل سنت نے اپنی تمام تر توجہ ان دو مسئلوں کی طرف مبذول کی ہے

(۱) عقیدۂ امامت (۲) عقیدہ تحریف قرآن

عقیدۂ امامت اور خمینی

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں اصول دین تین ہیں۔ جن کی تعلیم ہر پیغمبر علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کو دی ہے۔ یعنی توحید۔ نبوت۔ قیامت، اور قرآن مجید میں بار بار انہی تین اصولوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے لیکن شیعہ مذہب میں اصول دین پانچ ہیں:۔ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت۔، اور ان کی ہر دینی کتاب میں انہی

پانچ اصولوں کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ العوام مطبوعہ لکھنؤ حصہ اوّل ص۲)

(۲) جدید مستند شیعہ نماز۔ ناشر کتب خانہ شاہ نجف اندرون موچی دروازہ لاہور)

(۳) مذہب اثنا عشری کے لئے دینیات کی پہلی کتاب مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور) اس کتاب کے ص۱۶ پر لکھا ہے :۔ دین کی جڑیں پانچ ہیں۔ اوّل توحید یعنی اللہ ایک ہے۔ دوسری عدل۔ اللہ عادل ہے۔ تیسری نبوت۔ محمدؐ اس کا نبی ہے۔ چوتھی امامت۔ امام بارہ ہیں۔ نبی کے بعد ان کا مرتبہ افضل ہے اور پانچویں قیامت :۔ جو خدا کو وحدہ لاشریک اور عادل نہ جانے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی نہ سمجھے۔ بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہو اور قیامت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ وہ کافر ہے مسلمان نہیں ۔" یہ کتاب ۱۹۲۷ء کی تصنیف ہے اور اس پر شیعہ مجتہد سید علی الحائری اور شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری کی تقریظیں ہیں۔

(۴) بھٹو دورِ حکومت میں سرکاری سکولوں کے لئے جو شیعہ نصاب منظور ہوا تھا اس کی کتاب اسلامیات لازمی برائے جماعت نہم ودہم (شیعہ طلبہ کے لئے) حصہ دوم ص۲ پر اصول دین کے تحت لکھا ہے :۔ دین کی جڑیں پانچ ہیں : توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت۔

دورِ حاضر میں ایران کے انقلابی سربراہ خمینی صاحب کا بھی امامت کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو تمام شیعہ اثنا عشریہ کا ہے چنانچہ :۔

(۱) خمینی صاحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نامزدِ امامت و خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں :۔ خدا تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ آنحضرتؐ پر لازم و واجب قرار دیا کہ یہیں وسط بیابان میں امر خلافت کا تعین کریں۔ رسول اکرمؐ نے قانون کے حکم سے اور قانون کی اتباع میں حضرت امیر کو خلافت کے لئے متعین فرمایا نہ اس لئے

کہ وہ آپ کے داماد تھے یا انہوں نے خدمات انجام دی تھیں بلکہ آپ حکم و قانون کے مامور تھے۔" (حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ ص۳۲، ناشر کتب خانہ شاہ نجف، اندرون موچی دروازہ لاہور ۳)

(۲) خمینی صاحب کی ایک تصنیف کشف اسرار ہے۔ اس میں لکھتے ہیں "امامت یک اصل مسلّم است کہ خدا آں را در قرآن ذکر کردہ" ص۱۴۰ یعنی امامت ایک اصل مسلّمہ اصول دین میں سے ہے جس کا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے۔"

(۳) کشف اسرار ص۱۲۱ پر خمینی صاحب نے اہل سنت اور اہل تشیع کے ابتدائی اصولی اختلاف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "شیعیان بعد از گزشتن پیغمبر اسلام با سنّیان دریں دو موضوع کہ حکم ہر دو را از خود گرفتیم۔ مخالفت داشتند در روز ہائے اوّل بزرگان از اصحاب پیغمبر کہ تمام اسلامیان آنہا را بہ بزرگی یاد کردند واحدئی در بارہ آنہا چیزے نگفتہ کہ دامن پاک آنہا را آلودہ کند۔ چوں امیرالمومنین علی بن ابی طالب وحسن وحسین وسلمان وابی ذر ومقداد وعمار وعباس و ابن عباس وامثال آنہا برخلاف برخاستند وخواستند کہ گفتہ خدا و پیغمبر را در باب اولوالامر اجرا کنند۔ لکن دستہ ندیدہا کہ از اوّل پیدائش بشر تاکنوں حکم خردمنداں را فلج کردہ وطمع دہوسہا کہ در ہر زماں حق وحقیقت را پامال کردہ آں روز نیز کار خود را کرد وبشہادت تواریخ معتبرہ ایشاں بکار دقت پیغمبر مشغول بودند کہ جلسہ ثقیفہ ابوبکر را بحکومت انتخاب کرد وایں خشت کج بنا نہادہ شد۔ پس از دور اوّل اسلام باز ایں گفتگو در بین ایں دو دستہ بود۔ شیعیان کہ پیروان علی ہستند می گویند کہ امامت را باید خدا تعیین کند بحکم خود۔ وخلفاء وسلاطین لائق آں نیستند۔ وعلی واولاد معصومین او اولی الامر اند کہ خلاف گفتہائے خدا ہیچ گاہ نگفتہ ونگویند وایں نیز بتعیین پیغمبر اسلام

است چنانچہ پس ازیں ذکر آں می شود و ثابت می کنم کہ پیغمبر اسلام تعین امام کردہ و آں علی بن ابی طالب است :-

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ان ہر دو موضوع میں (جن کا تعلق امامت سے ہے) جن کا حکم ہم نے عقل سے دریافت کیا ہے شیعہ روز اوّل سے ہی سُنیوں سے مخالفت رکھتے ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کے وہ بزرگ اصحاب جن کو تمام مسلمان بزرگ تسلیم کرتے تھے اور کسی ایک نے بھی ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ان کے پاک دامن کو آلودہ کرے مثلاً امیر المومنین علی بن ابی طالب۔ حسن حسین۔ سلمان فارسی۔ ابو ذر غفاری مقداد۔ عمار بن یاسر۔ عباس ابن عباس وغیرہ مخالفت میں اُٹھے، اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اولی الامر کے بارے میں خدا اور پیغمبر کا فرمان جاری کریں لیکن گروہ بندیوں نے کہ انسان کی پیدائش کے روز اوّل سے ہی عقلمندوں کے حکم کو مفلوج کیا ہے اور طمع اور ہوس نے کہ ہر زمانہ میں حق اور حقیقت کو پامال کیا ہے اس دن بھی اپنا کام کیا اور معتبر تواریخ کی شہادت ہے کہ یہ مذکورہ بزرگ اصحاب جب پیغمبر علیہ السلام کے دفن کے کام میں مشغول تھے سقیفہ کے اجلاس نے ابوبکر کو حکومت کے لئے منتخب کر لیا اور اسی دن اس ٹیڑھی اینٹ کی بنیاد رکھی گئی۔ اسلام کے دور اوّل کے بعد پھر ان دونوں (سنی و شیعہ) گروہوں کے درمیان یہ گفتگو جاری رہی ہے۔ شیعہ کہ حضرت علی کے پیرو ہیں یہ کہتے ہیں کہ عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ امام کا تعین خدا کے ذمہ ہے اور خلفاء اور سلاطین اس کے لائق نہیں ہیں اور علیؑ اور ان کی معصوم اولاد ہی اولی الامر ہیں الخ

حضرت علی المرتضیٰ کی امامت کی بنیاد پر خمینی صاحب نے اس کتاب میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو العیاذ باللہ مخالف قرآن قرار دیا ہے چنانچہ ایک عنوان ہی یہ لکھا ہے :- " مخالفتہائے ابوبکرؓ بانص قرآن "۔ اس کے بعد یہ عنوان ہے " مخالفت عمرؓ با قرآن خدا " خمینی صاحب کی مزید عبارتیں اور انکے عقائد کی تفصیل میری کتاب " میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ " وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

عقیدہ تحریف قرآن اس بحث کو بھی حضرت امام اہل سنت نے دلائل و براہین کے ساتھ لکھا ہے ملاحظہ ہو :- تنبیہ الحائرین وغیرہ۔

(۲) ایک شیعہ مجتہد علامہ حسین بن محمد تقی النوری نے تو تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے " فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب "۔

(۳) پاکستان کے ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن میں بارہ اماموں کے نام پہلے مذکور تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں " کہا جاتا ہے کہ اگر مسئلہ امامت اس قدر اہم تھا کہ جتنا شیعہ حضرات خیال کرتے ہیں تو خداوند عالم نے ائمہ کے اسمائے گرامی صراحتاً قرآن میں کیوں نہ ذکر کر دیئے تاکہ مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف ختم ہو جاتا۔ اور سب مسلمان ایک مسلک میں منسلک ہو جاتے "۔ اس اعتراض کا الزامی جواب دینے کے بعد تحقیقی جواب یہ دیتے ہیں کہ :- فریقین کی روایات کے مطابق ائمہ اطہار کے اسمائے گرامی قرآن مجید میں موجود تھے مگر جمع قرآن کے وقت ان کو حذف کر دیا۔ چنانچہ ہماری تفسیر صافی صد ۹ مقدمہ ششم طبع ایران بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے فرمایا - لَوْ قُرِئَ الْقُرْآنُ كَمَا اُنْزِلَ لَاَلْفَيْتُمُونَا مُسَمَّيْنَ - اگر قرآن کو اس

طرح پڑھا جاتا جس طرح وہ نازل ہوا تھا تو تم اس میں ہمیں نام بنام موجود پاتے" (کتاب اثبات الامامت طبع دوم ص۲۱)

قرآن کی خلافت راشدہ موعودہ

شیعہ مذہب میں منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے اور ان کے بارہ امام بذریعہ وحی قیامت تک کیلئے نامزد کئے گئے ہیں اور یہ امام انبیاء سابقین علیہم السلام سے افضل ہیں۔ العیاذ باللہ۔ لیکن یہ عقیدہ امامت بالکل بے بنیاد ہے جس کا موجودہ قرآن سے ثبوت نہیں مل سکتا۔ البتہ مذہب اہل السنت والجماعت میں گو مسئلہ خلافت کا تعلق فروع دین سے ہے لیکن خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک پیش گوئی اور وعدۂ خداوندی کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے اس پہلو سے خلفائے اربعہ کی خلافت کو بعد از نبوت اصول دین میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:-

> دریں زمانہ بدعت تشیع آشکارا شد و نفوس عوام بشبہات ایشاں متشرب گشت و اکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک ہم رسانیدند۔ لاجرم نور توفیق الٰہی در دل ایں بندہ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ خلافت ایں بزرگواراں اصلیست از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود الخ۔

اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہوگئی ہے اور عام لوگوں

کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہوگئے ہیں۔ اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا توفیق الٰہی کی روشنی نے اس بندہ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہُوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصولِ دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہوگا۔" (ازالۃ الخفاء جلد اوّل ص۸ ترجمہ امام اہل سنت مولانا لکھنوی ؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ خلفائے اربعہ کی خلافت کو سورۃ النور رکوع ۷ کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج رکوع ۶ کی آیت تمکین سے ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔ نکتہ دیگر بفہمی وآں آنست کہ دو آیت آیت استخلاف و آیت تمکین دریک قصہ است مقصود واحد است و تعبیر مختلف الخ ۔ ایک اور نکتہ بھی سمجھ لو وہ یہ کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین ایک ہی بات بیان کر رہی ہیں ۔ مقصود دونوں کا ایک ہے عبارت مختلف ہے ۔الخ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص۹۰)

فارسی ترجمہ قرآن مسمیٰ بہ فتح الرحمٰن کے حاشیہ پر آیت استخلاف کے تحت حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔ از حدیث آمدہ است الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ واللہ اعلم (حدیث میں آیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی ۔ واللہ اعلم) چونکہ تیس سالہ خلافت کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی ہے ۔ اس کیلئے حضرت شاہ صاحب کے نزدیک آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں ۔

ایک شبہ کا ازالہ | امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب

لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "پس یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے کہ حضرت علیؓ کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا۔ لہٰذا ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت ہرگز نہیں ہوسکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہٗ کہے جا سکتے ہیں۔ پس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مومنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت سے موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے۔" (تفسیر آیات قرآنی)

امام اہل سنت کی مندرجہ عبارت سے خارجی بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا مصداق نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) خلافت کے موضوع پر بعض مناظرات میں امام اہل سنت نے شیعہ مناظر کے مقابلے میں یہی استدلال کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک الزامی جواب ہے۔ کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں بھی احکام شریعت نافذ نہیں کر سکے (ملاحظہ ہو فرع کافی کتاب الروضہ صفحہ ۲۹ مطبوعہ لکھنؤ) اور چونکہ شیعہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کے منکر ہیں۔ اس لئے امام اہل سنت کا مقصد دراصل خلفائے ثلاثہ کی حقانیت کا اثبات ہے۔ (۲) امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں کا مجموعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نہیں پایا گیا۔ نہ یہ کہ مذکورہ تین نعمتوں سے کوئی بھی نہیں پائی گئی۔ چنانچہ اس سے پہلے حضرت مرحوم خود یہ لکھ چکے ہیں کہ "اہل سنت کہتے ہیں کہ دو نعمتیں ان کو ملی ہیں استخلاف فی الارض کی نعمت ان کو حاصل تھی۔ کیونکہ اہل حل وعقد یعنی مہاجرین وانصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہؓ کا تھا اور وہ دین تمکین

پاچکا تھا البتہ ایک نعمت امن کی ان کو حاصل نہ تھی کیونکہ ان کے عہد میں باہم مسلمانوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ امن و اطمینان کسی کو نہ تھا"۔ لیکن بعض دوسرے مفسرین نے خوف سے مراد خوف کفار لیا ہے اور وہی خوف اس وقت صحابہ کرامؓ کو تھا۔ چنانچہ علامہ آلوسی مرحوم اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔ واستدل کثیر بھذہ الاٰیۃ علی صحۃ خلافۃ الخلفاء الاربعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم:۔ (اور بہتوں نے اس آیت سے خلفائے اربعہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ولم یقع ذلک المجموع الا فی عھدھم فکان کل منھم خلیفۃ حقا باستخلاف اللہ تعالیٰ ایاہ" اور یہ مجموعہ (نعمتوں کا) صرف انہی خلفائے اربعہ کے عہد میں ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ بنانے کی وجہ سے ہر ایک برحق خلیفہ تھا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں جو اندرونی خلفشار رہا آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔ وکذا لا ینافیہ ماوقع فی خلافۃ عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما من الفتن لان المراد من الامن الامن من اعداء الدین وھم الکفار کما تقدم:۔ اور اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں جو فتنے پیدا ہوئے ہیں یہ امن کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں دین کے دشمنوں یعنی کفار کے خوف سے امن مراد ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ (تفسیر روح المعانی سورۃ النور) (۲) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ چاروں خلفاء کے دور میں پایا گیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔ اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالۂ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لئے تھا" (ہدیۃ الشیعۃ طبع قدیم ص۵۶) (۳) شیخ الاسلام علامہ

شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں :۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہو گا ان مقبول و معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہو گی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے الحمد للہ کہ یہ وعدہ انہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا"

(ترجمہ شیخ الہند فوائد عثمانی) (۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ بھی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں :۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا پہلے خلیفوں سے اور زیادہ ۔ پھر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا ۔ جو کوئی ان کی خلافت سے منکر ہوا اس کا حال سمجھا گیا ۔ (موضح القرآن) (۵) خود امام اہل سنت نے اس مضمون کے آخر میں مفسرین اہل سنت کے جو اقوال لکھے ہیں ان میں بھی اکثر آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ کو ہی قرار دیا ہے :۔ چنانچہ امام اہل سنت نے ان میں روح المعانی کی بھی مندرجہ بالا عبارت لکھی ہے ۔ اور جن تفاسیر میں آیت کا مصداق خلفائے راشدین کو قرار دیا ہے ان سے مراد بھی یہی خلفائے اربعہ ہیں امام اہل سنت نے آخر میں تفسیر غایۃ البرہان کا حوالہ بھی دیا ہے جس کی آخری عبارت یہ ہے :۔ اور عمرؓ کے بعد یوسا نوس کی طرح سے عثمانؓ خلیفہ ہوتے ان کے آخر زمانہ میں جیسے بنی اسرائیل نے کفران نعمت کی ویسے ہی خارجیوں نے کفران نعمت کی کہ خلیفہ برحق پر خروج کیا اور سخت خرابی اہل اسلام میں واقع ہوئی تو علی مرتضیٰؓ خلیفہ برحق ہوئے ان پر بھی خروج ناحق ہوا اس سے صاف تمثیل کی حقیقت ظاہر ہوئی ۔

راقم سطور (خادم اہل سنت غفرلہٗ) نے اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول ص۸۶ پر امام قرطبی، قاضی ابوبکر بن العربی اور امام رازی رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں پیش کی ہیں جن میں آیت استخلاف کا مصداق خلفائے اربعہ ہی کو قرار دیا گیا ہے ۔

امام رازی کی عبارت امام رازی تفسیر کبیر میں آیت استخلاف کے تحت

لکھتے ہیں۔ المراد بھذا طریقۃ الامامۃ و معلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذی ھذا وصفہ انما کان فی ایام ابی بکر و عمر و عثمان لان فی ایامھم کانت الفتوح العظیمۃ وحصل التمکین وظھور الدین الامن ولم یحصل ذلک فی ایام علیؓ۔ امام اہل سنت نے بھی یہ عبارت نقل فرمائی ہے اور ترجمہ یہ لکھا ہے:۔ "مراد اس استخلاف سے وہی طریقہ امامت یعنی خلافت کا ہے اور معلوم ہے کہ جس استخلاف کی یہ صفت ہے وہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہی کے زمانہ میں پایا گیا۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات ہوئے اور تمکین اور غلبہ دین اور امن حاصل ہوا۔ اور یہ باتیں علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں پائی گئیں"۔ امام رازی کی اس عبارت سے بھی یہی شبہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت آیت استخلاف کا مصداق نہیں ہے۔ لیکن اس شبہ کا ازالہ امام رازی ہی کی حسب ذیل عبارت سے دور ہو جاتا ہے:۔ دلت الایۃ علی امامۃ الائمۃ الاربعۃ" (تفسیر کبیر) "یہ آیت چاروں اماموں (یعنی خلفاء) کی امامت (خلافت) پر دلالت کرتی ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام رازیؒ کے نزدیک ولم یحصل ذلک فی ایام علیؓ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موعودہ صفات حضرت علیؓ کے دور خلافت میں بالکل نہیں پائی گئیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خلفائے ثلٰثہ کے دور خلافت کی طرح ان کے دور میں وہ قوت و شوکت نہیں تھی اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ آیت میں وَلَيُمَكِّنَنَّ لهم دينهم الذی ارتضی لھم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان خلفا کے دور میں اللہ اپنے پسندیدہ دین اسلام کو تمکین و طاقت دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی دین اسلام ہی مکمل طور پہ نافذ تھا جو خلفائے ثلٰثہ کے دور میں تھا۔

اہلِ سنّت کا اصل استدلال

شیعہ اور خوارج کے مقابلہ میں زیر بحث آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی خلافت حقّہ کے لیئے طرز استدلال یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے نزول آیت کے وقت موجود مومنین صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس وعدہ کی تکمیل کی یہ صورت ظاہر ہوئی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذو النورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہی کو ان حاضرین صحابہ میں سے خلافت ملی ہے اور ان میں ہر خلیفہ کو تمکین دین اور حصول امن دین کا حق تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جن حضرات کو ان میں سے خلافت ملی ہے ان کو دوسری نعمتیں نہ نصیب ہوں ورنہ وعدہ خداوندی کا پورا نہ ہونا لازم آتا ہے اور شیعہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ خلفاء ثلاثہ کو خلافت ملی ہے اور نہ خارجی اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو خلافت ملی ہی نہیں۔ اس لیئے لازماً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جن جن کو خلافت ملی ہے ان سب کو مذکورہ نعمتیں بھی ملی ہیں۔ یہاں محمود احمد صاحب عباسی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ازالۃ الخفا کی عبارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی جس کا جواب بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں دے کر عباسی تلبیس و غلط بیانی کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

آیت تمکین کا مصداق

امام اہلِ سنّت مولینا لکھنویؒ آیت تمکین کی تشریح کرتے ہوئے فصل دوم میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اس آیت تمکین کی دلالت حضرات خلفائے ثلاثہ کی حقیقت پر ایسی واضح ہے کہ ہر محقق بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین میں سے تھے، دوم یہ کہ ان تینوں بزرگوں کو تمکین فی الارض یعنی زمین کی حکومت ملی، یہ دونوں باتیں ایسی بدیہی ہیں۔

کہ نہ آج تک کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے اور جب یہ دونوں باتیں قطعی اور مسلم الکل ہیں تو تیسری بات خود بخود آیت سے ثابت ہوگی کہ ان تینوں بزرگوں نے اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا اور ایسا عمدہ ادا کیا کہ کتاب اللہ میں قابل ذکر قرار پایا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ خدا کا کلام غلط ہو جائے الخ

اس تشریح سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام اہل سنت کے نزدیک آیت تمکین کا مصداق بھی خلفائے ثلاثہ ہی ہیں لیکن اس کے بعد صـ پر آپ نے حضرت علیؓ کے لئے بھی اس آیت کا مصداق ہونے کی تصریح کر دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کئے ان کاموں کو پسندیدہ خدا ہونے کا یقین رکھیں"

تفسیر آیت تمکین کے آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عبارت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ آیت استخلاف میں وقت نزول آیت مومنین صالحین کو موعود لہم قرار دیا اور آیت تمکین میں خاص کر مہاجرین کو۔ معلوم ہوا آیت استخلاف میں مومنین صالحین سے مہاجرین ہی مراد ہیں، اور کون عمل صالح ہے جو ہجرت کے سے بڑھ کر ہو۔

المختصر دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ ایک بات آیت تمکین میں البتہ زائد ہے کہ مہاجرین کی محبوبیت اور ان کے علو مرتبت کا بیان عجیب و دلکش پیرایہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس تشریح سے بھی ثابت ہوا کہ آیت استخلاف میں جن مومنین صالحین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان سے مراد مہاجرین صحابہؓ ہیں۔ لہٰذا حضرت علی المرتضیٰؓ بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے آیت تمکین کی

کی طرح آیت استخلاف کا بھی مصداق ہوں گے اور جمہور مفسرین اہل سنت کے نزدیک بھی خلفائے اربعہ ہی آیت استخلاف اور آیت تمکین دونوں کا مصداق ہیں۔ آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مندرجہ بالا تشریح سے امام اہل سنت کی تفسیر آیت استخلاف کی مذکورہ عبارت میں اغلاق کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی موعودہ خلافت میں جو شبہ لاحق ہوسکتا تھا اُس کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ وللہ الحمد۔

امام حسن کی خلافت کا تتمہ ہونا

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حدیث الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ (میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی) کو آیت استخلاف کا مصداق قرار دیا ہے اور عموماً مفسرین، محدثین اور متکلمین اس حدیث سے خلفائے اربعہ کی خلافت راشدہ ثابت کرتے ہیں۔ اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تیس سال تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی چند ماہ مدت خلافت سمیت پورے ہوتے ہیں لہٰذا آپ کی خلافت کو بھی خلافت راشدہ موعودہ کا حصہ قرار دینا چاہیئے۔ اس طرح موعودہ خلفائے راشدین پانچ بنتے ہیں نہ کہ چار۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ موعودہ کا ایک تتمہ ہے اور تتمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعض مقاصد کی تکمیل آپ ہی کی خلافت میں ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت جس کی پیش گوئی حدیث بخاری میں مذکور ہے۔ ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا بیٹا (یعنی حسنؓ) سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا)

(ب) نیز تیس سالہ مدت خلافت کے بیان کرنے میں کسر کا اعتبار نہیں فرمایا۔

(۲) امام اہل سنت حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کا تذکرہ اور ان کے اوصاف و کمالات کا بیان درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا تتمہ اور تکملہ ہے الخ (خلفائے راشدین ص۵)

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔ ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ" (خلفائے راشدین کی) خلافت کا زمانہ بقیہ زمانۂ نبوت تھا (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص۱)

(۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۴۳ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔ گویا زمانہ شیخین رض کا بقیہ زمانہ نبوت کا تھا (تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص۴۲۳)

(۵) حدیث شریف میں آتا ہے کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔

جس طرح مندرجہ بالا عبارات میں تتمہ و تکملہ۔ بقیہ ایام نبوت کے الفاظ اور سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ خلفائے راشدین نبی ہیں اور سچے خواب دیکھنے والا بھی نبی ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسن رض کی خلافت کو خلافت راشدہ کا تتمہ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی خلافت بھی خلفائے اربعہ کی طرح قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہے۔ کیونکہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ مہاجرین صحابہ کرام رض کے لئے ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں بلکہ آپ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین صحابہ میں سے نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کے موعودہ خلفاء میں شمار نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں بندہ کی کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل ص۵۲۰ پر بھی تتمہ ہونے کی بحث آگئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حق چار یار رض | خداوند عالم نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت حضور رحمۃ للعالمین

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کی جانشینی اور حفاظت کے لئے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا انتظام فرمایا ہے جس کا مصداق حضرات خلفائے اربعہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شیعوں کا حضرت علی المرتضیٰ کو خلیفہ بلافصل (پہلا خلیفہ) ماننا اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کی نفی کرنا اور خارجیوں کا حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو قرآن کی خلافت راشدہ نہ تسلیم کرنا یہ دونوں نظریئے نص قرآنی کے تقاضا کے خلاف اور باطل ہیں۔ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہی قرآنی تقاضا کے مطابق اور برحق ہے۔ یعنی قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین (جو چار ہی ہیں) نہ ان میں سے کسی کو خارج کر سکتے ہیں اور نہ ان پر کسی اور کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے گو تمام اصحاب بوجہ رفاقت و یاوری اور بوجہ بلاواسطہ فیضان نبوی حاصل کرنے کے یاران نبی اور برحق ہیں لیکن ان میں چونکہ ان چار کو ہی قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا عظیم امتیازی منصب عطا ہوا ہے۔ اس لئے ان کو خصوصی طور پر چار یار کہا جاتا ہے اور بالاصالت انہی کو خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ چنانچہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں: حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنائے گئے اس لئے یہ خلیفہ اول ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ تیسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چار یار کہتے ہیں۔

(تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۸۱)

اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا یہ ارشاد بھی آیت استخلاف کے تحت پہلے نقل کر چکا ہوں کہ: اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل

اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالۂ خوف و تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہی چار یار کے لئے تھا۔ (ہدیۃ الشیعہ قدیم ص۵۶) اور چار یار کی اصطلاح تو سواد اعظم اہل سنت والجماعت میں صدیوں سے مشہور و معروف ہے۔ چنانچہ سکندر نامہ فارسی۔ نام حق۔ اور بدائع منظوم فارسی کے اشعار خارجی فتنہ حصّہ اوّل ص۵۳۸ پر نقل کر دیئے گئے ہیں جن میں چار یار کی اصطلاح مستعمل ہے سلاطین مغلیہ کے شاہی سکوں پر کلمہ طیبہ کے ارد گرد صرف چار خلفائے راشدین کے مبارک ناموں کا کندہ ہونا بھی اسی مخصوص خلافت راشدہ کے عقیدے کا اظہار ہے۔ چونکہ پاکستان میں خدام اہل سنت بطور تحریک تقریر و تحریر کے ذریعہ قرآن کی خلافت راشدہ موعودہ کا پرچم بلند کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے بطور اعلان حق خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار پکارا جاتا ہے۔ یہ حق چار یار ایک ایسا ستی ایٹم بم ہے جس سے خلافت راشدہ کے مخالف نظریات کے قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ وقت کی یہ اہم پکار ہے اور الحمد للہ پاکستان بھر میں اب حق چار یار کی ایک گونج پیدا ہو گئی ہے ؎

گونج اٹھا ہے ملک میں حق چار یار
مان لے جو اس کا ہوگا بیڑا پار

؎ صدیق اکبرؓ یار غار — فاروق اعظمؓ جاں نثار
عثمانؓ و علیؓ حق کے شعار — سب مان لو حق چار یار

اصلی کلمہ اسلام امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کی تصانیف میں شیعہ کلمۂ اسلام پر بحث بندہ کی نظر سے نہیں گزری اور اس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت شیعوں نے اپنے امتیازی کلمہ کا زیادہ اظہار نہیں کیا تھا۔ اور عموماً تصور یہ تھا کہ سنی و شیعہ وحدت کلمہ پر

متفق ہیں لیکن پاکستان میں بھٹو دور حکومت میں جب شروع شروع میں سرکاری سکولوں کے لئے شیعہ نصاب تعلیم کی منظوری دی گئی تو شیعہ علماء نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب فاروقی ایم اے پی ایچ ڈی کا نصاب دینیات عارضی طور پر منظور کرلیا" (بحوالہ جنگ راولپنڈی ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۴ء) جن کے ردعمل میں تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے ایک ٹریکٹ بنام " ایک غیر منصفانہ فیصلہ" شائع کیا گیا۔

شیعہ کلمہ کے مراحل

(۱) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی شیعی پی ایچ ڈی کی دینیات حصہ اول صہ ۲۰ تا ۲۲ میں اسلام کی برادری میں شامل ہونے کے لئے چند باتوں کا اقرار لازمی قرار دیا گیا ہے جن میں نمبر ۳ کے تحت یہ لکھا ہے کہ:۔

ہمیں اسلام کی سچی راہ پر قائم رکھنے کے لئے اللہ نے جو امام مقرر کئے ہیں ان میں سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام ہیں " وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے ۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے ۔ یہ اقرار عربی زبان میں کیا جاتا ہے ۔ عربی زبان میں اس اقرار کو کلمہ پڑھنا کہتے ہیں ۔ کلمہ یہ ہے :۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ الخ

کلمہ کی مندرجہ تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ شیعوں کی اصطلاح میں علی ولی اللہ ۔ کا مطلب اللہ کا دوست اور پیارا ہونا نہیں بلکہ اس کا مطلب حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ ماننا ہے اور اس کو تسلیم کرنے سے آدمی اسلام میں داخل ہوتا ہے ورنہ نہیں ۔

(۲) جب مستقل طور پر شیعہ نصاب مرتب کیا گیا تو کلاس نہم و دہم کے لئے اسلامیات لازمی کی کتاب " رہنمائے اساتذہ " میں سنی کلمہ اسلام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا گیا لیکن اسلام کے نام پر شیعہ طلبہ کے لئے جو کلمہ لکھا گیا اس کی عبارت حسب ذیل ہے :۔ کلمہ اسلام کے اقرار و ایمان کے عہد کا نام ہے ۔ کلمہ

پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ کلمہ میں توحید و رسالت ماننے کا اقرار اور امامت کے عقیدے کا اظہار ہے الخ (ص ۳۵) اس کے بعد کلمہ کے الفاظ یہ لکھے ہیں :۔
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَخَلِیْفَتُہٗ بِلَا فصل۔ کلمہ کی مذکورہ تشریح دو مستند شیعہ علماء نے لکھی تھی (۱) مولوی محمد بشیر صاحب آف ٹیکسلا (راولپنڈی) (۲) مولوی مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی کلمہ کی مندرجہ تشریح کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص خلیفہ بلا فصل والا یہ سارا کلمہ نہیں مانتا وہ غیر مومن ہے غیر مسلم جس کی بنا پر العیاذ باللہ ساری امت غیر مومن اور غیر مسلم قرار پاتی ہے (سوائے قلیل شیعوں کے)۔ لہٰذا خدام اہل سنت کی طرف سے ایک پمفلٹ بنام "پاکستان میں تبدیلی کلمہ اسلام کی ایک خطرناک سازش" لاکھوں کی تعداد میں شائع کیا گیا۔

(۳) شیعہ کلمہ کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ جب لاہور کے بعض سنی علماء نے اس کلمہ کے خلاف ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی تو حکومت کی طرف سے محکمہ تعلیم نے رہنمائے اساتذہ کے دوسرے ایڈیشن میں ترمیم کر دی اور شیعہ طلباء کے لئے بعنوان کلمہ طیبہ یہ عبارت درج کر دی گئی :۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے کافر مسلمان ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں مانتے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں ان کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بعد علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل سے شیعہ توحید و رسالت کے علاوہ امامت کا اقرار اور شیعیت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہائی کورٹ میں شیعہ وکلاء نے اتنی ترمیم بھی از روئے تقیہ تسلیم کی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی صرف یہ تسلیم کیا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے لیکن انہوں نے یہ اقرار نہیں کیا کہ اس

سے کافر مومن ہوجاتا ہے۔ کیونکہ شیعوں کے نزدیک توحید و رسالت کا اقرار کرنے سے کوئی شخص مسلمان تو ہوجاتا ہے لیکن مومن نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک مومن ہونے کے لئے کلمہ میں حضرت علی رضؓ کے لئے خلیفۂ بلا فصل کا اقرار لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ امت مسلمہ کے اجماعی کلمہ میں بطور شیعہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۂ بلا فصل کا اظہار و اقرار کیوں ضروری قرار دیتے۔ ان کے عقیدہ کلمۂ اسلام کیلئے حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

(۴) جدید مستند شیعہ نماز (مؤلفہ مولوی زوار الحسین ہمدانی فاضل عراق) ص۲ پر کلمہ طیبہ کے تحت لکھا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، علیؑ ولی اللہ وصیّ رسول اللہ وخلیفۃ بلا فصل (حالانکہ ہائی کورٹ میں شیعہ وکلاء نے کلمہ طیبہ صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تسلیم کیا ہے)

(۵) دینیات کی پہلی کتاب (مؤلفہ شیعہ مفسر قرآن مولوی فرمان علی) ص۱ پر بعنوان کلمہ یہ لکھا ہے:۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ و وصی رسول اللہ وخلیفہ بلا فصل۔

(۶) دینیات کی پہلی کتاب (مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری لاہور) ص۱۱ پر لکھا ہے سبق چوتھا۔ اسلام کا کلمہ یہ ہے۔ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد اس کا رسول ہے۔ علی اس کا ولی ہے۔ کہو بچو! لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلا فصل۔ اس کلمہ پر ایمان رکھو۔ اس میں واضح طور پر مندرجہ کلمہ کو اسلام کا کلمہ لکھا ہے اور آخر میں اس میں ایمان رکھنے کی تاکید کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔ یہ کتاب ۱۹۲۷ء کی شائع شدہ ہے۔ جس پر شیعہ مجتہد مولوی علی حائری لاہوری اور شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری ثم لاہوری کی تقریظیں درج ہیں۔ علاوہ ازیں

اس کتاب کے صفحہ ۱۶ پر اصول دین کے تحت لکھا ہے :۔ دین کی جڑیں پانچ ہیں ۔ اوّل توحید یعنی اللہ ایک ہے ۔ دوسری عدل ۔ اللہ عادل ہے ۔ تیسری نبوّت محمد اس کا نبی ہے ۔ چوتھی امامت ۔ امام بارہ ہیں ۔ نبی کے بعد ان کا مرتبہ افضل ہے اور پانچویں قیامت ۔ جو خدا کو وحدہ لاشریک اور عادل نہ جانے ۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی نہ سمجھے ۔ بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہو اور قیامت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو وہ کافر ہے مسلمان نہیں "۔ اس میں واضح طور پہ عقیدہ امامت کو توحید و نبوّت کی طرح اصول دین میں شمار کر کے بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ ہونے والے کو کافر قرار دیا گیا ہے ۔ اور شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ دراصل یہی ہے ۔ لیکن شیعوں نے جو کلمۂ اسلام وایمان وضع کیا ہے ۔ اس کے متعلق وہ اپنی مستند کتب حدیث میں بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اپنے تیئیس سالہ دورِ رسالت میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو اسلام میں داخل کرتے وقت یہ کلمہ پڑھایا ہے ۔ یا حضرت علی المرتضیٰ نے ہی اس کلمۂ اسلام کی تعلیم دی ہے یا آپ نے خود یہ کلمہ پڑھا ہے ۔ بلکہ امام جعفر صادق کی حسب ذیل روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان واسلام کے اقرار کے لئے صرف توحید ورسالت کی شہادت ہی کافی ہے :۔

وقال الصادق علیہ السلام ۔ ما من احدٍ یحضرہ الموت الا وکل بہٖ ابلیس من شیاطینہ من یامرہ بالکفر ویشککہ فی دینہ حتیٰ یخرج نفسہ ۔ فاذا حضرتم موتاکم فلقنوھم شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً رسول اللّٰہ حتیٰ یموتوا (کتاب من لایحضرہ الفقیہ جلد اوّل مطبوعہ طہران موٴلفہ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق) ۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی پر موت آتی ہے تو ابلیس اپنے شیطانوں میں سے کسی کو اس پر مسلّط کر دیتا ہے تاکہ[۱]

---

[۱] باب غسل المیت صفحہ ۳۲ تختی کلاں مطبوعہ ۱۳۶۷ھ ۔ شیر محمد علوی غفرلہٗ

وہ اس کو کفر کا حکم دے اور اس کے دین میں شک ڈالے رحتی کہ اس کی جان اسی حالتِ کفر میں نکلے۔ اس لئے جب تم اپنے مرنے والوں کے پاس جاؤ تو تم اس کو لا الٰہ اِلّا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینے کی تلقین کرو تاکہ انہی دونو شہادتوں پر اُن کی موت آئے " اگر امام جعفر صادق کے نزدیک ایمان کے لئے حضرت علی کی خلافت بلافصل اور باقی اماموں کی امامت کی شہادت بھی لازمی ہوتی تو آپ مرنے والوں کی تلقین میں اُس تیسری شہادت کا بھی حکم دیتے۔

اذانِ شیعہ شیعہ اذان میں بھی توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اشہد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلافصل کہتے ہیں حالانکہ اُن کی کتب حدیث سے اس کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ امام جعفر صادق سے جو اذان منقول ہے وہ وہی ہے جو سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے ہاں رائج ہے جس میں صرف توحید و رسالت کی شہادت دی جاتی ہے۔ اس میں صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ بھی ہیں۔ البتہ اس میں یہ بھی لکھدیا ہے ولا باس ان یقال فی صلوٰۃ الغداۃ علی اثرحی علی خیر العمل۔ الصلوٰۃ خیر من النوم مرتین للتقیۃ (من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص۲۹۱ مطبوعہ طہران ۱۳۹۲ھ) اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ صبح کی اذان میں حی علی خیر العمل کے بعد از روئے تقیہ دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ لے)

امام جعفر صادق کی اذان نقل کرنے کے بعد ابن بابویہ قمی (یعنی شیخ صدوق) لکھتے ہیں:۔ ھذا ھو الاذان الصحیح لایزاد فیہ ولا ینقص منہ والمفوضۃ لعنہم اللہ قد وضعوا اخباراً وزادوا فی الاذان محمد وآل محمد خیر البریۃ مرتین وفی بعض روایاتہم بعد اشہد ان محمداً رسول اللہ۔ اشہد ان علیا ولی اللہ مرتین ومنہم من روی بدل ذلک اشہد ان علیاً

34388

امیرالمومنین حقاً مرتین۔ ولا شک فی ان علیاً ولی اللہ وانہ امیرالمومنین حقاً وان محمداً وآلہ خیرالبریۃ ولکن ذلک لیس فی اصل الاذان۔ (ترجمہ) یہی وہ صحیح اذان ہے جس میں کمی و بیشی نہیں کی جا سکتی اور شیعہ مفوضہ نے (ان پر اللہ کی لعنت) میں اپنی طرف سے روایات وضع کر لی ہیں اور اذان میں یہ الفاظ زائد کئے ہیں محمد وآل محمد خیرالبریۃ اور ان کی بعض روایات میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کے بعد اشہد ان علیاً ولی اللہ دو مرتبہ پڑھنا لکھا ہے اور ان میں سے بعض نے بجائے اس کے اشہد ان علیاً امیرالمومنین حقاً دو مرتبہ پڑھنے کی روایت وضع کی ہے۔ اور بے شک حضرت علیؓ اللہ کے ولی اور امیرالمومنین حق ہیں اور حضرت محمدؐ اور آپ کی آل خیرالبریہ ہے لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں پائے جاتے۔" اور جب اذان میں اشہد ان علیاً ولی اللہ وغیرہ کا اضافہ ناجائز ہے تو کلمہ اسلام میں بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پاکستان کے تمام اثنا عشری شیعہ اذان میں نہ صرف اشہد ان علیاً ولی اللہ کا اضافہ کرتے ہیں بلکہ اس کے بعد وصی رسول اللہ وخلیفہ بلا فصل وغیرہ کے الفاظ بھی کہتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرقہ مفوضہ کے پیروکار ہیں جن کے لئے ابن بابویہ قمی لعنھم اللہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

فرقہ مفوضہ فرقہ مفوضہ کے متعلق شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں:۔ کچھ ایسے نادان دعویداران محبت بھی تھے جن کے اندر آثار غلو موجود تھے اور ائمہ اطہار کو خدا کہنے کا جذبہ چٹکیاں لے رہا تھا۔ مگر کچھ ائمہ طاہرینؑ کی منع اکید اور لعن شدید اور کچھ ظاہری شریعت کی حدود کا پاس ولحاظ مانع تھا، اس لئے کھلم کھلا طور پر تو ائمہ کی الوہیت کا ادعا نہ کیا مگر درپردہ ائمہ کے حق میں اکثر اوصاف ربوبی کے قائل ہوگئے اور یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ اختراع کر لیا

کہ خُداوند عالم نے سرکار محمد و علی علیہم السلام کو خلق فرما کر باقی تمام عالم کی تخلیق، مارنے اور جلانے، رزق دینے نہ دینے اور بارش برسانے یا نہ برسانے غرضیکہ تمام عالم کے نظام کو برقرار رکھنے اور تدبیر عالم کا اہتمام کرنے کا معاملہ انہی بزرگوار کے سپرد کر دیا ہے۔ سابقہ عقیدہ فاسدہ کو غلو اور اس نظریہ کاسدہ کو اصطلاح شریعت میں تفویض کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنی سپرد کرنا ہیں۔ جو درحقیقت غلو ہی کا ایک شعبہ ہے اور اس میں عقیدہ کے شرعی مفاسد و مضار عقیدہ غلو سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اس عقیدے کے لوگ بھی ائمہ معصومین کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے اسی لئے ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے بڑے تشدد کے ساتھ اس نظریہ فاسدہ کو رد فرمایا ہے۔ الخ (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۴۲۴ طبع اول)

مجتہد ڈھکو صاحب نے فرقہ مفوضہ کے جو عقائد لکھے ہیں عموماً پاکستان کے شیعہ کم و بیش یہی عقائد رکھتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے یا علی مدد کا ورد انہیں عقائد کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور خود ڈھکو صاحب بھی نعرہ حیدری یا علی مدد کی گونج میں ہی تقریریں کرتے ہیں۔

یا اللہ مدد خدام اہل سنت خصوصی طور پر یا اللہ مدد کا نشان توحید پھیلا رہے ہیں۔ قریباً ہر کتاب ہر اشتہار وغیرہ پر یا اللہ مدد لکھا جاتا ہے[1] اور خدام اہل سنت کو حق تعالیٰ نے ان تین نشانات کے پھیلانے کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے جن کے ذریعہ اصول دین کا تحفظ مقصود ہے۔

(۱) یا اللہ مدد (۲) اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(۳) خلافت راشدہ۔ حق چار یار رضی اللہ عنہم

---

[1] بلکہ بسوں، ویگنوں۔ سوزوکیوں اور سکوٹروں اور دیواروں پر بھی یہ تینوں اسلامی سنی نشانات جلوے دکھا رہے ہیں اور خدام کے پرچم کو بھی انہی نشانات سے مزین کیا گیا ہے اور بیجوں پر بھی انہی نشانات کا ظہور ہے۔ اللھم زد فزد

اہل السنت والجماعت کی حقانیت

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں:

اما دیلے کہ پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا بر تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ از اں فرق متعددہ فرمودہ است آنست۔ الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی۔ یعنی آں فرقہ واحدہ ناجیہ آنا نند کہ ایشاں بطریقے اند کہ من براں طریقم واصحاب من براں طریق اند۔ وذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تا بدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشاں است و بس۔ وشک نیست کہ فرقہ کہ ملتزم اتباع اصحاب آں سرور صلی اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اہل سنت وجماعت اند شکر اللہ تعالیٰ سعیہم فہم الفرقۃ الناجیۃ۔ چہ طاعنان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات خود از اتباع ایشاں محروم اند۔ وطعن کردن در اصحاب فی الحقیقت طعن کردہ است بہ پیغمبر خدا جل شانہ الخ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول مکتوب نمبر ۱۰۲ طبع قدیم)

ترجمہ:۔ متعدد فرقوں میں سے ناجی فرقہ کی تمیز کے لئے جو دلیل حضور پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے وہ الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی ہے یعنی ناجی فرقہ وہ لوگ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر چلنے والے ہیں۔ اور اس مقام پہ باوجودیکہ خود صاحب شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کافی تھا۔ صحابہ کرام (کی اتباع) کا ذکر اس لئے فرمایا تاکہ لوگ جان لیں کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے اصحاب کا ہے اور راہ نجات صرف ان کے طریقے کی پیروی سے وابستہ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی پیروی کو لازم پکڑنے والے اہل سنت وجماعت ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششیں قبول فرمائیں۔ پس اہل سنت ہی نجات پانے والا فرقہ ہے۔ کیونکہ

اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ طعن کرتے ہیں وہ ان کی پیروی سے محروم ہیں۔ اور اصحاب پر طعن کرنا در اصل خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنا ہے"۔

سُنّی، رافضی اور خارجی کا فرق حضرت مجددؒ تحریر فرماتے ہیں:۔ "عدم محبت اہل بیت خروج است و تبرّی از اصحاب رفض و محبت اہل بیت با تعظیم و توقیر جمیع اصحاب کرام تسنّن"۔ (مکتوبات جلد دوم مکتوب ۳۶۔) اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب سے بیزاری اور مخالفت رفض و شیعیت اور محبت اہل بیت باوجود تعظیم و توقیر جمیع اصحاب سنیت ہے"۔

(ب) نیز فرماتے ہیں:۔ "پس محبت حضرت امیر شرط تسنّن آمد و آنکہ ایں محبت ندارد از اہل سنت خارج گشت و خارجی نام یافت"۔ (مکتوبات جلد دوم مکتوب ۳۶)

"اہل سنت ہونے کے لئے حضرت امیر یعنی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت شرط ہے جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اہل سنت سے خارج ہو گیا اور خارجی نام پایا"۔

حضرت مجدد اعظمؒ نے اہل سنت کی کتنی جامع تعریف فرمائی ہے کہ اس سے غیر اہل السنت والجماعت خارج ہو جاتے ہیں خواہ وہ رافضی ہوں یا خارجی وغیرہ۔

دورِ حاضر کا خارجی فتنہ دورِ حاضر میں محمود احمد صاحب عباسی نے اپنی تصانیف (۱) خلافت معاویہؓ و یزید (۲) تحقیق مزید وغیرہ کے ذریعہ تاریخی ریسرچ کے نام پر اہل السنت والجماعت میں خارجیت کے جراثیم پھیلائے ہیں۔ اور جس طرح روافض نے یزید کی شخصیت کی آڑ میں حضرت معاویہؓ اور حضرات خلفائے ثلثہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کو طعن و تشنیع اور تفسیق و تکفیر کا نشانہ بنا کر اصول دین کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح موجودہ خوارج نے بھی حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت حسین اور حضرت فاطمۃ الزہرا وغیرہم

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظیم دینی شخصیتوں کو مجروح کرنے کے لئے یزید کی شخصیت کو صالح و عادل، عابد و زاہد بلکہ خلیفہ راشد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دونوں طریق کار سبائی تحریک کے ہیں مقصد دونوں کا ایک ہی ہے کہ وقتی اور ہنگامی طور پر مشاجرات و محاربات صحابہ کے گزشتہ واقعات پیش کر کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جنتی جماعت صحابہ کو دو مستقل دشمن دھڑوں میں تقسیم کر کے قرآن و سنت کے فیوضات و ثمرات کے انکار کے لئے راستہ کھولا جائے۔

اور ستم ظریفی یہ ہے کہ دور حاضر کے خوارج و نواصب اپنے آپ کو اہل السنت والجماعت اور اپنے امام محمود احمد عباسی کو امام اہل سنت قرار دیتے ہیں چنانچہ مولوی عظیم الدین تلمیذ عباسی نے لکھا ہے: "شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ (حیات سیدنا یزید ص۱۴۶) یہ گروہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت راشدہ کا منکر اور یزید کی خلافت راشدہ کا قائل ہے چنانچہ کتاب حیات یزید کی نظم کا پہلا شعر ہی یہ ہے ؎

ہر آن رہبر تھی ہدایت یزید کی ۔۔۔ کیوں راشدہ نہ ہوگی خلافت یزید کی

حالانکہ اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور جمہور اہل سنت اس امر پر بھی متفق ہیں کہ یزید فاسق تھا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی فرماتے ہیں: "فاسق بیشک تھا" (فتاوی رشیدیہ) اور مجاہد اعظم امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہائی کورٹ لاہور میں بیان دیتے ہوئے یہاں تک فرما دیا تھا کہ: "کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔" (ملاحظہ ہو مقدمات امیر شریعت ص۲۵ ناشر مکتبہ احرار اسلام ملتان)

امام اہل سنت اور یزید یزید کے بارے میں امام اہل سنت کا وہی مسلک ہے

جو جمہور اہل السنت والجماعت کا ہے چنانچہ (۱)، تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان مؤلفہ حافظ ابن حجر کی ہیتمی متوفی ۹۹۰ھ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :۔

"محبت پدری کے باعث حضرت معاویہؓ کو یزید کے خبث باطن معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ اس کو صالح متدین سمجھتے رہے۔"

(۲) نیز فرماتے ہیں ، حضرت علیؓ کے فرزند حضرت حسینؓ کا واقعہ کربلا سبق لینے کے لئے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی الخ (نوادر الائمہ ص ۲۲)

"فسق یزید" کی مفصل بحث راقم سطور کی کتاب "خارجی فتنہ" حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں ۔ یہاں یزید کے متعلق اس مختصر تبصرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اہل السنت والجماعت کی اصطلاح

معنوی لحاظ سے تو اہل السنت والجماعت کی اصطلاح رسول کریم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشاد ما انا علیہ واصحابی سے ماخوذ ہے۔ یعنی وہ مسلمان جو اللہ کے دین اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت صحابہ کے واسطہ سے حاصل کرنے والے ہیں اور یہی راہ جنت اور یہی راہ نجات ہے۔ مگر علاوہ ازیں یہ اصطلاح دور صحابہ بلکہ دور رسالت میں بھی مستعمل ہے چنانچہ (۱) سورۃ آل عمران کی آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ کے کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یعنی یوم القیمۃ حین تبیض وجوہ اہل السنۃ والجماعۃ یعنی قیامت کا دن کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے ۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر تفسیر مظہری ، تفسیر در منثور (...)

(۲) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم باب المسح علی الخفین فصل میں ہے۔ حتی سئل انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن علامات اہل السنۃ والجماعۃ فقال ان تحب

الشیخین ولا تطعن الختنین و تمسح علی الخفین" حتی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اہل السنت والجماعت کی علامات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو شیخین (حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ) سے محبت کرے اور ختنین (حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ) پر طعن نہ کرے اور موزوں پر مسح کرے۔

(۳) شیعہ مذہب کی مستند کتاب احتجاج طبرسی میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن بصرہ میں خطاب کر رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اہل الجماعۃ اہل الفرقۃ۔ اہل سنت اور اہل البدعۃ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اما اھل الجماعۃ فانا و من اتبعنی وان قلوا۔ وذلک الحق عن امر اللہ عزوجل وعن امر رسولہ واھل الفرقۃ المخالفون لی ومن اتبعنی وان کثروا واما اھل السنۃ فا لتمسکون بما سنۃ اللہ ورسولہ وان قلوا۔ واما اھل البدعۃ فالمخالفون لامر اللہ و لکتابہ ولرسولہ العاملون برأیھم واھوا ءھم وان کثروا۔ (جلد اوّل مطبع نجف اشرف ص۲۴۶) اہل الجماعۃ میں ہوں اور میری پیروی کرنے والے اگرچہ وہ تھوڑے ہوں اور یہ حق ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے امر سے۔ اور اہل الفرقۃ وہ لوگ ہیں جو میرے اور میرے پیروکاروں کے مخالف ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔ اور اہل سنت وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت (طریقے) کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہیں۔ اور اہل بدعت وہ ہیں جو اللہ کے حکم، اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں اور جو اپنی آراء اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔

(۴) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں مخالفین سے جو خطاب کیا

ہے اس میں یہ بھی فرمایا کہ ۔ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لی ولاخی انتما سیدا شباب اھل الجنۃ وقرۃ عین اھل السنۃ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ص۶۲ مطبوعہ بیروت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی (حضرت حسنؓ) کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہو۔ اور اہل سنت کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو"

(۵) علامہ عبدالکریم شہرستانیؒ (متوفی ۵۴۸ھ) نے یہ روایت نقل کی ہے :

واخبر النبی علیہ السلام ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ الناجیۃ منھا واحدۃ والباقون ھلکی قیل ومن الناجیۃ قال اھل السنۃ والجماعۃ قیل ومن اھل السنۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ الیوم واصحابی (الملل والنحل جلد اول) اور نبی کریم صلی اللہ نے خبر دی ہے کہ عنقریب میری امت میں ۷۳ فرقے بنیں گے کہ ان میں سے ناجی ایک ہی ہوگا اور باقی سب ہلاک ہوں گے ۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ناجی فرقہ کون ہوگا تو ارشاد فرمایا۔ اہل سنت والجماعت۔ پھر دریافت کیا گیا کہ اہل السنت والجماعت کون ہیں تو فرمایا۔ جو لوگ اس طریقہ پر ہونگے جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں)

(۶) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۰۵ھ) نے صحابہ کرام کے فرقہ ناجیہ ہونے کی دلیل میں حسب ذیل حدیث نقل کی ہے ۔ فانہ علیہ السلام لما قال الناجی منھا واحدۃ قالوا یا رسول اللہ ومن ھم قال اھل السنۃ والجماعۃ فقیل ومن اھل السنۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ واصحابی (احیاء العلوم جلد سوم باب حقیقۃ الدین فی نفسھا ص۱۹۹) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ ان میں سے ناجی فرقہ ایک ہوگا۔ تو صحابہ نے عرض کیا اور وہ کون لوگ ہوں گے تو فرمایا اہل سنت والجماعت۔ پھر عرض کیا گیا کہ

اہل السنت والجماعت کون ہیں تو فرمایا وہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوں گے۔"

مذکورہ احادیث و آثار کی بنا پر ہی فرق باطلہ کے مقابلہ میں اہل حق کا امتیازی نام اہل السنت والجماعت رہا ہے۔ مفسرین۔ محدثین اور متکلمین حضرات نے یہی اصطلاح استعمال فرمائی ہے اور بلا شبہ سنت رسول اور سنت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی مابعد کی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ تک اللہ کا دین حق پہنچا ہے اور پہنچ سکتا ہے۔ اصولی طور پر مذہب اہل السنت والجماعت کی تبلیغ و نصرت عین دین اسلام کی تبلیغ و نصرت ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چونکہ روافض اور خوارج وغیرہ نے افراط و تفریط سے کام لے کر راہ نجات کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے ان فرق باطلہ کا رد اور حضرات صحابہ کرام اور خلفائے راشدین، حضرات اہل بیت اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمتوں کا دفاع بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے اور دور حاضر میں حضرات اکابر کے بعد اس شعبہ کی خصوصی خدمت خلوص و تقویٰ اور ہمت و استقامت سے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے آپ کا امام اہل سنت ہونا محتاج دلیل نہیں ہے۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

امام اہلسنت کے مناظرے

(۱) مناظرہ پنجاب موسوم باسم تاریخی رد اثنا عشری۔ یہ مناظرہ بمقام چکوال ضلع جہلم ۱۸ر اپریل ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) کو مسئلہ خلافت کے موضوع پر شیعی مناظر مولوی محمد سجاد لکھنوی سے ہوا۔ اس مناظرہ میں بندہ کے والد ماجد رئیس المناظرین حضرت مولانا کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مصنف آفتاب ہدایت وغیرہ) بھی

موجود تھے۔ اس مناظرہ کی روئیداد جناب قاضی غلام ربانی صاحب مرحوم و مغفور سیکرٹری انجمن اشاعت العلوم چکوال کی طرف سے شائع کی گئی تھی (۲) مباحثہ سیکریاں ضلع ہوشیار پور (پنجاب) (۳) کشف حقیقت مذہب شیعہ۔ یہ مناظرہ شیعہ مناظر مرزا احمد علی امرتسری سے شعبان ۱۳۴۹ھ میں ہُوا تھا۔ (۳) مناظرہ منٹگمری (پنجاب) یہ مناظرہ ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۳۰ء کو مرزا احمد علی امرتسری سے ہُوا (۴) مناظرہ امروہہ بتاریخ ۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء شیعہ مناظر مولوی سبط حسن صاحب سے ہُوا (۵) مناظرہ بمبئی ۱۳۳۶ھ میں شیعہ مناظر ملا باقر صاحب سے مسئلہ خلافت پر ہُوا۔

النجم کی بعض فائلوں میں ان مناظرات کی روئیداد ملتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی اور مناظرات تقریری و تحریری ہوتے ہیں اور ہر مناظرہ میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کو نصرت خداوندی سے واضح کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

امام اہل سنّت کی تصانیف

(۱) ترجمہ قرآن۔ (۲) سیرت خلفائے راشدین (۳) شرح حدیث ثقلین (۴) علم الفقہ (۵) ترجمہ ازالۃ الخلفاء جلد اوّل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۶) ترجمہ اسد الغابہ مولفہ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ (۹ جلدیں) (۷) ترجمہ شمائل ترمذی (۸) ترجمہ چہل حدیث از امام ربانی مجدد الف ثانی (۹) قاتلان حسین کی خانہ تلاشی (۱۰) کشف اللغافہ لإظہار ما فی النبوۃ والخلافۃ مؤلفہ مولوی نجم الحسن مجتہد لکھنوی (۱۱) ترجمہ رسالہ انصاف مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۲) مجموعہ تفسیر آیات قرآنی (۱۳) مجموعہ مسائل مائتین تقیہ وغیرہ جس میں امام اہل سنت نے دو سو شیعہ مسائل پر تبصرہ کیا ہے (۱۴) تنبیہ الحائرین (بحث تحریف القرآن) (۱۵) تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان مؤلفہ حافظ ابن حجر مکی الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۶) نفحۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ (۱۷) ترجمہ فقہ اکبر

---

[1] اب اسی کو "تحفۂ خلافت" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ علوی

(۱۸) کتاب الصلوٰۃ (۱۹) سیرت خیر البریہ (۲۰) سیرت الحبیب الشفیع (۲۱) موسویہ (۲۲) خطبہ شوقیہ (۲۳) ہدایت اہل امریکہ (۲۴) القول المحکم (۲۵) آیات محکمات (فارسی) (۲۶) تحریف کی خانہ ساز حقیقت کا جواب (۲۷) ابوالائمہ کی تعلیم (۲۸) تحقیق آل و اہل بیت (۲۹) نصرت غیبیہ (۳۰) ترجمہ تاریخ طبری (۳۱) قاطع اللسان (۳۲) کتاب الفتاوی (۳۳) مقدمہ جابش

علاوہ ازیں النجم میں مختلف اہم موضوعات پر امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے مدلل مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں جن میں سنی حقائق و معارف کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ خداوند عالم امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی قدس سرہٗ کی خدمات قبول فرمائے۔ اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ آمین بجاہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادم اہل سنت (قاضی) مظہر حسین غفرلہٗ
مہتمم مدرسہ اظہار الاسلام مدنی جامع مسجد چکوال
امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان،
۱۳ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ
مطابق ۲۵ جون ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تفسیر آیات خلافت

از امام اہل سنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رح

حامداً و مصلیاً

امابعد :- آج کل فتنہ مخالفین صحابہ رض بہت آشکارا ہو گیا ہے۔ اور باوجودیکہ یہ مذہب اس قابل نہیں کہ پردہ سے باہر لایا جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی معتبر کتابوں میں مذہب کے چھپانے کی بڑی تاکید اور مذہبی بحث کی سخت ممانعت ہے۔ لیکن آج مخالفین نے اپنے آئمہ کی تمام ہدایات کو پس پشت ڈال کر بھولے بھالے مسلمانوں کو صحابہ کرام رض سے بدظن کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی ہے۔

صوبہ پنجاب سے ہر ہفتہ میں کسی نہ کسی مناظرہ کی خبر آتی رہتی ہے۔ اور ایسے خطوط تو غالباً روزانہ آتے ہیں۔ کہ فلاں مخالف نے ہم سے یہ سوالات کئے

ہیں۔ یا فلاں مقام کے لوگوں کو یہ کہہ کر بہکایا ہے۔

پنجاب کے بعض مقامات کا خود راقم الحروف نے معائنہ بھی کیا۔ درحقیقت ناواقفوں کے بہکانے میں ایسے پرزور مکائد سے کام لیا جا رہا ہے۔ کہ خدا ہی بچائے تو جاہل بیوقوف بچ سکتے ہیں۔ پنجاب کے علاوہ جہاں کہیں بھی مخالفین صحابہؓ ہیں باقاعدہ ان کی انجمنیں ہیں۔ ان کا مشن قائم ہے اور یہی کام کر رہے ہیں۔ اور ان سب پر طرہ یہ کہ ہمارے برادران اہل سنت و جماعت اب بھی ادھر متوجہ نہیں۔ اور اگر کوئی توجہ کرے۔ تو اس کو آپس کی لڑائی کہہ کر روک دیتے ہیں۔

ان حالات کو دیکھ کر ضروری معلوم ہوا کہ تمام اہم اختلافی مسائل کا قطعی فیصلہ کن بیان کر دیا جائے۔ سب سے پہلا اور فی الواقع بنیادی دونوں فریقین کے اختلاف کی مسئلہ ایمان بالقرآن ہے۔ تو اس کا بحمد اللہ قطعی فیصلہ ہو چکا۔ اور روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ فریق مخالف کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ محض اپنے کو اسلامی فرقوں میں شامل کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو بہکانے کے لیے جھوٹ موٹ برائے نام ازراہ تقیہ ایمان بالقرآن کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مناسب تو یہی تھا اور ہے کہ مخالفین کو کسی اور مسئلے میں گفتگو کا موقع نہ دیا جائے۔ اور جب وہ بحث مباحثہ کی خواہش کریں۔ تو ان سے یہی کہا جائے کہ جب تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت پر نہیں۔ تو اسلامی مسائل میں بحث کرنے کا تم کو تو کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن مخالفین اس مسئلہ پر بحث کرنے سے سخت گریز کرتے ہیں۔ اور ہمارے ناواقف بھائی دوسرے مسائل میں ان سے بحث کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے اب مسئلہ امامت وخلافت کے فیصلہ کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ اس مسئلہ کی بھی پوری تنقیح ہو جائے گی۔ تو بہت مفید ہو گی۔ جیسا کہ مسئلہ ایمان بالقرآن میں آج ہمارا ایک معمولی لکھا پڑھا آدمی جس نے "النجم" کی تحقیقات پڑھی ہوں۔ بڑے سے بڑے مجتہد سے بحث کر سکتا ہے اس طرح انشاء اللہ مسئلہ

امامت وخلافت میں بھی لوگ تیار ہوجائیں گے اور ان کے بڑے بڑے مجتہدین بھی اس مسئلہ میں بحث کرکے سوا فاش شکست اور مغلوبیت کے کوئی نتیجہ نہ پائیں گے۔

اس بحث کو ہم تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ حصۂ اوّل میں آیات قرآنیہ کی بحث ہوگی۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اوّل میں ان آیات کی تفسیر ہوگی۔ جن سے اہلسنت حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ثابت کرتے ہیں۔ اور قسم دوم میں ان آیات کی تفسیر ہوگی جن سے مخالفین حضرات نے خلافت بلافصل ثابت کرنے کی لاحاصل تکلیف اٹھائی ہے ہر آیت کی تفسیر کے لئے ایک ایک مستقل رسالہ ہوگا۔

حصۂ دوم میں احادیث مستدلہ فریقین کی بحث ہوگی۔ اور اس سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ مخالفین کی پیش کردہ حدیث غدیر حدیث ثقلین حدیث منزلت وغیرہ کی ایسی عمدہ شرح ہوجائے گی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

حصۂ سوم میں طرفین کے عقلی دلائل اور ان کے صحت وسقم کا بیان ہوگا۔ چونکہ مقصد اصلی تفسیر آیات قرآنیہ ہے۔ لہذا اس کو سب پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اور پہلے ایک مقدمہ لکھا جاتا ہے۔ جس میں مفید اور بصیرت افروز ضروری امور کا بیان ہے۔ چنانچہ یہ رسالہ بطور مقدمہ ہی کے ہے اور اس میں حسب ذیل مضامین ہیں۔

(۱) یہ مذہب کب سے ایجاد ہوا اور اس کی بنیاد کس نے ڈالی۔

(۲) مسئلہ امامت میں اختلاف کی تنقیح

(۳) قرآن شریف کے حجت قطعی ہونے کا اور تفسیر بالرائے کا مطلب۔

(۴) روایت حدیث کا شریعت وعقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے۔

(۵) ہمارے سلسلہ تفسیر کے التزامات۔

---

(۱) خدائے علیم وحکیم نے جب اپنے دین کو کامل کرنا چاہا۔ اور سلسلہ نبوت ورسالت کو ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس دور آخر میں بہترین انبیاء جناب محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ اور آپ کو بنی نوع انسانی کا معلم و مزکی بنایا۔ آپ نے بحکم خدا اپنے منصب کا کام شروع کیا۔ مخلوق الٰہی کا آپ کے گرد ہجوم ہوا۔ آپ نے ان کو دین کی تعلیم دی۔ عقائد سکھلائے اعمال بتلائے۔ چاہ ضلالت سے نکال کر شاہراہ ہدایت پر لگا دیا۔ دین الٰہی کامل ہو گیا۔ اور تئیس برس کی مدت میں آپ نے تمام فرائض رسالت کو ادا کر کے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت کی۔ جس وقت آپ دنیا سے تشریف لے گئے تو لاکھوں شاگرد آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے اور اس جماعت میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ عقائد سب کے ایک سے تھے اعمال میں اگرچہ بمقتضائے فہم و رائے کچھ معمولی فرق تھا۔ مگر وہ فرق نزاع کی صورت میں نہ تھا۔

تمام قرن صحابہؓ اسی اتحاد و یک جہتی میں گزرا۔ اس زمانہ کی تاریخ اور جزئی جزئی واقعات دیکھنے سے ہر شخص بہ آسانی معلوم کر سکتا ہے۔ کہ مذہب اہل سنت وجماعت کی تمام باتیں اس وقت بلا کم و بیشی موجود تھیں۔ اور اس کے خلاف کسی بات کا اس وقت نام و نشان نہ تھا۔ نہ اس وقت کوئی معتزلی تھا۔ نہ مرجی نہ کوئی قدری تھا۔ نہ جبری نہ رافضی تھا۔ نہ خارجی ۔ سے

اگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا ۔ نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

مسئلہ امامت جو مخالفین کی سنگ بنیاد ہے۔ اس وقت کسی کے خیال میں بھی نہ تھا۔ اور دوسرے مسائل کا کیا ذکر۔

اس بات کا مخالفین بھی اقرار کرتے ہیں کہ قرن صحابہؓ میں صرف پانچ آدمی اس عقیدہ کے تھے۔ جو مخالفین کا ہے۔ اسی وجہ سے سب مخالفین اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہؓ سوا ان پانچ کے مرتد تھے۔ نعوذ باللہ منہ۔

مخالفین یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ امامت کی تعلیم کسی کو دی ہی نہ تھی۔ صرف حضرت علیؓ کو بطور راز کے آپ نے تعلیم فرمایا تھا۔ اصول کافی صفحہ ۲۷۷ میں ہے۔

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ
وَلَايَةُ اللّٰهِ اَسَرَّهَا اِلٰى	ولایت الٰہی (یعنی مسئلہ امامت)
جِبْرِيْلَ وَ اَسَرَّهَا جِبْرِيْلُ	خدا نے جبرئیل کو راز کے طور پر بتایا
اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ	اور جبرئیلؑ نے اس کو بطور راز
عَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ اَسَرَّهَا	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا۔
مُحَمَّدٌ اِلٰى عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ	اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت
وَ اَسَرَّهَا عَلِيٌّ اِلٰى مَنْ	علی علیہ السلام کو بطور راز کے بتایا۔
شَاءَ ثُمَّ اَنْتُمْ تُذِيْعُوْنَ	اور حضرت علیؓ نے بطور راز کے جسکو چاہا بتایا۔
ذٰلِكَ ۔	اور اب تم اس کو مشہور کرتے ہو۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا۔ کہ مسئلہ امامت ایسا راز مخفی ہے۔ کہ فرشتوں میں بھی سوا جبرئیلؑ کے کسی کو اس کی خبر نہیں۔ اور صحابہؓ میں بھی سوا حضرت علیؓ کے کسی کو اس کا علم نہیں۔

اس مضمون کی حدیثیں مخالفین کی کتب میں بہت ہیں۔ گو ان حدیثوں کی تصنیف محض اس مشکل کے حل کرنے کے لئے کی گئی تھی۔ کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ مسئلہ امامت ایک ایسا اہم اور اشد ضروری مسئلہ اور قرآن صحابہؓ میں کہیں اس کا پتہ نہیں۔ تقریباً ساڑھے سات ہزار صحابی ہیں۔ جن سے روائتیں حدیث کی منقول ہیں۔ اتنے بڑے جم غفیر میں ایک متنفس بھی مسئلہ امامت کی روایت نہیں کرتا۔ اب یہ مشکل حل ہوگئی کہ کوئی صحابی روایت کیسے کرتا۔ کسی کو اس مسئلہ کی خبر ہی نہ تھی۔ یہ مسئلہ تو راز مخفی تھا۔ خدا تعالےٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے سوا کسی کو نہ بتایا حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو پتہ نہ دیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کسی کو خبر نہ دی۔ حتیٰ کہ جناب سیدہ وحسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی۔ خیر مشکل تو حل ہوگئی۔ مگر مذہب کی بنیاد اکھڑ گئی۔ مسئلہ امامت متواتر نہ رہا۔ بھلا یہ بات بھی کسی کی عقل میں آسکتی

ہے۔ کہ دین کا ایک ایسا ضروری مسئلہ کہ دین اور ایمان کی اس پر بنیاد اور وہ اس طرح مخفی ہو۔

مخالفین اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی تمام اُمت نے برضا و رغبت بیعت کی۔ صرف پانچ آدمیوں نے بغیر دلی رضامندی کے بیعت کی۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۴۸ میں ہے۔

مَامِنَ الْاُمَّۃِ اَحَدٌ	اُمت میں کوئی ایسا نہیں جس نے
بَایَعَ مُکْرَھًا غَیْرُ عَلِیّ	حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بغیر دلی
وَّ اَرْبَعَتِنَا۔	رضامندی کے بیعت کی ہو۔ سوا

حضرت علیؓ کے اور ہمارے چار اشخاص کے۔

اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اس وقت کے مسلمانوں کو مسئلہ امامت کا علم نہ تھا۔ ورنہ اتنی بڑی جماعت ہرگز اس باطل بیعت پر دلی رضامندی کے ساتھ متفق نہ ہوتی۔

ان تمام باتوں کا ناقابل انکار نتیجہ یہ ہے۔ کہ قرن صحابہؓ میں ان کے مذہب کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مخالفین کا یہ کہنا کہ اس وقت پانچ بزرگوار ان کے عقیدہ کے تھے۔ یہ ایک ایسا لیے دلیل دعویٰ ہے۔ جس پر وہ کوئی گواہ نہیں پیش کر سکے۔ نہ کر سکتے ہیں۔ اور ایسے راز مخفی کا گواہ کیسے مل سکتا ہے۔ بلکہ تمام تر عقلی و نقلی دلائل حتیٰ کہ خود مخالفین کی روایات اس دعویٰ کی تکذیب کر رہی ہیں۔

المختصر ایک منصف کی نظر میں یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ کہ قرن صحابہؓ میں سوا مذہب اہل سُنت کے کوئی دوسرا مذہب نہ تھا۔ مخالفین کا کوئی حرف اس وقت تک تصنیف نہ ہوا تھا۔ قرن صحابہؓ کے آخر میں جب کہ اسلامی فتوحات کی ترقی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اور کچھ لوگ منافقانہ اسلام کے مطیع بنے تھے۔ یہودیوں کی ایک جماعت بھی منافقانہ مسلمان ہوئی۔ یہودی اپنی مکاریوں میں ضرب المثل تھے۔ اور مذہب و ملت کے تصنیف کرنے اور دینِ الٰہی کے بگاڑنے میں خاص مہارت

رکھتے تھے۔ اور دین عیسوی کے بگاڑنے میں کامیابی حاصل کر کے ان کے حوصلے اس کام میں خوب بڑھے ہوئے تھے انہیں یہودیوں میں ایک شخص عبداللہ بن سبا تھا جو ان سب کا استاد تھا۔ اس نے منافقانہ اظہار اسلام کر کے طرح طرح کے مہمات مسلمانوں میں پیدا کر دیئے۔ مسلمانوں میں لڑائیاں کرائیں۔ اور جاہل ناواقفوں کو عجیب عجیب مکاریوں سے بہکایا۔ کسی کو تو یہ سکھلایا کہ سب صحابہؓ واجب التعظیم ہیں مگر حضرت علیؓ کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی کو یہ تعلیم کیا کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا۔ خلفائے ثلثہؓ نے معاذ اللہ اس حق کو غصب کر لیا۔ ان پر تبرا ہونا چاہیئے۔ کسی کو یہ بتلایا کہ درحقیقت حضرت علیؓ ہی خدا ہیں۔ بغرض کئی قسم کے مختلف عقائد اس نے لوگوں میں پھیلائے۔

یہی عبداللہ بن سبا ہے جس نے مسئلہ امامت تصنیف کیا۔ صحابہؓ پر تبرا بازی کی تعلیم دی۔ بالآخر یہ راز کھلا۔ اور حضرت علیؓ مرتضٰے نے اس شقی کو واصل جہنم کیا۔

آج مخالفین اس بات سے بہت گھبراتے ہیں۔ اور عبداللہ بن سبا کے نام پر ہزاروں نفرین کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہرگز وہ ہمارے مذہب کا موجد نہیں۔ لیکن یہ انکار یا تو ان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ یا ناواقفوں کو دھوکا دینے کی غرض سے ورنہ ان کے علمائے سابقین دبی زبان سے اس کا اقرار کر گئے۔ رجال کشی صفحہ ۷۱ میں ہے۔

ذَكَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ	بعض اہل علم نے بیان کیا ہے۔ کہ
اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ سَبَا كَانَ	عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پھر
يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ وَوَالٰى	وہ اسلام لایا۔ اور اس نے
عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ	حضرت علی علیہ السلام سے محبت
يَقُوْلُ وَهُوَ عَلٰى يَهُوْدِيَّتِهٖ	کی۔ اور وہ اپنے زمانہ یہودیت
فِيْ يُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَصِيٌّ	میں حضرت یوشع بن نون وصی

مُوسیٰ بِالْغُلُوِّ فَقَالَ فِی إِسْلَامِہٖ بَعْدَ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ أَشْہَرَ الْقَوْلَ بِفَرْضِ إِمَامَةِ عَلِیٍّ وَّ أَظْہَرَ الْبَرَاءَةَ مِنْ أَعْدَآئِہٖ وَكَاشَفَ مُخَالِفِیْہِ وَأَكْفَرَهُمْ فَمِنْ ہٰہُنَا قَالَ مَنْ خَالَفَ الشِّیْعَةَ أَصْلُ التَّشَیُّعِ وَالرَّفْضِ مَأْخُوْذٌ مِنَ الْیَہُوْدِیَّةِ

موسیٰ ؑ کے بارے میں غلو کیا کرتا تھا۔ پھر وہ اپنے اسلام کے زمانہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے بارہ میں ویسا ہی غلو کرنے لگا۔ یہ ابن سبا پہلا شخص ہے۔ جس نے امامت حضرت علیؓ کے فرض ہونے کو شہرت دی۔ اور ان کے دشمنوں پر تبرا کیا۔ اور ان کے مخالفوں سے کھیل کھیلا۔ اور ان کی تکفیر کی۔ اسی وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں کہتے ہیں کہ تشیع کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

اس تحقیق سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ مخالفین کے دونوں رکن اعظم یعنی امامت حضرت علیؓ اور تبرا اسی دشمن اسلام عبداللہ بن سبا کے مشہور کئے ہوئے ہیں۔ اور وہی اس مذہب کا موجد ہے۔

رجال کشی میں عبداللہ بن سبا کے متعلق امام جعفر صادق رح سے منقول ہے کہ اس نے یہ بھی کہا کہ حضرت علیؓ نے اس کو بہت سمجھایا اور توبہ کرنے کے لئے کہا۔ اس نے نہ مانا۔ بالآخر آپ نے اس بدبخت کو آگ میں جلوا دیا۔

عبداللہ بن سبا کے واصل جہنم ہونے پر مذہب رفض دنیا سے نیست ونابود نہیں ہوا۔ بلکہ بہت سے شاگرد اس کے باقی تھے۔ جو اپنے استاد سے بھی کچھ سبقت لے گئے۔ رجال کشی میں یہ روایت بھی ہے۔ کہ امام جعفر صادق نے فرمایا

کہ جنگ جمل کے بعد ستر آدمی جناب امیر کے پاس آئے ۔ جو اسی عبداللہ بن سبا کی بولی بولتے تھے ۔ اور انہوں نے بھی توبہ کرنے سے انکار کیا ۔ ان سب کو بھی حضرت علیؓ نے آگ میں جلوا دیا ۔

اَللّٰہُ اَکْبَر کیسے شقی و سخت دل لوگ تھے ۔ دین کو خراب کرنے کے لئے اور لوگوں کو بہکانے کے لئے اپنے کو ان مصائب میں ڈالا ۔ آگ میں جلنا قبول کیا ۔ مگر شرارت سے باز نہ آئے ۔ پرائی بدشگونی کے لئے اپنی ناک کو کاٹ ڈالنا اسی کو کہتے ہیں ۔

جنگ جمل و صفین کے بعد اس مذہب نے کچھ ترقی کی ۔ مگر غیر معمولی، اس وقت تک باقاعدہ نہ اس مذہب کے اصول و فروع تیار ہوتے تھے ۔ نہ کوئی نام اس مذہب کا تھا ۔ نہ کوئی مستقل وجود اس کا سمجھا جاتا تھا ۔ یہاں تک کہ حضرت امام باقرؒ و صادقؒ کا زمانہ آیا ۔ اس وقت کوفہ میں ایک جماعت تیز اور طرار لوگوں کی قائم ہوئی ۔ جس کے نام ور ممبر زرارہ صاحب و ابوبصیر و ہشام و عبداللہ بن ابی یعفور صاحبان وغیرہم تھے ۔ ان صاحبوں نے عبداللہ بن سبا کے تصنیف کئے ہوئے مذہب کو بہت پسند کیا اور اس کے زندہ کرنے اور مکمل کرنے میں اپنی طباعی اور ذہانت سے خوب خوب کام لئے ۔ باقاعدہ حدیثیں ڈھلنے لگیں ۔ اور سبائی مذہب کے اصول و فروع بننے لگے ۔ چالاکی یہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے حدیثیں نہیں ڈھالیں کہ کہیں محدثین اہل سنت کو خبر ہو جائے ۔ اور وہ تنقید شروع کر دیں تو سب کھیل بگڑ جائے ۔ لہذا حدیثیں جس قدر ڈھالیں ۔ اکثر و بیشتر امام باقرؒ و صادقؒ کے نام سے بنائی گئیں یہ ائمہ مدینہ میں رہتے تھے ۔ اور حدیثیں ان کے نام سے کوفہ میں ڈھلتی تھیں ۔

ان چالاک لوگوں نے بہت سی باتیں ائمہ کے نام سے تصنیف کیں ۔ اور قریب قریب سبائی مذہب کے اصول و فروع نصف سے زیادہ تیار کر لئے ۔ مگر یہ ممکن نہ ہوا کہ اپنے مذہب کی عام اشاعت کرتے یا تمام اصحاب ائمہ کو اپنا

ہم خیال بنالیتے۔

خود ان کی کتب معتبرہ میں اس امر کا اقرار بھی موجود ہے۔ کہ اصحاب ائمہ میں بہت لوگ اہل سُنت کے مذہب پر تھے۔ اور ائمہ ان کے دیندار اور نیکوکار ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں:۔

از احادیث ظاہر میشود کہ جمعے از راویاں کہ در اعصار آئمہ علیہم السلام بودہ اند از شیعان اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار میدانستہ اند۔ چنانچہ از رجال کشی ظاہر میشود معہذا ائمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں مے کردہ اند۔	احادیث سے ایسا ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک جماعت راویوں کی جو ائمہ علیہم السلام کے ہم عصر تھے شیعوں میں وہ ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو علمائے نیکوکار جانتے تھے۔ چنانچہ رجال کشی سے ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے ائمہ علیہم السلام ان کو مومن بلکہ متقی کہتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ امام باقرؒ و صادقؒ کے زمانہ میں بھی اس مذہب کا رواج پورا نہ تھا۔ خود ائمہ کی صحبت میں بیٹھنے والے جن کی ائمہ تعریف کرتے تھے۔ مسئلہ امامت سے بے خبر تھے۔ بلکہ یہ مذہب کوفہ کے چند بدمذاق لوگوں میں محدود تھا۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ بڑے جھوٹے اور خائن ہو۔ تمہاری روایتوں پر کیوں کر اعتبار کیا جائے۔ تو جواب دیتے کہ جھوٹ بولنا بڑی عبادت ہے۔[1]

---

[1] اصول کافی صـــ۴۸۲ میں ابوعمیر اعجمی سے روایت ہے کہ قال لی ابوعبداللّٰہ علیہ السلام یا اباعمیر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل شیٔ الا فی النبیذ و المسح علی الخفین۔ (بقیہ صـــ۶۱ پر)

جھوٹ بولنا تو انبیاء وائمہ کا شیوہ ہے۔ جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے۔ جھوٹ بولنے کا نام تقیہ ہے۔ اور کبھی کہتے کہ ائمہ نے فرمادیا ہے۔ کہ جو شخص ہماری امامت کو مان لے۔ پھر چاہے جھوٹ بولے چاہے خیانت کرے اس پر کچھ عتاب نہ ہوگا۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تم جو روایتیں نقل کرتے ہو۔ ان میں اختلاف و تناقض اس قدر ہے۔ کہ کوئی روایت ایسی نہیں جس کے خلاف دوسری روایت نہ ہو۔ کوئی

(ترجمہ: امام جعفر صادق نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو عمیر دین کے کل دس حصہ ہیں۔ ان میں سے نو حصہ تقیہ میں ہیں۔ اور جس نے تقیہ نہ کیا وہ بے دین ہے۔ اور تقیہ ہر چیز میں ہے۔ سوائے نبیذ پینے اور موزوں پر مسح کرنے کے۔ استبصار میں ایک حدیث موجود ہے۔ جس میں موزوں پر مسح کرنے میں بھی اجازت ہے۔ ۱۲

ملے اصول کافی صفحہ ۴۸۲ میں ابو بصیر صاحب سے روایت ہے۔ کہ قال ابو عبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قال ای و اللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما۔

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے بتحقیق حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر نے کہا تھا۔ کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ حالانکہ اللہ کی قسم انہوں نے کچھ چرایا نہ تھا۔ اور بتحقیق حضرت ابراہیم پیغمبر نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ معلوم ہوا تقیہ نام جھوٹ بولنے کا ہے۔ اور جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے ۱۲

ملے مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول صفحہ ۵۱ میں لکھتے ہیں اَلْاَحَادِیْثُ الْمَاثُوْرَۃُ عَنِ الْاَئِمَّۃِ مُخْتَلِفَۃٌ جِدًّا لَا یَکَادُ یُوْجَدُ حَدِیْثٌ اِلَّا وَفِیْ مُقَابِلِہٖ مَا یُنَافِیْہِ وَلَا یَتَّفِقُ خَبَرٌ اِلَّا وَبِاِزَائِہٖ مَا یُضَادُّہٗ حَتّٰی صَارَ ذٰلِکَ سَبَبًا لِرُجُوْعِ بَعْضِ النَّاقِصِیْنَ عَنْ اِعْتِقَادِ الْحَقِّ کَمَا صَرَّحَ بِہٖ شَیْخُ الطَّائِفَۃِ فِیْ اَوَائِلِ التَّھْذِیْبِ وَالْاِسْتِبْصَارِ۔

ترجمہ:۔ حدیثیں جو ائمہ سے منقول ہیں۔ ان میں سخت اختلاف ہے۔ کوئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ پر)

کچھ روایت کرتا ہے۔ کوئی کچھ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب ائمہ پر افترا ہے، تو جواب دیتے کہ یہ اختلاف ہم لوگوں کے سبب نہیں ہے۔ ائمہ خود اپنے ہم مذہبوں میں اختلاف ڈالنے کے لئے مختلف باتیں بیان کرتے ہیں، اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ ہم کو سچا نہ سمجھیں۔ جب ان سے کہا جاتا

(بقیہ حاشیہ صلا کا) حدیث ایسی نہیں ملتی۔ جس کے خلاف دوسری حدیث نہ ہو۔ کوئی خبر ایسی نہیں جس کے خلاف دوسری خبر نہ ہو۔ یہاں تک کہ یہ اختلاف بہت سے ناقص لوگوں کے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب بن گیا۔ جیسا کہ ہمارے پیشوا نے اوائل تہذیب واستبصار میں اس کی تصریح کی ہے ۱۲۔

لے اصول کافی ص۳۷ میں ہے:۔ عَنْ زُرَارَةَ ابْنِ اَعْيَنٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ سَئَلْتُهٗ عَنْ فَاَجَابَنِيْ ثُمَّ جَآءَهٗ رَجُلٌ فَسَئَلَهٗ عَنْهَا فَاَجَابَهٗ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِيْ ثُمَّ جَآءَهٗ رَجُلٌ فَسَئَلَهٗ عَنْهَا فَاَجَابَهٗ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِيْ وَاَجَابَ صَاحِبِيْ فَلَمَّا خَرَجَ رَجُلَانِ قُلْتُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَجُلَانِ مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ شِيْعَتِكُمْ قَدِمَا يَسْئَلَانِ فَاَجَبْتَ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِغَيْرِ مَا اَجَبْتَ صَاحِبَهٗ فَقَالَ يَا زُرَارَةُ اِنَّ هٰذَا خَيْرٌ لَّنَا وَلَكُمْ اَبْقٰى لَنَا وَلَكُمْ وَلَوِ اجْتَمَعْتُمْ عَلٰى اَمْرٍ وَّاحِدٍ لَصَدَّقَكُمُ النَّاسُ عَلَيْنَا وَلَكَانَ اَقَلَّ لِبَقَآئِنَا وَبَقَآئِكُمْ ثُمَّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ شِيْعَتُكُمْ لَوْ حَمَلْتُمُوْهُمْ عَلَى الْاَسِنَّةِ اَوِ النَّارِ لَمَضَوْا وَهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ عِنْدِكَ مُخْتَلِفِيْنَ قَالَ فَاَجَابَنِيْ بِمِثْلِ جَوَابِ اَبِيْهِ۔

ترجمہ:۔ زرارہ صاحب امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے مجھے جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا۔ اس کو انہوں نے میرے جواب کے خلاف بتایا۔ پھر ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اس کو ہم دونوں کے خلاف جواب بتایا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے کہا کہ اے فرزند رسول اللہ یہ دونوں شخص عراق کے رہنے والے تمہارے شیعوں میں سے تھے۔ تم سے مسئلہ پوچھنے آئے تھے تم نے ایک کو کچھ

(بقیہ حاشیہ صلا پر)

کہ تم جو تمام صحابہ کرامؓ کو مرتد کہتے ہو۔ اور حضرت علیؓ کا مذہب سب کے خلاف بتاتے ہو۔ یہ بات بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ پانچوں وقت تینوں خلفاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اپنے زمانہ خلافت میں تینوں خلیفوں کی تعریف کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہؓ کا نکاح کر دیا۔ علیؓ کے علاوہ امام باقر و صادقؓ بھی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی مدح سرائی کیا کرتے۔ تو یہ عجیب الخلقت لوگ جواب دیتے کہ حضرت علیؓ تقیہ کرتے تھے اور تقیہ کر کے جو کسی لیے دین کے پیچھے نماز پڑھے۔ تو اس کو اتنا بڑا ثواب ملتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ اپنے زمانہ

(بقیہ صـ۶۴ کا حاشیہ) جواب دیا اور دوسرے کو کچھ امام باقر نے کہا اسے زرارہ اسی میں ہماری، تمہاری خیریت ہے۔ اگر تم سب ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا سمجھ لیں گے۔ پھر ہماری تمہاری زندگی نہیں رہ سکتی۔ پھر میں نے امام جعفر سے کہا کہ تمہارے شیعہ ایسے ہیں کہ اگر تم ان کو نیزوں میں اور آگ میں بھیج دو تو چلے جائیں۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس سے مختلف ہو کر نکلتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی اپنے دادا کا سا جواب دیا ۱۲ ؛

ا؎ مَن لَّا یَحْضُرُہُ الْفَقِیْہ کے بَابُ الْجَمَاعَتِ میں امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ قَالَ مَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ یُّصَلِّیْ صَلٰوۃً فَرِیْضَۃً فِیْ وَقْتِھَا ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَھُمْ صَلٰوۃً تَقِیَّۃً وَّھُوَ مُتَوَضِّیٌ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ بِھَا خَمْسًا وَّ عِشْرِیْنَ دَرَجَۃً فَارْغَبُوْا فِیْ ذٰلِکَ وَرَوٰی عَنْہُ حَمَّادُ بْنُ عُثْمَانَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ صَلّٰی مَعَھُمْ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ کَانَ کَمَنْ صَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ ۔ ترجمہ: امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے فرض نماز اپنے وقت میں پڑھ چکا ہو۔ پھر سنیوں کے ساتھ مل کر تقیہ سے نماز پڑھے۔ اس حال میں کہ وضو ہو۔ اللہ اس کے پچیس درجے لکھ دیتا ہے۔ پس اس کام کی رغبت کرو۔ اور حماد بن عثمان نے امام صادق سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سنیوں کے ساتھ صف اول میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ وہ مثل اس شخص کے ہوگا جس نے رسول اللہ کے ساتھ صف اول میں نماز پڑھی سنیوں کا رتبہ قابل دید ہے۔ شاباش ۱۲ ؛

خلافت میں بھی تقیہ کرتے تھے۔ کیوں کہ ان کے لشکر میں سب سُنی لوگ تھے۔ اگر جناب امیر ان کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالتے تو سب لوگ آپ سے جدا ہو جاتے۔ اور اتنی مشکل سے چوتھی مرتبہ میں جو خلافت ملی تھی۔ وہ بھی جاتی رہتی۔ اور نکاح ام کلثوم جبراً ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ظلماً ان کی بیٹی کو چھین لیا۔ اور اپنے تصرف میں لائے جب ان سے کہا جاتا کہ تم متعہ جیسی ناپاک چیز کو نہ صرف حلال بلکہ عبادت کہتے ہو۔ اور تراویح جیسی عمدہ عبادت کو حرام کہتے ہو۔ اگر یہ تمہارا کہنا صحیح ہوتا۔ تو حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں متعہ کو کیوں رواج نہ دیا۔ اور تراویح کو کیوں نہ روکا تو جواب دیتے کہ حضرت علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں مجبور و مغلوب تھے لہٰذا تقیہ کرتے ہیں۔

لے روضۂ کافی ص۲۹ میں خود حضرت علیؓ کی زبان سے منقول ہے۔ قَدْ عَمِلَتِ الْوُلَاةُ قَبْلِي أَعْمَالاً خَالَفُوا فِيهَا رَسُولَ اللهِ مُتَعَمِّدِينَ لِخِلَافِهِ نَاقِضِينَ لِعَهْدِهِ مُغَيِّرِينَ لِسُنَّتِهِ وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلَىٰ تَرْكِهَا وَحَوَّلْتُهَا إِلَىٰ مَوَاضِعِهَا وَإِلَىٰ مَا كَانَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَتَفَرَّقَ عَنِّي جُنْدِي ۔ ترجمہ: جو حکام مجھ سے پہلے تھے۔ انہوں نے ایسے کام کیے جن میں عمداً رسول اللہ کی مخالفت ہے۔ عہد رسول کو توڑا ہے۔ سنت رسول کو بدل دیا ہے۔ اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کے چھوڑنے کی ترغیب دوں اور ان اعمال کو بدل کر اصلی حالت میں جیسا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں تھے کر دوں تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔ یہ حدیث لمبی ہے۔ اس کے بعد جناب امیر نے فدک وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ تراویح کے متعلق ایک دفعہ میں نے کہا کہ بدعت ہے۔ تو میرے لشکر میں غل مچ گیا کہ دیکھو یہ شخص حضرت عمرؓ کی سنت کو بدلنا چاہتا ہے ۱۲۔ ؎ فروع کافی کتاب النکاح میں ایک خاص باب ہے۔ باب تزویج ام کلثوم اس باب میں امام صادق سے منقول ہے کہ ذَاكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ یعنی یہ شرم گاہ تھی جو ہم سے چھین لی گئی۔ ۱۲۔ ؎ قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں اسی سوال کا کہ متعہ حلال تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کی حلت کا اعلان کیوں نہ کر دایا۔ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ جناب امیر کو خلافت برائے نام ملی تھی۔ وہ اپنی خلافت میں بھی مجبور تھے۔ پوری عبارت احقاق الحق کی مناظرہ حصہ دوم میں دیکھو۔ جس کا آخری فقرہ یہ ہے کہ وَالْحَاصِلُ أَنَّ أَمْرَ الْخِلَافَةِ مَا وَصَلَ إِلَيْهِ إِلَّا بِالِاسْمِ دُونَ الْمَعْنَى ۱۲ -

جب یہ چالاک لوگ بیوقوفوں کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے کوئی پیشنگوئی ائمہ کے نام سے نقل کرتے۔ کہ دیکھو اب اتنے دنوں میں تمام روئے زمین پر ہماری حکومت ہوجائے گی۔ جو شخص اس مذہب میں ہوگا۔ خوب عیش کرے گا۔ اور یہ پیشین گوئیاں جھوٹی نکل جاتیں۔ تو کہتے صاحب ہم کیا کریں۔ خدا کو بدا ہوگیا۔ اور کبھی کہتے یہ پیشن گوئیاں ان کے بہلانے کے لئے تھیں۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ مرتد ہوجاتے۔

جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ جو بیان کرتے ہو۔ کہ معاذ اللہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ یعنی خدا جاہل ہے۔ اور جھوٹ بولنا عبادت ہے۔ ائمہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ ان کا

ا؎ اصول کافی صـ۲۳۳ میں یقطین سنی اور ان کے بیٹے علی بن یقطین شیعہ کی باہم گفتگو منقول ہے سنی نے کہا کہ یہ کیا بات ہے۔ کہ تمہارے اماموں کی پیشین گوئیاں شیعوں کے بہلانے کے لئے تھیں۔ وہ بہلائے نہ جاتے تو مرتد ہوجاتے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَقْطِينٍ قَالَ قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الشِّيعَةُ تُرَبَّى بِالْأَمَانِيِّ مُنْذُ مِائَتَيْ سَنَةٍ قَالَ قَالَ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ إِنَّ الَّذِي قِيلَ لَنَا وَلَكُمْ كَانَ مِنْ مَخْرَجٍ وَاحِدٍ غَيْرَ أَنَّ أَمْرَكُمْ حَضَرَ فَأُعْطِيتُمْ مَحْضَهُ فَكَانَ كَمَا قِيلَ لَكُمْ وَإِنَّ أَمْرَنَا لَمْ يَحْضُرْ فَعُلِّلْنَا بِالْأَمَانِيِّ فَلَوْ قِيلَ لَنَا إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَا يَكُونُ إِلَّا إِلَى مِائَتَيْ سَنَةٍ أَوْ ثَلَاثِمِائَةِ سَنَةٍ لَقَسَتِ الْقُلُوبُ وَلَرَجَعَ عَامَّةُ النَّاسِ عَنِ الْإِسْلَامِ۱۲

۲؎ ان کی کتب معتبرہ میں سینکڑوں واقعات خدا کے بدا کے مذکور ہیں۔ مثلاً خدا نے امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کے امام ہونے کا اعلان دیا۔ مگر پھر اسمٰعیل سے کچھ حرکات ناپسندیدہ صادر ہوئیں۔ جن کا خدا کو علم نہ تھا۔ تو خدا نے اپنی رائے بدلی اور موسیٰ کاظم کو امام بنایا۔ اس کی بابت شیخ صدوق نے رسالہ اعتقادیہ میں لکھا ہے۔ کہ مَا بَدَا لِلّٰهِ فِي شَيْءٍ كَمَا بَدَا لَهُ فِي إِسْمٰعِيلَ۔ خدا کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا۔ جیسا اسمٰعیل کے بارے میں ہوا۔ اور مثلاً امام علی نقی کے بعد خدا نے ان کے بیٹے محمد کی امامت کا اعلان دیا۔ مگر خدا کو معلوم نہ تھا کہ محمد اپنے باپ کے سامنے ہی مرجائیں گے۔ جب وہ مرگئے تو خدا نے اپنی رائے بدلی۔ اور اپنے اعلان کے خلاف امام حسن عسکری کو خلیفہ کیا۔ یہ قصہ اصول کافی صفحہ ۲۰۱ میں ہے اور ہم مناظرہ حصہ چہارم صفحہ ۸۹

ظاہر اور تھا اور باطن اور۔ حضرت علیؓ جیسے شیر خدا اور بہادر کو ڈرپوک مجبور و مغلوب بناتے ہو۔ یہ باتیں بالکل عقل کے خلاف ہیں۔ کیسے مان لی جائیں۔ تو جواب دیتے کہ ائمہ کی باتیں راز الٰہی ہیں۔ ہر شخص[1] کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ واگر تقیہ[2] با وجود خلافت وشجاعت وشوکت وقیام بقتال جمیع اہل ارض جائز باشد میتوان گفت کہ با جمعے کہ باشیخین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵ کا) میں نقل کر چکے ہیں۔ اور مثلاً خدا نے امام مہدی کے ظہور کا وقت ۷۰ھ مقرر کیا۔ پھر انہوں نے اس کو شہرت دے دی۔ تو خدا نے اپنی رائے بدل کر ۱۴۰ھ مقرر کیا۔ مگر معلوم نہ تھا کہ امام حسین شہید کر دیئے جائیں گے۔ اور مجھے غصہ آجائے گا۔ لہٰذا بعد شہادت حسینؓ پھر رائے بدل گئی۔ اور اب وقت مقرر نہیں ہے یہ قصہ اصول کافی ص ۲۳۳ میں ہے انہیں واقعات سے مجبور ہو کر مولوی دلدار علی نے اساس الاصول ص ۲۱۹ پر لکھ دیا کہ یَلْزِمُ مِنْہُ اَنْ یَتَّصِفَ الْبَارِیْ تَعَالٰی بِالْجَہْلِ۔ یعنی بدا کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا جاہل ہے ۱۲

[1] اصول کافی میں ایک مستقل باب اسی مضمون کا ہے۔ کہ ائمہ کی حدیثیں مشکل ہوتی ہیں سوائے نبی مرسل یا ملک مقرب یا مؤمن کامل کے کوئی ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

[2] ترجمہ :- اور اگر تقیہ باوجود خلیفہ ہونے اور بہادر ہونے اور صاحب شوکت ہونے اور تمام دنیا کے لوگوں سے لڑ سکنے کے بعد بھی جائز ہو تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ جو لوگ شیخین سے بدگمان تھے حضرت علیؓ ان سے تنہائی میں تقیہ کر کے شیخین کا انکار کر دیتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے جو مجمع عام میں خَیْرُ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّہَا اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ فرمایا۔ یہ کلام صحیح ہے۔ اور اس کے خلاف جو تنہائی میں شیعوں سے کہا وہ تقیہ ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنے کو مسلمان کہنا اور پنج وقتہ نماز پڑھنا اور دوزخ سے ڈر ظاہر کرنا یہ سب باتیں مسلمانوں سے تقیہ کر کے کہتے تھے اور کچھ شک نہیں۔ کہ لوگوں کو جتنی نفرت ترک اسلام سے تھی۔ اتنی نفرت شیخین کے انکار سے نہ تھی۔ لہٰذا ان کے اسلام میں تقیہ کا احتمال بہت قوی ہے۔ پس حضرت علیؓ کے اسلام کا یقین نہ رہا۔ امامت تو کجا اور یہ نتائج مذہب شیعہ کے ایسے برے ہیں۔ کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں لا سکتا ۱۲

بدمے بودند درخفیہ بنا برتقیہ انکار شیخین مے نمود۔ پس خَیْرُ الْاُمَّتِہٖ الخ متحقق است۔ و خلاف او تقیہ و مے تواں گفت کہ اظہار اسلام و نماز پنجگانہ خواندن و از دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر تقیہ از مسلمین بودہ و نہایت تنفر قوم بر ترک اسلام اشد بود از تنفر بہ سبب انکار شیخین پس از اسلام او برخاست چہ جائے امامت و ایں ہمہ لقبا جاتے می کشند کہ ہیچ مسلمانے خیال آں نمے تواند کرد۔ ازالۃ الخفاء مقصد اوّل صفحہ ۲۸۲۔

تو جواب دیتے کہ صاحب ہم بحث نہیں کرتے۔ ائمہ نے ہم کو مذہبی بحث کرنے سے منع[1] کر دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس سے دل بیمار ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ عجب مضحکہ خیز باتیں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ اور نہایت عجیب عجیب چالاکیوں سے اس مذہب کی تصنیف و ترویج میں کوشاں رہتے تھے۔ علمائے اہل سنت میں سے کسی کو ان باتوں کی خبر ہوتی تو وہ چنداں التفات نہ کرتے۔ غالباً یہی خیال ہوا ہوگا کہ یہ مسخرا پن چند روز کا کھیل ہے خود بخود مٹ جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ مسلمانوں کو ممانعت کر دی گئی تھی۔ کہ ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ ان سے بات نہ کرو یہ بڑے جھوٹے لوگ ہیں۔ مگر ہماری اس بے توجہی سے فائدہ اٹھا کر پورا مذہب تیار کر لیا گیا۔ اور جیسے جیسے خیر القرون سے بُعد ہوتا گیا۔ اس مذہب کی اشاعت میں کچھ ترقی ہوتی گئی۔ بیسیوں فرقے خود ان میں پیدا ہو گئے۔ کوئی کسی کو امام مانتا ہے کوئی کسی کو انہیں میں ایک فرقہ وہ ہے جو اب بھی حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے۔ ان فرقوں میں باہم بڑی عداوت ہے۔ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اور بڑے بڑے فساد برپا کرتے ہیں۔ اب ہند و پاکستان میں جو فرقہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کا نام اثنا عشری ہے۔ یہ لوگ بارہ اماموں کے قائل

---

[1] اصول کافی صفحہ ۴۸۱ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ لَا تَخَاصِمُوْا بِدِیْنِكُمُ النَّاسَ فَاِنَّ الْمُخَاصَمَةَ مَمْرَضَةٌ لِلْقَلْبِ۔ ترجمہ: اپنے دین کے متعلق لوگوں سے بحث نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ بحث کرنا دل کو بیمار کر دیتا ہے ۱۲

ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ رسول اور مانتے ہیں۔

مسئلہ امامت و خلافت میں اختلاف کی تنقیح

اس کے اختلاف کی بنیاد اسی مسئلہ امامت پر بیان کی جاتی ہے۔ اور یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ مخالفین نے دینِ اسلام کی تخریب و تحریف کا سب سے بڑا آلہ اسی مسئلہ امامت کو بنایا ہے۔ دین اسلام کی جس چیز کو بگاڑنا چاہا کسی نہ کسی امام سے اس کے متعلق کوئی روایت نقل کر دی اماموں کی آڑ میں بیٹھ کر جس چیز کو چاہا حلال کر دیا۔ اور جس حلال چیز کو چاہا حرام بنا دیا۔

مخالفین نے مسئلہ امامت کو ایک عجیب چیز بنا رکھا ہے۔ عجیب عجیب معنی اس لفظ میں پیدا کیے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ پہلے معنیٰ امامت کی تنقیح ہو جائے پھر خلافت کے معنیٰ کی تحقیق ہو جائے۔

لغت میں امامت کے معنیٰ مطلق پیشوائی کے ہیں۔ جو شخص کسی بات میں کسی کا پیشوا ہو۔ از روئے لغت اس کو امام کہہ دیں گے۔ خواہ وہ اچھے کام میں پیشوا ہو یا بُرے کام میں۔

قرآن مجید میں اسی عموم کے ساتھ اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

قولہ تعالیٰ:۔ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا یعنی ہم

ملے۔ اس لئے امام کو یہ اختیارات دیئے گئے۔ کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں۔ جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ اصول کافی ص۲۷۸ میں ہے۔ کہ امام محمد تقی سے شیعوں کے اختلاف کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ ائمہ کو تحلیل و تحریم کا اختیار ہے مطلب یہ کہ اماموں نے مختلف فتوے اس وجہ سے دیئے۔ کہ ہر امام کو اختیار تحلیل و تحریم کا تھا اور اماموں کے مختلف فتووں سے ان میں اختلاف پڑا۔ اصل عبارت بقدر ضرورت یہ ہے۔ فَهُمْ يُحِلُّونَ مَا يَشَاءُونَ وَ يُحَرِّمُونَ مَا يَشَاءُونَ ۱۲

نے ان کو امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ اس آیت میں اچھے کاموں کی پیشوائی پر امامت کا اطلاق ہوا ہے۔ وقولہ تعالیٰ "وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ" یعنی ہم نے ان کو امام بنایا۔ کہ وہ دوزخ کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اس آیت میں بڑے کام کی پیشوائی پر لفظ امامت وارد ہوا ہے۔ مگر لفظ امامت جب مطلق بولا جاتا ہے۔ تو اس سے اچھے کام کی پیشوائی مراد ہوتی ہے۔

اہل سنت نے کوئی خاص اصطلاح اس لفظ کے متعلق نہیں قائم کی۔ اسی معنی لغوی میں اس لفظ کا برابر استعمال کرتے ہیں۔ خلیفہ کو بھی امام اسی سبب سے کہہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بھی پیشوا ہوتا ہے۔ لوگ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گویان اسلام کا اس امر میں اہل سنت کے ساتھ اتفاق ہے۔ شیعہ لفظ امامت کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گویان اسلام کے خلاف سب سے الگ ہو کر کہتے ہیں۔ کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے بھی افضل ہے۔ امام مثل نبی کے معصوم ہوتا ہے۔ نبی کی طرح اس کی اطاعت بھی فرض ہوتی ہے۔ بڑے بڑے اختیارات بڑے بڑے علوم اس کے پاس ہوتے ہیں۔

مخالفین نے امام کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری قرار دیئے ہیں۔

(۱) مثل نبی کے معصوم و مفترض الطاعۃ ہو۔

(۲) اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہو۔

(۳) خدا اور رسول کی طرف سے منصوص یعنی اس عہدہ کے لئے نامزد ہو۔ لوگوں کو امام کے منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ ان کے نزدیک تو امام کا منتخب کرنا ایسا ہے۔ جیسے نبی کا جس طرح نبی کو کوئی شخص منتخب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح امام کو بھی منتخب نہیں کر سکتا۔

مخالفین کہتے ہیں کہ خدا پر واجب ہے۔ کہ قیامت تک کبھی دنیا کو امام سے خالی نہ رکھے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اس صفت کے بارہ امام رسول خدا کی طرف سے معین ہو

مقرر ہو چکے۔ ان کے نام کے بارہ لفافہ سربمہر خدا کے یہاں سے نازل ہو چکے ان ائمہ کا رتبہ تمام انبیاء سابقین سے زیادہ ہے۔ ان کو ماکان وما یکون کا علم ہوتا تھا۔ فرشتے ان کے پاس آتے تھے۔ کتب الٰہیہ سابقہ سب ان کے پاس تھیں۔ عصاء موسیٰ ید بیضا، انگشتری سلیمان، اسم اعظم غرضیکہ تمام انبیاء کے معجزات ان کے پاس تھے۔ لشکر جنات ان کے تابع تھا۔ ان کی موت ان کے اختیار میں تھی اور ہر ایک کو اپنی موت کا وقت معلوم تھا۔ ہر امام کو ایک رجسٹر بھی خدا کی طرف سے ملا تھا۔ جس میں ان کے معتقدوں کے نام بقید ولدیت لکھے ہوتے تھے۔ یہ تمام صفات امام کے مع شئی زائد اصول کافی میں موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ ان بارہ مقررہ کئے ہوئے اماموں میں سے گیارہ تو گذر چکے بارھویں صاحب صدیوں سے بخوف اہل سنت ایک پہاڑ کے غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ خدا ہی جانے کہ کب اس غار سے باہر تشریف لائیں گے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ معصوم ہونا خاصہ انبیاء ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو آپ کا مثل اور معصوم ومفترض الطاعتہ ماننا شرک فی النبوت اور ختم نبوت کا انکار ہے۔

امام معصوم مفترض الطاعتہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد کوئی معصوم مفترض الطاعتہ نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ البتہ امام بمعنی مطلق پیشوا اس امت میں بہت ہوئے اور ہیں اور ہوں گے۔ جو نہ بارہ امام میں منحصر نہ بارہ کروڑ میں۔ ان کا شمار سوا خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کوئی معمولی تعلیم نہ تھی۔ اس تعلیم نے بے تعداد انسانوں کو کامل ومکمل بنادیا۔ ہزاروں اس تعلیم کی بدولت منصب پیشوائی اور رہنمائی پر فائز ہوئے اور ہونگے۔

جس طرح نماز جماعت میں چاہے کتنی بڑی جماعت ہو امام ایک ہوتا ہے اور اگر صفیں مقتدیوں کی زیادہ ہوں تو ہر ہر صف میں دو ایک مکبر مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ وہ تکبیر کہہ کر امام کے رکوع وسجود کی اطلاع پچھلی صفوں کو دیا کرتے

ہیں۔ بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ جس طرح تمام جماعت کا امام حقیقۃً ایک ہے۔ صف اول سے صف آخر تک ہر مقتدی نے اسی کے پیچھے نماز پڑھنے کی نیت کی ہے۔ اسی کو اپنا امام بنایا ہے۔ اسی طرح تمام اُمتِ محمدیہ کے امام مفترض الطاعت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر قیامت تک ہر مسلمان آپ ہی پر ایمان لاتا ہے۔ آپ ہی کو اپنا پیشوائے حقیقی مانتا ہے۔ اور جس طرح جماعت نماز میں ان مکبروں کو بھی اس معنی میں امام کہہ سکتے ہیں۔ کہ پچھلی صفیں انہیں کی تکبیر کی تابع ہیں۔ مگر وہ حقیقۃً امام نہیں۔ کیونکہ وہ امام کے حالات کی نقل کرنے والے ہیں۔ اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیتے۔ اکابر دین علمائے شرع متین اور خلفاء کو امام کہا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر وہ حقیقۃً امام نہیں۔ کیوں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نقل کرنے والے ہیں۔ نہ اپنے احکام کے۔ اب اس مقام پر ضروری ہے کہ عصمت ائمہ کی بحث اختصار کے ساتھ لکھ دی جائے۔ تاکہ آئندہ خلیفہ کے شرائط کے سمجھنے میں الجھن نہ ہو۔ اور جب عصمت کی بحث طے ہو جائے گی۔ تو افضل و منصوص ہونے کا خود بخود فیصلہ ہو جائے گا۔

عصمت امام کی بحث

عصمت امام کی بحث کو ایک عمدہ تفصیل کے ساتھ ہم مناظرہ حصّہ سوم میں بیان کر چکے ہیں۔ اس بحث کو دیکھ کر بعض غیر متعصب مخالفین حضرات کی زبان سے نکل گیا۔ کہ درحقیقت معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مذہب کی بنیاد ہوا پر ہے۔ اور اس کو یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ ان میں سے ایک بڑے شخص[1] نے بذریعہ

[1] یہ شخص سید مصطفےٰ حسین صاحب ہیں۔ جو کسی وقت ضلع گونڈا میں سپرنٹنڈنٹ آف وارڈس رہے ہیں۔ ۱۲

مطبوعہ اعلان کے تمام مجتہدین سے درخواست کی تھی کہ دو مہینہ کے اندر اگر انجم کی بحث عصمت کا جواب نہ ہوا اور عصمت ائمہ کی کوئی تسلی بخش دلیل نہ شائع کی گئی تو میں سُنّی ہو جاؤں گا۔ لیکن اس کی بھی کسی نے پرواہ نہ کی اور آج تک کسی نے سوا خاموشی کے کچھ نہ کیا۔ یہ لوگ ہمیشہ فروعی باتوں میں تو بحث کرنے کے لئے کسی نہ کسی طرح تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسی اصولی باتوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ جس کا جی چاہے۔ ان کے علماء و مجتہدین کو آزمالے۔

عصمت کی بحث میں انہوں نے بڑی کوششیں کیں۔ لیکن ان کے تمام دلائل میں سب سے بہترین دلائل کا حال یہاں لکھا جاتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ایک طالب حق کو پورا اطمینان ہو جائے گا۔

بڑی عمدہ اور مایۂ ناز دلیل عصمت امام کی یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ امام نائب نبی ہوتا ہے۔ اور نبی معصوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا نائب بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ ورنہ نبی کے فرائض وہ کیوں کر ادا کر سکے گا۔ ہر شخص کا نائب وہی ہو سکتا ہے۔ جو صفات کمال میں اُس کا مثل ہو۔ بغیر اس کے حق نیابت ادا نہیں ہو سکتا۔ جواب اس دلیل کا ایک تو یہ ہے۔ کہ امام تمام کاموں میں نبی کا نائب نہیں ہوتا۔ نبی کے دو کام ہیں۔ اوّل یہ کہ بارگاہ الٰہی سے احکام حاصل کریں۔ دوم یہ کہ مخلوق خدا کو وہ احکام پہنچائیں۔ امام صرف دوسرے کام میں نبی کا نائب ہوتا ہے۔ اور عصمت کی ضرورت صرف پہلے کام میں ہے۔ کیوں کہ نبی نے جہاں سے احکام حاصل کئے ہیں۔ وہ ماخذ ان کا ہماری نظر کے سامنے نہیں۔ وہاں تک ہماری رسائی نہیں۔ کہ ہم جانچ سکیں کہ آیا احکام کے لینے میں کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر نبی معصوم نہ ہوں تو دین پر اعتبار نہ رہے گا۔ بخلاف امام کے۔ کہ وہ بارگاہ احدیت سے احکام نہیں حاصل کرتا۔ اس پر وحی نہیں آتی۔ اس کا کام صرف یہ ہے۔ کہ نبی کے پہنچائے ہوئے احکام یعنی قرآن و حدیث کی اشاعت و حفاظت کرے۔ اور انہیں کی تنقیح کرتا ہے۔ امام

کا ماخذ سب کے پیش نظر ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے۔ تو اس کا علم ہو سکتا ہے۔ اور دین میں کوئی اشتباہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ کلیہ صحیح ہو۔ کہ معصوم کے نائب کا بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ تو چاہیئے کہ تمام علماء و مجتہدین بھی معصوم ہو جائیں۔ کیونکہ بالاتفاق علماء و مجتہدین نائب نبی یا نائب امام ہیں۔ علماء و مجتہدین کو جانے دیجئے۔ خود امام اپنے زمانے میں جن کو اپنا نائب مقرر کر کے اطراف و جوانب میں روانہ کرتا ہے۔ ان کا معصوم ہونا ضروری ہوگا۔ مثلاً حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں جن جن لوگوں کو اپنی طرف سے کسی مقام کا حاکم بنایا اور ان کو اپنا نائب قرار دیا۔ ان سب کو معصوم کہنا چاہیئے۔ حالانکہ آج تک مخالفین میں سے اس کا قائل کوئی نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ حضرت علیؓ کے نائبوں نے جو جو ظلم کیئے ہیں۔ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ ہمیشہ اپنے نائبوں کے شاکی رہے۔ اور ان کی خیانتوں پر افسوس فرمایا کیئے۔

پس اب یا تو حضرات مخالفین[1] اپنے اجماع کے اور بداہت کے خلاف تمام علماء و مجتہدین اور نوّاب ائمہ کے معصوم ہونے کے قائل ہو جائیں اور پھر اس کے بعد کھلا ختم نبوت کا انکار کر کے اس امر کا اقرار کر لیں کہ امام سب کاموں میں نائب نبی ہوتا ہے۔ اس پر وحی بھی اترتی ہے۔ اور وہ اپنے وحی کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے۔ نہ قرآن و حدیث کی اور یا عصمت ائمہ کے عقیدہ کفریہ سے تائب ہو کر سچے مومن بن جائیں۔

---

[1] اگرچہ انہوں نے اپنے یہاں ختم نبوت کے انکار کا پورا ساماں جمع کر لیا ہے۔ اور درحقیقت ان کا ایمان ختم نبوت پر نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے امام پر نزول وحی کی روایتیں تصنیف کر لی ہیں۔ امام کے لئے قرآن و حدیث کے سوا بہت سے ماخذ احکام بھی تجویز کر لیے ہیں۔ مثلاً مصحف فاطمہ جس کی بابت اصول کافی صفحہ ۱۴۶ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے۔ وان عندنا لمصحف فاطمة وما یدریهم ما مصحف

(بقیہ ص۷۷ پر)

دوسری دلیل عصمت امام کی بڑے طمطراق کے ساتھ یہ بیان کی جاتی ہے
کہ امام کی اطاعت خدا نے واجب کی ہے۔ اگر وہ معصوم نہ ہو۔ تو اس سے گناہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) فاطمہ قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ھذا
ثلث مرات واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد۔
یعنی ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے۔ اور لوگوں کو کیا معلوم مصحف فاطمہ کیا چیز ہے۔
ایک مصحف ہے۔ جو تمہارے اس قرآن سے تگنا ہے۔ واللہ تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی اس
میں نہیں ہے۔ اور مثلاً جفر جس کی بابت اصول کافی اسی صفحہ میں امام مذکور سے منقول ہے۔
وان عندنا الجفر وما یدریھم ما الجفر قال قلت یا ابن رسول اللہ ما الجفر
قال وعاء من آدم فیہ علم النبیین والوصیین وعلم العلماء الذین
مضوا من بنی اسرائیل۔ یعنی ہمارے پاس جفر ہے۔ لوگوں کو کیا معلوم جفر کیا چیز ہے۔
راوی نے کہا کہ اے فرزند رسول جفر کیا چیز ہے۔ امام نے فرمایا وہ ایک چمڑے کا ظرف ہے۔ جس
میں نبیوں اور وصیوں کا علم اور بنی اسرائیل کے اگلے علماء کا علم ہے۔ اور مثلاً کتاب علی جس کی
بابت زرارہ صاحب کا بیان فروع کافی جلد دوم صفحہ ۵۲ میں ہے۔ کہ امام جعفر صادق نے وہ
کتاب مجھے دکھائی تھی اونٹ کی ران کے برابر موٹی تھی۔ اور تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف اس
میں مسائل لکھے تھے۔ اور مثلاً یہ کہ ہر سال امام پر ایک کتاب خدا کی طرف سے اترتی ہے۔
جس میں سال بھر کے احکام لکھے ہوتے ہیں۔ صافی شرح کافی صفحہ ۲۷۷ میں ہے برائے
ہر سال کتابے علیحدہ است مراد کتابے است۔ کہ دراں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ
امام است تا سال دیگر نازل میشود باآں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر برامام زمان اللہ تعالیٰ
باطل میکند باآں کتاب آنچہ راکہ میخواہد از اعتقادات امام خلائق۔ و اثبات میکند درانچہ
کہ میخواہد از اعتقادات۔ یعنی ہر سال شب قدر میں امام پر ایک کتاب نازل ہوتی ہے۔
جس میں سال بھر کے احکام ہوتے ہیں۔ کتاب میں خدا جن احکام کو چاہتا ہے۔ قائم رکھتا ہے۔
اور جن کو چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔ الغرض یہ سب سامان تو جمع ہیں۔ مگر اپنا اصل مذہب
مسلمانوں سے چھپاتے ہیں۔ کھلم کھلا ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے ورنہ مسلمانوں کو بہکانے کا موقع نہ رہے۔

میں بھی ان کی اطاعت کرنا پڑے گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مخلوق بجائے ہدایت کے گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی اور جو مقصود نبی و امام کے تقرر سے ہے۔ وہ فوت ہو جائے گا۔ اور یہ خدا کی شان سے بعید ہے۔

علامہ مجلسی حیات القلوب جلد اول کے صفحہ ۷ میں اس دلیل کو یوں بیان فرماتے ہیں:

چوں غرض از بعثت ایشاں ایں است کہ مردم اطاعت نمایند ہر چہ از اوامر و نواہی الٰہی بایشاں فرمایند۔ امتثال کنند۔ اگر معصوم نگرداند ایشاں را منافی غرض بعثت خواہد بود۔ بر حکیم روا نیست کہ فعلے کند کہ منافی غرض او باشد۔	چونکہ غرض ائمہ کے مبعوث کرنے سے یہ ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں اور جو اوامر و نواہی خداوندی وہ ارشاد فرمائیں لوگ ان کی تعمیل کریں۔ لہذا اگر خدا ان کو معصوم نہ کرے تو بعثت کے مقصد کے خلاف ہوگا حکیم کے لئے جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا فعل کرے جو اس کے مقصود کے خلاف ہو۔

جواب اس کا یہ ہے۔ کہ اول تو یہی غلط ہے۔ کہ امام خدا کا مبعوث کیا ہوا ہوتا ہے خدا کے مبعوث کیے ہوئے تو انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ بھی بالکل غلط ہے۔ کہ خدا کا مقصود یہ ہے۔ کہ امام کی اطاعت ہر بات میں کی جائے۔ بلکہ امام کی اطاعت کا حکم مشروط اس بات کے ساتھ ہے۔ کہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف کوئی بات نہ کہے۔ اور اگر اس کی کوئی بات خلاف قرآن و حدیث کے ہو۔ تو اس کی اطاعت اس بات میں حرام ہے۔

قولہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت

کرو۔ اور ان صاحبان حکومت کی جو تم میں سے ہوں (یعنی مسلمان ہوں) پھر اگر تم میں اور صاحبان حکومت میں باہم کسی بات کا اختلاف ہو۔ تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف واپس کرو (جس کی بات اللہ ورسول کے حکم کے مطابق ہوگی خواہ تمہاری یا ان کی اسی کی بات قائم رہے گی۔ ہاں یہ شان پیغمبر کی ہے کہ ان کی اطاعت ہر بات میں فرض ہے۔

قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ط

ترجمہ:۔ جو حکم رسول تم کو دیں اس کو لے لو۔ اور جس بات سے منع کریں اس سے باز آؤ۔ قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

ترجمہ:۔ اے نبی کہہ دیجئے۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی:۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

ترجمہ:۔ بہ تحقیق رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لئے اچھی پیروی ہے۔

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی:۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

ترجمہ:۔ جس نے رسول کی اطاعت کی بہ تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی معلوم ہوا کہ رسول کی کسی بات کا خدا کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ رسول کی ہر بات کا خدا کی مرضی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ الغرض یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔ کہ ہر بات میں ان کی اطاعت فرض ہے۔ امام کی یہ شان نہیں۔ لہذا رسول کا معصوم ہونا ضروری ہے نہ امام کا۔

اور اگر مخالفین غیر معصوم کی اطاعت کو کسی درجہ میں بھی جائز نہ رکھیں اور موجب ضلالت سمجھیں تو سب سے پہلے نماز کے امام کو معصوم ہونا چاہیئے نماز سے بڑھ

کر دین کا کونسا کام ہو سکتا ہے۔ امام نماز معصوم نہ ہو تو ممکن ہے۔ کہ واجبات نماز میں خلل آجائے۔ سہواً بے طہارت نماز پڑھا وے اور پھر یہ بھی ہونا چاہیئے۔ کہ امام نماز بھی خدا اور رسول کی طرف سے مقرر ہوں اس کے بعد پھر امام کے قاصد امام کے عُمّال امام کے نوّاب امام کے احکام ناقل وراوی ان سب کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ تنہا امام کے معصوم ہونے سے کیا کام چل سکتا ہے۔ کیوں کہ امام تو ایک جگہ رہے گا۔ دوسرے مقام کے لوگوں تک امام کے احکام جن لوگوں کے ذریعہ پہنچیں گے۔ وہ معصوم نہ ہوئے تو خرابی بدستور موجود رہے گی۔ اگر کہا جائے کہ فقط امام کا معصوم ہونا اس سبب سے کافی ہے۔ کہ وہ اس بات کا انتظام رکھے گا کہ کوئی شخص اس کے احکام کے نقل کرنے میں غلطی نہ کر سکے تو یہ بات بالکل نامعقول اور خلاف واقعات ہے۔ حضرت علیؓ پر باوجودیکہ تمام خلائی اختیارات ان کو دیئے گئے۔ بکثرت افترا پردازیاں ہوئیں۔ کوئی انتظام وہ نہ کر سکے۔ دوسرے ائمہ پر بھی افترا پردازیاں ہوئیں۔ جس کا اقرار کتب مخالفین میں بکثرت موجود ہے اور اب تو خدا نے عصمت امام کے مسئلہ کو ایسا مٹا دیا ہے۔ کہ حضرات مخالفین ہی ایسے عقلمند ہیں۔ کہ اب تک اس مسئلہ کو ایسا مان رہے ہیں بصدیوں سے کوئی امام معصوم موجود نہیں۔ اور مخالفین صحابہ بھی غیر معصوم ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ اگر بفرض محال مان لیا جائے۔ کہ امام مہدی زندہ ہیں۔ غار میں موجود ہیں۔ تو ایسی زندگی سے کیا نتیجہ جب کہ نہ ان سے کوئی مل سکتا ہے۔ نہ ان کے احکام معلوم ہو سکتے ہیں۔ تو ان کا عدم و وجود برابر ہے۔ ایسے تو ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں۔ اور اپنی قبر اقدس واطہر میں موجود ہیں۔ اور ان کے احکام بھی اُمت کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کی دی ہوئی کتاب اللہ ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے۔

حضرات مخالفین اگر کچھ بھی غور کریں۔ اور انصاف سے کام لیں تو قدرت نے جو فیصلہ عصمت امام کا کر دیا ہے۔ کافی ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بالکل انصاف

تے کام نہیں لیتے ۔ اور اس یہودی نے جو سبق ان کو پڑھا دیا ہے ۔ اس کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

پس یہ تھا نمونہ عصمت امام کی دلیلوں کا ۔ اور جب امام کا معصوم ہونا نہ ثابت ہوا ۔ تو پس اب منجانب اللہ منصوص ہونے کی شرط بھی باطل ہو گئی ۔ بلکہ لوگوں کو اختیار ہے ۔ کہ جس طرح امام نماز خود مقرر کر لیتے ہیں ۔ اسی طرح اس امام کو بھی منتخب کر لیا کریں ۔ جس طرح امام نماز کے اوصاف شریعت نے ہم کو بتلا دیئے ہیں ۔ جس میں وہ اوصاف دیکھتے ہیں ۔ اس کو اپنا امام نماز بنا لیتے ہیں ۔ اسی طرح اس امام کے اوصاف و شرائط کی بھی ہم کو ہدایت کر دی ہے ۔ جس میں وہ اوصاف و شرائط موجود ہوں اس کو منتخب کیا جا سکتا ہے ۔

مسئلہ خلافت

امامت کی تنقیح کے بعد اب خلافت کی تنقیح لکھی جاتی ہے ۔

خلافت کے معنی لغت میں جانشین کے ہیں ۔ جو شخص کسی کی جگہ پر بیٹھ جائے یعنی اس کا نائب بن کر کام کرے ۔ وہ اس کا خلیفہ کہا جائے گا ۔

اور اصطلاح شریعت میں خلافت اس بادشاہت کو کہتے ہیں ۔ جو بہ نیابت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کے قائم رکھنے اور احکام دینیہ کے نافذ کرنے کے لئے ہو ۔

پس جو شخص بادشاہ نہ ہو ۔ اگرچہ کیسا ہی صاحب فضائل ہو ۔ خلیفہ رسول نہ کہا جائے گا ۔ علی ہذا کوئی شخص بادشاہ ہو ۔ مگر اس کی بادشاہت دین کے قائم کرنے کے لئے نہ ہو ۔ وہ بھی خلیفہ نہ کہا جائے گا ۔ علی ہذا کوئی ایسا شخص بادشاہ ہو جائے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب بننے کی صلاحیت نہ ہو ۔ مثلاً کافر ہو یا فاسق ہو وہ خلیفہ نہ کہا جائے گا ۔

مخالفین کہتے ہیں کہ خلافت امام کا حق ہے۔ یعنی جو شخص مثل رسول کے معصوم مفترض الطاعۃ ہو۔ اور من جانب اللہ امامت کے لئے نامزد ہو چکا ہو۔ اسی کو خلیفہ ہونا چاہیئے۔ دوسرے کی خلافت ناجائز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص جو امامت کے لئے نامزد تھے۔ انہیں میں خلافت کو منحصر رہنا چاہیئے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ معصوم و مفترض الطاعۃ سوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا۔ لہذا خلیفہ کے لئے معصوم ہونے کی شرط بالکل ناجائز ہے۔ اور جب وہ معصوم نہیں تو منجانب اللہ اس کا تقرر بھی ضروری نہیں۔ خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پا جائیں۔

مقاصد خلافت

شریعت کے بہت سے احکام ایسے ہیں مثل اجرائے حدود و تعزیرات و فصل قضایا و رفع خصومات و ترتیب جیوش و نظم سیاسیات وغیرہ کے کہ بغیر اجتماع کامل اور ایتلاف اکمل کے انجام نہیں پا سکتے۔ اور ایسا اجتماع و ایتلاف بغیر کسی قوت جامعہ کے عادۃً ناممکن ہے۔ اور یہ قوت جامعہ بغیر خلیفہ کے نہیں ہو سکتی۔ لہذا ضروری ہوا کہ ایک شخص خلیفہ مقرر کیا جائے۔ جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں۔

اور چونکہ خلیفہ کا تقرر مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ امور مذکورۂ بالا کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے اہل سنت مسئلہ خلافت کو فروعات میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات بعضے فروعات ایسے ضروری ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کا اہتمام اصولی چیزوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

مقاصد مذکورہ بالا کے لحاظ سے نیز نصوص شرعیہ کا تتبع کر کے اہل سنت نے

حسب ذیل شرائط خلیفہ کے لئے ضروری قرار دی ہیں ۔

(۱) مسلمان ہونا کافر کی خلافت درست نہیں ۔

(۲) عاقل بالغ ہونا ۔ بے عقل یا مجنون یا بچہ کی خلافت درست نہیں

(۳) مرد ہونا ۔ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی ۔

(۴) آزاد ہونا ۔ غلام کی خلافت صحیح نہیں ۔

(۵) متکلم و سمیع و بصیر ہونا ۔ گونگے ، بہرے ، اندھے کی خلافت درست نہیں

(۶) بہادر ہونا ۔ بزدل کی خلافت درست نہیں ۔

(۷) صاحب رائے ہونا ۔

(۸) آرام طلب ناتجربہ کار نہ ہونا ۔

(۹) عادل ہونا ۔ فاسق فاجر کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ۔

(۱۰) مجتہد فی الدین ہونا ۔ جو شخص مقلد محض ہو لیاقت اجتہاد نہ رکھتا ہو وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا ۔

(۱۱) قریشی ہونا ۔ ہاشمی ہونا یا فاطمی ہونا ضروری نہیں ۔

ان شرائط کی تفصیل اور اُن کے دلائل ازالۃ الخفاء کے دیباچہ میں مذکور ہیں ۔

چند ضروری مسائل

مسئلہ ۔ خلیفہ کا منجانب خدا و رسول مقرر ہونا ضروری نہیں ۔ بلکہ مسلمانوں کو اختیار ہے ۔ کہ جس میں یہ شرائط موجود پائیں ۔ اس کو خلیفہ بنالیں ۔

اس کا یہ مطلب نہیں ۔ کہ کوئی خلیفہ منجانب خدا و رسول مقرر ہی نہیں ہو سکتا ۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم کی اور خاص کر حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی ہے جیسا

کہ انشاء اللہ تعالیٰ مبحث احادیث میں ہم نہ صرف اہل سنت بلکہ مخالفین صحابہؓ کی احادیث سے بھی اس کو ثابت کر دیں گے۔

اب رہا یہ کہ بعض علمائے اہل سنت نے لکھا ہے۔ کہ خلافت ان حضرات کی بھی منصوص نہ تھی بلکہ اجماع سے ہوئی۔ یہ کہنا بھی صحیح ہے۔ خلافت کے منجانب شارع منصوص ہونے کے تین معنی ہیں:-

اوّل یہ کہ شارع یہ بیان فرماویں۔ کہ فلاں شخص یا اشخاص میں لیاقت خلافت موجود ہے۔ یعنی تمام شرائط خلافت کے اس میں پائے جاتے ہیں۔ اگر وہ خلیفہ بنایا جائے گا۔ تو مقاصد خلافت اس سے بخوبی پورے ہوں اس معنی کے لحاظ سے تو بے شمار صحابہ کرامؓ کی خلافت منصوص ہے۔ خاص کر حضرات مہاجرین کے لئے۔ تو خاص قرآن شریف میں نص موجود ہے۔

دوم۔ یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کر دینے کے علاوہ شارع کی طرف سے اُن اشخاص کا خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب ولازم کر دیا گیا ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت منصوص ہے۔

سوم۔ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا ہو۔ کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا۔ تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ اس معنی کے لحاظ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منصوص نہیں کیا۔ حضرات شیخین کی خلافت کے منصوص ہونے کا جن علماء نے انکار کیا ہے۔ انہوں نے اس تیسرے معنی کا انکار کیا ہے۔

مسئلہ:- خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ اگر دو شخص ہوں۔ ایک افضل دوسرا مفضول۔ لیکن مفضول میں مقاصدِ خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو۔ تو ایسی صورت میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہوگا۔

مسئلہ۔ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت بوجہ

خلافت کے نہیں ہے۔ بالفرض اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خلیفہ ہو جاتے۔ یا حضرت علیؓ پہلی خلافت کے لئے منتخب کر لئے جاتے۔ تب بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ افضل امت ہوتے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے افضل امت ہونے پر ان کی خلافت سے پہلے زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قریب قریب اجماع ہو چکا تھا۔ بلکہ ان کی افضلیت ہی کی وجہ سے خلافت ان کو ملی۔ البتہ خلافت ملنے کے بعد چونکہ فرائض خلافت کو انہوں نے باحسن وجوہ انجام دیا۔ اور دین کی نہایت بے نظیر خدمات انجام دیں۔ اس سے ان کے فضائل میں اور اضافہ ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ ان کی افضلیت کا سبب خلافت نہیں ہے بلکہ خلافت کا سبب افضلیت ہے۔

مسئلہ: ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ایک بڑا عظیم الشان کام ہے۔ جس کی قابلیت لوگوں میں متفاوت ہوتی ہے۔ لہذا علمائے محققین نے حسب ذیل اس کے مدارج بیان کئے ہیں۔

درجۂ اوّل خلافت راشدہ خاصہ۔ جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوت بھی کہتے ہیں۔ یہ درجہ خلافت کا سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اوّلین میں سے ہوں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر میں مثل بدر و حدیبیہ و تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں۔ اور آیات الٰہی کے وعدوں کے موعود لہم ہوں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ ہونا بیان فرمایا ہو۔ اور ان کا مستحق خلافت ہونا بھی ارشاد کیا ہو۔ اور ان کا خلیفہ بنانا اُمت پر لازم کر دیا ہو۔ اور دین الٰہی کی تمکین ان کے ہاتھوں سے ہوئی ہو۔ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ یہ درجہ خلافت کا حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔ اور انہیں پر ختم ہو گیا۔ ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر

غالب تھا۔ کہ گویا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ تینوں خلفاء مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ جس طرح چاہتے ہیں۔ یہ تینوں خلفاء مثل گراموفون کے ہیں۔ کہ ان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور جان سے زیادہ پیاری آواز بھری ہوئی ہے۔ جو آواز ان سے نکل رہی ہے۔ وہ ان کی آواز نہیں بلکہ سرور انبیاء کی آواز ہے۔

او بجز نائی دما جز نئے نائم! اودمے بے ماؤ مابے وی نائم

ان تینوں خلافتوں میں بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے۔

درجہ دوم۔ خلافت راشدہ مطلقہ یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجہ سے رتبہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لئے ہے۔ جن کا مستحق خلافت ہونا صاحب فضائل ہونا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہو۔ مگر اُمت پہ ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا۔

یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھا۔ اور چھ مہینے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا۔ اور ان پر ختم ہو گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ اس سے مراد یہی دونوں قسمیں خلافت کی ہیں۔

قسم سوم۔ خلافت عادلہ۔ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے۔ اور اس درجہ کے حاصل ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو۔ اور مقاصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی

میں داخل ہے۔ اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل ہوئی ہیں۔ کہ بوجہ ہم رنگ خلافت راشدہ ہونے کے بعض علماء نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے، جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت۔ اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے۔ منقطع نہیں ہوا۔

قسم چہارم: خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ۔ یہ درجہ بالکل ہم رنگ بادشاہت و سلطنت کا ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں۔ صرف بڑی بڑی شرطیں مثل اسلام و عقل و بلوغ و ذکورت و حریت وغیرہ کے ان میں پائی جاتی ہوں۔ بعض خلفائے بنی امیہ و اکثر خلفائے عباسیہ اسی قسم میں داخل ہیں۔

خلافت کے یہ اقسام اور ان کا تفصیلی بیان ازالۃ الخفاء مقصد اوّل میں دیکھنا چاہیے۔ وَاَلْیَمُ اللّٰہِ اِنَّہٗ عَلٰی یَمُ النَّظِیْرِ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ۔

قرآن شریف کے حجّت قطعی ہونے کا

اور

تفسیر بالرائے کا مطلب

حضرت بہترین انبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کی شریعت قیامت تک روئے زمین پر باقی رہنے والی ہے۔ مگر جس قدر شریعت کی چیزیں آپ سے منقول ہیں۔ ان سب میں قطعی اور یقینی چیز قرآن شریف ہے۔ اسی پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اور وہی ایک

حجت قطعی ہے ۔ جو خدا کی طرف سے خدا کے بندوں پر قائم ہے ۔ قرآن شریف کی یہ شان ہے ۔ کہ جو شخص اس میں کسی قسم کا شبہ کرے یا اس کے ایک حرف کا بھی انکار کردے ۔ وہ باتفاق جمیع کلمہ گویان اسلام کافر ہے ۔ قرآن شریف کے انکار کے بعد اسلامی فرقوں میں ہمارا شمار نہیں ہو سکتا ۔

اسی وجہ سے جب ان کو ان کے مذہب کے اصول اور مذہب روایات سے دکھایا جاتا ہے ۔ کہ تمہارا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے ۔ اور نہیں ہو سکتا تو بہت گھبراتے ہیں ۔ اور جھٹ اپنی کتابوں سے ان چار اشخاص کے اقوال پیش کر دیتے ہیں ۔ جو اپنے مذہب کے خلاف اور اپنے ہم مذہبوں کے خلاف (ازراہ تقیہ) قرآن شریف پر ایمان رکھنے کے مدعی بنتے ہیں ۔ پھر جب خصم یہ کہتا ہے ۔ کہ ان چار اشخاص کا قول بے دلیل ہے ۔ ائمہ معصومین کے اقوال کے مقابلہ میں ان لوگوں کا قول کیوں کر معتبر ہو سکتا ہے ۔ نیز ایمان بالقرآن کے بعد مخالفین کا گھروندہ مٹا جاتا ہے ۔ تو سر نگوں ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ لیکن کھلم کھلا انکار قرآن شریف کی پھر بھی ہمت نہیں کرتے ۔ سچ تو یہ ہے ۔ کہ مخالفین کی جان عجب کشمکش میں ہے ۔ اگر قرآن پر ایمان لاتے ہیں ۔ تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے ۔ اگر قرآن کا انکار کرتے ہیں ۔ تو اسلام کا نام رخصت ہوتا ہے ۔ لہذا بیچاروں نے اپنی جان بچانے کا یہ طریقہ نکالا ہے ۔ کہ دل تو قرآن کی عداوت سے لبریز ہے ۔ مگر زبان سے جیسا موقع دیکھا ویسی بات کہہ دی ۔ الحاصل قرآن ایک حجت قطعی ہے ۔ اور کسی بات کا اگر قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے ۔ تو قرآن شریف ہی سے ہو سکتا ہے اسی لئے ہمارا ارادہ یہ ہے ۔ کہ سب سے پہلے قرآن شریف سے اس اہم مسئلہ امامت و خلافت کا فیصلہ طلب کیا جائے ۔ کیا عجب ہے ۔ اگر سعادت مندروحیں اس فیصلہ کو دیکھ کر راہ حق پر آجائیں ۔ مگر ایک دوسری مشکل یہاں پر یہ درپیش ہے ۔ کہ مخالفین اگر ایمان بالقرآن کا زبانی دعوے بھی کرتے ہیں ۔ تو چونکہ دعوے ان کی ضمیر کے خلاف ہے ۔ لہذا ہزاروں حیلے

حوالے نکال کر مطالب قرآنیہ سے سرتابی کی راہ تجویز کر لیتے ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ جب کچھ بنائے نہیں بنتی تو کہہ دیتے ہیں۔ کہ قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ قرآن شریف کا سمجھنا ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص تھا۔ ہم قرآن شریف کے کسی صاف سے صاف لفظ کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتے۔

مخالفین کے مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۶ میں صاحب مدینہ کا قول لکھتے ہیں۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ فِی الْاَکْثَرِ	قرآن بہ نسبت عام مخلوق کے
وَرَدَ عَلٰی وَجْہِ التَّعْمِیَۃِ	اکثر معمی ہے۔ اور یہی حال اکثر
بِالنِّسْبَۃِ اِلٰی اَذْھَانِ الرَّعِیَّۃِ	احادیث نبویہ کا بھی ہے۔ اور
وَکَذٰلِکَ کَثِیْرٌ مِّنَ	جن احکام شرعیہ کو خواہ وہ اصولی
السُّنَنِ النَّبَوِیَّۃِ وَاِنَّہٗ	ہوں یا فروعی ہم نہیں جانتے
لَا سَبِیْلَ لَنَا فِیْمَا لَا نَعْلَمُہٗ	ان میں سوا ان کے کہ ائمہ سے
مِنَ الْاَحْکَامِ النَّظَرِیَّۃِ	سنی ہوئی بات ملے۔ ہمارے
الشَّرْعِیَّۃِ اَصْلِیَّۃً کَانَتْ	لئے کوئی سبیل نہیں اور احکام
اَوْ فَرْعِیَّۃً اِلَّا السَّمَاعَ	نظریہ کا کتاب اللہ کی ظاہر آیات
عَنِ الصَّادِقِیْنَ فَاِنَّہٗ لَا	سے استنباط کرنا جائز نہیں۔
یَجُوْزُ اِسْتِنْبَاطُ الْاَحْکَامِ	اور نہ احادیث نبویہ کے ظاہر
النَّظَرِیَّۃِ مِنْ ظَوَاھِرِ	الفاظ سے استنباط جائز ہے۔
کِتَابِ اللّٰہِ وَلَا مِنْ	جب تک کہ اہل ذکر (یعنی
ظَوَاھِرِ السُّنَنِ النَّبَوِیَّۃِ	ائمہ) سے کچھ منقول نہ ہو۔
مَا لَمْ یُعْلَمْ مِنْ جِھَۃِ	
اَھْلِ الذِّکْرِ	

اس عبارت کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ قرآن شریف و احادیث

نبویہ کی اطاعت سے سرتابی منظور ہے۔ ورنہ قرآن وحدیث پیغمبر تو معمّیٰ و چیستان ہوا۔ اور احادیث ائمہ معمّیٰ اور چیستاں نہ ہوں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ ہے کوئی شیعہ جو اس کی معقول وجہ بیان کرسکے۔ نیز اساس الاصول کے صفحہ ۱۹ پر علامہ محمد تقی کا قول روضۃ المتقین سے منقول ہے۔ کہ

اِسْتَشْهَدَ الْمُصَنِّفُ	مصنف نے اور علمار کی دیکھا
بِالْاٰیَاتِ تَبَعًا لِلْاَصْحَابِ	دیکھی صرف آیات سے استدلال
وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ مِنْ	کردیا۔ ورنہ اخباریین کا طریقہ
دَاْبِ الْاَخْبَارِیِّیْنَ فَاِنَّ	یہ ہے۔ کیونکہ ان کے کلام سے
الظَّاهِرَ مِنْ کَلَامِهِمْ	ظاہر یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں
اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا نَفْهَمُ	ہم کلام اللہ کو سمجھتے ہی نہیں
کَلَامَ اللّٰہِ تعٰ	

نیز اساس الاصول کے صفحہ ۲۰ پر انہیں علامہ محمد تقی کا قول لوامع سے نقل کیا ہے۔ کہ :-

بدانکہ صدوق رحمۃ اللہ در خاطر	جاننا چاہیئے کہ صدوق رحمۃ اللہ
داشتہ کہ در ہر مطلبے آیاتی کہ	کے دل میں یہ تھا کہ ہر مطلب
نازل شدہ است۔ ذکر کند۔	میں جو جو آیتیں نازل ہوئی ہیں
بعد ازاں اخبار را نقل کند۔ بعد	پہلے ان کو ذکر کریں۔ اس کے
ازاں ازیں معنی برگشتہ است	بعد حدیثیں نقل کریں مگر اس
کہ مشکل است استدلال بہ آیات	کے بعد اپنے اس خیال سے ہٹ
نمودن تا از ائمہ ہدیٰ نقل نشدہ	گئے۔ کیونکہ آیات سے استدلال
باشد۔ مبادا کہ افترائے لیتہ شود	کرنا مشکل ہے۔ تا وقتیکہ ائمہ
بر حق سبحانہ و تعالیٰ۔	ہدیٰ سے منقول نہ ہو۔ مبادا خدا پر
	افترا پردازی نہ ہو جائے۔

اس قسم کے اقوال کتب مخالفین میں بہت ہیں۔ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن شریف کو معمّیٰ اور چیستان کہنا اور یہ کہ امت میں سوا دس بارہ اشخاص کے کوئی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ محض اسی وجہ سے ہے۔ کہ قرآن شریف مذہب شیعہ کی قرار واقعی بیخ کنی کر رہا ہے۔

مگر جب اہل سنت کی طرف سے دار و گیر ہوئی۔ کہ مخالفین تو حسن و قبح کو عقلی کہتے ہیں۔ ذرا بتائیں تو کہ قرآن کو جو خدا نے ایسا معمّیٰ بنا دیا۔ اس میں کیا عقلی خوبی ہے۔ پھر یہ بھی فرمائیں۔ کہ قرآن کے نازل کرنے سے فائدہ کیا ہوا اور خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل کیا گیا کہ تم سمجھو قرآن کو اگر معمّیٰ مانا جائے۔ تو تمام بدیہیات سے امان اٹھ جائے گا۔ پھر قرآن کے ساتھ آں حضرت علیہ السلام نے فصحائے عرب کو تحدّی کی۔ اور اس کو معجزۂ رسالت قرار دیا۔ یہ ایک متواتر واقعہ ہے۔ لیکن اگر قرآن معمّیٰ ہو کہ سوا رسول اللہ اور ائمہ کے کوئی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ تو اس کے ساتھ تحدی کرنا کیسے صحیح ہوگا۔ اس صورت میں تو کفار مکہ کو کہہ دینا چاہیئے تھا۔ کہ (معاذ اللہ) قرآن ایک معمّیٰ کلام ہے۔ اس کی کوئی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی ہم اس کا مقابلہ کیا کریں۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کہا۔ بلکہ وہ اس کے معانی و مطالب کو سمجھ گئے اور اس میں ان کو فصاحت و بلاغت کے دریا لہراتے ہوئے نظر آئے۔ اور بے اختیار ہو کر لَيْسَ هٰذَا مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ کہتے ہوئے ایمان لائے بعضے سنگ دل ایمان نہ لائے۔ تو بھی انہوں نے اس کے اعجاز کا اقرار ان الفاظ میں کیا کہ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

المختصر اہل سنت و جماعت کی اس دار و گیر سے گھبرا کر مخالفین نے قرآن کے معمّے و چیستان ہونے کا قول چھپا ڈالا اور کہہ دیا کہ یہ تو ہمارا تمام کا قول نہیں۔ صرف اخباری اس کے قائل ہیں۔ اصولی قرآن کو معمّے نہیں جانتے۔ لیکن جس بات کو انسان کا دل نہ چاہے۔ سو طرح کے حیلے اس میں نکالتا

ہے۔ قرآن کے معمّے ہونے سے تو انکار کیا۔ مگر اب یہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کا مطلب بغیر روایات کے ملائے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور کہتے ہیں کہ بغیر روایات کے ملاتے ہوئے آیت کا کوئی مطلب بیان کیا جائے گا۔ تو وُہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ اور تفسیر بالرائے فریقین کے یہاں ممنوع ہے۔

مآل اس قول کا بھی وُہی ہے۔ کہ قرآن معمّٰی و چیستان ہے۔ جب تک روایات اس کے ساتھ نہ ملائی جائیں۔ اس کا مطلب کوئی سمجھ نہیں سکتا عجب بات ہے کہ بندوں کے کلام تو اپنے مقصود کے اظہار میں کسی دوسرے کلام کے ملانے کے محتاج نہ ہوں۔ اور کلام الٰہی اپنے مقصود کے اظہار میں ایک خارجی ضمیمہ کا محتاج ہو۔ قرآن ایک قطعی و یقینی چیز ہے۔ اور اخبار و روایات اگر صحیح بھی ہوں۔ تو بھی ظنی ہیں۔ قطعی چیز کو جب ظنی چیز کا پابند کر دیا جائے گا۔ اور قطعی کے ساتھ ظنی کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے گا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ بھی ظنی ہو جائے گا۔ لیجئے پورا قرآن ظنی ہو گیا۔ حجت قطعی نہ رہا۔

اہل سُنت کہتے ہیں۔ کہ قرآن شریف حجت قطعی ہے۔ معمّٰی نہیں ہے۔ اور اپنے معانی کے اظہار کے لئے خود ہی کافی ہے۔ اور تفسیر بالرائے نہیں ہے۔

تفسیر بالرائے کا مطلب

تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں۔ کہ کسی آیت کا مطلب اپنی طرف سے ایسا بیان کیا جائے جو زبان عرب کے قواعد کے خلاف ہو۔ یا ان ضروریات دین کے خلاف ہو جو صاحب شریعت سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔ جیسا کہ آج کل منکرین حدیث نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔

کسی آیت قرآنی کے اگر از روئے قواعد عربیت کئی مطلب ہو سکتے ہوں تو جس مطلب کی تائید روایات صحیحہ سے ہوتی ہو۔ اسی کو ترجیح دینا چاہیئے۔

اگر کسی آیت کا مطلب تو سمجھ میں آگیا۔ مگر تعین مراد یا تشخص مصداق کسی واقعہ پر موقوف ہے۔ تو وہ واقعہ قطعیت ثبوت میں قرآن سے کم نہ ہونا چاہئے۔ اگر کم ہوگا تو اس کو ملا کر جو مراد سمجھی جائے گی ظنی ہوگی۔

اب دیکھئے! تفسیر بالرائے کی ممانعت احادیث میں کس طرح فرمائی گئی ہے۔ اور اس کا کیا مطلب ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو چاہئیے کہ وہ ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈھ لے اور ایک روایت میں ہے۔ کہ جو شخص قرآن میں بغیر علم کے کچھ کہے۔ تو چاہئیے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈھ لے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حضرت جندب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے

وہ اگر صحیح بھی کہے تو غلط ہے۔ اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص آیات قرآنیہ کا مطلب بغیر علم کے بیان کرے۔ اور علم سے مراد ظاہر ہے۔ کہ قواعد عربیہ اور اصول شریعت کا علم ہے۔ بیشک جو شخص ان دونوں علوم سے جاہل ہو۔ اس کو قرآن شریف کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ وہ یقیناً بجائے تفسیر کے قرآن میں تحریف معنوی کرے گا۔ جیساکہ پرویز صاحب رسالہ طلوع اسلام میں اپنی من مانی تفسیریں کر رہے ہیں۔

ملا علی قاری مکی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح یوں لکھتے ہیں۔

قَوْلُهُ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ أَيْ مَنْ تَكَلَّمَ فِي مَعْنَاهُ أَوْ فِي قِرَاءَتِهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ تَتَبُّعِ أَقْوَالِ الْأَئِمَّةِ مِنْ أَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ الْمُطَابِقَةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ بَلْ بِحَسَبِ مَا يَقْتَضِيهِ عَقْلُهُ وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَأَسْبَابِ النُّزُولِ وَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوخِ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِالْقَصَصِ وَالْأَحْكَامِ أَوْ بِحَسَبِ مَا

قرآن میں اپنی رائے سے کلام کرنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ قرآن کے معنی یا اس کی قرات میں اپنی طرف سے گفتگو کرے۔ بغیر تتبع اقوال علمائے لغت و عربیت کے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہوں بلکہ اپنی عقل سے تفسیر کرے۔ حالانکہ وہ مطالب ایسے ہوں کہ نقل پر موقوف ہوں مثل اسباب نزول و ناسخ و منسوخ کے اور مثل ان چیزوں کے جو قصص و احکام سے متعلق ہوں یا موافق ظاہر نقل کے تفسیر کر دے۔ حالانکہ وہ بات ایسی ہو کہ نقل

يَقْتَضِيْهِ ظَاهِرُ النَّقْلِ	پر موقوف ہو۔ جیسے آیات
وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى	متشابہات کہ مجسمہ نے ان کے
الْعَقْلِ كَالْمُتَشَابِهَاتِ	ظاہری الفاظ کو لے لیا۔ اور
الَّتِي أَخَذَ الْمُجَسِّمَةُ	یہ نہ خیال کیا کہ ظاہری الفاظ
بِظَوَاهِرِهَا وَأَعْرَضُوْا	کے معنی محال ہیں یا موافق
عَنِ اسْتِحَالَةِ ذٰلِكَ أَوْ	بعض علوم الٰہیہ کے تفسیر کر
بِحَسْبِ مَا يَقْتَضِيْهِ	دی۔ باوجودیکہ ربانی علوم
بَعْضُ الْعُلُوْمِ الْإِلٰهِيَّةِ	کو اور علوم شرعیہ کو نہ جانتا
مَعَ عَدَمِ مَعْرِفَتِهِ بِقِيْمَتِهَا	ہو۔ حالانکہ وہ مطلب ایسے
وَبِالْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ	ہوں کہ ان میں علوم شرعیہ
فِيْمَا يُحْتَاجُ إِلٰى ذٰلِكَ۔	کی حاجت ہو۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کا مطلب اپنی عقل سے بیان کیا جائے۔ اور قواعد زبان عرب و اصول شریعت کا لحاظ نہ کیا جائے۔ نہ یہ کہ آیات قرآنیہ کا مطلب قواعد عربیت کے مطابق بغیر ملائے روایات ظنیہ کے بیان کیا جائے۔ جیسا کہ آج منکرین حدیث کر رہے ہیں۔

پس یہ بات منقح ہو گئی کہ قرآن شریف کی تفسیر کا صحیح اور اصلی طریقہ یہ ہے کہ بپابندی قواعد زبان عرب و بمطابقت اصول شریعت اس کے الفاظ و عبارات کا مطلب بیان کیا جائے۔ اب اس مطلب کے مطابق کچھ روایات صحیح ہیں تو لے لی جائیں۔ اور اس مطلب کے مخالف اگر کوئی روایت ملے۔ خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحت میں ہو۔ ہرگز ہرگز اس کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ اب اس موقعہ پر مخالفین صحابہ کے ائمہ معصومین کی تفسیر کا ایک نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ انصاف سے دیکھو تو تفسیر بالرائے یہ ہے

جو مخالفین کے ائمہ کرتے ہیں ۔ اور تفسیر بالرائے بھی ایسی لے جوڑ جس کو عقل سلیم باور نہیں کر سکتی ۔ اصولی کافی صفحہ ۲۷۰ میں ابوالائمہ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ سے آیہ کریمہ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کی تفسیر اس طرح منقول ہے ۔

قَالَ الْوَالِدَانِ اللَّذَانِ	حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ وہ والدین
أَوْجَبَ لَهُمَا الشُّكْرَهُمَا	جن کا شکر اللہ نے واجب کیا
اللَّذَانِ وَلَدَا الْعِلْمَ	ہے وہ ہیں ۔ جنہوں نے علم
وَوَرَّثَا الْحِكْمَةَ وَأَمَرَ	کو پیدا کیا ۔ اور حکمت کو میراث
النَّاسَ بِطَاعَتِهِمَا ثُمَّ	میں چھوڑا ۔ خدا نے ان والدین
قَالَ اللهُ إِلَيَّ الْمَصِيرُ	کی اطاعت کا حکم دیا ۔ پھر
فَمَصِيرُ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ	فرمایا کہ میری طرف لوٹ کر آنا
وَالدَّلِيلُ عَلَى ذٰلِكَ	ہے ۔ پس سب بندوں کو خدا
الْوَالِدَانِ ثُمَّ عَطَفَ	کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور
الْقَوْلَ عَلَى ابْنِ حَنْتَمَةَ	اس کے بتلانے والے وہی
وَصَاحِبِهِ فَقَالَ فِي الْخَاصِّ	والدین ہیں ۔ اس کے بعد
وَالْعَامِّ وَإِنْ جَاهَدَاكَ	اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضؓ
عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي	اور حضرت ابو بکر رضؓ کا ذکر کیا ۔
تَقُولُ فِي الْوَصِيَّةِ وَتَعْدِلُ	اور خاص و عام سب کو سنا
عَمَّنْ أُمِرْتَ بِطَاعَتِهِ	کر کہہ دیا ۔ کہ اگر وہ دونوں تجھ
فَلَا تُطِعْهُمَا وَلَا تَسْمَعْ	سے میرے ساتھ شرک کرانے
قَوْلَهُمَا ثُمَّ عَطَفَ	کی کوشش کریں ۔ یعنی اس
الْقَوْلَ عَلَى الْوَالِدَانِ	بات کی کہ تو وصیت میں اختلاف
فَقَالَ وَصَاحِبْهُمَا فِي	کر اور جن کی اطاعت کا حکم

الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا یَقُوْلُ تجھے ملا ہے ۔ اس سے انحراف
عَدِّفِ النَّاسَ فَضْلَهُمَا کر تو ابو بکرؓ و عمرؓ کا کہنا نہ مان
وَادْعُ اِلٰی سَبِیْلِهِمَا ط اور ان کی بات نہ سن ۔ اس
کے بعد پھر اللہ نے والدین کا ذکر شروع کر دیا کہ دُنیا میں ان کے
ساتھ بھلائی کر ۔ یعنی ان کی فضیلت لوگوں کو بتلا اور ان کی راہ
کی طرف بلا ۔

مخالفین حضرات کی اس انوکھی تفسیر کے لطائف حسب ذیل ہیں ۔

۱ ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ والدین سے علم و حکمت کے والدین مراد ہیں ۔ نہ خود انسان کے ماں باپ ۔ علم و حکمت کے والدین کون ہیں ۔ اس کو جناب ابوالائمہ نے بیان نہ کیا ۔ البتہ علمائے شیعہ نے بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس کا پتہ لگایا ۔ علامہ قزوینی صافی شرح کافی میں فرماتے ہیں ۔ کہ علم و حکمت کے والدین قرآن اور امام ہیں ۔ قرآن ماں ہے ۔ اور امام باپ ۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

۲ ۔ جَاهَدَ اور لَا تُطِعْهُمَا کی ضمیریں والدین کی طرف پھر رہی ہیں ۔ مگر بقول مخالفین جناب ابوالائمہ فرماتے ہیں ۔ کہ یہ ضمیریں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی طرف پھرتی ہیں ۔ حالانکہ ان کا اس آیت میں کہیں ذکر نہیں ۔ بھلا ایسی نادر تفسیر سوا ابوالائمہ کے کس کے دماغ میں آسکتی ہے ۔

۳ ۔ والدین سے مراد قرآن و امام لیے گئے ہیں ۔ اور کس قدر بے ادبی کی گئی ۔ کہ قرآن کو ماں بنایا گیا ۔ درجہ امام کا قرآن سے بالا ہی رہا ۔ یہ تو سب کچھ ہوا ۔ مگر حمل کا دودھ چھڑانے کا ماں کی کمزوری کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا ۔ ابوالائمہ صاحب کا ذہن تو اس طرف نہ گیا ۔ مگر علمائے مخالفین نے اس گتھی کو بھی سلجھایا ۔ علامہ قزوینی صافی میں فرماتے ہیں ۔ کہ حمل سے مراد اٹھا لینا ، ماں یعنی قرآن نے علم و حکمت کو اٹھا لیا ۔ اور

فصال کے معنی دودھ چھڑانا نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ابوبکرؓ کی خلافت دو برس میں ختم ہوگئی۔ سبحان اللہ قلم توڑ دیا۔ اور ماں کی کمزوری کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ میں بہت کمزور ہوگیا۔

۴۔ اَنْ تُشْرِكَ بِيْ کا مطلب بقول مخالفین ابوالائمہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ میری امامت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ متکلم کی ضمیر اپنی طرف پھیر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قرآن کے متکلم آپ ہی ہیں۔ اس سے نصیریوں کی تائید ہوتی ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن حضرت علیؓ کا کلام ہے۔ انہوں نے اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل کیا تھا۔ اور وہی خدا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ۔

۵۔ صَاحِبْهُمَا کی ضمیر پھر قرآن و امام کی طرف پھر گئی۔

یہ آیت سورۃ لقمان کی ہے۔ صاف مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو حکم دیا۔ کہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرے۔ اس کی ماں نے اُسے محنت مشقت کے ساتھ حمل میں رکھا۔ اس کو دو برس تک دودھ پلایا میں نے یہ حکم دیا کہ میری شکر گذاری کرو۔ اور اپنے والدین کی۔ لیکن تمہارے ماں باپ تم کو میرے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کریں۔ تو اس بارہ میں ان کا کہنا نہ مانو۔ پھر بھی دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

جناب امیر فرماتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے۔ کہ علم و حکمت کے ماں باپ یعنی قرآن و امام کی خدمت کرے علم و حکمت کی ماں نے علم و حکمت کو ضعف پر اٹھا کر اپنے پاس رکھا۔ یعنی قرآن خلافت ابوبکرؓ میں کمزور ہوگیا۔ ابوبکرؓ کی خلافت دو برس میں ختم ہوگئی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ میری خلافت میں کسی کو شریک کرنے کو کہیں۔ تو ان کا کہنا مت مان۔ علم و حکمت کے ماں باپ کی بزرگی بیان کر۔

ناظرین دیکھیں یہ ہے قرآن کی تفسیر۔ ایسی ہی خبط بے ربط تفسیروں کی وجہ

سے قرآن کو معمیٰ کہا گیا ہے۔ ائمہ کی تفسیروں کی بہت سی مثالیں مناظرہ حصہ دوم میں ہم لکھ چکے ہیں۔ جن کو شوق ہو دیکھے۔ اور ائمہ مخالفین[1] کی نازک خیالیوں کی داد دے۔ المختصر تفسیر بالرائے ایسی تفسیروں کا نام ہے نہ اس تفسیر کا جو مطابق قواعد زبان ہے۔

روایت حدیث کا شریعت و عقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے

فن حدیث ایک بڑا عظیم الشان علم ہے۔ اس علم کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ علمائے مسلمین نے کیسی سعی مشکور اس علم میں کی ہے۔ روایات حدیث کا متفرق و منتشر مقامات سے لے کر جمع کرنا پھر ان کی تنقید کرنا ان کے مدارج کا جانچنا آسان کام نہ تھا۔ اس علم کی تکمیل کے لئے پینسٹھ فن مدون کئے گئے۔ تقریباً ایک لاکھ راویوں کے حالات قلمبند ہوتے۔ جرح و تعدیل کے قوانین بنائے گئے۔ سچ یہ ہے کہ بعونہٖ تعالیٰ وحسن توفیقہٖ مسلمانوں نے جس قدر اہتمام اپنی روایات کی حفاظت کا کیا کوئی دوسری قوم اس اہتمام کا ہزارواں حصہ اپنی کتاب اللہ کی حفاظت میں نہیں دکھا سکتی۔ آج ہم جس طرح ایک حدیث کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کر دیں گے۔ دنیا میں کوئی شخص توریت یا انجیل یا دید کی سند ان کے معلم اول تک نہیں بیان کر سکتا۔ ذٰلِکَ مِنْ

[1] یاد رہے کہ یہ نسب بانیان مخالفین صحابہ کی ائمہ کرام پر افترا پردازی ہے۔ ورنہ یہ ائمہ کرام سب مذہب اہل سنت پر تھے۔ جیسا کہ اہل سنت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور شیعہ کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ کہ ائمہ مذہب مخالفین کی تبلیغ تنہائی میں کرتے تھے۔ ظاہر میں سُنّی تھے۔

فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ۔
باایں ہمہ حدیث کا اعتبار قرآن شریف کے برابر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کلام خدا ہے۔ اور حدیث کلام رسول ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف متواتر ہے۔ قطعی ویقینی ہے اور احادیث اکثر وبیشتر اخبار آحاد ہیں۔ ظنی ہیں۔ جن لوگوں نے بلا واسطہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث کو سنا۔ ان کے حق میں وہ احادیث واجب القبول اور واجب العمل ہونے میں قرآن شریف سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ الغرض یہ تفاوت راویوں کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔
حدیث کی باعتبار اس کی سند یعنی راویوں کے کئی تقسیمیں کی گئی ہیں۔ منجملہ ان کے دو یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔
تقسیم اوّل:۔ باعتبار تعداد اور رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں چار قسمیں ہیں۔ اولاً دو قسمیں کی گئی ہیں۔ متواتر اور احاد۔ متواتر وہ روایت ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں اس کثرت سے ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کو عقل انسانی عادۃً محال سمجھے۔ آحاد وہ روایت ہے، جس کے راوی اس کثرت سے نہ ہوں۔ احاد کی پھر تین قسمیں ہیں۔ مشہور جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہوں۔ عزیز جس کے راوی کسی طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔ غریب جس کے راوی دو سے بھی کم ہوں۔ یعنی کسی طبقہ میں یا کل طبقات میں ایک ہی راوی ہو۔
تقسیم دوم:۔ باعتبار اوصاف رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں بھی چار قسمیں ہیں۔ صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ موضوع۔ ان سب اقسام میں اعلیٰ ترین قسم متواتر ہے۔ اور وہ بلاشبہ یقینی چیز ہے۔ مگر اس کا وجود باعتبار لفظ کے کم اور بہت کم ہے۔ حافظ ابن الصلاح محدث اپنی کتاب مقدمۃ الحدیث میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص متواتر حدیث کو تلاش کرے تو وہ تھک جائے گا۔

بعض محدثین جو بعض بعض روایات کو متواتر کہہ دیتے ہیں۔ اور بعض نے مستقل تالیفات میں متواتر روایات کو جمع کیا ہے۔ ان میں اکثر روایات متواتر حقیقی نہیں بلکہ اخبار آحاد ہیں۔ اسانیدان کی کچھ زیادہ ہوگئی ہیں۔ اس وجہ سے ان کو مجازاً متواتر کہہ دیا گیا ہے۔ اصطلاح محدثین میں اسی کو متواتر معنوی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جن حدیثوں کو وہ متواتر کہتے ہیں۔ ان کے منکر کو کافر نہیں کہتے۔ حالانکہ اگر متواتر حقیقی ہوتیں توان کے منکر کا کفر قطعی ہوتا۔ کتب حدیث کے بھی کئی طبقے ہیں۔ بعض اعلیٰ ہیں۔ بعض ادنیٰ بعض بالکل غیر معتبر۔ طبقۂ اعلیٰ میں صرف تین کتابیں قرار پائی ہیں۔ امام مالک کی موطا صحیح بخاری صحیح مسلم۔ بعض کتابیں ایسی ہیں۔ جن میں ہر قسم کی رطب ویابس صحیح وضعیف بلکہ موضوع روایات بھی مندرج ہیں۔ ان کے مؤلفین کا مقصود یہ تھا۔ کہ جو روایتیں اوپر کے طبقوں میں نہیں لی گئیں۔ وہ سب قلمبند کرلی جائیں۔ بعد میں تنقید ہوتی رہے گی۔ ممکن ہے کہ ان سنگریزوں میں کچھ جواہرات بھی ہوں۔ ان طبقات کا مفصل حال "حجۃ اللہ البالغہ" اور "بستان المحدثین" میں دیکھنا چاہیئے۔

محدثین کے مدارج بھی بحسب اختلاف طبائع انسانی مختلف ہیں۔ بعض اعلیٰ درجہ کے ناقد و مبصر ہیں۔ جیسے امام بخاریؒ۔ بعض متساہل ہیں۔ جو ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں۔ جیسے حاکم بعض متشدد ہیں۔ جو صحیح حدیثوں کو بھی موضوعات میں داخل کر دیتے ہیں۔ جیسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

آمدم برسر مطلب۔ غیر متواتر روایات بعد ان سب تحقیقات اور تنقیحات کے کیسی ہی اعلیٰ پایہ کی ہوں ظنی ہیں۔ عقائد کی بنیاد اُن پر رکھنا عقلاً و نقلاً کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ جو حدیثیں ان تحقیقات میں صحیح یا حسن کے رتبہ تک پہنچ جائیں۔ اُن سے اعمال کے مسائل استنباط کئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ سب شرائط بھی پائے جائیں جو اصول فقہ و اصول

حدیث میں مذکور ہیں ۔ اور ضعیف حدیث فضائل اعمال اور مناقب میں بھی لے لی جاتی ہے ۔ مگر انہیں شرائط کے ساتھ جو کتب اصول میں مذکور ہیں ۔ اور موضوع روایت تو قطعًا واجب الرّد ہے ۔

غیر متواتر روایات کے ظنی ہونے کا اصلی سبب یہ ہے ۔ کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور یقینی نہیں ہے ۔ اس لئے کہ غیر متواتر روایات کی بنیاد معدودے چند راویوں کے بیان پر ہے ۔ ممکن ہے کہ جن معدودے چند اشخاص کو قواعد سے جانچ کر معتبر مانا گیا ہے ۔ اس جانچ میں غلطی ہو گئی ہو ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے ۔ کہ لوگ ایک شخص کو اچھا اور سچا سمجھتے ہیں ۔ اور واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے ۔ غیب کا حال ، دلوں کی کیفیت ، ضمائر کی اصلیت سوا خدا تعالےٰ کے اور کون جان سکتا ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیق جیسے فریس صاحب قوت قدسیہ نے ایک مجموعہ احادیث اپنے زمانہ خلافت میں جمع کیا ۔ لیکن پھر ایک روز اس مجموعہ کو آگ میں جلا دیا پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا فرمایا :-

خَشِیتُ اَنْ اَمُوْتَ وَهِیَ	مجھے اندیشہ اس بات کا پیدا
عِنْدِیْ فَیَکُوْنُ فِیْهَا	ہوا کہ میں مر جاؤں اور یہ مجموعہ
اَحَادِیْثُ عَنْ رَجُلٍ قَدِ	میرے پاس سے نکلے ۔ شاید
اُئْتَمَنْتُهٗ وَوَثِقْتُهٗ	اس میں حدیثیں ایسے شخص
وَلَمْ یَکُنْ کَمَا حَدَّثَنِیْ	سے منقول ہوں جس کو میں نے
فَاَکُوْنَ قَدْ نَقَلْتُ	امین اور معتبر سمجھا تھا ۔ مگر اس
ذٰلِكَ فَهٰذَا لَا یَصِحُّ	کی حدیث واقع کے مطابق نہ
(تذکرۃ الحفاظ)	ہو ۔ پس ایسی حدیث کو میں نقل
	کروں ۔ یہ ٹھیک نہیں ۔

روایت میں غلطی صرف راوی کے کاذب ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات

غلط فہمی سے بھی ہو جاتی ہے۔ سہو و نسیان کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ تنقید وغیرہ کی وجہ سے اور طرق روایت کو جمع کرنے سے اور دوسرے قرائن سے یہ احتمالات کمزور ضرور ہو جاتے ہیں۔ مگر کلیتہً فنا نہیں ہوتے اور ان احتمالات کا جب تک سایہ بھی باقی ہے۔ روایت ظنی ہی رہے گی۔ یقینی نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود حدیث کی صحت مسلم ہو جانے کے بھی ان پر عمل کرنے میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب اور اس کی بعض احادیث حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہیں۔ احادیث کی یہ کیفیت ہے۔ کہ محدث خود ہی ایک روایت کرتا ہے۔ اور اس روایت کو صحیح قرار دیتا ہے۔ مگر اس پر عمل نہیں کرتا۔ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعض روایتیں ایسی درج کی ہیں کہ خود ان کا مذہب ان روایات کیخلاف ہے۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کئی حدیثیں ایسی روایت فرمائی ہیں کہ ان کی سند میں کوئی داغ نہیں۔ لیکن لکھتے ہیں کہ امت میں کسی نے بھی ان حدیثوں پر عمل نہیں کیا۔ اس کے نظائر بہت ہیں۔

ایک خاص بات یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے۔ کہ اہل بدعت سے روایت لے لی جائے۔ بچند شرائط اول یہ کہ ان کی بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ دوم یہ کہ ان کا صدق معلوم ہو گیا ہو۔ یعنی کسی محدث نے ان پر کذب کی جرح نہ کی ہو۔ سوم یہ کہ وہ روایت ان کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔ اسی اصول کی بنا پر امام بخاری جیسے عالی مرتبہ محدث نے بعض مخالفین سے روایت لے لی۔ اور صحیح بخاری میں درج فرمائی۔ مثل یونس بن حبان کے۔ جس کا تشیع تبرائیت کی حد تک پہنچا تھا۔ حالانکہ علمائے سابقین کو پوری حقیقت اس مذہب کی معلوم ہوتی ہی نہ تھی۔ اور معلوم کیوں کر ہو سکتی تھی۔ اس مذہب کے لوگ ہی بہت کم تھے۔ اور جو تھے بھی

تو وہ اپنے مذہب کو چھپانے میں بے حد اہتمام کرتے تھے۔ مذہب کا ظاہر کرنا ان کے یہاں بڑا مذہبی جرم تھا۔ لہٰذا ہمارے علماء اس امر کا فیصلہ کر ہی نہ سکے کہ ان کی بدعت حدِ کفر تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ ہمارے علماء کو یہ بھی معلوم نہ تھا۔ کہ مخالفین میں جھوٹ بولنا عبادت ہے۔ ورنہ وہ کبھی کسی مخالف کی بابت یہ خیال بھی نہ کرتے۔ کہ وہ صادق ہو سکتا ہے۔ پھر جب مخالفین کے مذہب کی پوری حقیقت معلوم ہی نہ تھی تو فیصلہ کیوں کر کیا جا سکتا تھا۔ کہ یہ روایت ان کی بدعت کی مؤید ہے یا نہیں۔

ان وجوہ سے جو روایتیں اعمال سے تعلق نہیں رکھتیں۔ محققین کے نزدیک وہ بہت عمیق تحقیق اور شدید تنقید کی محتاج ہیں۔ البتہ اعمال کی روایات میں جن کی تصدیق تعامل سے ہو جاتی ہے۔ ان سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کی سخت تاکید رہتی تھی کہ جو روایتیں اعمال سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہیں کی روایت کی جائے۔ دوسری روایات نہ بیان کی جائیں۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَمَّا	حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ
وُلِّيَ عُمَرُ قَالَ اَقِلُّوا	حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت
الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُوْلِ	میں فرمایا رسول خدا صلی اللہ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ	علیہ وسلم سے روایت کم کرو۔
سَلَّمَ اِلَّا فِيْمَا يُعْمَلُ بِهٖ.	مگر اعمال کے متعلق۔

المختصر روایات آحاد کا بیان عقائد میں ناقابل التفات ہونا بالکل ظاہر ہے۔ علمائے مخالفین نے بھی اپنی روایات کی بابت ایسی ہی تصریحات[1] کی ہیں۔ اور صاف لکھا ہے۔ کہ روایت پر بنیادِ اعتقاد نہیں ہو سکتی بلکہ

[1] علامہ علی طہرانی اپنی کتاب توضیح المقال صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں۔ اِن احتمال الوضع قائمٌ فی اکثر الاخبار وان ضعف فی بعض لقرائن خارجیۃٍ۔
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۲ پر)

ہر حدیث چاہے کیسی ہی صحیح ہو عمل کے کام میں بھی نہیں آسکتی۔ مگر اہل سنت کی فن روایت میں اور مخالفین کی روایات میں پھر بھی بڑا فرق ہے۔ کھلے کھلے چند فرق یہاں لکھتے جاتے ہیں۔

پہلا فرق

یہ ہے کہ مخالفین اگر اپنی روایات پر اپنے اعتقادات کی بنیاد نہ رکھیں تو ان کے مذہب کا گھروندہ بگڑ جائے۔ ان کے پاس سوا ان واہی تباہی روایات کے اور ہے کیا۔ قرآن سے ان کا ہاتھ خالی ہے۔ کیوں کہ ان کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے (دیکھو النجم کا مناظرہ حصہ اول ومناظرہ امروہہ وتنبیہ الحائرین وغیرہ) اور متواتر روایت بھی کوئی ان کے پاس نہیں۔ ان کا مذہب بھی متواتر نہیں۔ جیسا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں۔ کہ قرن اول میں صرف پانچ آدمی ہمارے مذہب کے تھے۔ اور بعد کے قرون میں ہر امام اپنا مذہب چھپاتا رہا۔ ظاہر میں سب امام سُنّی بنتے رہے۔ تنہائی میں کبھی

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۱) **ترجمہ**:- اکثر حدیثوں میں جعلی ہونے کا احتمال موجود ہے۔ اگرچہ یہ احتمال بعض حدیثوں میں قرائن خارجیہ کے سبب سے کمزور ہوگیا۔ ان سے مولوی دلدار علی مجتہد اعظم حسام میں فرماتے ہیں۔ "خبر واحد اگر بے معارض ہم باشد ظنی است در اصول اعتقادیات باں تمسک نباید کرد۔ بلکہ نزد محققین امامیہ مثل ابن زہرہ وابن ادریس وشریف مرتضیٰ واکثر قدمائے ایشاں قابل احتجاج نیست ومتاخرین ایشاں ہمیں مذہب را اختیار کردہ اند۔ ولہذا اخبار آحاد را ور دلائل نہ شمردہ بلکہ ردِّ آں را واجب دانستہ خصوصاً در اعتقادیات" اور مولوی حامد حسین ان کے امام المناظرین استقصاء الافحام میں لکھتے ہیں "کہ ہر حدیث صحیح جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد" المختصر اس مضمون کی تصریحات علمائے مخالفین سے بکثرت ہیں۔ مگر افسوس کہ ان قواعد پر عمل کر کے ان کے مذہب کا پھر وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا!!

کوئی مخالف مل گیا۔ تو اُس سے کچھ کہہ دیا۔

بخلاف اہل سنت کے کہ ان کے پاس قرآن ہے۔ ان کے تمام اعتقادات کی بنیاد اسی کتاب پر ہے۔ ان کے پاس کچھ متواتر روایات بھی ہیں۔ جیساکہ خود مخالفین بھی مانتے ہیں۔ قرن اوّل میں تقریبًا ایک لاکھ چودہ ہزار انسان ان کے مذہب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں۔ پھر قرون مابعد میں تدوین کتب کے بعد تو ہر قرن میں اتنے لوگ رہے۔ کہ اُنکا شمار خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا فرق

یہ ہے کہ اہل سنت کا فن رجال نہایت مکمل، اصول تنقید نہایت کامل۔ یہاں تک کہ مخالفین کے علماء کو جب اپنے کسی راوی کا حال اپنی کتب میں نہیں ملتا۔ تو ہمارے ہی خزانۂ عامرہ سے اپنی کشکول بھرتے ہیں۔ ان کی کتب رجال کو دیکھو۔ بکثرت حوالہ ہماری کتب رجال لسان المیزان وغیرہ کا دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں۔ کہ اس راوی کا پتہ اپنی کتب میں ہم کو نہیں ملا۔ مگر اہل سنت نے ان کو رافضی لکھا ہے۔ لہذا معلوم ہُوا کہ وہ ہمارا پیشوا تھا۔

پس فن رجال اور تنقید سے جانچ کر ہم روایات کو اس درجہ تک پرکھ لیتے ہیں۔ جتنا پرکھنے کی اعمال کے لئے ضرورت ہے۔ مخالفین کا ہاتھ اس سے بھی خالی ہے۔ مخالفین اگر ہمارے اصول تنقید سے اپنی روایات کو پرکھیں۔ تو ایک روایت بھی ان کی جانچ میں پوری نہ اترے۔ اور مطلع صاف ہو جائے۔

تیسرا فرق

یہ ہے کہ ان کی روایات میں باہمی اختلاف اس قدر ہے۔ کہ کوئی مسئلہ ایسا

نہیں جس میں مختلف روایات نہ ہوں۔ ایک روایت میں اگر وضو میں پیر دھونے کی تعلیم ہے۔ تو دوسری روایت میں پیر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ایک روایت میں اگر اذانِ فجر میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنے کی ممانعت ہے۔ تو دوسری روایت سے اس کا ثبوت ہے۔ ایک روایت میں اگر خون نکلنے سے وضو کا ٹوٹ جانا ثابت ہوتا ہے۔ تو دوسری سے نہ ٹوٹنا وعلیٰ ہذا القیاس۔ تمام مسائل میں شروع سے آخر تک یہی اختلاف ہے۔ اور ان اختلاف اقوال میں امام کا اصلی مذہب کیا ہے۔ اور یہ اختلاف کیوں ہے۔ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ خود ان کے علماء کا اقرار ہے۔ بخلاف اس کے اہل سنت کے یہاں اختلاف روایات کم اور بہت کم ہے۔ اس کا بھی علمائے مخالفین کو اقرار ہے۔ اور اس قدر قلیل اختلاف میں اصلی تعلیم کا معلوم کر لینا اور سبب اختلاف کا دریافت کر لینا نہایت آسان ہے۔ کیونکہ یہاں سبب اختلاف وہی معدودے چند ہیں۔ جو اوپر بیان ہوئے۔ اور مخالفین کے یہاں تقیہ ہے۔ اور اماموں کا عمداً اختلاف ڈالنا تاکہ شیعہ راوی سچے نہ سمجھے جائیں وغیرہ وغیرہ بکثرت ہیں۔

چوتھا فرق

یہ ہے کہ ہمارے یہاں حدیث کی جو کتابیں اعلیٰ طبقہ کی ہیں۔ وہ اپنے مؤلفین سے متواتر ہیں۔ مثلاً مؤطا امام مالک ہے۔ کہ اس کو نوے ہزار آدمیوں نے ان سے پڑھا اور روایت کیا۔ علیٰ ہذا صحیح بخاری کو بےشمار لوگوں نے امام بخاری سے پڑھا اور روایت کیا۔ صدیوں تک بڑی سخت جانچ ان کتابوں کی ہوتی رہی۔ لہٰذا یہ بات یقینی ہوگئی۔ کہ یہ کتابیں جن بزرگوں کی تالیف کہی جاتی ہیں۔ فی الواقع انہیں کی ہیں۔ بخلاف کتب حدیث مخالفین کے۔ کہ ان کی اصول اربعہ یعنی کافی۔ تہذیب۔ من لایحضرہ الفقیہ۔ استبصار بھی اپنے مصنفین

سے متواتر نہیں۔ جس نے جو کتاب بنائی۔ اس کو عیب کی طرح چھپائے بیٹھا رہا۔ صدیوں تک چوری چھپے کا معاملہ رہا۔ اب چند روز سے جن کو مشکل دو سو برس ہوئے ہوں گے کہ وہ کتابیں صندوق تقیہ سے باہر نکلی ہیں۔

الحاصل اور بہت سے فرق ہیں۔ مگر اس وقت اختصار مد نظر ہے۔ الحاصل ہماری روایات بے دغدغہ بپابندی شرائط وضوابط مذکورۂ اصول حدیث واصول فقہ قابل عمل ہیں۔ مخالفین کی روایات عمل کے قابل نہیں۔ چہ جائیکہ اعتقادات میں پاس ولحاظ۔

مگر بے چاروں کی جان سخت مصیبت میں ہے۔ ان کے پاس بس یہی روایتیں ہیں۔ چاہیں ان کو بچھائیں چاہیں اوڑھیں۔ انہیں پر ان کے عقائد کی بنیاد ہے۔ اور انہیں پر ان کے اعمال کی۔ اور اگر کوئی مخالف یہ دعوے رکھتا ہو۔ کہ ان واہی تباہی روایات کو چھوڑ کر آن کا کوئی عقیدہ یا کوئی مخصوص مسئلہ قرآن سے ثابت ہو سکتا ہے۔ "تو ہمیں میدان، ہمیں چوگان ہمیں گوئے"

خوش بود گر محک تجربہ آمد بمیاں
تا سیہ روئے شود ہر کہ درو غش باشد

اس سلسلۂ تفسیر کے التزامات

اس سلسلۂ تفسیر میں اس بات کا التزام ہے۔ کہ جس آیت کا جو مطلب بیان کیا جائے گا۔ اور نتائج اس سے نکالے جائیں گے۔ ان میں ظنیت کو دخل نہ ہونے پائے۔ لہذا آیات قرآنیہ کا مطلب کسی روایت آحاد کو ضمیمہ بنا کر نہ بیان کیا جائے گا۔ بلکہ جو کچھ بیان ہو گا وہ مسلم الکل قواعد زبان عرب اور محاورات قرآنیہ کے ذریعہ سے ہو گا۔

البتہ بطور شہادت کے بعد میں کچھ روایات بھی ذکر کی جائیں گی ۔ اور مفسرین کے اقوال بھی ۔

اگر کسی آیت کی تعیین مراد کے لئے کسی واقعہ کے ملانے کی ضرورت ہو گی تو اس بات کا لحاظ رہے گا ۔ کہ وہ واقعہ متواتر ہو یا بین الفریقین بلاخلاف واختلاف مسلّم ہو ۔

مخالفین کے اعتراضات یا استدلالات کے جواب میں ان کے مسلمات یا مسلم الکل قواعد سے کام لیا جائے گا ۔

انشاء اللہ تعالےٰ اس سلسلہ تفسیر سے دو فائدے حاصل ہوں گے اول یہ کہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ مخالفین کی خانہ ساز امامت قرآن کریم کے قطعاً خلاف ہے ۔ اور حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے پسندیدہ و امام برحق ہونے میں چون وچرا کرنا خدا اور رسول کی تکذیب کرنا ہے ۔

دوم ۔ یہ کہ قرآن شریف کے سمجھنے کا ایک ڈھنگ لوگوں کو معلوم ہو گا ۔ اللہ تعالےٰ میری اس آرزو کو پورا کرے ۔ آمین

هذا اخر الكلام والحمد لله رب العلمين ۔

تمت

الحمد للہ کہ مقدمہ تمام ہو گیا ۔ اب اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر آیات کا سلسلہ شروع ہو گا ۔ جس میں کم از کم دس دس آیتیں طرفین کے استدلال کی درج کی جائیں گی ۔ جن کو وہ نص صریح کہتے ہیں ۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ ۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

ترجمہ

بہ تحقیق یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

تفسیر آیت استخلاف

جس میں

سورہ نور کی یہ آیت کریمہ:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الخ

معروف بہ آیت استخلاف کی کامل و مکمل تفسیر خالص قطعیات سے بغیر آمیزش ظنیات کے کر کے قطعی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی گئی ہے۔ کہ اس آیت کے مصداق حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور انہیں کی خلافتیں اس آیت کی موعودہ خلافت ہیں۔ مزید تائید کے لئے احادیث صحیحہ خصوصاً روایات شیعہ بھی پیش کی گئی ہیں، اور ان کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے احسانات ہر بندے پر بے شمار ہیں۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا لیکن سب سے بڑا انعام یہ ہے۔ کہ اپنی کتاب مقدس کا خادم و پاسبان ہمیں بنایا اور اس کے درس تدریس اور تعلیم و تفسیر کی توفیق ہمیں دی فلہ الحمد ملأ اذکلتہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ۔

اما بعد سب سے بڑی چیز ہمارے پاس کتاب اللہ ہے۔ اور ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ اس کے ہر فیصلہ کو بے چون و چرا تسلیم کرے اور اس کے مقابلہ میں کسی چیز کو قابل التفات نہ سمجھے۔

مسئلہ امامت و خلافت جو سُنی شیعہ کے درمیان میں بنیادِ اختلاف کہا جاتا ہے۔ اس کا ایسا واضح فیصلہ قرآن مجید نے کر دیا ہے۔ کہ ہم کو کسی دوسری طرف جانے کی حاجت نہیں رہی۔

قرآن مجید میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً مہاجرین و انصار کے مناقب و فضائل ان کی تعدیل و تقدیس کا بیان بکثرت ہے۔ ان سب آیتوں سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت پر استدلال ہو سکتا ہے، کیونکہ ان تینوں خلافتوں کو بقول شیعہ ناجائز ماننے سے اُن آیات کا کوئی مصداق باقی نہیں رہتا اس لئے کہ ان تینوں خلفا کے ہاتھ پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی تھی جیسا کہ فریقین[1] اس کے قائل ہیں۔ پس اگر ان کی خلافت صحیح نہ ہو تو اس ناجائز

---

[1] سُنیوں کا قائل ہونا تو سب کو معلوم ہے۔ مگر شیعہ ناواقفوں کے سامنے اکثر انکار کر جاتے ہیں، لہٰذا نمونہ کے طور پر شیعوں کی بڑی معتبر کتاب احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص ۴۸۔ ملاحظہ ہو جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کرنے کی روایت لکھی ہے۔ کہ مامن الامۃ احد بایع مکرھا غیر علی و اربعتنا یعنی تمام امت میں کوئی ایسا نہیں جس نے بغیر رضا و رغبت کے بیعت کی ہو سوا علی کے اور ہمارے چار شخصوں کے۔ ترجمہ ختم۔ ان چار شخصوں سے مراد ابوذر،

بیعت کی وجہ سے وُہ طبقہ کل کا کل کسی مدح و منقبت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور آیاتِ قرآنیہ غلط ہو جاتی ہیں ۔ نعوذ باللہ منہ ۔

مگر ہم اس وقت مناقب و فضائل کی عام آیتوں کو نہیں بلکہ صرف ان آیات کو لیتے ہیں جو خاص طور پر خلافت ہی سے تعلق رکھتی ہیں ۔ یعنی یا تو ان میں خلافت کا وعدہ ہے ۔ یا خلافت کی پیشین گوئی ہے ۔ یا ان حضرات میں لیاقت خلافت کا ہونا اور منصب خلافت کے لوازم کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے ۔ پھر بنظر اختصار ان آیات میں سے بھی چند کی تفسیر کا اس وقت ارادہ ہے ۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

پہلی آیت

آیہ استخلاف ۔ سورۂ نور ساتواں رکوع ۔ اٹھارواں پارہ ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	کو جو ایمان لائے تم میں سے اور
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى	کئے انہوں نے اچھے کام کہ ضرور
الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ	ضرور خلیفہ بنائے گا ان کو زمین
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	میں جیسے بنایا تھا ان لوگوں کو
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	جو ان سے پہلے تھے اور ضرور
الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ	ضرور تمکین دے گا ان کیلئے
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ	ان کے دین کو وہ دین جو پسند
خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ	کیا اللہ نے ان کے لئے اور
لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَ	ضرور ضرور بدلے میں دے گا
مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ	ان کو بعد ان کے ڈرنے کے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ٥ ۔ اُس عبادت کریں گے وہ میری نہ شریک کریں گے وہ میرے ساتھ کسی چیز کو اور جو کفر کرے بعد اس کے پس وہی لوگ ہیں (اعلیٰ درجہ کے) فاسق ۔

اس آیت کی تفسیر چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے ۔

فصل اول میں آیت کا سلیس اردو ترجمہ آیت کا ربط ماقبل ومابعد سے آیت کے الفاظ کی شرح ۔

فصل دوم میں آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت پر استدلال ۔

فصل سوم میں آیت کی تفسیر کے متعلق روایات اہل سنت وشیعہ واقوال مفسرین فریقین ۔

فصل چہارم میں شیعوں کے جوابات اس آیت کے استدلال کے متعلق اور ان جوابات کا رد ۔

فصل اوّل

اس آیت استخلاف کا ربط آیات سابقہ سے یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے ۔ اپنے دلائل قدرت وحلم نیت بیان فرما کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے ۔ یہ آیہ استخلاف اس ترغیب کا تکملہ اور تمہ ہے ۔ کہ دیکھو ایمان والوں کے لئے اس دنیا میں ان ان انعامات کا ہم نے وعدہ کیا ہے ۔ اگر تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہوگے ۔ آیت استخلاف کے بعد خدا نے نماز قائم کرنے اور زکواۃ دینے اور رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے ۔ گویا یہ ظاہر فرمایا ہے ۔ کہ آیہ استخلاف میں جن نعمتوں کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے ۔ وہ مقصود اصلی

خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت ہے۔ اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ آیۂ استخلاف کی موجودہ نعمتیں خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت سے ملیں گی۔ خدا کی رحمت اس سے نازل ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کفار کی کثرت ان کی قوت و شوکت ان وعدوں کے پورے ہونے میں سدِ راہ ہو گی۔ ہرگز نہیں کوئی ہم کو عاجز نہیں کر سکتا بلکہ جو کافر مزاحمت کریں گے وہ جہنم میں جو ان کا ماوی ہے۔ پہنچا دیئے جائیں گے، آیۂ استخلاف کا شانِ نزول باتفاق[۱] فریقین یہ ہے کہ جب مسلمان تیرہ برس کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سہتے سہتے صبر و استقامت کی آخری حد تک پہنچ چکے تو خدا کی اجازت سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے مگر یہاں بھی ان کو امن نہ ملا اور کفار کی طرف سے پے در پے حملے ہونے لگے لیسا اوقات مسلمانوں کو ہر وقت مسلح رہنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ کبھی ہم کو امن و اطمینان کا زمانہ بھی نصیب ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں خدا نے ان انسانوں کو جو نزولِ آیت کے وقت روئے زمین پر موجود تھے۔ مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ ہمارے رسول پر ایمان لا چکے اور عملِ صالح کر چکے ہیں۔ ان سے ہمارا وعدہ ہے۔ کہ اسی زندگی میں دنیا میں تین انعام ان کو دیں گے۔ اول یہ کہ اس کو زمین میں خلافت دیں گے۔ اور یہ خلافت ہم رنگ اس خلافت کے ہو گی جو اگلوں کو یعنی بنی اسرائیل کو ملی تھی۔ دوم یہ کہ جس دین کو خدا نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ یعنی دینِ اسلام جیسا کہ آیہ رضیت لکم الاسلام دینا میں اس کی تصریح ہے۔ اس کو تمکین دی جائے گی۔ سوم یہ کہ ان کو امنِ کامل ملے گا۔ کسی دشمن کا خوف ان کو نہ رہے گا، اور چونکہ سلطنت و حکومت کے نشہ میں مست ہو کر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں، اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ وہ لوگ اس رتبہ پر پہنچ کر بھی میری عبادت کریں۔

[۱] چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ تیسری فصل میں فریقین کے تفسیروں کی عبارتیں نقل کی جائیں گی۔ ۱۲

گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے پھر یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس انعام کے بعد بھی کفر کرے وہ اعلیٰ درجہ کا بدکار ہے۔ مقصود یہ ہے۔ کہ اس انعام کا فائدہ چونکہ انعام یافتہ لوگوں کی ذات تک محدود نہ رہے گا۔ بلکہ اس کی برکات والے انوار مسلمانوں کے لئے صفحۂ ہستی پر قیام قیامت تک باقی رہیں گے اس لئے تمام مسلمانوں پر کافتہً اس انعام کی شکرگزاری لازم ہے۔ جو ناشکری کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کے فاسقوں میں شمار ہوگا۔ ؎

لطف زازل آمد تا عمر ابد پاید   کس شکر گزار و چوں ایں دولت سرمد را

کفر کے یہاں دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کفر سے مراد کفر حقیقی لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اس عظیم الشان خوشخبری کے بعد بھی جو شخص اسلام کی طرف راغب نہ ہو۔ اور کفر پر قائم رہے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے۔ دوسرے یہ کہ کفر سے مراد ناشکری لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں کے ملنے کے بعد جو شخص ان نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کرے گا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا بدکار ہوگا۔ اس دوسرے مطلب کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ سب سے پہلے ان نعمتوں کی ناشکری حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں نے کی کہ خلیفہ برحق کو شہید کیا پھر ان کے بعد مخالفین صحابہ ان نعمتوں کی ناقدری کر رہے ہیں۔ کہ جن بزرگوں کو خدا نے یہ نعمتیں دیں ان کو نہیں مانتے بلکہ اس فرقہ نے تو حد کر دی کہ خدا کی ان عظیم الشان نعمتوں کے نعمت ہونے ہی کا انکار کرتے ہیں۔

اس آیت کی موعودہ خلافت کو خدا نے بنی اسرائیل کی خلافت سے تشبیہ دی اس تشبیہ کے بظاہر دو فائدے معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ بنی اسرائیل

لہ چنانچہ اسی خلافت راشدہ موعودہ کے انوار برکات ہیں جو آج بھی تمام روئے زمین پر نظر آ رہے ہیں قرآن شریف جو ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے اور دین اسلام کی تعلیمات مسلمانوں کا وجود کلمہ طیبہ کا روح پرور زمزمہ یہ سب کچھ اسی بابرکت زمانہ کی مساعی جمیلہ کے آثار ہیں۔

ہیں خلافت انبیاء کو ملتی تھی نبی کا خلیفہ بھی نبی ہوتا تھا۔ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے اور بخاری کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ البتہ خلفاء ہوں گے۔ پس نتیجہ تشبیہ یہ نکلا کہ اس آیت کی موعودہ خلافت معمولی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ ہمرنگ نبوت ہوگی۔ چنانچہ علمائے محققین نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت علی منہاج النبوت تھی۔

دوم یہ کہ جیسے خلفائے بنی اسرائیل کو سلطنت عظیمہ اور بڑے جاہ و جلال کی حکومت ملی تھی چنانچہ آیۂ کریمہ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا میں اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح آیت کی موعودہ خلافت بھی کوئی چھوٹی سی ریاست نہ ہوگی بلکہ ملک عظیم ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں خلافت اسلامیہ دنیا کی دونوں بڑی بادشاہتوں یعنی روم و ایران کو زیر نگیں کر چکی تھی۔ اس کے علاوہ تمام جزیرۂ عرب ملک شام مصر سب قبضہ میں آچکا تھا۔ ملک عظیم کا مصداق اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ بنی اسرائیل کی خلافت سے باتفاق مفسرین حضرت موسیٰؑ کی خلافت مراد ہے۔ کہ ان کے بعد تین خلیفہ بڑے جاہ و جلال کے ہوئے حضرت یوشعؑ۔ حضرت کالبؑ حضرت یوساقوسؑ ان خلفائے بنی اسرائیل کے حالات اور فتوحات بھی ہمارے تینوں خلفاء سے ملتے جلتے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے حضرت داؤدؑ کی خلافت مراد لی ہے۔ کہ ان کے بعد حضرت سلیمانؑ خلیفہ ہوئے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کی قوت و شوکت ضرب المثل ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں مراد ہوں کما فی ازالۃ الخفاء۔

اس آیت میں دو تین لفظ شرح طلب ہیں، ان کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ استخلاف کے معنی خلیفہ بنانا یعنی کسی کو کسی کا جانشین کرنا یا بادشاہ بنانا قرآن شریف میں اور احادیث میں یہ لفظ اس معنی میں مستعمل ہے قولہ تعالیٰ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃً فی الارض یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں

بادشاہ بنایا۔ استخلاف کے معنی کبھی ایک قوم کو دوسری قوم کی جگہ پر قائم کرنے کے بھی ہوتے ہیں یعنی وہ معنی یہاں نہیں مراد ہو سکتے اور اگر کوئی شخص خواہ مخواہ مراد لے تو بھی مضر نہیں جیسا کہ عنقریب معلوم ہو گا۔

آیت میں اگرچہ وعدہ استخلاف کا تمام مومنین صالحین سے کیا ہے مگر مراد یہ ہے۔ کہ ان کی جماعت میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنایا جائے گا جو نعمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ فرداً فرداً تمام اشخاص کو نہیں ملتیں وہ نعمتیں جب کسی قوم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو اس قوم کے تمام اشخاص مراد نہیں ہوتے بلکہ خاص اشخاص مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ نعمت بادشاہت بھی ایسی ہی چیز ہے۔ کہ قوم کا ہر ہر شخص بادشاہ نہیں ہوتا ہذا جب کہتے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزوں کی بادشاہت ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ کہ انگریزی قوم کا کوئی بادشاہ ہے اور چونکہ قوم کے ایک شخص کو اس نعمت کا ملنا تمام قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے، اس لئے وہ نعمت تمام قوم کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

آیت میں خدا نے فرمایا کہ ہم ان کو خلیفہ بنائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی خاص حکم ان کے خلیفہ بنانے کا نازل ہو گا۔ یا کوئی آواز آسمان سے آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسے اسباب وسامان فراہم ہو جائیں گے۔ کہ ان کی خلافت منعقد ہو جائے گی یوں تو عالم میں جس قدر کام ہوتے ہیں سب خدا کی مشیت واذن سے ہوتے ہیں مگر جو کام از قسم خیر ہوتے ہیں ان کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ اس کو اضافت تشریفی کہتے ہیں جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں عبداللہ فرمایا نیک بندوں کو عبادی فرمایا کعبہ کو بیتی فرمایا حضرت عیسیٰ کو روح منہ فرمایا حالانکہ درحقیقت نیک و بد سب بندے خدا کے ہیں اور سب گھر اللہ کے ہیں یعنی اللہ کی مملوک ومخلوق ہیں۔ اور سب روحیں خدا کی ہیں۔ یعنی خدا کی مملوک ومخلوق ہیں مگر جن کو اپنی طرف منسوب فرمایا محض ان کی خصوصیت و رتبہ کا اظہار منظور ہے لیمکنن۔ تمکین کے معنی

میں جگہ دنیا مکان مراد یہ ہے۔ کہ دین اسلام کو روئے زمین پر جائے اقامت دی جائے گی یعنی ایسی قوت وشوکت اور کثرت واشاعت دین میں ہو جائے گی کہ پھر اس کے فنا کرنے پر کوئی دشمن قادر نہ رہے گا۔ جب تک دین اسلام نے جزیرہ عرب سے قدم باہر نہ رکھا تھا۔ تمکین کی صفت حاصل نہ تھی۔ لیکن جب ایران و روم کے ملک میں مصر میں شام میں دین پھیل گیا اب عادۃً محال ہو گا کہ کوئی اس کو فنا کر سکے۔ اور صفت تمکین پیدا ہو گئی۔

لیمکنن کے بعد لہم کی لفظ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں لام کلام عرب میں سبب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور نفع کے لئے بھی آتا ہے۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ سبب کے معنی لیجئے تو مطلب یہ ہو گا کہ دین اسلام کو خدا جو تمکین دے گا اس تمکین کا سبب بھی مومنین صالحین ہوں گے انہیں کی کوششوں کو خدا اپنے وعدہ کے پورا کرنے کا آلہ بنائے گا۔ اور نفع کے معنی لیجئے تو مطلب یہ ہو گا۔ کہ دین اسلام کو جو تمکین ملے گی اس تمکین سے یہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ اور بڑے امن واطمینان سے خدا کی عبادت کریں گے۔ آیت کے معنی بالکل صاف ہو گئے اب استدلال کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

فصل دوم

اس آیت سے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ راشد وامام برحق ہونے کا ثبوت ایسا قطعی ہے۔ اور اس قطعیت کو علمائے مسلمین نے ایسا واضح کر دیا ہے۔ کہ حجت خدا تمام منکروں پر بخوبی قائم ہو چکی ہے۔ ہرگز خدا کے سامنے وہ کوئی عذر بارد پیش نہیں کر سکتے۔ جس شخص نے علمائے شیعہ کے وہ جوابات دیکھے ہوں جو اس آیت کے استدلال کے متعلق انہوں نے دیئے ہیں۔ اس کو اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے دلوں کو یقین ہے۔ زبانوں سے انکار کرتے ہیں۔ جَحَدُوا بِهَا

وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۔

جیسی دلالت اس آیت میں حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر ہے ایسی دلالت اگر کسی شخص کے نبی و رسول ہونے پر ہوتی لوگ اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہوجاتے ۔ دیکھو اللہ تعالےٰ نے یہود و نصاریٰ کو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ مکلف کیا ۔ اور اس بارہ میں توریت انجیل کی ان نصوص کو کافی قرار دیا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے متعلق ہیں ۔ قولہ تعالیٰ النبیّ[۱] الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل بلکہ علمائے یہود و نصاریٰ کو جو معرفت آپ کی نبوّت کی توریت و انجیل کی پیش گوئیوں سے حاصل ہوئی تھی اس کو کفار مکہ پر خدا نے حجت قرار دیا قولہ تعالےٰ اولم[۲] یکن لھم اٰیۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل حالانکہ توریت و انجیل بلکہ تمام صحف انبیا بنی اسرائیل میں کوئی ایسی نص[۳] نہیں ہے جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر اس سے واضح دلالت کرتی ہو

[۱] ترجمہ وہ نبی امی جس کو یہ لوگ اپنے یہاں توریت انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں ۱۲

[۲] ترجمہ کیا اہل مکہ کے لئے یہ دلیل کافی ہے ۔ کہ ہمارے نبی کو تمام علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں

[۳] کیونکہ کتب سماویہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ مذکور ہے ۔

وہ از قبیل اوصاف و علامات ہے مثل اس کے نبی آخر الزماں بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہوں گے ۔ ان کی شریعت موسیٰؑ کی شریعت کے مانند ہوگی ۔ ان کی نبوت فاران پہاڑ (یعنی مکہ) سے شروع ہوگی اور ان کی سلطنت ملک شام تک پہونچیگی ، ان پر کوئی لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہوگی ۔ بلکہ خدا کا کلام ان کے منہ پر جاری ہوگا وغیرہ وغیرہ المختصر کوئی تشخیص و تعین آپ کے نام و نسب کے ساتھ نہیں کی گئی تھی ۔ اور نہ ممکن تھی ۔ کیونکہ وہی نام دوسرا شخص رکھ سکتا ہے ۔ اور اس وقت بے حد اشتباہ کا اندیشہ تھا ۔ کتب سماویہ میں تحریف ضرور ہوئی مگر تحریف کے بعد بھی جس قدر باقی رہا اس سے حجت خداوندی قائم ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ممکن ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ان کتب میں تحریف ہوئی ہو ۔ لیکن اب بھی

یعنی دلالت آیہ استخلاف میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت پر ہے۔
درحقیقت جو لوگ آیہ استخلاف کی دلالت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی کی خلافت پر
نہیں مانتے وہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے نبوّت کی ایک عُمدہ اور نفیس دلیل
کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اور ان کا دلی مقصود بھی یہی ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے۔ کہ اس آیت استخلاف سے تینوں خلفا
رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کا علم بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس
طرح حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے محبوب و محب خدا ورسول
ہونے کا علم ہوتا ہے۔

حدیث رایت یہ ہے کہ غزوہ خیبر میں ایک مرتبہ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا۔ کہ وُہ اللہ ورسُول کا محب
ومحبوب ہوگا۔ کرار غیر فرار ہوگا۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دے گا جس وقت
رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت کسی کو معلوم نہ
تھا۔ کہ اس حدیث میں کس کے اوصاف جمیلہ بیان ہورہے ہیں۔ سب کے
دل اس دولت خدا داد کی تمنا سے پُرتھے مگر جب دوسرے روز جھنڈا حضرت
علی رضی کو عنایت ہوگیا تو سب کو معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث آپ کی فضیلت میں ہے۔

جس طرح حدیث رایت سے جھنڈا ملنے کے قبل حضرت علی مرتضیٰ رضی کے محب
ومحبوب خدا ورسول ہونے پر استدلال ممکن نہ تھا۔ بالکل اسی طرح آیہ استخلاف
سے قبل اس کے کہ آیت کے موعودہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو
حاصل ہوں اس آیت سے ان کی خلافت راشدہ پر استدلال ناممکن تھا۔ یہی
سبب تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کا مشورہ ہونے لگا۔ تو آیت
استخلاف یا کوئی دوسری آیت نہ پیش کی گئی بلکہ حضرت صدّیق کے سوابق سلامیہ
واجازت امامت نماز وغیرہ وغیرہ سے استدلال کیا گیا مگر خلفائے ثلاثہ رضی کو
جب آیت کے موعودہ انعام حاصل ہوگئے۔ اس وقت سب کی آنکھیں کھل

گئیں اور روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ آیت استخلاف میں انہیں کی خلافت کی بشارت اور ان کے خلیفہ برحق ہونے کی دلالت ہے بوقت انعقاد خلافت یہ سمجھا گیا تھا۔ کہ حضرت صدیق کی خلافت بیعت اہل حل وعقد کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور اہل حل وعقد نے آپ کا انتخاب بوجہ آپ کے بے مثل فضائل اور بوجہ بعض اشارات نبویہ وتصریحات قدسیہ ومعاملات ولیعہدی مثل امامت نماز وغیرہ کے کیا ہے۔ لیکن آیہ استخلاف کی موعودہ تینوں نعمتوں کے ظہور کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں اور سب نے روز روشن کی طرح دیکھ لیا کہ یہ فعل ہمارا نہ تھا یہ تو وعدہ الٰہی تھا۔ جو سات آسمانوں سے اوپر سے اترا تھا۔ یہ حکم قضائے مبرم تھا جو عرش عظیم سے نازل ہوا تھا اسی روز قضا نے ہمارے پردہ میں اپنا مقصد پورا کیا۔ اس مضمون کو صاحب قلم مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ بعد انطباق اوصاف برہمہ منکشف شد وچشم داگشت برآنکہ فصل جماعت نبود وعدالد بود کہ از پس پردہ چندیں افکار واقیہ بروز نمود

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہو چیں بستہ اند

اس تمہید کے بعد اب آیت کے استدلال پر غور کرنا چاہیئے اگر تعصب اور ضد کی کدورت سے تھوڑی دیر کے لئے دماغ کو صاف کر کے اس آیت پر نظر ڈالی جائے۔ تو یقیناً روز روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ آیت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت پر اس وضاحت کیساتھ دلالت کر رہی ہے۔ کہ ان تینوں خلافتوں کا انکار کرنے کے بعد آیت کی تصدیق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں

آیت میں تحقیق طلب چند امر ہیں۔ اول یہ کہ وعدہ کس سے ہے۔ یعنی موعود لہ کون ہے۔ دوم یہ کہ وعدہ کس چیز کا ہے۔ سوم یہ کہ اس وعدے کے

پورے ہونے کی کیا صورت ہوسکتی ہے ۔ چہارم یہ کہ اشیائے موعودہ کس زمانہ میں پائی گئیں ان چار اموریں بحث طلب درحقیقت امراول وچہارم ہے۔ کیونکہ امر دوم یعنی یہ کہ وعدہ کس چیز کا ہے ۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ سب مانتے ہیں کہ وعدہ تین نعمتوں کا ہے ۔

(۱) استخلاف فی الارض (۲) تمکین دین (۳) عطائی امن بعد خوف امرسوم بھی ظاہر ہے کہ وعدے کے پورے ہونے کی یہی صورت ہے کہ جن لوگوں سے وعدہ ہے ۔ ان کو یہ تینوں نعمتیں ملیں جن لوگوں سے وعدہ نہیں ان لوگوں کو تین کیا تین ہزار نعمتیں بھی مل جائیں تو وعدہ پورا نہ ہوگا ۔

اب امراول وچہارم کی تحقیق سنو اور خدا توفیق دے تو قرآن کریم کو اپنا پیشوا بناؤ ۔ امراول آیت میں خدا نے موعود لہم مومنین صالحین کو قرار دیا ہے ۔ معلوم ہوا کہ وعدہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ آپ کے متبعین سے ہے ۔ اور الذین آمنوا وعملو دونوں صیغہ ماضی کے ہیں ۔ پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے ۔ جو ضمیر حاضر پر شامل ہے ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے ۔ اور نزول سے پہلے ایمان لاچکے تھے اور عمل صالح کرچکے تھے۔ پس حضرت معاویہؓ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی امیہ وبنی عباس وغیرہ موعود لہم نہیں ہوسکتے ، موعود لہم وہی صحابہ کرام مہاجرین وانصار ہیں جو نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے ۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم بھی انہیں میں ہیں ۔

اگر یہ وعدہ ان لوگوں کے ساتھ مخصوص نہ مانا جائے تو اس کی دوصورتیں ہیں ۔ اور ان دونوں میں متعدد خرابیاں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ کے مومنین صالحین مراد لئے جائیں اور سب کو اس کا موعود لہم قرار دیا جائے تو ایک خرابی تو یہ ہے ۔ کہ صیغے ماضی کے اور خصوصاً لفظ منکم

بے کار ہوجاتا ہے یہ مطلب تو بغیر منکم کے بھی حاصل تھا۔ دوسری خرابی یہ ہے۔ کہ اس صورت میں نعوذ باللہ آپ کا وعدہ غلط ہوجائے گا، کیونکہ ہر زمانے میں مومنین صالحین کو یہ تینوں موعودہ نعمتیں حاصل نہیں ہیں پھر لطف یہ ہے۔ کہ باوجود ان خرابیوں کے بھی ہمارا مدعا حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں حضرات خلفائے ثلاثہؓ کا زمانہ بھی آیت میں داخل رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وعدہ کا تعلق وقت نزول کے مومنین صالحین سے بالکل نہ رکھا جائے بلکہ آنے والے زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے مسلمانوں کے ساتھ اس وعدہ کو مخصوص کر دیا جائے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ امام مہدی کا زمانہ مراد ہے۔ اس میں بھی کئی خرابیاں ہیں منجملہ ان کے بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ کسی زبان کا قاعدہ نہیں ہے کہ صیغہ حاضر کا بول کر حاضرین کا ایک فرد بھی نہ مراد لیا جائے اور صرف غائبین مراد ہوں اور منجملہ ان کے یہ کہ کسی ایسی نعمت کی بشارت کسی جماعت کو سنانا جس میں اس جماعت کا کچھ بھی حصہ نہ ہو سراسر فریب ہے۔ اور کلام الٰہی اس سے بری ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حاضرین وقت نزول میں سے صرف حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس وعدہ کا موعود لہ قرار دیا جائے تو قطع نظر اس کے کہ یہ تخصیص محض بے دلیل ہے۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ ان کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ سُنی شیعہ دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ فرق اس قدر ہے۔ کہ اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ دو نعمتیں ان کو ملی تھیں۔ استخلاف فی الارض کی نعمت ان کو حاصل تھی۔ کیونکہ اہل حل وعقد یعنی مہاجرین انصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور تمکین دین بھی ان کو حاصل تھی کیونکہ دین ان کا وہی تھا جو حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔ اور وہ دین تمکین پا چکا تھا۔ البتہ ایک نعمت امن کی

اُن کو حاصل نہ تھی۔ کیونکہ ان کے عہد میں باہم مسلمانوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ امن و اطمینان کسی کو نہ تھا۔ اور مخالفین کہتے ہیں کہ صرف ایک نعمت ان کو ملی تھی یعنی استخلاف فی الارض کی وُہ بھی برائے نام اور دو نعمتیں تو برائے نام بھی ان کو نہ ملی تھیں وُہ اپنے عہد میں بھی اپنے اصلی مذہب کے اظہار پر قادر نہ تھے اسی وجہ سے متعہ کے حلال ہونے اور تراویح کے حرام ہونے کا فتویٰ نہ دے سکے۔ احکام قرآنی جو متروک ہو گئے تھے ان کا اجرار نہ کر سکے قرآن شریف میں جو تحریف ہو گئی تھی اس کی اصلاح نہ کر سکے فدک بھی وارثان جناب سیدہ کو نہ دیا جو قوانین پہلے خلفا (نعوذ باللہ) جاری کر گئے انہیں کی پابندی پر وُہ مجبور رہے مخالفین کے شہید ثالث قاضی نور اللہ سوستری بجواب علامہ ابن روزبہان کے اس اعتراض کے کہ متعہ اگر حلال تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو جناب امیر نے اپنی خلافت میں کیوں نہ اس کی حلت کا اعلان کر دیا احقاق الحق میں لکھتے ہیں:-

والحاصل ان امر الخلافة	اور حاصل یہ کہ خلافت کا کام
ما وصل الیہ الا بالاسم	جناب امیر کو نہیں ملا مگر برائے
دون المعنی وکان علیہ	نام نہ در حقیقت اور جناب امیر
السلام معارضا منازعا	علیہ السلام سے جھگڑا اور نزاع
مبغضا فی ایام ولایتہ	اور بغض کیا جاتا تھا ان کے
وکیف یا من فی ولایتہ	زمانہ خلافت میں بھی اور وُہ
الخلاف علی المتقدمین	کیونکر اپنے عہد میں اگلے خلفاء
علیہ وکل من بایعہ و	کی مخالفت کر کے بے خوف
جمہورہم شیعۃ اعدائہ	رہ سکتے تھے جبکہ تمام وہ لوگ
ومن یرے انہم معمرا	جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت
علی اعدال الامور افضلہا	کی تھی اُن کے دشمنوں کے گروہ
وان غایۃ امر من	سے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ ان کے

بعدهم ان يتبع طرائقهم ويقتضى آثارهم	خلفا نہایت النسانہ اور انفضل جالت میں تھے اور ان کے بعد والے کی معراج یہ ہے کہ وہ ان

کے راستہ کی پیروی کرے اور ان کے قدم بقدم چلے۔

نیز کتاب کافی کی کتاب الروضہ صہ۲۹ میں خود حضرت علی مرتضیٰؓ کی زبان سے منقول ہے کہ:

قد عملت الولاة قبلى اعمالا خالفوا فيها رسول الله متعمدين لخلافه ناقضين لعهده مغيرين لسنته ولو عملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها والى ما كانت فى عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فتفرق عنى جندى	خود حضرت علی مرتضیٰ کی زبان سے منقول ہے۔ کہ مجھ سے پہلے حکام نے کچھ ایسے کام کئے ہیں جن میں رسول اللہ کی عمداً مخالفت کی ہے احکام رسول کو توڑا اور سنت رسول کو بدلا ہے۔ اور اگر میں لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور ان احکام کو اصلی صورت میں یعنی جس صورت میں وہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میں تھے

کر دوں تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے۔

پھر اس کے بعد جناب ممدوح نے احکام ظلم جاری رکھنے کی کچھ مثالیں بیان فرمائیں چنانچہ اسی روایت میں ہے۔

لو رددت فدك الى ورثة فاطمة عليها السلام واقطعت قطائع اقتطعها	اگر میں فدک وارثان فاطمہ علیہا السلام کو واپس کر دوں اور معافیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لاقوام لم تمض لھم ولم تنفذ و رددت قضایا من الجور قضی بھا ونزعت نساء تحت رجال بغیر حق فرددتھن الی ازواجھن وعملت الناس علی حکم القرآن ومحوت دواوین العطایا واعطیت کما کان رسول اللہ یعطی بالسویۃ وحرمت المسح علی الخفین اذا لتفرقوا عنی واللہ لقد امرت الناس ان لا یجتمعوا فی شھر رمضان الا فی فریضۃ واعلمتھم ان اجتماعھم فی النوافل بدعۃ فنادی بعض اھل عسکری ممن یقاتل معی یا اھل الاسلام غیرت سنۃ عمر ینھانا عن الصلوۃ فی شھر رمضان تطوعًا ۔

کچھ لوگوں کو دی تھیں اور وہ ان کو نہیں ملیں ان کو دے دوں۔ اور کچھ ظلم کے فیصلے جو کئے گئے ہیں ان کو مسترد کردوں اور کچھ عورتیں جو ناحق لوگوں کے قبضہ میں ہیں ان کے شوہروں کو دلا دوں اور لوگوں کو قرآن پر عمل کرنے کا حکم دوں اور وظیفوں کا دفتر منسوخ کرکے لوگوں کو برابر دینا شروع کردوں جیسا کہ رسول اللہ برابر دیتے تھے اور موزوں پر مسح کرنے کو منع کردوں تو لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں ۔ واللہ میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ماہ رمضان میں سوا فرض نماز کے جماعت نہ کریں اور میں نے ان کو بتلایا کہ نوافل میں جماعت کرنا بدعت ہے ۔ تو میرے لشکر کے کچھ لوگوں نے اعلان دیا وہ لوگ جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے ہیں کہ اے اہل اسلام عمرؓ کی سنت بدل دی گئی ۔ یہ شخص ہم کو ماہ رمضان میں نوافل باجماعت پڑھنے کو منع کرتا ہے ۔

اس قسم کی عبارات و روایات مخالفین کی کتابوں میں بکثرت ہیں۔ جن میں صاف مصرح ہے۔

پس یہ بات باتفاق فریقین ثابت ہے۔ کہ حضرت علیؓ کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا۔ لہٰذا ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت ہرگز نہیں ہوسکتی نہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے موعود لہ کیسے جاسکتے ہیں۔ پس قطعی طور پر یہ ثابت ہوگئی کہ سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ وقت نزول کے تمام مؤمنین صالحین سے یہ وعدہ متعلق مانا جائے اور حضرت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے۔

امر چہارم کی تحقیق یہ ہے۔ کہ تاریخ کے واقعات قطعیہ برملا اعلان دے رہے ہیں۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں آیت کی موعودہ تینوں نعمتیں بأحسن وجوہ پائی گئیں کہ کوئی منکر انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔

استخلاف فی الارض کی کیفیت یہ ہے۔ کہ حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر جیسی کامل بیعت تمام اہل حل وعقد مہاجرین و انصار نے کی ظاہر ہے حتیٰ کہ شیعہ بھی یہ نہ کہہ سکے کہ حضرت علیؓ نے یا کسی ان کے ساتھی نے بیعت نہیں کی۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران کے صفحہ ۴۸ میں ہے:۔

ما من الامة احد	امت میں کوئی ایسا نہیں جس نے
بايع مكرها	بغیر دلی رضا کے (حضرت ابوبکرؓ کے
غير علىٍّ و اربعتنا	ہاتھ پر) بیعت کی ہو سوا علیؓ
	اور ہمارے چار اشخاص کے۔

پھر خدا نے ان کی ایسی غیبی مدد کی کہ تمام ملک کسریٰ و قیصر کا ان کے قبضہ میں آیا عرب و عجم کی بادشاہت ان کو ملی ملک عظیم کے وہ مالک بنائے گئے۔

تمکین دین کی کیفیت یہ ہے کہ ان کے عہد میں تمام اطراف عرب و عجم میں دین اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ مفتی اور فقیہ اور قاضی مقرر ہوگئے یہی دو سلطنتیں

اس وقت اسلام کی طاقت ور دشمن تھیں ۔ ایران و رُوم یہ دونوں سلطنتیں زیر و زبر ہو گئیں ۔ دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جم گئے کہ عادۃً ناممکن ہو گیا کہ کوئی قوت اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے میں کامیاب ہو سکے ۔

امن کی یہ کیفیت کہ مسلمانوں کو اندرُونی بیرُونی ہر قسم کے خوف سے نجات کامل حاصل ہو گئی تھی ۔ آپس میں سب باہم متفق و موافق تھے ۔ کسی قسم کا اختلاف و نزاع ان میں نہ تھا ۔ یہ مضمون کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے ۔ چنانچہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اوّل میں ہے ۔ کہ جب ایران کی لڑائی میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ۔

والعرب الیوم وان	اہل عرب کی تعداد اگرچہ آج
کانوا قلیلا فھم	کم ہے ۔ لیکن وہ بسبب اسلام
کثیرون بالاسلام	کے بہت طاقتور ہیں ۔ اور
عزیزون بالاجتماع ۔	بہ سبب باہمی اتفاق کے بہت
	غالب ہیں ۔

لہٰذا جب باہم ایسا اتفاق و اجتماع تھا تو اندرُونی خوف کا نام و نشان نہیں آسکتا ۔ بیرُونی خوف کی حالت یہ تھی کہ دُنیا میں کوئی دشمن مسلمانوں کی برابر طاقت رکھنے والا باقی ہی نہ تھا ۔ کفر کی تمام طاقتیں ٹوٹ چکی تھیں دُنیا میں جو کافر تھا ۔ مسلمانوں سے خائف و ترساں تھا ۔ خدا کی قدرت ایک وقت وہ تھا کہ صبح سے شام تک شام سے صبح تک ہر وقت مسلمانوں کو ہتھیار بند رہنا پڑتا تھا ۔ ہر وقت خطرہ جان کا ہر شخص کو لگا ہوا تھا اور بظاہر سبب یہی معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان امروز فردا میں فنا کر دئے جائیں گے ۔ یا چند ہی روز کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا ہر قسم کا خوف و ہراس دشمنوں کے حملہ میں آگیا اور مسلمان امن و اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا ۔ ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

چاروں امور کی تحقیق ہو چکی اور اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آیت کے موعود لہم صرف زمانۂ نزول آیت کے مومنین صالحین یعنی مہاجرین و انصار ہیں۔ ان کے سوا آیت کا موعود لہ کسی کو بنانا عقلاً نقلاً لغتہً کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان موعود لہم میں سے تین بزرگوں کے ہاتھ پر خدا کا یہ دعویٰ پورا ہوا اور تینوں موعودہ نعمتیں انھیں موعود لہم یعنی مہاجرین و انصار کو تین بزرگوں کے ذریعہ سے ملیں پس کچھ شک نہ رہا کہ ان تینوں بزرگوں کی خلافت حقہ موعودہ قرآن کریم تھی والحمد للہ تعالیٰ علی ثبوت المرام باوضح دلیل و ابین کلام۔

فصل سوم

بہت سی روایات صحیحہ فریقین کی کتب معتبرہ میں جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کرنے کے قابل ہیں۔ اور وہ روایتیں بتلاتی ہیں۔ کہ وحی آسمانی میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت معین ہو چکی تھی ہم نمونہ کے طور پر چند روایات فریقین کی نقل کرتے ہیں۔

روایات اہل سنت

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما انا نائم رایتنی علی قلیب علیہا دلو فنزعت منہا ما شاء اللہ ثم اخذہا ابن ابی قحافۃ فنزع	فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کہ میں سو رہا تھا میں نے خواب میں اپنے کو ایک کنویں پر دیکھا ڈول بھی اس پر تھا میں نے اس سے جس قدر خدا کو منظور تھا ڈول

منها ذنوبًا او ذنوبین	بھرے پھر اس ڈول کو ابوبکرؓ
وفی نزعه ضعف و	نے لے لیا اور انھوں نے ایک
الله یغفر له ثم	ڈول بلکہ دو ڈول بھرے مگر
استحالت غربًا فاخذها	ان کے بھرنے میں کچھ ضعف
ابن الخطاب فلم ار عبقرًا	عفا اللہ اس کو معاف کرے پھر
من الناس ینزع نزع	وہ ڈول پُر بن گیا اور اس کو
عمر حتی ضرب الناس	عمرؓ نے لیا میں نے کسی زور
بعطن اخرجه الشیخان	آور کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ عمرؓ
من حدیث ابی هریرة و	کی طرح زور و طاقت سے بھرتا
الترمذی من حدیث	ہو یہاں تک کہ لوگ سیراب
ابن عمرؓ	ہو گئے اس حدیث کو بخاری اور

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

ف: اس حدیث میں صریح اشارہ شیخینؓ کی خلافت کی طرف ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی قوت اور کثرت فتوحات کا بھی بیان ہے۔ اور بمقابلہ ان کے حضرت صدیقؓ کی خلافت میں کچھ ضعف اضافی بھی بتایا گیا ہے۔ تو واقعی یہی بات ہے کہ ان کے عہد میں یہ شوکت و قوت یہ کثرت فتوحات نہیں ہے۔ گو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدت ملی دو برس کئی ماہ ان کی خلافت رہی۔

(۴) اخرج ابوداؤد عن ابی	ابوداؤد نے حضرت ابوبکرہؓ
بکرة ان رجلا قال لرسول	سے روایت کی ہے کہ ایک
الله صلی الله علیه وسلم	شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ
رایت کان میزانًا	وسلم سے عرض کیا کہ میں نے

نزل من السماء فوزنت	خواب دیکھا کہ گویا ایک ترازو
انت وابو بکر فرجحت	آسمان سے اتری اس میں آپ اور
انت و وزن ابو بکر	ابوبکرؓ وزن کیے گئے پس آپؐ وزنی
وعمر فرجح ابو بکر	رہے پھر ابوبکرؓ وعمرؓ وزن کئے گئے
ووزن عمر وعثمان	ابوبکرؓ وزنی رہے۔ پھر عمرؓ اور
فرجح عمر ثم رفع	عثمانؓ وزن کیے گئے اور عمرؓ وزنی
الميزان فاستاء لها	رہے۔ بعد اس کے وہ ترازو
رسول الله صلى الله عليه	اُوپر اٹھالی گئی اس خواب کو
وسلم يعني فساءه ذلك	سن کر ترازو اُوپر اٹھالی گئی اس
فقال خلافة نبوة ثم	خواب کو سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ
يؤتي الله الملك	وسلم کو رنج ہوا اور آپ نے
من يشاء۔	فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے۔

اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔

ف۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب کچھ تھوڑا سا فرق عنوان بیان کا ہے۔ اس روایت میں خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا بیان ہے۔

(۳) عن جبير ابن معطم	جبیر بن معطم سے روایت ہے
ان امراة اتت رسول الله	کہ ایک عورت رسول خدا
صلى الله عليه وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی
فكلمته في شئ فامرها	اور اس نے کسی معاملہ میں آپ
ان ترجع قالت ان لم	سے گفتگو کی آپ نے اسے
اجدك كانها تقول	حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا کہ
الموت قال ان تجديني	اگر میں آپ کو نہ پاؤں مطلب

فأتى ابو بكر اخرجه البخاري و مسلم و الترمذي و ابو داود و ابن ماجه ۔

یہ کہ آپ کی وفات ہو جائے تو آپ نے فرمایا مجھے نہ پاؤ تو ابو بکرؓ کے پاس جانا اس حدیث کو بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

(۴) اخرج الحاكم عن انس بن مالك قال بعثني بنو المصطلق الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الى من ندفع زكوتنا اذا حدث لك حدثاً فقال ادفعوها الى ابي بكر فقلت ذلك لهم قال قالوا فسئله ان حدث بابي بكر حدث الموت فالى من ندفع زكوتنا فقلت له ذلك فقال تدفعونها الى عمر قالوا فالى من ندفعها بعد عمر فقلت له قال ادفعوها الى عثمان ۔

حاکم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ پوچھو اپنی زکوٰۃ بعد آپ کے کس کو دیں آپ نے فرمایا ابو بکر کو میں نے یہی جاکر ان سے کہہ دیا انہوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابو بکرؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں آپ نے فرمایا عمرؓ کو ان لوگوں نے کہا پھر عمرؓ کے بعد کس کو دیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۔

ف۔ اس مضمون کی روایات بہت ہیں ۔ کسی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفائے ثلاثہ پر فرمایا ہے ۔ کسی میں اپنے قرض کی ادائی کا کسی میں اور

کسی معاملہ کا یہ سب ولیعہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پوچھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تو فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہو سکے تو مرجاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔

(۵) عن ابن عباس قال و اللّٰہ ان امارۃ ابی بکر و عمر لفی کتاب اللّٰہ قال اللّٰہ تعالیٰ و اذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا قال لحفصۃ ابوک ابو عائشۃ اولیاء الناس بعدی فایاک ان تخبری بہ احدا اخرجہ الواحدی۔	ابن عباس سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کتاب اللّٰہ میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبی نے اپنی بعض بیبیوں سے ایک راز کی بات کہی وہ راز کی بات یہ تھی کہ آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد لوگوں پر میرے بعد

حاکم ہوں گے اس کو کسی سے بیان نہ کرنا یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے۔

ف۔ یہ روایت کتب شیعہ میں بھی ہے چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ منقول ہوگی۔

(۶) عن عائشۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال قبیل مرضہ لقد هممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر و ابنہ فاعهد ان	حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد نامہ لکھوا دوں تاکہ کہنے والے کچھ

یقول القائلون او یتمن المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدافع المومنون او یدفع اللہ ویابی المومنون اخرجہ البخاری

کہیں نہیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان رد کردیں گے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی۔

اقوال مفسرین اہل سنت

امام محمد بن جریر طبری اپنی مشہور تفسیر موسوم بہ جامع البیان میں اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں۔

یقول تعالیٰ ذکرہ وعد اللہ الذین آمنوا باللہ و رسولہ منکم ایھا الناس وعملوا الصلحت یقول واطاعوا اللہ و رسولہ فیما امراو نھیا ولیستخلفنھم فی الارض لیورثھم اللہ ارض المشرکین من العرب و العجم فیجعلھم ملوکا وسیاستھا کما استخلف الذین

فرمایا ہے اللہ نے بلند ہے ذکر اس کا کہ وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر تم میں سے اے لوگو اور کئے انہوں نے اچھے کام یعنی اطاعت کی انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی ان چیزوں میں جو اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم کیں اور جو منع کیں کہ ضرور خلیفہ کرے گا ان کو زمین میں یعنی مالک بنائے گا ان کو اللہ مشرکوں کی زمین کا۔

من قبلھم یقول کما فعل من قبلھم ذلک بنی اسرائیل اذا ھلک الجبابرة بالشام وجعلھم ملوکا وسکانھا ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم یقول ولیوطنن لھم دینھم یعنی ملتھم التی ارتضی لھم فامرھم بھا۔	عرب کا اور عجم کا اور کر دے گا ان کو بادشاہ اور صاحب حکومت ان زمینوں کا جس طرح خلیفہ بنایا تھا ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ یعنی جیسا معاملہ کیا تھا اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ جبکہ ہلاک کیا جبابرہ کو شام میں اور کر دیا بنی اسرائیل کو بادشاہ اور سکونت پذیر وہاں کا اور ضرور ضرور تمکین دے گا ان کے لئے

دین کو یعنی ان کے مذہب کو جو پسند کیا واسطے ان کے اور حکم دیا ان کو اس مذہب کا۔

پھر من کفر ذالک کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں:۔

قال القاسم ابو علی بقتلھم عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ۔	قاسم ابو علی نے کہا ہے کہ اس نعمت خلافت کے کفران کی ابتداء) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ کے قتل سے ہوئی۔

ف۔ تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ وعدہ مسلمانوں سے ہے اور عرب و عجم کی بادشاہت کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ وعدہ عہد رسول میں پورا نہیں ہوا بلکہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں پورا ہوا کیونکہ عرب و عجم کی بادشاہت انہیں کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلی ناشکری اس نعمت کی شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

(۲) تفسیر امام ابن کثیر میں ہے :-

هٰذا وعد من الله تعالیٰ لرسوله صلوات الله وسلامه علیه بانه یجعل امته خلفاء الارض ای ائمة الناس والولاة علیهم وبهم تصلح البلاد وتخضع لهم العباد - لیبدلنهم من بعد خوفهم من الناس وفیهم وقد فعله تبارك وتعالیٰ وله الحمد والمنة. فانه صلی الله علیه وسلم لم یمت حتی فتح الله علیه مكة وخیبر والبحرین وسائر جزیرة العرب وارض الیمن بكمالها واخذ الجزیة من مجوس هجر ومن بعض اطراف الشام وهاداه هرقل ملك الروم وصاحب مصر واسكندریة وهو

یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عنقریب آپ کی امت کو زمین کا خلیفہ یعنی لوگوں کا امام اور ان پر والی بنائے گا اور ان سے شہروں کی درستی ہوگی اور بندگان خدا سب ان کے فرمانبردار ہوں گے اور بعد اس کے کہ وہ لوگوں سے کہ وہ لوگوں سے ڈرتے تھے ان کو امن وحکومت عنایت کرے اور اس کو اللہ وتبارک نے پورا کیا، اس کا شکر اور احسان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہونے پائی کہ اللہ تعالےٰ نے آپ پر مکہ، خیبر، بحرین اور بقیہ جزیرہ عرب اور سرزمین یمن کامل فتح کر دی اور آپ نے مجوس ہجر سے اور بعض اطراف شام سے جزیہ لیا۔ ہرقل شاہ روم اور مقوقس صاحب مصر واسکندریہ اور نجاشی

المقوقس وملوك عمان	بادشاہ حبش نے اصحمہ رحمۃ اللہ
والنجاشي ملك الحبشة	واکرمہ کے بادشاہ ہوئے تھے
الذي تملك بعد اصحمة	آپ کی خدمت میں ہدایا
رحمة الله واكرمه،	بھیجے پھر جب رسول خدا صلی
ثم لما مات رسول الله	اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی
صلى الله عليه وسلم	اور اللہ نے آپ کے لئے وہ
واختار الله له ما عنده	بزرگی پسند کی جو اس کے پاس
من الكرامة قام	ہے تو آپ کے خلیفہ ابوبکر
بالامر بعده خليفة	صدیق والی امیر ہوئے جو کچھ
ابوبكر الصديق فلم	کمزوری حضورؐ کی وفات سے
شعث ما وهي بعد موته	پیدا ہوگئی تھی اس کو انہوں
صلى الله عليه وسلم	نے درست کیا اور جزیرۂ عرب
واخذ جزيرة العرب	کو لے کر آراستہ کیا اور افواج
ومهدها وبعث	اسلام کو بلادِ فارس کی طرف
جيوش الاسلام الى	بہمراہی خالد بن ولیدؓ بھیجا۔
بلاد فارس صحبة	انہوں نے ایک حصہ اس کا فتح
خالد بن الوليد رضي	کیا اور وہاں کے بہت سے
الله عنه ففتحوا طرفا	لوگوں کو قتل کیا اور ایک اور لشکر
منها وقتلوا خلقا	بہمراہی حضرت ابوعبیدہؓ اور ان
من اهلها وجيشا آخر	سرداران کے جو ان کے ساتھ
صحبة ابي عبيدة رضي	تھے سرزمین شام کی طرف بھیجا
الله عنه ومن اتبعه	اور تیسرا لشکر بہمراہی عمرو بن
من الامراء الى ارض	العاصؓ ملک مصر کی طرف بھیجا

الشام وثالثاً صحبة
عمرو بن العاص رضي
الله عنه الى بلاد مصر
ففتح الله للجيش الشامي
في ايامه بصرى و
دمشق ومخاليفهما من
بلاد حوران وما والاها
توفاه الله عزوجل و
اختار له ما عنده من
الكرامة ومن على
اهل الاسلام بان
الهم الصديق ان
استخلف عمر الفاروق
فقام بالامر بعده قياما
تاما لم ير الفلك
بعد الانبياء على مثله
في قوة سيرته وكمال
عدله وتم في ايامه
فتح البلاد الشامية
وديار مصر الى اخرها
واكثر اقاليم فارس
وكسر كسرى واهانه
غاية الهوان

پس اللہ نے شامی لشکر پر ان کے
زمانہ میں بصری اور دمشق اور
ان کے اطراف وجوانب یعنی
حران اور اس کے مضافات
فتح کر دئے اور اُن کے لئے وہ
عزت پسند کی جو اس کے پاس
ہے اور مسلمانوں پر یہ احسان
کیا کہ حضرت صدیق کو یہ الہام
کیا کہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ
کو خلیفہ بنایا انہوں نے ان کے
بعد مہمات خلافت پوری
طرح انجام دیئے۔ انبیاء
کے بعد ان کا مثل آسمان نے
نہیں دیکھا، ان کی سیرت کی
قوت اور کمال عدل میں اور
ان کے زمانہ میں بلادِ شامیہ
کی فتح کامل ہوئی اور ملک مصر
پورا فتح ہو گیا اور اکثر حصہ
ملک فارس کا۔ انہوں نے
کسریٰ توڑ دیا اور اس کو نہایت
درجہ ذلیل کیا اور اس کو انتہائے
ملک تک بھگا دیا۔ اور قیصر کو
بھی توڑ دیا اور اس کا ہاتھ بلادِ

وشفق الى اقصى مملكته
وقصر قيصر وانترغ
يده عن بلاد الشام
والخدر الى القسطنطنية
وتنفق اموالها في سبيل
الله كما اخبر بذلك
وعدنا به رسول الله
صلى الله عليه وسلم
من ربه اتم سلاما
وازكى صلوة ثم لما
كانت الدولة العثمانية
امتدت الممالك
الاسلامية الى اقصى
مشارق الارض و
مغاربها ففتحت بلاد
مغرب الى اقصى ما
بينهما الك الاندلس
وقبرص وبلاد القيروان
وبلاد سته مما يلي
البحر المحيط ومن
ناحية المشرق الى
اقصى بلاد الصين وقتل
كسرى وباد ملكه با

شام سے اٹھا دیا اور قسطنطنیہ
کی طرف رُخ کیا اور ان کے
مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دئے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی
اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس کا وعدہ کیا گیا تھا پھر
جب دولت عثمانیہ کا زمانہ
آیا تو اسلامی ممالک بہت
بڑھ گئے اور انتہائے مشرق و
مغرب تک پہنچ گئے۔ پھر بلاد
مغرب آخر تک یعنی اندلس اور
قبرص اور بلاد قیروان و بلاد سبتہ
جو بحر محیط سے ملے ہوئے ہیں
فتح ہو گئے۔ اور اطراف مشرق
سے انتہائے ملک چین تک
فتح ہو گئے اور کسریٰ بھی قتل
ہو گیا اور بذائن، عراق خراسان
و اہواز اور مسلمانوں نے ترکیوں
سے جنگ عظیم کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے
ان کے بادشاہ اعظم خاقان
کو ہلاک کر دیا اور مشرق و مغرب
سے امیر المومنین عثمان رضی بن عفان
رضی اللہ عنہ کے حضور میں خراج

الكلية وفتحت مدائن العراق و خراسان والاهواز و قتل المسلمون من الترك مقتلة عظيمة جداً واخذ الله ملكهم الاعظم خاقان وجبى بالخراج من المشارق والمغارب الى حضرة امير المومنين عثمان بن عفان رض۔ | لایا۔

ISLAMIC RESEARCH
LIBRARY

(۳) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:۔

وفی الایة دلالة علی خلافة الصدیق وامامة الخلفاء الرشدین ۔	اس آیت میں حضرت صدیق کی خلافت پر اور خلفائے راشدین کے امام برحق ہونے پر دلالت ہے۔

(۴) تفسیر کبیر میں ہے:۔

مراد بھذا طریقة امامة ومعلوم ان بعد الرسول الاستخلاف الذی هذا وصفه انما کان فی ایام ابی بکر وعمر وعثمان لان فی ایامھم کانت الفتوح العظیمة	مراد اس استخلاف سے وہی طریقہ امامت (یعنی) خلافت کا ہے۔ اور معلوم ہے۔ کہ جس استخلاف کی یہ صفت ہے۔ وہ ابوبکر رض، عمر رض اور عثمان رض ہی کے زمانہ میں پایا گیا۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات

وحصل التمكين وظهور الدين والامن ولم يحصل ذلك في ايام علي رض

ہوئے۔ اور تمکین اور غلبہ دین اور امن حاصل ہوا۔ اور یہ باتیں علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہیں پائی گئیں۔

(۵) تفسیر مدارک:۔

والاية اوضح دليل على حقيقة خلافة الخلفاء الراشدين رض لان المستخلفين الذين آمنوا وعملوا الصالحات هم هم۔

یہ آیت واضح دلیل ہے خلفائے راشدین رض کی خلافت پر۔ کیونکہ وہ لوگ جو لوگ جو خلیفہ بنائے گئے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ وہی ہیں

(۵) تفسیر بیضاوی میں ہے۔

والآية دليل على صحة النبوة بالاخبار عن الغيب على ما هو به وخلافة الخلفاء الراشدين اذ لم يجتمع الموعود والموعود عليه بغيرهم بالاجماع۔

جو اس آیت میں دلیل ہے نبوت کے صحیح ہونے پر بوجہ پیشگوئی کے مطابق نہ ہونے کے نیز دلیل ہے خلفائے راشدین کی خلافت کی۔ کیونکہ نہیں جمع ہوئے موعود اور موعود علیہ ان کے غیر من الاجماع۔

ف: بالاجماع کا لفظ کس وضاحت سے بتا رہا ہے کہ اس آیت سے حقیت خلفائے راشدین کے ثابت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(۷) تفسیر نیشاپوری میں ہے:۔

يستخلفنهم والقسم

لیستخلفنہم میں قسم محذوف ہے۔

نحن وف ای اقسم لیجعلنکم خلفاء فی الارض کما فعل ببنی اسرائیل حین اورثهم مصر والشام بعد اهلاک الجبابرة ولیمکن لاجلهم الدین المرتضیٰ وهو دین الاسلام۔	یعنی میں قسم کھاتا ہوں کہ ان کو زمین میں بادشاہ کروں گا۔ جس طرح بنی اسرائیل کو کیا تھا۔ جب کہ ان کو مصر اور شام کا وارث بنایا۔ بعد ہلاک کرنے جبابرہ کے۔ اور ضرور ضرور ان کے ذریعہ سے دین پسندیدہ یعنی دین اسلام کو مضبوط کر دے گا۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

فانجز الله وعده واظهرهم علی جزیرة العرب وورثوا ملك الاکاسرة وخزائنهم وهذا اخبار بالغیب فیکون معجزة	پس پورا کیا اللہ جل شانہ نے اپنے وعدہ کو اور غالب کیا ان لوگوں کو جزیرہ عرب پر اور مالک بنائے گئے وہ لوگ شاہ ایران کی سلطنت اور خزانوں کے۔ اور چونکہ یہ پیشین گوئی ہے لہذا معجزہ ہے۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

ومن کفر بهذه النعم الجسام وهی الاستخلاف والتمکین والامن بعد الخوف بعد حصول ذلك بعد ما الذکر فاولئك	جو شخص ان بڑی بڑی نعمتوں کا یعنی استخلاف اور تمکین اور امن بعد الخوف کی ناشکری کرے بعد ان نعمتوں کے حاصل ہو جانے کے یا بعد

هم الكاملون في الفسق قال اهل السنة في الاية على امامة الخلفاء الراشدين لان قوله منكم للتعيين وذلك البعض يجب ان يكون من الحاضرين في وقت الخطاب ومعلوم ان الائمة الاربعة كانوا من اهل الايمان والعمل الصالح وكانوا حاضرين وقتئذ وقد فعل لهم الاستخلاف والفتوح فوجب ان يكونوا مرادا من الاية ۔

ان کے مذکور ہو جانے کے تو وہی لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں اہل سنت نے کہا ہے کہ اس آیت میں دلالت ہے خلفائے راشدین کے امام (برحق) ہونے پر کیونکہ منکم میں من تعیین کے لیے اور ضرور ہے کہ یہ بعض وہی لوگ ہوں جو خطاب کے وقت موجود تھے اور معلوم ہے کہ ائمہ اربعہ صاحب ایمان و صاحب عمل صالح تھے اور بوقت خطاب موجود بھی تھے اور ان کو استخلاف اور فتوحات بھی حاصل ہوئیں لہذا ضروری ہوا کہ وہی لوگ اس آیت سے مراد ہوں ۔

(٨) تفسیر خازن میں ہے :-

وفي الاية دليل على صحة خلافة ابي بكر الصديق والخلفاء الراشدين بعده لان في ايامهم كانت الفتوحات

اور آیت میں دلیل ہے حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد کے خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے پر کیونکہ ان کے زمانہ میں بڑے بڑے فتوحات

العظيمة وفتحت كنوز كسرى وغيره من الملوك وحصل الامن والتمكين وظهور الدين۔

اور شاہ فارس اور نیز دوسرے بادشاہوں کے خزانوں پر مسلمان قابض ہوئے اور امن اور تمکین اور غلبہ دین بھی حاصل ہوا۔

(۹) تفسیر ابو مسعود میں ہے:۔

ليستخلفنهم في الارض اي ليجعلهم خلفاء متصرفين فيها تصرف الملوك في ممالكهم۔

لیستخلفنہم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا کہ وہ زمین میں ایسا تصرف کریں گے جیسا بادشاہ اپنی سلطنت میں کرتے ہیں۔

(۱۰) تفسیر روح المعانی میں ہے:۔

واستدل كثير بهذه الاية على صحة خلافة الخلفاء الاربعة رضي الله تعالى عنهم لان الله تعالى وعد فيها من في حضرة الرسالة من المؤمنين بالاستخلاف وتمكين دين الامن العظيم من الاعداء ولا بد من وقوع ما وعد به ضرورة امتناع الخلف

بہت لوگوں نے اس آیت سے خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کے صحیح ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت میں ان مسلمانوں میں سے جو بارگاہ رسالت میں موجود تھے وعدہ کیا ہے۔ استخلاف کا اور تمکین دین کا۔ اور اعدا سے امن عظیم عنایت کرنے کا اور جو اس نے وعدہ کیا ہے اس

فی وعدہ ولم یقع	کا واقع ہونا ضروری ہے۔
ذلک المجموع الا فی	بوجہ محال ہونے خلاف
عہدھم فکان	وعدگی اللہ تعالیٰ کے۔ اور
کل منھم خلیفۃ	یہ مجموعہ نہیں پایا گیا مگر انہیں
حقا باستخلاف اللہ	خلفا کے عہد میں۔ لہذا وہ
تعالیٰ ایاہ حسبما وعد	سب خلیفہ برحق ہوئے
جل وعلا۔ ان الآیۃ	اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کرنے سے
ظاہرۃ فی نزاھۃ	جیسا کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے
الخلفاء الثلاثۃ	وعدہ کیا تھا پھر اس کے بعد
رضی اللہ تعالیٰ عنھم	لکھتے ہیں بے شک یہ آیت
عما رماھم الشیعۃ	ظاہر ہے خلفائے ثلثہ رضی اللہ
بہ من الظلم والجور	عنہم کی پاکیزگی میں ان عیوب
والتصرف فی الارض	سے جو شیعوں نے ان پر افترا
بغیر الحق لظھر تمکین	کئے ہیں۔ از قسم ظلم و جور و
الدین والامن التام	تصرف در زمین بہ ناحق کیونکہ
من اعدائہ فی	تمکین دین اور دشمنان خدا
زمانھم۔	کی طرف سے امن تام کا ظہور
	ان کے زمانہ میں ہوا۔

(۱۰) تفسیر جلالین میں ہے:-

ولیمکنن لھم دینھم	ضرور ضرور تمکین دیگا ان کیلئے
الذی ارتضی لھم وھو	ان کے اس دین کو جو پسند
الاسلام بان یظھرہ	کیا اللہ نے ان کے لئے اور
علی جمیع الادیان و	وہ دین اسلام ہے یعنی غالب

يوسع لهم البلاد
فيملكوها وليبدل بالتخفف
والتشديد من بعد
خوفهم من الكفار امنا
وقد انجز الله وعده
لهم بما ذكره واثنى
عليهم بقوله يعبدوننى
لا يشركون بى شيئا وهو
مستأنف فى حكم
التعليل ومن كفر بعد
ذلك الانعام منهم
فاولئك هم الفاسقون
واول من كفر بهذه
قتلة عثمان رضى الله
عنه فصاروا يقتتلون
بعد ان كانوا اخوانا

کردے گا۔ دین اسلام کو تمام دینوں پر اور ان کو شہروں میں وسعت دے گا کہ وہ ان شہروں کے مالک ہو جائیں گے اور ضرور بدل دے گا خوف کفار کے بدلہ میں امن اور بہ تحقیق پورا کیا اللہ نے وعدہ اپنا ان سے جیسا کہ بیان فرمایا اور ان لوگوں کی تعریف کی اپنے اس قول سے کہ وہ لوگ میری پرستش کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ یہ ایک علیحدہ جملہ ہے گویا مضمون سابق کی دلیل ہے اور جو لوگ ان میں سے بعد انعام کے ناشکری کریں گے وہ لوگ فاسق ہیں سب سے پہلے جس نے اس نعمت کی ناشکری کی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین تھے اس کے بعد مسلمانوں میں باہم جنگ شروع ہوگئی بعد اس کے کہ وہ بھائی بھائی تھے۔

(۱۱) تفسیر سراج المنیر میں ہے :۔

ليستخلفنهم فى الارض
اى ارض العرب والعجم

زمین میں خلیفہ بنائے گا یعنی زمین عرب و عجم میں اس طرح

بان یمد زمانهم و ینفذ احکامهم فیجعلهم متصرفین فی الارض تصرف الملوك فی ممالیکهم

کہ ان کا زمانہ بڑھا دے گا اور ان کے احکام کو نافذ کر دے گا اور ان کو زمین میں تصرف کرنے والا بنائے گا جس طرح بادشاہ لوگ اپنی سلطنت میں تصرف کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

وانجز اللہ تعالٰی وعدہ وافتحوا بعد بلاد المشرق والمغرب ومزقوا ملك الاکاسرۃ وملکوا خزائنھم واستولوا علی الدنیا واستعبدوا أبناء القیاصرۃ وتمکنوا شرقا وغربا تمکنۃ لم تحصل قبلھم لامۃ من الامم۔

اور اللہ تعالٰی نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں کو جزیرہ عرب پر فتحیاب کیا اور اس کے بعد انہوں نے بلادِ مشرق و مغرب کو فتح کیا اور شاہان فارس کی سلطنت کو انہوں نے پامال کر دیا اور ان کے خزانوں کے مالک ہو گئے اور دنیا پر غالب آ گئے اور شاہان روم کے بیٹوں کو انہوں نے غلام بنایا اور مشرق سے لے کر مغرب تک ان کو وہ تمکین حاصل ہوئی جو ان سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔

(۱۲) تفسیر فتح البیان میں ہے۔

وانجز اللہ وعدہ و

اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان

اظهرهم على جزيرة
العرب وافتحوا بعد
بلاد المشرق والمغرب
ومزقوا ملك الاكاسرة
وملكوا خزائنهم
واستولوا على الدنيا
وفي الاية اوضح دليل
على صحة خلافة ابي
بكر الصديق والخلفاء
الراشدين بعده لان
المستخلفين الذين
امنوا وعملوا الصلحت
هم هم وفي ايامهم
كانت الفتوحات العظيمة
وفتحت كنوز كسرى وغيره
من الملوك وحصل
الامن والتمكين و
ظهر الدين وعن
سفينة قال سمعت
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول الخلافة
بعدي ثلثون سنة
ثم تكون ملكا

لوگوں کو جزیرۂ عرب پر غالب
کر دیا اور بعد اس کے انہوں
نے مشرق اور مغرب کے شہروں
کو فتح کیا اور شاہان فارس
کی سلطنت کو پامال کر دیا اور
ان کے خزانوں کے مالک ہو
گئے اور دنیا پر غالب آگئے
اور اس آیت میں بہت
واضح دلیل ابوبکر صدیقؓ اور
ان کے بعد کے خلفائے راشدین
کی خلافت کے صحیح ہونے کی
ہے کیونکہ وہ مومنین صالحین
جو خلیفہ بنائے گئے وہی ہیں اور
انہیں کے زمانہ میں فتوحات
عظیمہ حاصل ہوتے اور شاہ
فارس اور نیز دوسرے بادشاہوں
کے خزانے مفتوح اور امن
اور تمکین وظہور دین حاصل
ہوا اور سفینہ سے مروی ہے
کہ وہ کہتے تھے میں نے رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا
آپ فرماتے تھے خلافت میرے
بعد تیس برس تک رہے گی

ثم قال امسك خلافة	پھر سلطنت ہو جائے گی راوی
ابی بکرؓ سنتین و	نے کہا تم گن لو۔ ابوبکرؓ کی
خلافة عمرؓ عشر	خلافت دو برس رہی اور
سنین وخلافة عثمانؓ	عمرؓ کی خلافت دس برس اور عثمانؓ
اثنتی عشرة سنة و	کی خلافت بارہ برس اور
علیؓ ستا قال علی قلت	علیؓ کی چھ برس جنہوں نے
کماء القائل لسعید	سعید سے کہا تھا کہ گن لو پوچھا
امسك سفينة قال	کہ کیا یہ حساب سفینہ کا بتایا ہوا
نعم اخرجه ابو داؤد	ہے انہوں نے کہا ہاں اس
الترمذی ۔	روایت کو ابوداؤد ترمذی نے لکھا ہے۔

(۱۴) علامہ جار اللہ زمخشری جو عربیت کے مسلم الثبوت امام اور معتزلی المذہب ہیں جن کے مذہب کی بنا تمام تر عقلیات محضہ پر ہے۔ اپنی تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں :-

الخطاب لرسول الله	خطاب ہے رسول خدا صلی
صلی الله علیه وسلم	اللہ علیہ وسلم سے اور ان لوگوں
ولمن معه و منکم	سے جو آپ کے ساتھ تھے اور
للبیان کالتی فی اخر سورة	منکم واسطے بیان کے ہے جیسے
الفتح وعدهم الله ان	کہ سورہ فتح کے اخیر میں ہے۔
ینصر الاسلام علی	اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ
الکفر و یورثهم الارض	اسلام کو کفر پر فتحمند کرے گا۔
ویجعلهم فیها خلفاء	اور ان لوگوں کو زمین کا وارث
کما فعل ببنی اسرائیل	بنائے گا اور ان کو زمین میں
حین اورثهم مصر	بادشاہ کرے گا جیسا کہ بنی اسرائیل

والشام بعد اهلاك الجبابرة وان يمكن الدين المرتضى وهو دين الاسلام وتمكينه وتثبيته وتوطيده وان يومن سرهم و يزيل كانوا عليه وذلك ان النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه مكثوا بمكة عشر سنين خائفين ولما هاجروا كانوا بالمدينة يصبحون في السلاح ويمسون فيه حتى قال هل ياتي علينا يوم فامن فيه ونضع السلاح فقال صلى الله عليه وسلم لا تغبرون الا يسيرا حتى يجلس الرجل منكم في الملأ العظيم محتبيا ليس معه حديدة فانجز الله وعده و اظهرهم على جزيرة

کے ساتھ کیا تھا جبکہ ان کو جبابرۃ کے ہلاک کرنے کے بعد مصر اور شام کا وارث بنایا اور یہ کہ دین پسندیدہ یعنی دین اسلام کو تمکین دے گا۔ تمکین دینے کا مطلب یہ ہے کہ قائم کر دینا اور مضبوط کر دینا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ ان کے خوف اور دہشت کو ان سے دور کرے گا جو ان پر طاری تھا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مکہ میں دس برس تک نہایت خوف کی حالت میں رہے اور جب وہ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تو تمام دن اور تمام رات ہتھیار پہنے گزر جاتی تھی یہاں تک کہ ایک شخص نے کہا کہ ہم پر کوئی دن ایسا نہ آئے گا جس میں ہم امن سے ہوں اور ہتھیار رکھ دیں۔ پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں

العرب وافتحوا بعد بلاد المشرق والمغرب فمزقوا ملك الاكاسرة وملكوا خزائنهم واستولوا على الدنيا ثم خرج الذين على خلاف سيرتهم فكفروا بتلك الانعم وفسقوا وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الخلافة بعدي ثلثون سنة ثم يملك الله من يشاء فتصير ملكا ثم تصير بزيزى قطع سبيل وسفك دماء واخذ اموال بغير حقها۔

کے بعد یہ حالت ہوگی کہ تم میں سے کوئی شخص ایک بڑی جماعت میں بیٹھے گا اور اس کے پاس ایک ہتھیار بھی نہ ہوگا پس اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں کو جن یہ عرب پر غالب کردیا اور بعد میں ان لوگوں نے مشرق و مغرب کے شہروں کو فتح کرلیا اور شاہان ایران کی سلطنت کو پامال کردیا۔ اور ان کے خزانوں کے مالک بن گئے اور دنیا پر غالب آگئے۔ بعد اس کے وہ لوگ پیدا ہوئے جو ان کی روش کے خلاف تھے۔ انہوں نے ان نعمتوں کی ناشکری کی اور فاسق ہو گئے یہی مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ اس کے بعد پھر اللہ جس کو چاہے گا بادشاہ بنائے گا پس وہ سلطنت ہوجائے گی۔ پھر خلافت رہزنی اور خونریزی اور بناحق لوگوں کے مال لے لینے کا نام ہوجائے گی پھر بعد اس کے الفاظ آیت کی تشریح سے فارغ ہوکر لکھتے ہیں۔

فان قلت هل في هذه — اگر تو کہے کہ کیا اس آیت میں

الاٰیۃ دلیل علیٰ امر الخلفاء الراشدین قلت اوضح دلیل دا بینہ لان المستخلفین الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت ھم

خلفائے راشدین کے معاملہ کی کچھ دلیل ہے تو میں جواب دوں گا کہ بہت واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ جو مومنین صالحین خلیفہ بنائے گئے وہ وہی ہیں

(۱۴۱) تفسیر غایۃ البرہان میں ہے یہ آیت ولاۃ امر مسلمین پر بعد حضور کے ہے۔ پس مثابیت حضرت موسیٰؑ و حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دصل سفر مستثنے میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ہوا کہ قوم مرہ بن کعب جدا مجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خلیفہ نہ ہوا جیسے بنی لاوی سے بعد موسےٰ کے کوئی خلیفہ نہ ہوا بلکہ مثل یوشع افریمی کی قوم تیم بن کعب سے بعد آپ کے ابوبکر صدیقؓ حسب وعدہ خلیفہ ہوئے اور یوشعؑ کی سی انہوں نے فتوحات حاصل کیں اور جیسے یوشعؑ نے کالب کو اپنا خلیفہ کیا ویسے صدیقؓ نے عمرؓ کو خلیفہ کیا جو عدی بن کعب سے ہیں اور کالب کی طرح سے بڑی فتوحات فاروقی کی ہوئیں اور مسلمانوں کو دشمنان دین کا خوف جاتا رہا اور عبادت خدا بلا شرکت کے جاری ہوئی اور عمرؓ کے بعد یوساتوس کی طرح سے عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ ان کے آخر زمانہ میں جیسے بنی اسرائیل نے کفران نعمت کی ویسے ہی خارجیوں نے کفران نعمت کی کہ خلیفہ برحق پر خروج کیا اور سخت خرابی اہل اسلام میں واقع ہوئی تو علیؓ مرتضےٰ خلیفہ برحق ہوئے۔ ان پر بھی خروج ناحق ہوا۔ اس سے صاف تمثیل کی حقیقت ظاہر ہوئی۔

روایات وتفاسیر شیعہ

واضح رہے کہ اس آیہ استخلاف سے حقیقت ہر سہ خلافت پر سب سے پہلے جس نے استدلال کیا وہ حضرت علیؓ مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ ہیں انہوں نے اس آیت کو حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت پر منطبق فرمایا چنانچہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اوّل ص ۲۸۲ میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے جہادِ فارس کے وقت حضرت علیؓ سے خود اپنے جانے کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ:۔

(۱) ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا بقلة وهو دين الله الذي اظهره وجنده الذي اعده وامده حتى بلغ ما بلغ وطلع حيث طلع ونحن على موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده۔

بے شک اس دین کی فتح و شکست کثرت و قلت لشکر کے سبب سے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کا دین ہے جس نے اس کو غالب کیا اور یہ اسی کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور مدد دی یہاں تک کہ پہنچا اور پھیلا۔ جہاں تک پھیلا اور ہم لوگ اللہ کے ایک وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خداوند تعالیٰ کے وعدہ کا حوالہ جو اس کلام میں دیا ہے تمام شارحین نہج البلاغت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ وعدہ آیۃ استخلاف سے ہی انہوں نے اخذ کیا ہے اور عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے کہ ضرور

اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اور کسی آیت میں خلافت و تمکین کی خبر وعدہ کے لفظ کے ساتھ نہیں ہے۔ علامہ ابن میثم بحرانی اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وعدنا بموعود هو	اللہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے
النصر والغلبة واستخلاف	یعنی مدد اور غلبہ اور خلافت
في الارض كما قال	زمین میں جیسا کہ فرمایا وعداللہ الذین
وعد الله الذين	آمنوا الخ یعنی اللہ نے وعدہ
امنوا منكم و	دیا ہے ان لوگوں کو جو ایمان
عملوا الصلحت	لائے تم میں سے اور انہوں نے
ليستخلفنهم في	اچھے کام کئے کہ ضرور ان کو خلیفہ
الارض	بنائے گا زمین میں۔

حضرت علی مرتضےٰ نے اپنے اس کلام میں کس فصاحت و بلاغت سے حضرت عمرؓ کا خلیفہ برحق ہونا ان کی خلافت کا اس آیت کی موعودہ خلافت ہونا بیان فرمایا ان کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کو اللہ کا لشکر بنایا اور اپنے آپ کو حضرت عمرؓ کی جماعت میں شامل کرکے بتلایا کہ ہم سے خدا کا وعدہ ہے۔

اسی قسم کا کلام حضرت علی مرتضےٰ نے اس وقت بھی فرمایا جب جہادِ روم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ لیا۔ نہج البلاغہ قسم اول مطبوعہ مصر ص۲۷۱ میں ہے:۔

قد توكل الله لاهل	بہ تحقیق اللہ ذمہ دار ہوگیا ہے
هذا الدين باعزاز	اس دین والوں کے لئے ان
الحوزة وستر	کی جماعت کو غالب کرنے اور
العورة۔	ان کی کمزوریوں کے چھپانے کا۔

اس کلام کی شرح میں بھی شارحین نہج البلاغہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ نے اللہ کے ذمہ دار ہونے کا مضمون آیۂ استخلاف سے لیا ہے۔

علامہ ابن میثم لکھتے ہیں ۔

وهذا الحكم من قوله تعالى وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصلحت ۔	یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے قول وعدہ اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت الخ سے جناب امیر نے لیا ہے۔

(۳) علامہ محسن کاشی تفسیر صافی مطبوعہ طہران ۔۔۔۔ آیۂ استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ليجعلنهم خلفاء بعد نبيكم ۔	لیستخلفنہم کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بعد نبی کے خلیفہ بنائے گا۔

پھر یہی مفسر اسی صفحہ میں ائمہ اہل بیت سے روایت کرتا ہے ۔

وعن الباقر ولقد قال الله فى كتابه لولاة الامر من بعد محمد خاصة وعد الله الذين امنوا منكم الى قوله فاولئك هم الفاسقون	امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خالص ان صاحبان کو حکومت کے لئے جو بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے فرمایا کہ وعد اللہ الذین آمنوا منکم سے فاولئک الفاسقون تک ہے۔

(۴) نیز یہی مفسر ہیں سورۂ تحریم کی تفسیر میں تفسیر قمی سے نقل کرتا ہے کہ،

فقال ان ابا بكر يلى الخلافة بعدى ثم بعده	رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ ابوبکرؓ

البوك فقالت من انباك | میرے بعد والی خلافت ہوں
هذا۔ قال نبأنی العلیم الخبیر۔ | گے پھر ان کے بعد تمہارے والد

حفصہؓ نے پوچھا آپ کو یہ کس نے خبر دی۔ تو آپؐ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر یعنی خدا نے خبر دی ہے۔ تفسیر صافی میں عبارت منقولہ کے بعد پھر یہی مضمون بحوالہ تفسیر مجمع البیان وتفسیر عیاشی امام باقر سے نقل کیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ وحی الٰہی حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی خلافت کی خبر دے گئے تھے۔ اور یہ خبر بطور خوشخبری کے اپنی بی بی کو خوش کرنے کے لئے آپؐ نے دی تھی اگر ان کی خلافت حقہ نہ ہوتی تو کیا رسول اللہ ایک ناجائز چیز کی خبر سنا کر اپنی بی بی کو خوش کرنا چاہتے تھے۔

(۵) علامہ طبرسی مجمع البیان میں آیت استخلاف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وعد اللہ الذین امنوا	وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں
منکم ای صدقوا	کو جو تم میں سے ایمان لائے
باللہ ورسولہ وبجمیع	یعنی انہوں نے اللہ ورسول کی
مایجب بقولہ وعملوا	اور تمام ان باتوں کی تصدیق
الصلحت ای الطاعات	کی جن کا قبول کرنا واجب
الخالصۃ للہ لیستخلفنھم	ہے اور اچھے کام یعنی خالص
فی الارض والمعنی	اللہ کے لئے عبادتیں کیں کہ
لیورثھم ارض	ضرور ضرور ان کو زمین میں خلیفہ
الکفار من العرب	بنائے گا مطلب یہ ہے کہ ان
والعجم فیجعلھم	کو کافروں کی زمین عرب وعجم کا
سکانھا وملوکھا	وارث بنائے گا یعنی ان کو ان

زمینوں کا ساکن اور بادشاہ بنائے گا۔

حضرت علی مرتضٰیؓ اپنے زمانۂ خلافت میں اکثر حضرات خلفائے ثلثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف فرمایا کرتے تھے اور مسئلہ تفضیل شیخین میں تو جس قدر اہتمام انہوں نے کیا اس قدر اہتمام تو کسی نے نہیں کیا۔ چند کلام بطور نمونہ حسب ذیل ہیں۔

(۶) نہج البلاغہ قسم دوم صـ ۲۵۴ میں ہے۔

ووليهم وال فاقام	اور حاکم ہوا مسلمانوں پر ایک
واستقام حتی ضرب	حاکم پس اس نے قائم کیا دین
الدين بجرانه۔	اور ٹھیک چلا یہاں تک کہ دین
	نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا

اونٹ جب راحت کی حالت میں ہوتا ہے تو اپنا سینہ زمین پر رکھ دیتا ہے۔ حضرت علی مرتضٰیؓ نے اس کلام میں دین کو اونٹ سے تشبیہ دی ہے مطلب یہ کہ اس حاکم کے عہد میں دین کو کمال قوت اور راحت حاصل ہو گئی۔ گو اس کلام میں نام کسی کا نہیں لیکن اوصاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت عمر کے سوا کوئی مراد نہیں ہو سکتا۔ علامہ فتح اللہ کاشانی ترجمہ نہج البلاغہ میں پہلے فقرہ کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ والی ایشاں شد والی کہ آں عمر بن خطاب است۔ اور آخری فقرہ کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ کہ تا آنکہ بزد دین پیش سینہ خود را بر زمین و ایں کنایت است از استقرار و تمکین اہل اسلام۔

(۷) نہج البلاغہ قسم دوم ..... میں ہے کہ حضرت علی مرتضٰیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط بھیجا جس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

انه بايعني القوم	بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے
الذين بايعوا ابابكر	ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت
وعمر وعثمان علی ما	کی تھی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ سے
بايعوهم عليه فلم	انہیں شرائط پر جن شرائط کے

يكن للشاهد ان يختار	ساتھ ان سے کی تھی - لہذا
ولا للغائب ان يرد و	اب حاضر کو نہ اختیار حاصل
انما الشورى للمهاجرين	ہے کہ کسی اور کو پسند کرے
والانصار فان اجتمعوا	اور نہ غائب کو کہ میری خلافت
على رجل و سموه اماماً	کو رد کرے خلافت کے مشورہ
كان ذلك لله رضیً	کا حق مہاجرین اور انصار
فان خرج من امرهم	کو ہے وہ اگر کسی شخص پر متفق
خارج بطعن او بدعة	ہو جائیں اور اس کو امام کہہ
ردوه الى ما خرج منه	دیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام
فان ابى قاتلوه على	ہے - مہاجرین اور انصار کے
اتباعه غير سبيل	مشورہ سے جو شخص خلاف ہو
المؤمنين وولاه الله	جائے کوئی اعتراض کرکے یا
ما تولّى ولعمري يا	نئی بات نکال کر تو لوگ اس کو
معاوية لئن نظرت	واپس لائیں اسی بات کی طرف
بعقلك دون هواك	جس سے وہ نکل گیا ہے اور
لتجدني ابرء الناس	اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال
من دم عثمان ولتعلمن	کریں کیونکہ اس نے ایمان والوں
انی كنت فی عزلة	کی راہ کے خلاف راہ اختیار
منا -	کی اور اللہ اس کو اس طرف

پھیرے گا جدھر وہ پھرا ہے اور قسم اپنی جان کی اے معاویہؓ! اگر تم عقل سے غور کرو خواہش نفسانی کو دخل نہ دو تو یقیناً مجھ کو خون عثمانؓ سے سب سے زیادہ بے تعلق پاؤ گے اور یقیناً تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اس خون سے بالکل علیحدہ ہوں -

اس خط میں حضرت علی مرتضٰے نے نہایت تصریح کے ساتھ نام لے کر حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کی تصریح فرمائی۔ اپنی خلافت کے برحق ہونے کے ثبوت میں اسباب کو پیش کیا۔ کہ میرے ہاتھ میں ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ان تینوں خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یہ بھی اس خط میں لکھ دیا کہ عقد خلافت کا مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے اور وہ جس کو خلیفہ بنا دیں وہی خلیفہ پسندیدہ یعنی خلیفہ برحق ہے۔ یہ بھی لکھ دیا کہ مہاجرین و انصار کے مقرر کئے ہوئے خلیفہ کو جو نہ مانے وہ واجب القتل ہے اس سے زیادہ تصریحات اور کیا ہو سکتی ہیں۔

(۸) علامہ باقر مجلسی نے حیات القلوب ص۲۵۵ جلد دوم میں حضرت امام باقر سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں ابتدائی زمانہ کا بیان ہے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے قریش کو دعوت دین دی۔ اسی روایت کا بقدر ضرورت حصہ نقل کیا جاتا ہے حق تعالیٰ امر فرمود کہ آں حضرت را باظہار دعوت خود پس حضرت بمسجد آمد و بر حجر اسمٰعیل استاد و بصدائے بلند ندا کرد کہ اے گروہ قریش۔ و اے طوائف عرب شمارا مے خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بہ پیغمبری من و امر میکنم بشمارا کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نمائید مرا و رانچہ شمارا باآں میخوانم تا بادشاہاں عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرماں برداراں کردند و در بہشت بادشاہاں باشید۔

(ترجمہ) حق تعالےٰ نے آنحضرت ﷺ کو دعوت نبوت ظاہر کرنے کا حکم دیا پس حضرت مسجد میں آئے اور حجر اسمٰعیل پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے آپ نے پکارا کہ اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب! تم کو میں بلاتا ہوں خدا کی وحدانیت کی گواہی دینے اور میری پیغمبری پر ایمان لانے کی طرف اور میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی کو چھوڑ دو اور جس کام کی طرف میں بلاتا ہوں اس کو مانو تاکہ تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ اور گروہ عجم تمہارے

فرمانبردار ہوجائیں اور بہشت میں تم بادشاہ ہوجاؤ ۔

(ف) اس حدیث کا مطلب صاف ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں بادشاہت کی جو پیشینگوئی کی ہے یہ بادشاہت انہیں لوگوں کو ملنا چاہیئے جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ اور آپ کی اطاعت کی ہو۔ اور اس وقت کے لوگوں میں بادشاہت عرب وعجم کی ملی حضرات خلفائے ثلاثہ کو۔ حضرت علیؓ ان کے محکوم ومغلوب رہے ۔ چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ کو بھی بادشاہت ملی پس اگر حضرات خلفائے ثلثہؓ اور ان کے رفقاء جو دعوت نبی کا قبول کرنے والا آپ کی اطاعت کرنے والا نہ مانا جائے تو حدیث کی پیشین گوئی کے پورا نہ ہونا چہ معنی ۔ اس کے برعکس کا ظہور ماننا پڑے گا کہ جن لوگوں نے دعوت قبول کی وہ تو مغلوب ومحکوم ومظلوم رہے اور جنہوں نے قبول دعوت و ــــــــــــ اطاعت سے انحراف کیا وہ تمام موجودہ نعمتوں پر قابض ــــــ ہوگئے ۔ حیات القلوب کی یہ حدیث آیۂ استخلاف کی بہترین تفسیر ہیں آیہ استخلاف کی تفسیر میں اور بھی احادیث کتب شیعہ کی نقل کی جاسکتی ہیں ۔ لیکن اب زیادہ ضرورت معلوم نہیں ہوئی ۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرات شیعہ ایسی صاف وصریح آیت اور ایسے واضح وروشن استدلال کے مقابلہ میں کیا تاویلات کرتے ہیں ۔ ان تاویلات کو دیکھ کر ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اچھی طرح فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر نہیں ہے ۔ مگر اپنے کو اسلامی فرقوں میں شمار کرانے کے لئے صاف صاف نہیں کہتے لیکن اور حق انصاف ان تاویلات سے بدرجہا بہتر تھا کہ وہ صاف صاف کہہ دیتے کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے ۔ ان تاویلات کا پورا ذخیرہ جوابات تحفہ اثنا عشریہ نیز مجتہدین لکھنؤ کے تصانیف کے متعلق مسئلہ امامت میں موجود ہے ہم اس میں سے محض نمونہ کے طور پر چند امور دکھلاتے ہیں ۔ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا ۔

فصل چہارم

حضرات مخالفین نے اس آیت کے خوب خوب جوابات دیئے ہیں جتنے منہ اتنی باتیں مگران سب میں جو سب سے بڑھیا جواب ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید محرف ہے۔ اس میں پانچ قسم کی تحریف کی گئی ہے۔

اول : اس میں سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئی ہیں الفاظ بھی نکال ڈالے گئے ہیں معلوم نہیں اس آیت سے کتنے الفاظ نکال دیئے گئے اور ان کے نکل جانے سے مطلب کیا سے کیا ہو گیا۔

دوم : اس قرآن میں بہت سی عبارتیں صحابہ نے اپنی طرف سے بنا کر بڑھا دیں جس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے۔ اور وہ عبارتیں قابل نفرت اور خلاف فصاحت بھی ہیں۔

سوم : اس قرآن مجید کے الفاظ بدل دیئے گئے ہیں۔

چہارم : اس قرآن مجید کے حروف بھی بدل دیئے گئے ہیں۔

پنجم : اس قرآن مجید کی ترتیب بھی خراب کر دی گئی ہے۔ ترتیب چار قسم کی ہے سورتوں کی ترتیب، آیتوں کی ترتیب، الفاظ کی ترتیب، حروف کی ترتیب۔ یہ چاروں قسم کی ترتیب قرآن موجود میں خلاف مرضی خدا و رسول ہیں۔ المختصر یہ قرآن ہرگز اس قابل نہیں کہ اس سے مخالفین پر کوئی حجت الزام قائم ہو سکے۔ اس جواب سے اگرچہ مخالفین کی گلوخلاصی اس آیت استخلاف بلکہ پورے قرآن کریم کے احکام و مسائل سے ہو جاتی ہے لیکن پھر اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرانے کا اور مسلمانوں کو مل کر تباہ کرنے کا کوئی حیلہ ان کے پاس نہیں رہتا لہذا تحریف قرآن کا عذر خاص خاص مواقع کے سوا کہیں نہیں بیان کیا جاتا۔

۲ - قرآن معمے (چیستان) ہے سوا پیغمبر کے اور اماموں کے کوئی اس کو سمجھ نہیں سکتا لہذا آیت استخلاف کیا معنی قرآن کریم کی کسی آیت کا نہ کوئی مطلب معلوم ہو سکتا ہے نہ جو ظاہری مطلب دوسروں کی سمجھ میں آتا ہو اس سے مخالفین کو الزام دیا جا سکتا ہے ماحصل اس جواب کا بھی قریب قریب مثل پہلے کے ہے اور جس طرح پہلا جواب دنیا میں کسی معمولی عقل والے کے سامنے بھی پیش کرنے کے قابل نہیں اسی طرح یہ جواب بھی۔

(۳) آیت استخلاف میں خدا نے جو کچھ وعدہ کیا ہے وہ مومنین صالحین سے ہے اور حضرات خلفائے ثلثہ کا مومن ہونا تسلیم نہیں صالح ہونا تو بعد کی بات ہے۔

(جواب الجواب) یہ ہے کہ بے شک آیت میں وعدہ مومنین صالحین سے ہے مگر حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کا مومن کامل بلکہ سرتاج اہل ایمان ہونا ایسا قطعی اور ضروری مسائل دین الہٰی کا ہے کہ کسی کلمہ گو کا اس سے انحراف ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی اچھے سے اچھے مدعا پر اس سے زیادہ دلائل قائم نہیں ہو سکتے جتنے اس مدعا پر قائم ہیں جس کو اس میں شک ہو وہ رسالہ مباحثہ میکریاں و رسالہ ہزیمت شیعیان پنجاب دیکھئے کہ ان دونوں رسائل میں اسی ۸۰ دلائل اس مسئلہ کے متعلق مذکور ہیں اور قطع نظر اس سے سو بات کی ایک بات یہ ہے کہ اگر اس آیت کے وعدہ کا حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہونا نہ مانا جائے اور ان کی خلافتوں کو آیت کی موعودہ خلافت تسلیم نہ کیا جائے خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آیت کی پیشین گوئی صادق نہ ہوئی۔ خدا کا وعدہ خلاف ہو گیا (معاذ اللہ منہ) کیونکہ حاضرین وقت نزول میں سے کسی وقت میں سوا حضرات خلفائے ثلثہ کے آیت کی موعودہ تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں پایا گیا۔ پس اگر قرآن کریم اور اس کے وعدوں اور پیشین گوئیوں کی صداقت ضروری ہے تو بے چون و چرا مان لینا چاہیئے کہ حضرات خلفائے ثلثہ رضہ

کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت تھی اور یہ آیت ان کے خلیفہ برحق ہونے کی روشن دلیل ہے اور جس کو حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت کا انکار بہت زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہو تو اس کو اختیار ہے۔

(۴) آیت استخلاف میں تو خداوند تعالےٰ نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے اور اہل السنت بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کو مہاجرین و انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ بنایا یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کی لہذا وہ بالاتفاق خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ نہ ہوئے۔ پس ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت نہیں ہو سکتی۔

(جواب الجواب) بے شک اس آیت میں خدا نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ مگر خدا کے خلیفہ بنانے کا اس میں وہی مطلب ہے۔ جو آیات قرآنیہ میں اللہ کے رزق دینے کھانے کھلانے کا مطلب ہوتا ہے قولہ تعالےٰ نحن نرزقھم وایاکم وقولہ تعالیٰ اطعمھم من جوع۔ نیز قرآن کریم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی پھینکنے کو اپنا فعل فرمایا ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ اسی طرح حضرات خلفائے ثلثہ کے خلیفہ بنانے کو اپنا فعل فرمایا۔ اصل یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں حق تعالےٰ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ سبب و سبب کے پردہ میں کرتا ہے اور یوں تو چیز نیست سے ہستہ ہوتی ہے چھوٹی سے چھوٹی شے ہو یا بڑی سے بڑی وہ حقیقتاً خدا ہی کے کرنے سے ہوتی ہے لیکن بعض چیزوں میں کوئی خصوصیت ایسی پائی جاتی ہے کہ ان چیزوں کو خدا اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ اور بعض میں وہ خصوصیت نہیں پائی جاتی ان کو اپنی طرف منسوب نہیں فرماتا۔ ان بزرگوں کی خلافت چونکہ ایک اعلیٰ درجہ کا خیر ہے اور خبر محض الہام غیبی و تائید سماوی سے خدا کے مقبول و محبوب بندوں کے ہاتھ سے ظہور میں آیا اور کتنی نصوص قرآن و حدیث کی تصدیق کا ذریعہ بنا اس لئے خدا نے اس کو اپنا فعل فرمایا۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں "و باز معنی لیستخلفنہم آں است کہ خدا تعالیٰ
متخلف ایشاں است و ایں استخلاف منسوب با دست حقیقتش آں است کہ خدائے
تعالیٰ مدبر السموات والارض است ولطیف لما یشاء پس وقتے کہ صلاح عالم در نصب
خلیفہ باشد الہام مے فرماید در قلوب امت تا شخصے را کہ حکمت الٰہی مقتضی است
استخلاف او ست خلیفہ سازند بحقیقت جمیع حوادث منسوب بحق است لیکن
چوں در بعض تائید او سبحانہٗ الٰہی بجہت اقامت خیر متحقق مے شود و در بعض تائید
او سبحانہٗ کہ از قبیل فرق عوائد باشد بیش مے آید و علی ہذا القیاس معانی دیگر مخصص
ایں حادثہ بحق باشد ایں استعمال اختیار مے کنند کما لہ تعالیٰ فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم
وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ پس نسبت استخلاف بخود ظاہر کمال تشریف
و بیان آنکہ ایں استخلاف نعمتے است عظیم و امرے است راسخ در حقیقت
چنانکہ لفظ عبادی و بیت اللہ و نفخت فیہ من روحی بر کمال تشریف و رضا میکند۔
(ترجمہ) لیستخلفنہم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو خلیفہ بنانے والا ہے۔
اور یہ خلیفہ بنانا خدا کی طرف منسوب ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ
آسمانوں اور زمینوں کا مدبر ہے اور جو چاہے بڑی خوبی سے کر سکتا ہے۔ پس جس
وقت کہ عالم کی درستی خلیفہ کے تقرر میں ہوتی ہے تو امت کے دلوں میں الہام
کرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنالیں جس کے خلیفہ بنانے کو حکمت الٰہی مقتضی
ہو۔ یوں تو تمام حوادث حقیقۃً خدا کی طرف منسوب ہیں مگر بعض حوادث میں چونکہ
خدا کا الہام خیر کے قائم کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بعض میں حق تعالیٰ کی تائید
جو از قسم فرق عادت ہوتی ہے شامل ہو جاتی ہے وعلی ہذا القیاس کچھ اور باتیں
جو اس حادثہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت پیدا کر دیں لہذا ایسے حوادث
میں یہ استعمال اختیار کرتے ہیں (یعنی کہتے ہیں خدا نے اس کام کو کیا) چنانچہ قرآن
میں فرمایا کہ اے اصحاب نبی تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور فرمایا کہ اے نبی آپ نے مٹی
نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ پس اس استخلاف کو اپنی طرف منسوب کرنا اسکی انتہائی بزرگی ظاہر کرنے کیلئے

ہے کہ یہ استخلاف ایک بڑی نعمت اور ایک مقرر طے شدہ چیز ہے جیسے کہ لفظ عبادی، بیت اللہ اور نفخت فیہ من روحی میں اضافت ان اشیاء کی خدا کی طرف ان کی بزرگی اور پسندیدگی پر دلالت کرتی ہے۔

(۵) اہل السنت خلافت و امامت کو اصول دین میں شمار نہیں کرتے بلکہ فروعات میں سمجھتے ہیں نیز ان کا اجماع و اتفاق ہے [illegible] بات پر ہے کہ خلیفہ منصوص نہیں ہوتا نیز خاص حضرت ابوبکر کے متعلق بھی محققین اہل سنت اسی بات کے قائل ہیں کہ ان کی خلافت نص سے نہیں ہوئی ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ آیت استخلاف بلکہ کسی آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت ثابت نہیں۔

(جواب الجواب) خلافت و امامت کو اصول دین میں نہ شمار کرنا اس سبب سے ہے کہ خلافت و امامت شریعت کے مقاصدِ اصلیہ میں سے نہیں ہے، نہ اعتقادات سے اس کو کچھ تعلق ہے بلکہ بعض مقاصد اصلیہ جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں بغیر خلیفہ کے حاصل نہیں ہوسکتے اس لئے اس کو فروعات ہی میں ہونا چاہیئے۔ دیکھو مقدمہ تفسیر آیات خلافت اور اہل سنت کا یہ قول ہرگز نہیں کہ خلیفہ منصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ منصوص ہونا ضروری نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ایک نص سے نہیں بلکہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے بعض لوگ جو نص کی نفی کرتے ہیں ان کا مقصود کچھ اور ہے (دیکھو کتاب ازالۃ الخفا)

(۶) تمام امور مذکورہ بالا کے بعد آخری جواب یہ ہے کہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ اصول کافی مطبوعہ نولکشور صـ۸۶ـ یعنی بہت سے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا خدا کو علم نہیں (اساس الاصول مطبوعہ شاہی لکھنؤ صـ۲۱۹ـ) لہذا ممکن ہے کہ جس وقت یہ آیت استخلاف نازل ہوئی اس وقت تک خدا ان تینوں خلیفوں سے خوش رہا ہو اور ان کے خلیفہ بنانے کا وعدہ کر لیا ہو مگر پھر خدا ان سے ناخوش ہوگیا اور اس کی رائے بدل گئی اس وجہ سے آیۂ استخلاف کا وعدہ پورا نہ فرمایا۔ [illegible] وجہ سے خدا کے اور کئی وعدے ٹل چکے ہیں۔ امام مہدی کے ظہور کا وعدہ خدا نے

بہ تعین تاریخ کئی مرتبہ کیا مگر ہر مرتبہ ٹل گیا (اصول کافی ص۲۳۲)
امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے اسمٰعیل کو امام بنانے کا وعدہ کیا اور جب یہ وعدہ ٹل گیا تو امام کو کہنا پڑا ما بدا اللہ فی شی کما بدا لہ فی اسمٰعیل بنی۔ اللہ کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا جیسا میرے بیٹے اسمٰعیل کے بارے میں ہوا اور رسالہ اعتقادیہ صدوق ۷) امام تقی کے بعد ان کے بیٹے محمد کے امام بنانے کا وعدہ کیا اور یہ وعدہ ٹل گیا (اصول کافی ص۲۰۴) جواب الجواب کی ضرورت نہیں۔
ہذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین

احقاق حق اور ابطال باطل پر ایک لاجواب کتاب

سُنّی مذہب حق ہے

از قلم حقیقت رقم

وکیل صحابہؓ، ترجمان اہل سنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم

بانی وامیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان

شیعہ مصنف عبدالکریم مشتاق کے دس ہزار روپیہ انعام کے معرکۃ الآراء

دس سوالوں کا مدلل ومسکت اور دندان شکن جواب

ہر سُنّی مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اس کا مطالعہ کرکے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرے۔

تفسیر آیات مذمّت منافقین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ جاعل الامتیاز بین المسلمین والمجرمین ناصر المومنین وخاذل المنافقین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین المامور بجہاد الکفار والمنافقین وعلیٰ آلہٖ وصحبہ الذین جعلوا اشداء وعلیٰ من بعدھم اجمعین ۔

امابعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں اس وقت مذمت منافقین کی آیتوں کی تفسیر اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ بات سب پر روشن ہوجائے ۔ کہ صحابہ کرام رضؓ کی عظمت ورفعت کے اظہار میں قرآن مجید کو کس قدر اہتمام منظور ہے۔

پہلی آیت

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ	منافق مرد اور منافق عورتیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں خلاف شریعت بات کا حکم دیتے ہیں اور موافق شریعت بات سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو سمیٹے رہتے ہیں ۔

ف اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقوں میں دو نشانیاں ضرور ہوتی ہیں ۔
اوّلؔ یہ کہ وہ خلاف شریعت امور کی لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں اور موافق شریعت باتوں سے روکتے ہیں ۔
دومؔ یہ کہ بخیل ہوتے ہیں ۔ مگر جن کو یہ لوگ منافق کہتے ہیں ۔ ان میں یہ دونوں نشانیاں مفقود بلکہ ان کی ضد ان میں موجود ہے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق خود ان لوگوں نے باآں بغض و عداوت ان دونوں باتوں کا اقرار کیا ہے یعنی یہ کہ وہ احکام شرعی کو قائم رکھتے تھے اور بخیل نہ تھے ۔
علامہ ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ میں اس شبہہ کے جواب میں کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت معاویہؓ سے تو جنگ کی لیکن خلفائے ثلثہ سے کیوں نہ کی لکھتے ہیں کہ

ان الفرق بین الخلفاء الثلثۃ وبین معاویۃ فی اقامۃ حدود اللہ والعمل بمقتضیٰ اوامرہ ونواھیہ ظاھرٌ۔	بہ تحقیق خلفائے ثلثہؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان میں اللہ کی حدوں کے قائم رکھنے اور اوامر و نواہی شریعت کے مطابق عمل کرنے میں جو فرق تھا وہ ظاہر ہے

اور علامہ محقق جیلانی فتح السبل میں لکھتے ہیں ۔
آنہا نفوس خود را از اموال باز داشتند و شیوہ زہد در دنیا پیش گرفتند و رغبت بدنیا و زینت آں را ترک کردند و قناعت باقلیل و اکل خشن و لباس کرباس ملک خود ساختند در حالتیکہ اموال برائے ایشاں حاصل و دنیا رو کردہ بود و آں را درمیان قوم قسمت میکردند و خود را باآں اصلاً آلودہ نمی کردند ۔
تینوں خلیفہ نے اپنے آپ کو مال دنیا سے علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ اختیار کیا اور دنیا کی طرف رغبت اور اس کی زینت کو ترک کردیا اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنا اور موٹا کھانا اور ٹاٹ پہننا اختیار کیا جس وقت کہ مال ان

کے لئے موجود تھے اور اس کو لوگوں پر تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے کو اس کے ساتھ آلودہ نہ کرتے تھے۔

دوسری آیت

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ	اور بعض وہ بدوی لوگ جو تمہارے
الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَ	(شہر مدینہ کے) آس پاس رہتے
مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا	ہیں منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ
عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ	کے رہنے والوں میں سے سخت
نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ	ہیں نفاق پر اے نبیؐ آپ ان کو نہیں
مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى	جانتے ہم ان کو جانتے ہیں
عَذَابٍ عَظِيمٍ ٥	ہم ان کو دو مرتبہ عذاب کریں گے

پھر اس کے بعد وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

(ف) اس آیت سے منافقوں کے متعلق چند نہایت واضح باتیں معلوم ہوئیں۔

اوّلؔ یہ کہ منافقوں کو خدا نے دو قسموں میں منحصر کر دیا ایک وہ بدوی لوگ جو مدینہ کے آس پاس کی بستیوں میں رہتے تھے۔ دوسرے خاص مدینہ کے رہنے والے تو ان کو بھی سب کو منافق نہیں فرمایا بلکہ ان میں سے بعض کو معلوم ہوا کہ مہاجرین میں سے کوئی بھی منافق نہ تھا۔ لہذا مہاجرین پر نفاق کا شبہہ کرنا اس آیت کی خلاف ورزی کرنا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

دوؔم یہ کہ منافقوں کا نفاق اس قدر مخفی تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس فراست کاملہ کے اور باوجود اس روشن ضمیری کے ان کے نفاق سے واقف نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ جن کو منافق کہتے ہیں وہ ہرگز منافق نہ تھے کیونکہ بقول ان کے ان کا نفاق اس قدر ظاہر تھا کہ اوّل روز سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے نفاق سے باخبر تھے۔ سفر ہجرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اسی لئے ہمراہ لیا تھا کہ کہیں وہ افشائے راز نہ کر دیں (معاذ اللہ منہ)

دوم یہ کہ منافقوں کو عذاب آخرت سے پہلے دو مرتبہ دنیا میں عذاب ہونا ضروری ہے کیونکہ عذاب عظیم سے مراد بلاشبہ آخرت کا عذاب ہے پس اس سے پہلے جو دو مرتبہ عذاب کرنے کو فرمایا لامحالہ دنیا میں ہے اس کی تصریح بھی دوسری آیتوں میں وارد ہوگئی ہے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ دنیا میں دو مرتبہ عذاب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کا نفاق ظاہر کرکے ان کی فضیحت کی جائے گی۔ اور دوسری مرتبہ ان کو قتل کی سزا ملے گی۔ بہرکیف یہ لوگ جن کو منافق کہتے ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی دنیا میں ان کو عذاب کا ملنا کوئی نہیں ثابت کرسکتا بلکہ دنیا میں تو ان کی عزت روز بروز ترقی کرتی رہی اور خدا نے ان کو اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کا مالک بنایا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

تیسری آیت

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا (احزاب)	اے نبیؐ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیئے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے اللہ کارسازی کے لئے کافی ہے

ف۔ اس آیت سے بھی منافقوں کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اول یہ کہ منافقوں کی بات ماننے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت تھی مگر مخلصوں کے متعلق حکم تھا کہ ان سے ہر کام میں مشورہ لیا کیجیے۔

قولہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر۔

لہٰذا جن صحابہ کرامؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشوروں میں شریک رکھتے تھے ان کو منافق کہنا اس آیت کی صریح مخالفت ہے۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہر مشورہ میں شریک رہنا ایک ایسی بات ہے کہ کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان دونوں کو اپنے سے جدا نہیں کرتے کہیں باہر بھیجتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاغنی عنہما فانہم من الدین کالسمع والبصر۔

یعنی مجھے ان دونوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے یہ دونوں دین کیلئے مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔ یہ حدیث دونوں جماعتوں کی کتابوں میں ہے۔

دوم یہ کہ منافقوں کے مقابلہ میں خدا نے آپ سے کارسازی کا وعدہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ منافقوں کو کبھی آپ کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی لیکن اگر بقول ان کے شیخین کو معاذ اللہ منافق مانا جائے گا تو لازم آئے گا کہ خدا کا وعدہ خلاف ہو گیا کیونکہ بقول ان حضرات کے عمرؓ کو ایسی نمایاں کامیابی ہوئی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری عمر کی محنت ان کے دو لفظوں حسبنا کتاب اللہ نے برباد کر دی جو انہوں نے چاہا وہی ہوا اور جو رسول چاہتے تھے وہ نہ ہوا مصباح الظلم کے مصنف لکھتے ہیں :

"چونکہ عمر بن خطاب کے قول حسبنا کتاب اللہ کے عشر عشیر کی برابر بھی یہ قول نبوی عملی تاثیر نہیں پیدا کر سکا ،، ہر چند حضرت رسول کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے۔ مگر حضرت عمر کے قول بالا نے قول نبوی کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا" اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا" یہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کر دیا۔"

چوتھی آیت

فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَکُ خَیْرًا لَّھُمْ ۚ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۚ وَمَا لَھُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ (توبہ)	پس اگر یہ منافق لوگ توبہ کرلیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر یہ منہ پھیریں یعنی توبہ نہ کریں گے تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور زمین میں نہ ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔

اس آیت سے بھی دو باتیں منافقوں کے متعلق معلوم ہوئیں۔

اوّل یہ کہ جو منافق توبہ نہ کریں گے تو ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی دُنیا کے عذاب کی صاف تصریح اس آیت میں ہے۔ جس کا بیان اُوپر ہو چکا۔

دوم یہ کہ روئے زمین پر منافقوں کا کوئی دوست مددگار نہ ہوگا۔ مگر یہ لوگ جن کو منافق کہتے ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہما کہ جس قدر دوست اور مددگار ان کے ہوئے کبھی کسی کے نہیں ہوئے ان کے وقت سے لیکر آج تک روئے زمین پر کلمہ گویان اسلام کی ایک بڑی جماعت ان کی دوست اور مددگار رہی اور رہے حتیٰ کہ آج بھی ان کی حمایت میں جان دینا ایک سعادت عظمیٰ خیال کیا جاتا ہے ان حضرات کو اس بات کا اقرار ہے کہ قرن اوّل میں جمہور اہل اسلام شیخین کے اس قدر معتقد اور جان نثار تھے کہ اوروں کی انتہائی معراج اس میں سمجھتے تھے کہ وہ شیخین کے قدم بہ قدم چلیں حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب کے سب شیخین کے معتقد تھے۔

پانچویں آیت

لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِہِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْہَا اِلَّا قَلِیْلًا مَّلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ط سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ط (احزاب)

اگر نہ باز آئیں گے منافق (یعنی نفاق سے توبہ نہ کریں گے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو لوگ وحشت انگیز خبریں مدینہ میں اڑایا کرتے ہیں تو اے نبیؐ ضرور ہم آپ کو ان پر برانگیختہ کرینگے پھر وہ آپ کے پڑوس میں (یعنی مدینہ میں) نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دنوں ان پر لعنت ہو گی اور جہاں کہیں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کئے جائیں گے۔ سنت ہے اللہ کی ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور آپ ہرگز اللہ کی سنت میں تبدیلی نہ پائیں گے۔

یہ آیت منافقین اور مخلصین کے درمیان میں ایک ایسا مابہ الامتیاز فرقان قائم کر رہی ہے کہ اس کے بعد کسی مخلص پر کوئی شخص نفاق کی تہمت نہیں لگا سکتا۔ بجز اس صورت کے کہ قرآن مجید کی تکذیب کر دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد جو منافق اپنے نفاق پر قائم رہیں گے ان کو حسب ذیل سزائیں دنیا میں ملیں گی۔

(۱) نبی کو ان پر مسلط کیا جائے گا یعنی ان پر جہاد کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ اس کے بعد کی آیت میں یہ حکم موجود ہے (۲) منافقین مدینہ میں نہ رہ سکیں گے

مگر تھوڑے دنوں اور سزدری ہے کہ یہ تھوڑے دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ختم ہو جائیں کیونکہ آپ کی وفات کے بعد پھر آپ کے پڑوسی ہونے کی کوئی صورت نہیں (۳) مدینہ سے بھاگ کر جہاں جائینگے وہیں پکڑے جائیں گے اور قتل کئے جائیں گے (۴) منافقوں کو ان سزاؤں کا ملنا خدا کا لاتبدیل قانون ہے جو اگلے زمانے میں بھی تھا۔

پس اب اس کے بعد اس زمانے کے جس شخص کو بھی منافق کہا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی نفاق پر قائم رہا تو اس کے متعلق یہ سب سزائیں دکھلانا پڑیں گی کہ رسول کو اس پر جہاد کا حکم ہوا ہو وہ مدینہ سے بھاگا ہو اور جہاں گیا ہو وہیں پکڑا گیا ہو اور قتل کیا گیا ہو۔

چھٹی آیت

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ط

اے نبی جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے اور درشتی و سختی کیجئے ان پر اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور وہ بری جگہ لوٹنے کی ہے

یہ آیت دو جگہ ہے اوّل سورۂ توبہ میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ حکم خداوندی ملا کہ منافقوں پر جہاد کیجئے لیکن کوئی جہاد آپ کا منافقوں کے ساتھ منقول نہیں ہے پس اب دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کہا جائے کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور کچھ اپنی موت سے مر گئے لہذا جہاد کی ضرورت ہی پیش نہ آئی اور یہی بات واقعات کے مطابق ہے۔ اور یا یہ کہا جائے

کہ رسول نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی معاذ اللہ من ذلک۔

بعض مفسرین نے جو یہ لکھا ہے کہ منافقوں سے جو جہاد کا حکم ہے وہ جہاد زبان سے ہے نہ تلوار سے یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ زبان کا جہاد تو واغلظ علیہم میں آگیا لہذا یہاں بھی اس کو مراد لینا بے فائدہ ہے علاوہ اس کے منافقوں اور کافروں دونوں سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے بس جس قسم کا جہاد کافروں سے ہے اسی قسم کا جہاد منافقوں سے مراد ہونا چاہیئے۔

ساتویں آیت

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا (سورۂ منافقین)	وہی لوگ ہیں (اپنے آپس میں) کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس جو لوگ ہیں ان کو خرچ نہ دیا کرو تاکہ وہ (آپ کے پاس سے) ہٹ جائیں۔

ف۔ قرآن مجید میں ایک سورہ منافقین کے نام سے ہے اس سورت میں بہت سے حالات منافقوں کے بیان فرمائے گئے ہیں انہیں حالات میں ایک آیت یہ ہے جو اوپر نقل کی گئی جس میں منافقوں کا ایک قول نقل فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو رسول خدا کے پاس رہنے والوں کی مالی امداد سے منع کرتے تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخلصین اور منافقین میں ایک فرق یہ بھی تھا کہ مخلصین آنحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر باش رہتے تھے تو ان کو من عند رسول اللہ کہا گیا اور منافقین حاضر باش نہ رہتے تھے کبھی کبھی آجاتے تھے۔ لیکن یہ جن اصحاب کو منافق کہتے ہیں ان کا ملازم صحبت ہونا اور ہر وقت سفر و حضر میں حاضر باش رہنا ایک ایسا واقعہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس مقام پر یہ سات آیتیں قرآن کی کافی ہیں جن میں ایسی کھلی کھلی علامتیں منافقوں کی بیان کی گئی ہیں کہ کوئی شخص صحابہ کرام خصوصًا خلفائے راشدین پر نفاق کا شبہہ بھی نہیں کر سکتا اگر ایسا نہ ہوتا اور قرآن مجید میں منافقوں کے اوصاف وعلامات نہ بیان فرمائے ہوتے تو مدح صحابہ کی آیتیں سب معاذ اللہ لغو ہو جاتیں بلکہ ایک بڑا دھوکا فریب اور بڑی تلبیس وتدلیس کلام الٰہی میں لازم آتی (نعوذ باللہ من ذالک) کہ مناقب صحابہ کی کسی آیت سے کسی خاص صحابی کے فضائل پر استدلال ممکن ہی نہ ہوتا۔ مگر قرآن مجید کے جہاں اور بہت سے اعجاز ہیں وہاں ایک معجزہ اس کا یہ بھی ہے کہ اس کے کسی بیان میں کبھی التباس واقع نہیں ہوتا اور اگر کسی مقام پر کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے تو اس شبہ کا دفعیہ بھی اسی مقام پر موجود ہوتا ہے کیوں نہ ہو اس کی شان ہے۔

لاریب فیہ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ط

تفسیر آیت مودۃ القربیٰ

اس رسالہ میں سورۂ شوریٰ کی آیۂ کریمہ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کی صحیح تفسیر اور تمام موجودہ تفاسیر کی عبارتیں نقل کرکے روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ مخالفین صحابہ کرام جو بحوالہ اس آیت کے محبت اہل بیت کو اجر رسالت کہتے ہیں۔ یہ قرآن مجید کی معنوی تحریف اور بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر نہایت سخت حملہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

اللہ اکبر! کہاں حق جل شانہٗ کا اتنا بڑا انعام اور کہاں یہ مشت خاک تمام کاموں سے بے کام کر کے اپنے دین پاک کی خدمت میں لگایا۔ اور خدمات دینیہ میں بھی چن کردہ خدمت سپرد کی۔ جو براہ راست بارگاہ نبوّت وعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پاسبانی سے تعلق رکھتی تھے۔ جس میں دلائل نبوت۔ یعنی ذوات مقدسہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم وارضاہم، کی حفاظت اور قرآن عزیز کی حمایت اور اس کے مطالعہ کا کام رہتا ہے ؎

اے خدا قربان احسانت شوم
ایں چہ احسان است قربانت شوم

آیت مودّۃ القربیٰ

سورہ شوریٰ۔ تیسرا رکوع پچیسواں پارہ

ذٰلِكَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ	یہ انعام وہ ہے جس کی خوشخبری
اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	سناتا ہے اللہ اپنے ان بندوں
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	کو جنہوں نے ایمان قبول کیا۔ اور
قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ	انہوں نے اچھے کام کئے (اے نبی
اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی	کہہ دیجئے) کہ میں نہیں مانگتا تم
وَمَنۡ يَّقۡتَرِفۡ حَسَنَةً	سے اس پر کچھ اجرت سوا محبت

نَزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ - - -

کے قرابت میں۔ اور جو شخص کماتا ہے کچھ نیکی۔ بڑھا دیتے ہیں ہم (اپنی طرف سے) اس نیکی میں خوبی۔ بہ تحقیق اللہ بخشنے والا اور قدر دانی کرنے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے

فصل اوّل: میں آیت کا صحیح مطلب اور اس کے دلائل کا بیان۔

فصل دوم: میں کتب تفاسیر اہل سنت کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔

فصل سوم: میں مخالفین صحابہ کرامؓ کی تحریف اور اس ناپاک تہمت کا بیان ہے۔ جو انہوں نے بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب مقدس پر لگائی ہے۔

فصل چہارم: میں ان پاکیزہ تعلیمات کا بیان جو اس آیت سے حاصل ہوتی ہیں

فصل اوّل

اس آیت سے پہلے حق سبحانہٗ نے آغاز رکوع میں دار آخرت اور دنیا دونوں کا تقابل اور دونوں کے طالبوں کا حال و مآل بیان فرمایا ہے۔ دارِ دنیا کے طلب گاروں کو عذاب شدید کی وعید سنائی ہے۔ اور دارِ آخرت کے طلب گاروں یعنی مومنین صالحین کو بڑے انعام کی خوش خبری ان کلمات سے دی ہے۔ کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ یعنی جو لوگ ایمان لائے۔ اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان کے لئے جو کچھ وہ

چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہے۔ یہ ہے وہ بڑی بخشش اس کے بعد ہی علی الاتصال وہ آیت ہے جس کو ہم نے اوپر نقل کیا۔ جس کا نام آیہ مودۃ القربیٰ ہے۔

اس آیت مودۃ القربیٰ کا مقصود اصلی یہ ہے۔ کہ جو نصیحت اوپر کی گئی۔ اور خوشخبری سنائی گئی۔ وہ اچھی طرح دل نشین ہوجائے۔ اور نصیحت کا خلوص معلوم کرکے کامل گرویدگی قلوب میں پیدا ہو۔ ناصح مشفق کا یہ فطری دستور ہے کہ نصیحت کے بعد وہ اس نصیحت کو مؤثر بنانے کے لئے کہتا ہے۔ کہ جو نصیحت میں نے کی اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں۔ اس پر عمل کرنے میں جو کچھ فائدہ ہے۔ وہ صرف تمہارا ہے۔ اور بس۔

بالکل اسی دستور کے مطابق خداوند رحیم وکریم نے اپنی پاک نصیحت کو زیادہ سے زیادہ پرتاثیر بنانے کے لئے یہ آیت مودۃ القربیٰ ارشاد فرمائی۔ اور اس میں کئی طرح کی قول سے تاثیر کی روح پھونکی۔

اوّل :- یہ کہ اس خوشخبری کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ پھر اپنے اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام پاک جو دلربائی کی بے مثال طاقت رکھتا ہے۔ ذکر کرکے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ خوشخبری اللہ سنا رہا ہے۔

دوم :- یہ کہ خوشخبری کے مخاطب کو بڑی عزت کے کلمات سے مخصوص فرمایا۔ کہ وہ مومنین صالحین ہیں۔ ترغیب وتحریص کا ایک بہترین طریقہ ہے کہ بادشاہ کوئی حکم دے اور فرمائے۔ کہ یہ حکم میں اپنے مخلص اور جان نثار لوگوں کو دے رہا ہوں۔

سوم : یہ کہ آپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ آپ اعلان فرما دیجئے۔ کہ میں اس نصیحت وتعلیم کی کوئی اجرت کسی قسم کا کوئی معاوضہ لوگوں سے نہیں چاہتا۔ بالکل خالص اور بے غرض نصیحت کرتا ہوں۔ نصیحت کے خلوص کا انکشاف نصیحت کی طرف قلوب کو کھینچنے میں کیسا مقناطیسی اثر رکھتا ہے۔ سب جانتے ہیں۔ چہ خوش گفتہ اند ؎

نصیحت کہ خالی بود از غرض
چو داروئے تلخ ست دفع مرض

چہارم: یہ کہ نیکیوں میں اپنی طرف سے خوبی پیدا کرنے کا وعدہ کیا خوبی یہ کہ نیکیوں کی ماہیت بدل کر اونی سے اعلیٰ کردی جائے۔ یا ان کی تعداد بڑھا دی جائے۔ کوئی شخص کمائی کرکے کچھ پیسے جمع کرنا چاہتا ہو۔ اور اس کو معلوم ہو جائے کہ جتنے پیسے میں جمع کروں گا۔ وہ تھوڑے دنوں کے بعد تعداد میں دس گنے اور ماہیت میں بجائے تانبے کے سونے کے ہو جائیں گے۔ تو بتاؤ کہ کتنی رغبت اس کو کمائی کی طرف پیدا ہوگی۔

پنجم: یہ کہ ان تمام ترغیبات کا اختتام اپنی ان دو صفتوں پر فرمایا:۔ غفور اور شکور۔ پہلی صفت خطاؤں کے معاف ہو جانے کی امید دلاتی ہے۔ اور دوسری صفت اچھی خدمتوں پر انعام ملنے کی توقع پیدا کرتی ہے ان تمام باتوں پر غور کرکے دیکھو کہ کیسا ولولہ قلب میں موجزن ہوتا ہے ع

اے بہ قربانت چہ نیکو داوری

اب درمیان میں جو ایک جملہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ہے۔ جس کے مطلب کو مخالفین صحابہ کرامؓ نے خراب کرکے ساری آیت کو خبط بے ربط کرنے کی بے سود کوشش اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ناکام حملہ کرنے کی تیاری کی ہے۔ اس کا سمجھ لینا بالکل آسان ہو گیا۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ حق تعالےٰ نے جو آپ کو معاوضہ طلب نہ کرنے کا اعلان دینے کو فرمایا۔ اس اعلان کی تاکید کی جارہی ہے۔ کہ فرما دیجئے میں کوئی اُجرت نہیں چاہتا۔ سوا اس کے کہ قرابت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت و مہربانی[1] کرو۔ یعنی مجھے ایذا نہ پہنچاؤ۔ تبلیغ رسالت میں مزاحمت نہ کرو۔ ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

[1] مہربانی کا مطلب ایذا نہ پہنچانا اس لئے لیا گیا کہ واقعات سے اس کی تصریح ثابت ہے ۱۲

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جن کا مثیل[1] رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ہے، اسی قسم کی بات اپنی قوم سے فرمائی تھی کہ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ یعنی اے میری قوم کے لوگو! مجھے کیوں ایذا دیتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ درخواست کسی معاوضہ واجرت کی درخواست نہیں ہے بلکہ معاوضہ کی نفی کو اور مؤکد کرنے والی چیز ہے۔ بالکل ویسی ہی بات ہے۔ کہ کوئی واعظ حقانی کہے کہ میں اپنے وعظ کی کوئی فیس تم لوگوں سے نہیں مانگتا۔ میری فیس اگر ہے تو یہ ہے۔ کہ تم اس وعظ کو سن لو۔ اور اس پر عمل کرو۔ بلکہ اس درخواست میں کہ "مجھے اپنا رشتہ دار جان کر ایذا نہ پہنچاؤ"، "مہربانی کرو"۔ درپردہ اپنی مظلومیت کا اظہار ہے۔ اور یہ اظہار بھی نصیحت میں ایک خاص تریاقی اثر پیدا کر دیتا ہے۔

ف۔ الا المودۃ بقاعدۂ نحو استثنائے منقطع ہے۔ استثناء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متصل دوسری منقطع استثنائے متصل میں مستثنیٰ ہم جنس مستثنیٰ منہ کا ہوتا ہے۔ اور استثنائے منقطع میں ہم جنس نہیں ہوتا استثنائی منقطع کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ مثلاً لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا۔ یعنی دوزخی دوزخ میں ٹھنڈک اور کوئی پینے کی چیز چکھنے کو بھی نہ پائیں گے۔ سوا آب گرم اور پیپ کے۔ آب گرم اور پیپ مستثنیٰ ہے۔ اور ٹھنڈک اور پینے کی چیز مستثنیٰ منہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہم جنس نہیں ہیں اسی طرح آیت مبحوثہ میں مودۃ فی القربیٰ مستثنیٰ ہے۔ اور اجر مستثنیٰ منہ ہے۔ مودۃ فی القربیٰ بالبداہت اجر کا ہم جنس نہیں ہے کیونکہ اجر کسی شئ کا وہ چیز ہوتی ہے

---

[1] سورۂ مزمل میں ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا یعنی ہم نے اے اہل مکہ تمہاری طرف بھی ایک رسول ویسا ہی بھیجا ہے۔ جیسا فرعون کی طرف بھیجا تھا ۱۲

جو اس شے کی وجہ سے ثابت ہوئی ہو۔ اور مودت فی القربیٰ قرابت کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے۔ نہ تبلیغ رسالت کی وجہ سے۔ لہٰذا اس کو تبلیغ رسالت کا اجر کہنا کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

اھل سُنت کہتے ہیں کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کا کوئی ایسا مطلب لینے میں جس سے مودۃ فی القربیٰ اجر رسالت کہی جا سکے۔ قطع نظر اس سے کہ سخت توہین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ جو کام آج علماء کے لئے عار و ننگ ہے۔ حضورؐ کے لئے ثابت کیا جائے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور قطع نظر اس سے کہ آیت کے کلمات بھی اس مطلب کی مساعدت نہیں کرتے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فصل سوم میں ہم بیان کریں گے۔

بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ اور انبیاء علیہم السلام کی روش سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روش مخالف ہو جائے گی۔ حالانکہ قرآن مجید میں جا بجا اس کا اظہار ہے۔ کہ آپ کی روش انبیائے سابقین کی روش کے بالکل مطابق ہے قولہ تعالےٰ أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۔ یعنی یہ انبیاء ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت کی آپ انہیں کی روش پر چلیئے۔ وقولہ تعالےٰ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ اے نبی فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی نرالا اور نیا رسول نہیں ہوں۔ اور اس بات کو مخالفین صحابہ کرام بھی مانتے ہیں۔ کہ اور کسی پیغمبر نے اپنی تعلیم و تبلیغ کی اجرت مخلوق سے نہیں مانگی۔ اور خدا کی طرف سے ان کو اس کی ممانعت تھی۔ سورۂ شعراء نکال کر دیکھو۔ حضرت نوح حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تذکروں میں علیحدہ علیحدہ یہ آیت متفق اللفظ ملے گی۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ!

دوسری بڑی خرابی یہ ہے۔ کہ متعدد آیتوں میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت مانگنے کی ممانعت اور آپ کے اجرت نہ مانگنے کا اعلان ہے۔

مثلاً سورہ انعام پارہ ۷ میں فرمایا۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ط یعنی اے نبی کہہ دیجئے۔کہ میں تم سے اس کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا۔یہ تو نصیحت ہے سارے جہان کے لئے۔

اور مثلاً سورہ یوسف پارہ ۱۳ میں ہے۔ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ط یعنی اے نبی! آپ ان لوگوں سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتے۔یہ تو ایک نصیحت ہے۔ سارے جہان کے لئے۔

اور مثلاً سورہ مومنوں پارہ ۱۸ میں ہے، اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ہ یعنی اے نبی! کیا آپ ان لوگوں سے کچھ خرچ مانگتے ہیں ؟ آپ کے پروردگار کا دیا ہوا خرچ آپ کے لئے بہتر ہے۔اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اور مثلاً سورہ فرقان پارہ ۱۹ میں ہے:۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا ۔ یعنی اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں اس کی کوئی اُجرت تم سے نہیں مانگتا۔سوا اس کے کہ جو چاہے اپنے پروردگار تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

اور مثلاً سورہ سبا پارہ ۲۲ میں ہے: قل ما سالتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی اللہ وهو علی کل شئ شهیداہ یعنی اے نبی کہہ دیجئے کہ میں نے اگر تم سے کوئی اجرت مانگی ہو۔تو وہ تمہارے لئے ہے۔یعنی اس کو تم اپنے ہی پاس رکھنا۔مجھے نہ دینا۔میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے۔اور وہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

اور مثلاً سورہ صٓ پارہ ۲۳ میں ہے:۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین ۔ ان هو الا ذکر للعٰلمین ہ یعنی اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا۔اور میں تکلیف

کرنے والوں میں نہیں ہوں (کہ دل میں تو اجرت کی خواہش ہو۔ اور زبان سے انکار کروں) یہ تو ایک نصیحت ہے سارے جہان کے لئے۔

اور مثلاً سورۂ طور پارہ ۲۷ میں ہے:۔ ام تسئلهم اجرا فهم من مغرم مثقلون ○ یعنی اے نبی! کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں۔ جس کے دینے کے خیال سے یہ لوگ بوجھل ہو رہے ہیں۔

لہٰذا آیت مودۃ القربیٰ کا ایسا مطلب بیان کرنا جس سے اجرت طلب کرنے کا ثبوت ہو۔ ان آیات قرآنیہ کے خلاف ہوگا۔ جو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی بڑی وجہ یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ وہ کسی سے کچھ اجرت نہیں مانگتے سورۂ یٰسین میں ہے:۔ اتبعوا من لا یسئلکم اجرا و هم مهتدون یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتے۔ اور وہ ہدایت پر ہیں۔ لہٰذا آیت مودۃ القربیٰ کا غلط مطلب بیان کرکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق سے اجرت طلب کرنے والا کہنا گویا آپ کے واجب الاتباع ہونے کی نفی کرنا ہے (نعوذ باللہ منہ)

قرآن مجید عجیب کتاب ہے۔ خود اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ کوئی شخص کسی آیت کا غلط مطلب بیان کرکے اپنی کسی غرض فاسد کو پورا کرنا چاہے تو دوسری آیتیں اس کو چلنے نہیں دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ قرآن میں ان کی دال نہیں گلتی۔ تو اوّل تو انہوں نے قرآن کے مشکوک بنانے کی کوشش کی۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو قرآن مجید میں تحریف معنوی کا ڈھنگ نکالا۔

کیا خوب ارشاد ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا جو مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ہو بہو منطبق ہے۔ اس ارشاد کو ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب

جلد دوم ص۱۱٦ پر بایں الفاظ روایت کیا ہے :-

سلمان بمردم گفت کہ گریختید از قرآن بسوئے حدیث زیرا کہ قرآن را کتاب رفیعے یافتید. در انجا شمار احساب شے نماید بر نقیر و قطمیر و فتیل یعنی بہ امر خورد ے و ریزہ ہر قدر دانہ خرد ے پس تنگی کرد بر شما احکام قرآن ۔ پس گریختید بسوئے احادیث کہ کار را بر شما کشادہ و آسان کردہ است ۔

حضرت سلمان رضؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم قرآن سے بھاگ کر حدیث کی طرف گئے ۔ کیوں کہ قرآن کو تم نے ایک بلند کتاب پایا ۔ کہ اس میں ذرہ ذرہ سی چیزوں پر گرفت ہوتی ہے ۔ لہٰذا قرآن کے احکام نے تم پر تنگی کی ۔ اس لئے ان حدیثوں کی طرف تم بھاگے جنہوں نے کام کو تم پر کشادہ اور آسان کر دیا ۔

RESEARCH INSTITUTE LIBRARY

فصل ۲ دوم

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں روایت کرتے ہیں :-

حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عبد الملك بن ميسرة قال سمعت طاؤسا عن ابن عباس رضی اللہ عنهما انه سئل

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ سے روایت کرکے بیان کیا ۔ وہ کہتے تھے میں نے طاؤس

عن قولہ الا المودۃ فی القربیٰ۔ فقال سعید بن جبیر قربیٰ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن عباس عجلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان لہ فیھم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابۃ۔

سے سنا۔ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے کہ ان سے آیۃ المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا۔ سعید بن جبیر نے کہا قرابت آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہے۔ تو ابن عباس نے کہا۔ کہ تم نے جواب دینے میں، عجلت کی اصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی لہذا فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان میں جو قرابت ہے۔ اس کا لحاظ کرو۔

ف :۔ یہ روایت اس کتاب کی ہے۔ جو قرآن کریم کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے۔ اور منقول ہے ترجمان القرآن خیر الامۃ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس سے۔ اور اس روایت میں سعید بن جبیرؓ کے اس قول کا رد بھی ہے۔ کہ قربیٰ سے اہل قرابتِ رسول مراد ہیں۔ ابن جبیرؓ کا سکوت کرنا ظاہر کر رہا ہے۔ کہ ان کا قول محض بے دلیل تھا۔ اور انہوں نے اس سے رجوع کیا۔

(۲ و ۳) جو روایت صحیح بخاری سے حضرت ابن عباس کی منقول ہوئی۔ اسی مضمون کی روایت صحیح مسلم میں اور جامع ترمذی میں بھی ہے۔

(۴) امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر جامع البیان میں لکھتے ہیں :۔

القول فی تاویل قولہ تعالیٰ ذٰلک الذی یبشر اللہ عبادہ الذین آمنوا و

اللہ تعالےٰ کے قول ذٰلک الذی یبشر اللہ عبادہ الذین آمنوا وعملوا الصلحٰت

عملوا الصلحت ط قل لا
اسئلکم علیه اجرا الا
المودة فی القربیٰ ط ومن
یقترف حسنة نزد له
فیها حسنا ط ان الله غفور
شکور ۔ یقول تعالیٰ
ذکرہ هذا الذی
اخبرتکم ایها الناس
انی اعددته للذین امنوا
وعملوا الصلحت فی
الاخرة من النعیم و
الکرامة البشری التی
یبشر الله عبادہ الذین
امنوا فی الدنیا وعملوا
بطاعته فیها ؛

قل لا اسئلکم علیه
اجرا الا المودة فی القربیٰ
ومن یقترف حسنة
نزد له فیها حسنا ۔ ان
الله غفور شکور کی تفسیر
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو
یہ جو تم سے میں نے بیان کیا ۔
کہ میں نے مومنین صالحین کے
لئے آخرت میں نعمت اور
بزرگی مہیا کی ہے ۔ یہ وہ خوش
خبری ہے ۔ جو اللہ اپنے ان بندوں
کو سناتا ہے جو دنیا میں ایمان
لاتے ۔ اور دنیا میں انہوں نے
خدا کی اطاعت پر عمل کیا ۔

قل لا اسئلکم علیه اجرا ۔
یقول تعالیٰ ذکرہ لنبیه
محمد صلی الله علیه وسلم
قل یا محمد للذین
یمارونك فی الساعة من
مشرکی قومك لا اسئلکم
ایها القوم علی دعائیکم
الی ما ادعوکم الیه من

قل لا اسئلکم علیه اجرا حق تعالیٰ
اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
سے فرماتا ہے ۔ کہ اے محمد !
ان لوگوں سے کہہ دیجئے ۔ جو آپ
سے قیامت سے متعلق جھگڑتے
ہیں ۔ یعنی اپنی قوم کے مشرکوں
سے ۔ کہ اے قوم کے لوگو! میں
تم سے بعوض اس کے تم کو حق

الحق الذی جئتکم و
النصیحة التی انصحکم
ثوابًا وجزاءً وعوضًا
من اموالکم تعطونیه
الا المودة فی القربیٰ فقال
بعضهم معناه الا ان
تودونی فی قرابتی
منکم وتصلوا رحمی
بینی وبینکم .

کی طرف بلاتا ہوں جو میں لے
کر آیا ہوں ۔ اور بعوض اس
نصیحت کے جو تم کو کرتا ہوں،
کوئی بدلہ اور جزا اور عوض
تمہارے مال سے نہیں مانگتا۔
کہ تم مجھے دو ۔ سوا مودۃ فی القربیٰ
کے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ
مودت فی القربیٰ کے معنی یہ
ہیں کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ
اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے ۔ اور صلہ رحم جو میرے تمہارے
درمیان میں ہے ۔

(ذکر من قال ذلك) کون لوگ اسکے قائل ہیں

حدثنا ابو کریب ویعقوب
قالا ثنا اسمٰعیل بن ابراهیم
عن داؤد بن ابی هند
عن الشعبی عن ابن
عباس فی قوله قل لا
اسئلکم علیه اجرا الا
المودة فی القربیٰ قال لم
یکن بطن من بطون
قریش الا وبین رسول اللہ

ہم سے ابوکریب اور یعقوب نے
بیان کیا وہ دونوں کہتے تھے ۔
ہم سے اسمٰعیل بن ابراہیم نے
داؤد بن ابی ہند سے انہوں نے
شعبی سے انہوں نے ابن عباسؓ
سے روایت کرکے بیان کیا کہ
اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم
علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کا
مطلب یہ ہے کہ کوئی خاندان

صلی اللہ علیہ وسلم	قریش میں ایسا نہ تھا جس سے
وبینھم قرابۃ فقال	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت
قل لا اسئلکم علیہ اجرًا	نہ ہو۔ اسی واسطے فرمایا کہ اے
الا المودۃ فی القربیٰ	نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ
ان تودونی فی القرابۃ	رسالت پر کچھ اجر نہیں مانگتا
التی بینی وبینکم۔	مگر محبت قرابت میں۔ یعنی یہ

کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔

حدثنا ابوکریب قال ثنا	ہم سے ابوکریب نے بیان کیا۔ وہ
اسامۃ قال ثنا شعبۃ	کہتے تھے۔ ہم سے ابو اسامہ نے
عن عبد الملک بن میسرۃ	بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ
عن طاؤس فی قولہ قل	نے عبد الملک بن میسرہ سے۔
لا اسئلکم علیہ اجرًا	انہوں نے طاؤس سے اللہ تعالےٰ
الا المودۃ فی القربیٰ	کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجراً
قال سال عنہا ابن عباس	الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت
فقال ابن جبیرھم قربیٰ	کرکے بیان کیا کہ ابن عباس سے
اٰل محمد فقال ابن عباس	اس آیت کا مطلب پوچھا گیا۔
عجل ان رسول اللہ صلے	تو ابن جبیر نے کہا کہ اس سے مراد
اللہ علیہ وسلم لم	آل محمد کے اقربا ہیں ابن عباس
یکن بطن من بطون	نے کہا کہ انہوں نے (جواب دینے
قریش الا ولہ فیھم	میں عجلت کی (صحیح مطلب یہ ہے کہ)
قرابۃ قال فنزلت	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے
قل لا اسئلکم	ہر خاندان سے قرابت تھی۔ اسی کے بار

عليه اجرًا الا المودة
في القربى قال الا القرابة
التي بيني وبينكم ان
تصلوها ۔

میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ اے نبی!
کہہ دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت
کی کوئی اجرت نہیں مانگتا سوا
اس کے کہ جو قرابت میرے اور
تمہارے درمیان میں ہے۔ اس کا صلہ ادا کرو۔

حدثني علي قال نا ابو صالح
قال ثني معاوية عن
علي عن ابن عباس قوله
قل لا اسئلكم عليه اجرًا
الا المودة في القربى قال
كان لرسول الله صلى الله
عليه وسلم قرابة في
جميع قريش فلما كذبوه
وابوا ان يبايعوه قال
يقوم اذا ابيتم ان
تبايعوني فاحفظوا قرابتي
فيكم لا يكن غيركم
من العرب اولى بحفظي
ونصرتي منكم ۔

مجھ سے علیؓ نے بیان کیا وہ کہتے
تھے ہم سے ابو صالحؒ نے بیان کیا۔
وہ کہتے تھے مجھ سے معاویہؓ نے
علیؓ سے انہوں نے ابن عباسؓ
سے روایت کر کے بیان کیا کہ
قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی
القربی کا مطلب یہ ہے کہ رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت
تمام قریش سے تھی۔ جب ان
لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔
اور آپ سے بیعت کرنا منظور
نہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے
میری قوم کے لوگو! اگر تم مجھ سے
بیعت کرنا منظور نہیں کرتے تو
خیر، مگر میری قرابت جو تم سے ہے لحاظ رکھو تمہارے سوا عرب کا
کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کرنے کا تم سے زیادہ حقدار نہیں۔

حدثني محمد بن سعد
قال ثني ابي قال ثني عمي قال

مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا وہ
کہتے تھے مجھ سے میرے والد نے

ثنی ابی عن ابیه عن ابن عباس قوله قل لا اسئلکم علیه اجرًا الا المودة فی القربٰی یعنی محمدًا صلی الله علیه وسلم قال لقریش لا اسئلکم من اموالکم شیئًا ولکن اسئلکم ان لا تؤذونی لقرابة ما بینی وبینکم فانکم قومی واحق من اطاعنی واجابنی۔

بیان کیا وہ کہتے تھے مجھ سے میرے چچا نے اپنے والد سے انہوں نے ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کرکے بیان کیا کہ خطاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے قریش سے فرمایا کہ میں تمہارے مال نہیں مانگتا۔ بلکہ تم سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایذا نہ دو بوجہ اس قرابت کے۔ جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے کیونکہ تم میری قوم کے لوگ ہو اور سب سے زیادہ مستحق میری اطاعت اور فرمانبرداری کے ہو۔

حدثنا ابن حمید قال ثنا جریر عن مغیرة عن عکرمة قال ان النبی صلی الله علیه وسلم کان واسطًا فی قریش کان له فی کل بطن من قریش نسب فقال لا اسئلکم علی ما ادعوکم الیه الا ان تحفظونی فی

ہم سے ابن حمید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جریر نے مغیرہ سے انہوں نے عکرمہ سے روایت کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق تمام قریش سے تھا۔ قریش کے ہر خاندان سے آپ کی رشتہ داری تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں بعوض اس چیز کے جس کی طرف تم کو بلاتا ہوں تم سے کچھ

قرابتي قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى .

نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میری حفاظت کرو بوجہ میری قرابت کے یہی مطلب ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کا۔

حدثني يعقوب قال ثنا هشيم قال اخبرنا حصين عن ابي مالك قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم واسط النسب من قريش ليس حي من احياء قريش الا وقد ولدوه فقال الله عز وجل قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى الا ان تودوني لقرابتي منكم وتحفظوني .

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ہشیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہمیں حصین نے ابو مالک سے روایت کرکے خبر دی۔ وہ کہتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام قریش سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ کوئی قبیلہ قریش کا ایسا نہ تھا جس سے آپ کو یک جدی نہ ہو۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یعنی صرف یہ چاہتا ہوں کہ بوجہ اس کے کہ تم سے میری قرابت ہے۔ مجھ سے محبت کرو۔ اور میری حفاظت کرو۔

حدثنا ابو حصين عبد الله بن احمد بن يونس قال ثنا عنتر قال ثنا حصين عن ابي مالك في هذه الآية

ہم سے ابو حصین یعنی عبداللہ بن احمد بن یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عنتر نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے حصین نے ابو مالک سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی ھاشم و امہ من بنی زھرۃ و ام ابیہ من بنی مخزوم فقال احفظونی فی قرابتی۔	فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم سے تھے اور آپ کی والدہ بنی زھرہ سے تھیں اور آپ کی دادی بنی مخزوم سے غرض قریش کی ہر شاخ سے آپ کو تعلق تھا، لہذا آپ نے فرمایا کہ میری حفاظت کرو۔ بوجہ میری قرابت کے۔
حدثنا ابن المثنیٰ قال ثنا جری قال شعبۃ قال اخبرنی عمارۃ عن عکرمۃ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال تعرفون قرابتی وتصدقونی بما جئت بہ وتمنعونی۔	ہم سے ابن مثنیٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے جری نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے مجھ سے عمارہ نے عکرمہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے خبر دی کہ عکرمہ کہتے تھے د مطلب یہ ہے، کہ تم میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور جو دین میں لایا ہوں۔ اس کی تصدیق کرو۔ اور میری حفاظت کرو۔
حدثنا بشر قال ثنا یزید قال لنا سعید عن قتادۃ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا	ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ

الا المودة فی القربیٰ و
ان اللہ تبارک وتعالیٰ
امر محمدا صلی اللہ علیہ
وسلم ان لا یسئل الناس
علی هذا القرآن اجرا
الا ان یصلوا ما بینہ
وبینھم من القرابة
وکل بطون قریش قد
ولدتہ وبینہ وبینھم
قرابة ۔

فی القربیٰ کے متعلق نقل کر کے
بیان کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ
نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم
دیا کہ لوگوں سے تعلیم قرآن کا معاوضہ
نہ طلب کریں مگر وہ لوگ اس قرابت
کا صلہ کریں جو آپ کے اور ان کے
درمیان میں ہے تو کچھ مضائقہ
نہیں ۔ قریش کے ہر
خاندان سے آپ کو تعلق تھا ۔
اور ان سے قرابت تھی ۔

حدثنی محمد بن عمرو
قال ثنا ابوعاصم ثنا عیسیٰ
وحدثنی الحرث قال ثنا
ورقاء جمیعا عن ابن
ابی نجیح عن مجاھد
قولہ الا المودة فی
القربیٰ ان تتبعونی و
تصدقونی و تصلوا
رحمی ۔

مجھ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا ۔
وہ کہتے تھے ہم سے ابو عاصم نے
بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ
نے بیان کیا ۔ نیز ہم سے حرث
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے
ورقاء نے بیان کیا ۔ یہ دونوں
ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے
روایت کرتے ہیں کہ الا المودة
فی القربیٰ کا مطلب یہ ہے کہ
میری اتباع کرو ۔ اور میری تصدیق کرو ۔ اور میری قرابت کا صلہ کرو ۔

حدثنا محمد قال ثنا احمد
قال ثنا اسباط عن السدی
فی قولہ قل لا اسئلکم

ہم سے محمد نے بیان کیا وہ کہتے
تھے ہم سے اسباط نے سدی
سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودة

عليه اجرًا الا ان تودوني لقرابتي منكم۔

فی القربیٰ کے متعلق نقل کرکے بیان کیا کہ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو بسبب قرابت کے جو میری تم سے ہے۔

حدثنا[12] الحسين قال سمعت ابا معاذ يقول اخبرنا عبيد فقال سمعت الضحاك يقول في قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربى يعني قريشا يقول انما انا رجل منكم فاعينوني على عدوي و احفظوا قرابتي وان الذي جئتكم به لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة في القربى ان تودوني لقرابتي منكم وتعينوني على عدوي۔

مجھ سے[12] حسین سے نقل کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے ابو معاذ سے سنا وہ کہتے تھے ہمیں عبید نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے ضحاک سے سنا وہ آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودة فی القربیٰ کے متعلق کہتے تھے کہ خطاب قریش سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں تو تمہیں میں سے ایک شخص ہوں۔ لہذا تم میری مدد کرو۔ میرے دشمن کے مقابلہ میں اور میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور جو دین میں لایا ہوں۔ اس پر کچھ معاذ اللہ تم سے نہیں مانگتا۔ سوا مودة فی القربیٰ کے کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت سے جو مجھ سے تم سے ہے۔ اور میری مدد کرو میرے دشمن کے مقابلہ میں۔

حدثني[13] يونس قال اخبرنا ابن وهب قال قال

مجھ سے[13] یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہمیں ابن وہب نے

ابن زيد فى قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة فى القربى قال يقول الا ان تودونى لقرابتى كما توادون فى قرابتكم وتواصلون بها ليس هذا الذى جئت به يقطع ذلك عنى فلست ابتغى على الذى جئت به اجرًا اخذه على ذلك ۔

خبر دی وہ کہتے تھے کہ ابن زید آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہتے تھے ۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ میری قرابت کے جس طرح کہ تم اپنے قرابت والوں سے محبت کرتے ہو ۔ اور قرابت کا صلہ کرو جو دین میں لایا ہوں وہ میری قرابت کو قطع نہیں کرتا ۔ میں تم سے اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں لینا چاہتا ۔

حدثنى[17] يونس قال اخبرنا ابن وهب قال اخبرنى سعيد ابن ابى ايوب عن عطاء بن دينار فى قوله قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا المودة فى القربى قال كل قريش كانت بينها وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم قرابة فقال قل لا اسئلكم عليه اجرًا الا ان تودونى بالقرابة التى بينى و

مجھ[17] سے یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے ۔ ہمیں ابن وہب نے خبر دی وہ کہتے تھے مجھ سے سعید بن ابی ایوب نے عطاء بن دینار سے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق نقل کرکے بیان کیا وہ کہتے تھے ۔ تمام قریش سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت تھی ۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے کہ میں تم سے تعلیم قرآن کا کچھ معاوضہ نہیں مانگتا ۔ بوجہ اس قرابت کے جو

وبینکم۔ میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔

وقال آخرون بل معنی ذلك قل لمن تبعك من المؤمنين لا اسئلكم على ماجئتكم به اجرًا الا ان تودوا قرابتی۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے۔ کہ ان مسلمانوں سے جو آپ کے پیرو ہیں کہہ دیجئے کہ جو دین میں لایا ہوں اس کا معاوضہ تم سے نہیں مانگتا، مگر یہ کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو۔

ذکر من قال ذلك — کون لوگ اس کے قائل ہیں

حدثنی محمد بن عمارة قال ثنا اسمعيل بن ابان قال ثنا الصباح بن يحيى المری عن السدی عن ابی الديلم قال لما جئ بعلی بن الحسين رضی الله عنهما فاقيم على درج دمشق قام رجل من اهل الشام فقال الحمد لله الذی قتلكم واستاصلكم وقطع قرنی الفتنة قال له علی

مجھ سے محمد بن عمارہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے صباح بن یحییٰ مری نے سدی سے انہوں نے ابو دیلم سے روایت کرکے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے جب علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہما قید ہوکر آئے اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے کئے گئے۔ تو ایک شخص نے اہل شام میں سے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو قتل کرا دیا اور تمہاری بیخ کنی کر دی۔ اور فتنہ

بن الحسين رضى الله
عنه اقرأت القرآن
قال نعم قال اقرأت
آل حم قال لا قل لا
اسئلكم عليه اجرًا
الا المودة فى القربى
قال وانكم لانتم
هم قال نعم ۔

کے دونوں سرے کاٹ دیئے۔
اُس سے علی بن حسین رضی اللہ
عنہ نے کہا کہ کیا تونے قرآن پڑھا
ہے اس نے کہا ہاں! پھر کہا
کیا تونے آل حم پڑھی ہے؟ اس
نے کہا میں نے قرآن تو پڑھا
مگر آل حم نہیں پڑھی! انہوں نے
کہا کیا تونے یہ آیت پڑھی ہے:
قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اس نے کہا کیا قربیٰ تمہیں
لوگ ہو! انہوں نے کہا ہاں۔

[2] حدثنا ابو كريب قال
ثنا مالك بن اسمعيل
قال ثنا عبد السلام
قال ثنا يزيد بن ابى
زياد عن مقسم عن ابن
عباس قال قالت الانصار
فعلنا وفعلنا فكانهم
فخروا فقال ابن عباس
او العباس شك عبد السلام
لنا الفضل عليكم فبلغ
ذلك رسول الله صلى الله
عليه وسلم فاتاهم
فى مجالسهم فقال يا

ہم سے ابو کریب نے بیان کیا
وہ کہتے تھے۔ ہم سے مالک
بن اسمعیل نے بیان کیا: وہ
کہتے تھے ہم سے عبد السلام نے
بیان کیا: انہوں نے کہا ہم سے
یزید بن ابی زیاد نے مقسم سے
انہوں نے ابن عباس سے
نقل کر کے بیان کیا کہ انصار
نے کہا ہم نے چنیں کیا چناں کیا۔
وہ لوگ فخر کر رہے تھے۔ تو ابن
عباس نے یا عباس نے کہا
(یہ شک عبد السلام کو ہوا ہے)
کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے۔ یہ خبر

معشر الانصار الم تكونوا اذلة فاعزكم الله بي ؟ قالوا بلى يارسول الله قال افلا تجيبوني قالوا ما نقول يارسول الله قال الا تقولون الم يخرجك قومك فاويناك اولم يكذبوك فصدقناك اولم يخذلوك فنصرناك قال فمازال يقول حتى جثوا على الركب وقالوا اموالنا ومافي ايدينا لله ولرسوله قال فنزلت قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة في القربى ١ -

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو انصار کی مجلس میں گئے اور فرمایا کہ اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے؟ خدا نے تمہیں میرے سبب سے عزت دی انصار نے کہا ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے؟ خدا نے تمہیں میرے ذریعہ سے ہدایت کی انصار نے کہا ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تم لوگ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ ہم کیا جواب دیں آپ نے فرمایا تم کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو آپ کی قوم نے نکال دیا تھا۔ ہم نے آپ کو جگہ دی۔ لوگوں نے آپ کی تکذیب کی تھی ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ لوگوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا تھا ہم نے آپ کا ساتھ دیا۔ آپ اسی قسم کے کلمات کہتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔

٣ حدثني يعقوب قال ثنا مروان عن يحيى بن كثير

٣ مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہم سے مروان نے یحیی

عن ابي العالية عن
سعيد بن جبير
في قوله قل لا اسئلكم
عليه اجرًا الّا المودّة
في القربى قال هي قربى
رسول الله صلى الله عليه
وسلم۔

حدثني محمد بن عمارة
الاسدي ومحمد بن
خلف قال ثنا عبيد الله
قال اخبرنا اسرائيل عن
ابي اسحاق قال سالت
عمرو بن شعيب عن
قول الله عزوجل قل
لا اسئلكم عليه اجرًا
الا المودة في القربى
قال قربى النبي صلى الله
عليه وسلم

وقال اخرون بل معنى
ذلك قل لا اسئلكم
ايها الناس على ما
جئتكم به اجرًا الا
ان تودوا الى الله

بن کثیر نے انہوں نے ابوالعالیہ
سے انہوں نے سعید بن جبیر سے
آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ
فی القربیٰ کے متعلق بروایت
کرکے بیان کیا کہ انہوں نے کہا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی قرابت مراد ہے۔

محمد سے محمد بن عمارہ اسدی نے
اور محمد بن خلف نے بیان کیا۔ وہ
دونوں کہتے تھے ہم سے عبید اللہ
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں
اسرائیل نے ابواسحاق سے روایت
کرکے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے
عمرو بن شعیب سے اللہ عزوجل
کے قول قل لا اسئلکم علیہ اجرا
الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق پوچھا
تو انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی قرابت مراد ہے۔

اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے
کہ معنی آیت کے یہ ہیں۔ کہ
اے نبی! کہہ دیجئے اے لوگو!
میں اس دین کے معاوضہ میں
جو میں لایا ہوں کچھ اجرت تم

وتتقربوا بالعمل الصالح والطاعة ۔

سے نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ عمل صالح اور اطاعت کے ذریعہ سے محبت و تقرب حاصل کرو ۔

ذکر من قال ذلك

کون لوگ اس کے قائل ہیں؟

حدثني علي بن داؤد ومحمد بن داؤد اخوه ايضاً قال ثنا فزعه بن سويد عن ابي نجيح عن مجاهد عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قل لا اسئلكم على ما اتيتكم به من البينت والهدى اجرا الا ان تودوا الله وتتقربوا اليه بطاعته ۔

مجھ سے علی بن داؤد نے اور ان کے بھائی محمد بن داؤد نے بھی بیان کیا ۔ وہ دونوں کہتے تھے ۔ ہم سے فزعہ بن سوید نے ابن ابی نجیح سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے ۔ کہ (مطلب آیت کا یہ ہے کہ) کہہ دیجئے میں جو بینات اور ہدایت لایا ہوں اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں مانگتا ۔ سوا اس کے کہ اللہ سے محبت اور تقرب پیدا کرو ۔ بذریعہ اس کی اطاعت کے ۔

حدثنا ابن المثنى قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبه عن منصور بن زاذان عن

ہم سے ابن مثنی نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے منصور بن زاذان سے انہوں

الحسن إنه قال فی ھذہ الآیۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال القربیٰ الی اللہ ۔

نے حسن (بصری) سے اس آیت یعنی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ کے معنی بیان کئے کہ اللہ کی طرف تقرب مراد ہے۔

حدثنی یعقوب قال ثنا ھشیم قال اخبرنا عوف عن الحسن فی قولہ لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ قال الا التقرب الی اللہ والتودد بالعمل الصالح ۔

مجھ سے یعقوب نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں عوف نے حسن (بصری) سے اللہ تعالیٰ کے قول لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کرکے خبر دی کہ اللہ کی طرف عمل صالح کے ذریعہ سے تقرب اور محبت پیدا کرنا مراد ہے۔

حدثنا بشر قال ثنا یزید قال سعید عن قتادۃ قال الحسن فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ الا ان تودد وا الی اللہ فیما یقربکم الیہ ۔

ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ کہتے تھے کہ حسن (بصری) نے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق کہا کہ (مطلب یہ ہے کہ) اللہ سے محبت پیدا کرو ان اعمال کے ذریعہ سے جو خدا سے تم کو مقرب کردیں۔

وقال آخرون بل معنی ذٰلک الا ان تصلوا قرابتکم ۔

اور بعض لوگوں کا قول یہ ہے۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی قرابت کا صلہ کرو۔

ذکر من قال ذالک (کون لوگ اس کے قائل ہیں)

حدثنا بشر قال ثنا ابو عامر ثنا قرۃ عن عبد اللہ بن قاسم فی قولہ الا المودۃ فی القربی قال امرت ان تصلوا قرابتکم۔	ہم سے بشر نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے ابو عامر نے بیان کیا وہ کہتے تھے۔ ہم سے قرہ نے عبد اللہ بن قاسم سے الا المودۃ فی القربی کے معنی نقل کرکے بیان کئے۔ کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ اپنی قرابت کا صلہ کرو۔
واولی الاقوال فی ذلک بالصواب واشبھھا بظاھر التنزیل :-	مگر ان تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ظاہر قرآن کے مناسب :-
قول من قال معناہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا یا معشر قریش الا ان تودونی فی قرابتی منکم وتصلوا الرحم التی بینی وبینکم۔	اسی شخص کا قول ہے جس نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کہہ دیجئے کہ اے گروہ قریش! میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ تو جو اس قرابت کے جو

مجھے تم سے ہے۔ اور اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔

وانما قلت ھذا التاویل اولی بتاویل الآیۃ لدخول	میں نے جو کہا کہ یہ معنی تفسیر آیت سے زیادہ مناسب ہیں۔ اس

رقی، فی قولہ الا المودۃ
فی القربی ولو کان معنی
ذلك علی ما قالہ من
قال الا ان تودوا قرابتی
او تقربوا الی اللہ لم یکن
لدخول فی فی الکلام
وجہ معروف ولکان
التنزیل الا مودۃ القربی۔
ان عنی بہ الامر بمودۃ
قرابۃ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم او الا
المودۃ بالقربی او ذوالقربی
ان عنی بہ التودد والتقرب
وفی دخول فی فی الکلام
اوضح الدلیل علی ان
معناہ الا مودتی فی قرابتی
منکم وان الالف واللام
فی المودۃ ادخلتا بدلا من
الاضافۃ کما قیل فان الجنۃ
ھی الماوی۔ وقولہ الا فی
ھذا الموضع استثناء
منقطع ومعنی الکلام قل
لا اسئلکم الا المودۃ فی

کی وجہ یہ ہے کہ الا المودۃ فی
القربی میں فی کا لفظ ہے اور
اگر معنی اس کے وہ ہوتے جو کسی
نے بیان کئے ہیں کہ میرے
اہل قرابت سے محبت کرو۔ یا اللہ
سے داخل ہونے کی کوئی عمدہ
وجہ نہیں ہو سکتی ۔ اور عبارت
یوں ہوتی ۔ الا المودۃ القربی۔
اگر اس سے مراد قرابت رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی،
یا گویا الا المودۃ بالقربی یا ذی القربی
ہوتی ۔ اگر مراد اس سے تقرب
الہی ہوتا ۔ لفظ فی کا کلام میں
داخل ہونا بہت واضح دلیل اس
بات کی ہے کہ معنی اس کے یہی
ہیں کہ مجھ سے محبت کرو بوجہ
اس قرابت کے جو مجھے تم سے
ہے اور المودۃ میں الف لام
بعوض مضاف الیہ کے ہے جیسا
کہ کہا گیا ہے کہ فان الجنۃ ھی
الماوی میں ہوا ہے ۔ اور الا
اس مقام میں استثنائے منقطع
ہے اور مطلب کلام کا یہ ہے کہ اے نبی

القربیٰ فالمودة منصوبة	کہہ دیجئے کہ تم سے تبلیغ قرآن پر
علی المعنی الذی ذکرت	کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ ولیکن
وقد کان بعض نحوی	تم سے درخواست کرتا ہوں کہ
البصرۃ یقول ھی منصوبۃ	بوجہ قرابت کے مجھ سے محبت
بمضمر من الفعل بمعنی	کرو۔ پس لفظ مودۃ اس
الا ان اذکر مودۃ قرابتی	مطلب کے اعتبار سے منصوب ہے۔

اور بصرہ کے بعض نحوی کہتے تھے کہ وہ منصوب ہے۔ ایک فعل مضمر سے۔ یعنی میں تم کو وہ اپنی قرابت کی محبت یاد دلاتا ہوں۔

ف :۔ اس تفسیر میں جو اقدم التفاسیر کا لقب رکھتی ہے۔ آیہ مبحوثہ کے متعلق چار قول نقل کئے :۔

اوّل :۔ وہی جس کو ہم نے اختیار کیا۔ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ قرابت کے محبت کرنا اور اس قول کو خود مصنف نے سب پر مقدم کیا۔ اور اس کو ابن عباس سے چار سندوں کے ساتھ۔ اور عکرمہ سے دو سند کے ساتھ۔ اور ابو مالک سے دو سند کے ساتھ اور قتادہ و مجاہد و سدی و ابن زید و بن دینار سے نقل کیا۔

دوسرا قول :۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے۔

تیسرا قول :۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور تقرب حاصل کرنا مراد ہے۔

چوتھا قول :۔ یہ کہ آپس میں محبت کرنا یعنی صلہ رحم مراد ہے۔

ان اقوال کے لکھنے کے بعد خود امام ممدوح نے فیصلہ کر دیا کہ پہلا ہی قول صحیح ہے۔ اور اس کا صحیح ہونا الفاظ آیت سے بھی ثابت کر دیا۔

ف اس تفسیر کے مصنف کی وفات ۳۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔ ان سے پہلے کی کوئی تفسیر پائی نہیں جاتی ۱۲

(۴) امام بغوی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ اخبرنا عبد الواحد بن احمد الملیحی عن احمد بن عبد الله النعیمی عن محمد بن یوسف ثنا محمد بن اسمٰعیل ثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن عبد الملك بن میسرة قال سمعت طاؤساً عن ابن عباس انه سئل عن قوله الا المودة فی القربیٰ فقال سعید بن جبیر قربیٰ آل محمد صلی الله علیه وسلم فقال ابن عباس عجلت ان النبی صلی الله علیه لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة وکذلك روی

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"۔ ہمیں عبدالواحد بن احمد ملیحی نے خبر دی۔ وہ کہتے تھے ہمیں احمد بن عبداللہ نعیمی نے خبر دی۔ وہ کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے خبر دی۔ وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے ہم سے شعبہ نے عبدالملک بن میسرہ سے نقل کر کے بیان کیا وہ کہتے تھے میں نے طاؤس سے سنا۔ وہ ابن عباس سے روایت کرتے تھے۔ کہ ان سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا۔ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت مند مراد ہیں۔ ابن عباس نے کہا تم نے عجلت سے کام لیا (یہ مطلب نہیں ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے ہر خاندان سے قرابت تھی۔ لہذا فرمایا کہ

الشعبي وطاؤس عن
ابن عباس قال ان المودة
في القربى يعني ان
تحفظوا قرابتي وتودوني
وتصلوا رحمي واليه
ذهب مجاهد وقتادة
وعكرمة ومقاتل
والسدي ۔ والضحاك
وقال عكرمة لا اسئلكم
على ما ادعوكم اليه اجرا
الا ان تحفظوني وقرابتي
بيني وبينكم وليس كما
يقول الكذابون ۔ وروي
ابن ابي نجيح عن مجاهد
عن ابن عباس في معنى
الآية الا ان تودوا الله
تتقربوا اليه بالطاعة
والعمل الصالح ۔ وقال
بعضهم معناه الا ان
تودوا قرابتي وعترتي
وتحفظوني فيهم وقول
سعيد بن جبير وعمرو
بن شعيب ۔ واختلفوا

اس قرابت کا صلہ کرو جو میرے
اور تمہارے درمیان میں ہے۔
اور اسی قسم کی روایت شعبی
اور طاؤس نے بھی ابن عباس
سے نقل کی ہے۔ کہ مودۃ فی
القربیٰ کا مطلب یہ ہے۔ کہ
میری قرابت کا لحاظ کرو اور
مجھ سے محبت کرو۔ اور میرے
ساتھ صلہ رحم کرو۔ یہی قول مجاہد
اور قتادہ اور عکرمہ اور مقاتل
اور سدی اور ضحاک کا ہے۔
اور عکرمہ نے کہا ہے کہ مطلب
یہ ہے۔ کہ میں جو تعلیم تم کو دیتا
ہوں اس کی کچھ اجرت تم سے
نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ میری
حفاظت کرو۔ اور میرے تمہارے
درمیان میں جو قرابت قائم ہے
اس کا لحاظ کرو۔ اور آیت کا
وہ مطلب نہیں جو کذاب لوگ
بیان کرتے ہیں۔ اور ابن ابی
نجیح نے مجاہد سے۔ انہوں نے
ابن عباس سے اس آیت کے
معنے میں روایت کی ہے کہ اللہ

في قرابته قيل هم
فاطمة الزهراء وعلي
وابناهما فيهم نزول
انما يريد الله ليذهب
عنكم الرجس اهل
البيت وروينا عن
يزيد بن حيان عن زيد
بن ارقم عن النبي صلى الله
عليه وسلم قال اني تارك
فيكم الثقلين . كتاب الله
واهل بيتي اذكركم الله
في اهل بيتي قيل لزيد بن
ارقم من اهل بيته قال
هم آل علي وآل عقيل
وآل جعفر وآل عباس اخبرنا
عبد الواحد المليحي عن
احمد بن عبد الله النعيمي
عن محمد بن يوسف . ثنا
محمد بن اسمعيل . ثنا
عبد الله بن عبد الوهاب
ثنا خالد ثنا شعبة
عن واقد قال سمعت
ابي يحدث عن ابن عمر

سے محبت کرو۔ اور عبادت
اور عمل صالح کے ذریعہ سے اس
کا تقرب حاصل کرو۔ اور بعض
لوگوں نے کہا ہے۔ کہ مطلب
یہ ہے۔ کہ میری قرابت اور
قربت سے محبت کرو۔ اور ان
کے بارہ میں میرا خیال رکھو۔ یہی
قول ہے سعید بن جبیر اور عمرو
شعیب کا۔ اور آپ کے اہل قرابت
کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔
بعض نے فاطمہ زہرا رضی اور علی رض اور
ان کے دونوں صاحبزادوں کو
بیان کیا ہے۔ کہ انہیں کے حق
میں یہ آیت اتری ہے "انما
یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل
البیت" اور ہم سے بحوالہ یزید
بن حیان بیان کیا گیا۔ وہ زید بن
ارقم سے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم سے روایت کرتے تھے۔ کہ
آپ نے فرمایا میں تم میں دو گراں
قدر چیزیں چھوڑتا ہوں کتاب خدا
اور اپنے اہل بیت۔ تم کو خدا
کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت

عن ابی بکر قال
ارکبوا محمد فی اهل
بیته وقیل هم الذین
تحرم علیهم الصدقة
من اقاربه ویقسم
فیهم الخمس وهم
بنوهاشم وبنو المطلب
الذین لم یفترقوا فی
جاهلیته ولا فی اسلام
وقال قوم هذه الآیة
منسوخة وانما نزلت
بمکة وکان المشرکون
یؤذون رسول الله علیه
وسلم فانزل الله هذه
الآیة فامرهم فیها
بمودة رسول الله صلی الله
علیه وسلم وصلة
رحمه فلما هاجر الی
المدینة واواه الانصار
ونصروه احب الله عزوجل
ان یلحقه ما اخوانه
من الانبیاء علیهم السلام
حیث قال وما اسئلکم

کے بارے میں ۔ زید بن ارقم
سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہل بیت
کون ہیں ؟ انہوں نے کہا علیؓ اور
عقیلؓ اور جعفر اور عباس کی
آل ۔ ہمیں عبدالواحد بلیحی نے
خبر دی وہ کہتے تھے ہمیں احمد
بن عبداللہ نعیمی نے خبر دی ۔ وہ
کہتے تھے ہمیں محمد بن یوسف نے
خبر دی ۔ وہ کہتے تھے ہم سے محمد
بن اسمٰعیل نے بیان کیا ۔ وہ کہتے
تھے ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے
خالد نے بیان کیا ۔ وہ کہتے تھے
ہم سے شعبہ نے واقد سے نقل
کر کے بیان کیا ۔ وہ کہتے تھے میں نے
اپنے والد سے سنا ۔ وہ ابن عمرؓ
سے ، وہ حضرت ابوبکرؓ سے روایت
کرتے تھے کہ انہوں نے کہا ۔ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھو
ان کے اہل بیت کے بارے
میں ۔ اور بعض کا قول ہے کہ
اہل قرابت وہ لوگ ہیں ۔ جن
پر صدقہ حرام ہے ۔ جن کو خمس ملتا

عليه من اجر ان اجري
الا على رب العالمين
فانزل الله تعالے قل
لا اسئلكم عليه اجرا
قل ما سألتكم من
اجر فهو لكم ان
اجري الا على الله -
نهي منسوخة - بهذا
الآية و بقوله قل
ما اسئلكم عليه من
اجر وما انا من المتكلفين
وغيرها من الآيات
والى هذا ذهب الضحاك
بن مزاحم والحسين
بن الفضل و هذا قول
غير مرضي لان مودة
النبي صلے الله عليه وسلم
وكف الاذى عنه ومودة
اقاربه والتقرب الى الله
بالطاعة والعمل الصالح
من فرائض الدين وهذا
اقاويل السلف في معنى
الآية فلا يجوز المصير

ہے۔ اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب
ہیں۔ جن میں کبھی جدائی نہیں ہوئی۔
نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں۔ اور
ایک جماعت کا قول ہے۔ کہ یہ
آیت منسوخ ہے۔ مکہ میں نازل
ہوئی تھی۔ مشرکین رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تھے پس
اللہ نے یہ آیت اتاری۔ اور ان
کو اس آیت میں رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے
صلہ رحم کا حکم دیا پھر جب آپ
ہجرت کر کے مدینہ آئے اور انصار
نے آپ کو جگہ دی۔ آپ کی مدد
کی تو اللہ کو منظور ہوا کہ آپ کو
آپ کے بھائیوں یعنی انبیاء
علیہم السلام کے ساتھ ملا دے۔
کیونکہ اور انبیاء کے متعلق
فرمایا کہ کہہ دو میں تم سے اس
پر کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ میری
اجرت رب العلمین کے ذمہ ہے۔
لہذا اللہ تعالے نے یہ آیتیں
نازل فرمائیں۔ کہ اے نبی! کہہ
دیجئے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت

الی نسخ شیٔ من ھٰذہٖ الاشیاء وقولہ الا المودۃ فی القربیٰ ۔ لیس باستثناء متصل بالا قل حتی یکون ذلک اجرًا فی مقابلۃ اداء الرسالۃ بل ھو منقطع ومعناہ ولکنی ۔ اذکرکم المودۃ فی القربیٰ واذکرکم المودۃ فی قرابتی منکم کما رویناہ فی حدیث زید بن ارقم اذکرکم اللہ فی اھل بیتی ۔

کی کچھ اُجرت نہیں مانگتا۔ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے کچھ اُجرت مانگی ہو تو تمہیں کو مبارک رہے میری اجرت اللہ کے ذمہ ہے۔ ۔ پس آیت مجوزہ ان آیات سے اور نیز اس آیت سے کہ اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تم سے کچھ اُجرت نہیں مانگتا ۔ اور میں تکلف کرنے والوں سے نہیں ہوں ۔ اور اسی قسم کی دوسری آیات سے منسوخ ہے ۔ یہی مذہب ہے۔ ضحاک بن مزاحم اور حسین بن فضل کا۔ مگر یہ بات پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور آپ کو تکلیف نہ دینا اور آپ کے اقارب سے محبت کرنا اور بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرنا دین کے فرائض میں سے ہے ۔ اور یہ اقوال سلف کے اس آیت کے متعلق موجود ہیں ۔ پس ان چیزوں میں سے کسی کو منسوخ کہنا جائز نہیں ۔ اب رہا الا المودۃ فی القربیٰ یہ استثنائے متصل نہیں ہے۔ تاکہ یہ چیز بمقابلہ تبلیغ رسالت کے اُجرت کہی جائے ۔ بلکہ یہ استثناء منقطع ہے ۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ میں تمہیں مودۃ فی القربیٰ کی یاد دلاتا ہوں ۔ اور جو قرابت مجھے تم سے ہے اس کی محبت کی یاد دلاتا ہوں جیسا کہ زید بن ارقم کی حدیث ہم سے بیان کی گئی ۔ کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں ۔

ف :۔ امام بغوی نے بھی سب سے پہلے اسی قول کو نقل کیا ہے ۔ جو اہل سنت کا مختار ہے ۔ اور ابن عباس اور ان کے اجلّہ تلامذہ سے منقول ہے ۔ اور آخر میں کس تصریح اور وضاحت کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر دیا ۔ کہ الا المودۃ استثنائے منقطع ہے ۔ اور یہ اجرت رسالت نہیں ہے ۔ اور امام المفسرین ابن عباس کے جلیل الشان شاگرد عکرمہ سے اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال کا کذب اور ان کے قائلین کا کذاب ہونا بھی روایت کیا فجزاہ اللّٰہ خیرًا ۔

(۴) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں رقم فرماتے ہیں ۔

واعلم انہ تعالیٰ لما اوحی الی محمد صلے اللّٰہ علیہ وسلم ھٰذا الکتاب الشریف العالی واودع فیہ ثلاثۃ اقسام الدلائل واصناف التکالیف ورتب علی الطاعۃ الثواب وعلے المعصیۃ العقاب بین انی لا اطلب منکم بسبب ھٰذا التبلیغ نفعًا عاجلاً ومطلوبًا حاضرًا لئلا یتخیل جاھل مقصود صلے اللّٰہ علیہ وسلم من ھٰذا التبلیغ المال والجاہ فقال اجرا الا المودۃ فی القربیٰ وفیہ مسائل :۔

جاننا چاہیئے کہ جب محمد مصطفےٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اوپر یہ کتاب بزرگ بلند رتبہ والی نازل ہوئی اور اس میں تینوں قسم کی دلیلیں اور طرح طرح کے احکام بیان کئے گئے ۔ اور فرمانبرداری پر ثواب اور نافرمانی پر عذاب کا نتیجہ رکھا گیا ۔ تو یہ بیان کیا گیا کہ میں تم سے اس تبلیغ کے سبب سے کوئی فوری نفع اور کوئی وقتی مقصد نہیں مانگتا تاکہ کوئی جاہل یہ خیال نہ کرے کہ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا مقصود اس تبلیغ سے مال اور جاہ ہے اسی لئے فرمایا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ ۔ اور اس میں کئی مسئلے ہیں ۔

المسألة الاولی : ذکر الناس فی هذه الآیة ثلاثة اقوال الاول قال الشعبی اکثر الناس علینا فی هذه الآیة فکتبنا الی ابن عباس نسأله عن ذلك فکتب ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان واسط النسب من قریش لیس بطن من بطونهم الا وقد ولده فقال الله قل لا اسئلکم علی ما ادعوکم الیه اجراً الا ان تودونی لقرابتی منکم والمعنی انکم قومی واحق من اجابنی واطاعنی فاذا قد ابیتم ذلك فاحفظوا حق القربی ولا تؤذونی ولا تهیجوا علی۔

پہلا مسألہ :۔ لوگوں نے اس آیت کے متعلق تین قول بیان کئے ہیں :۔

پہلا قول :۔ یہ ہے کہ شعبی نے کہا لوگوں نے ہم سے اس آیت کے متعلق بکثرت پوچھا۔ تو ہم نے ابن عباس کو خط لکھ کر اس کے متعلق دریافت کیا۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ کوئی خاندان قریش میں ایسا نہ تھا جس سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے میں تم سے اس دعوت دین کی اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے۔ مطلب یہ کہ تم میری قوم کے لوگ ہو۔ اور میری اطاعت وفرمانبرداری کے زیادہ مستحق ہو۔ لیکن تم نے اطاعت نہ کی۔ تو کم از کم حق قرابت کا لحاظ کرو۔ مجھے ایذا نہ دو۔ میرے اوپر لوگوں کو برانگیختہ نہ کرو۔

القول الثانی روی الکلبی عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما قال ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ کانت تعروہ نوائب وحقوق ولیس فی یدہ سعۃ فقال الانصار ان ھذا الرجل قد ھداکم علی یدہ وھو ابن اختکم وجارکم فی بلدکم فاجمعوا لہ طائفۃ من اموالکم ففعلوا۔ ثم اتوہ بہ فردہ علیھم۔ فنزل قولہ تعالٰی قل لا اسئلکم علیہ اجرا ای علی الایمان الا ان تودوا اقاربی فحثھم علی مودۃ اقاربہ۔

دوسرا قول:۔ کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کو حاجتیں اور حقوق پیش آتے تھے۔ اور آپ کو وسعت نہ تھی۔ لہذا انصار نے باہم مشورہ کیا۔ کہ تم کو خدا نے آپ کے ہاتھ پر ہدایت دی۔ اور وہ تمہارے بھانجے اور پڑوسی ہیں۔ تمہارے شہر میں رہتے ہیں۔ لہذا ان کیلئے کچھ مال جمع کرو۔ چنانچہ انہوں نے جمع کیا۔ اور وہ مال لے کر آپ کے پاس آئے۔ آپ نے انہی پر واپس کر دیا۔ پس قل لا اسئلکم علیہ اجرا نازل ہوئی یعنی ایمان کے عوض میں اجرت نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اقارب سے محبت کرو۔ پس آپ نے اپنے اقارب کی محبت پر ان کو ترغیب دی۔

القول الثالث ماذکرہ الحسن قال الا ان تودوا الی اللّٰہ فیما یقربکم الیہ من التودد الیہ

تیسرا قول:۔ وہ ہے جو حسن (بصری) نے ذکر کیا، کہ اللہ سے محبت کرو۔ جو اعمال تمہیں اللہ سے مقرب کر دیں وہ اختیار کرو۔

بالعمل الصالح فالقربى على القول الاول القرابة التي بمعنى الرحم وعلى الثاني القرابة التي هي بمعنى الاقارب وعلى الثالث هي فُعلى من القرب و التقرب ۔

فان قيل الاية مشكلة وذلك لان طلب الاجرة على تبليغ الوحي لا يجوز ويدل عليه وجوهٌ الاول انه تعالى حكى عن اكثر الانبياء عليهم السلام انهم صرحوا بنفي طلب الاجرة فذكر في قصة نوح عليه السلام وما اسئلكم عليه من اجر ان اجري الا على رب العالمين وكذا في قصة هود و صالح وفي قصة لوط و شعيب عليهم السلام ورسولنا افضل من سائر الانبياء عليهم السلام

پس قول اول کے موافق قربیٰ بمعنی قرابت ورحم ہے۔ اور قول دوم کی بنا پر قربیٰ بمعنی اقارب ہے۔ اور قول سوم کی بنا پر قربیٰ بروزن فعلیٰ نزدیک ہونے اور نزدیکی حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت میں ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ اجرت مانگنا تبلیغ وحی پر جائز نہیں ہے۔ اور اس کے بہت دلائل ہیں

اوّل: یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے طلب اجرت کی صاف صاف نفی کی۔ نوح علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا کہ انہوں نے کہا وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین۔ اور ایسا ہی ہود، صالح لوط اور شعیب علیہم السلام کے قصوں میں بیان کیا اور ہمارے رسول تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ پس وہ نبوت

فكان بان لا يطلب الاجر على النبوة والرسالة اولى

ورسالت کے معاوضہ میں اجرت نہ مانگنے کے زیادہ مستحق ہیں ۔

والثانی انه صلی الله علیه وسلم صرح بنفی طلب الاجر فی سائر الآیات فقال ما سالتکم من اجر فهو لکم وقال قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین ۔

دوم : یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجرت مانگنے کی نفی بہت سی آیات میں کی ہے ۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر فہو لکم اور قل ما اسئلکم علیہ من اجر و ما انا من المتکلفین

والثالث العقل یدل علیه وذلك لان التبلیغ کان واجبا علیه قال تعالی بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته وطلب الاجر علی اداء الواجب لا یلیق باقل الناس فضلا عن اعلم العلماء

سوم : یہ کہ عقل بھی اسی کو چاہتی ہے ۔ کیونکہ تبلیغ آپ پر واجب تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی! پہنچا دے جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ۔ اور اگر تو نہ کرے گا تو تو نے رسالت خدا نہ ادا کی ۔ اور امر واجب کے معاوضہ میں اجرت مانگنا ادنیٰ شخص کے لئے بھی زیبا نہیں ہے ۔ چہ جائیکہ اعلم العلماء ۔

الرابع ان النبوة افضل من الحکمة وقد قال تعالی فی صفة الحکمة ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا

چہارم : یہ کہ نبوت حکمت سے افضل ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حکمت کی صفت میں کہا ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر

كثيرًا وقال في صفة الدنيا قل متاع الدنيا قليل ۔ فكيف يحسن في العقل مقابلة اشرف الاشياء باخس الاشياء ۔

کثیر ملا ۔ اور دنیا کے بارے میں فرمایا ہے ۔ کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے ۔ پس عقل کے نزدیک یہ بات کیونکر اچھی ہو سکتی ہے کہ اشرف چیز کا معاوضہ ارذل چیز کے ساتھ کیا جائے ۔

الخامس ان طلب الاجر كان يوجب التهمة وذلك ينافي القطع بصحة النبوة فثبت بهذه الوجوه انه لا يجوز من النبي صلى الله عليه وسلم ان يطلب اجرًا البتة على التبليغ والرسالة وظاهر هذه الآية يقتضي انه طلب اجرًا على التبليغ والرسالة وهو المودة في القربى هذا تقرير السؤال و الجواب عنه انه لا نزاع في انه لا يجوز طلب الاجر على التبليغ والرسالة بقي قوله الا المودة في القربى نقول الجواب

پنجم : یہ کہ طلب اجرت تہمت کو واجب کرتی ہے ۔ اور یہ صحت نبوت کے یقین کے منافی ہے ۔ پس ان دلائل سے ثابت ہو گیا ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طلب اجرت تبلیغ رسالت کے معاوضہ میں یقیناً ناجائز ہے حالانکہ اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے ۔ کہ آپ نے تبلیغ اور رسالت پر اجرت طلب کی ۔ اور وہ مودۃ فی القربیٰ ہے یہ تقریر اعتراض کی ہے ۔ اور جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں کچھ نزاع نہیں کہ تبلیغ اور رسالت کے معاوضہ میں اجرت طلب کرنا جائز نہیں ۔ باقی رہا ایک جملہ الا المودۃ فی القربیٰ ۔

عنه من وجهين الاوّل
ان هٰذا من باب قوله ؏
ولاعيب فيهم غير ان
سيوفهم بها من قراع
الدارعين فلول للعنى انا
لا اطلب منكم الا هٰذا
فى الحقيقة ليس اجرًا الا ان
حصول المودة بين المسلمين
امر واجب قال تعالٰى
والمؤمنون والمومنات
بعضهم اولياء بعض
وقال صلى الله عليه وسلم
المؤمنون كالبنيان يشد
بعضهم بعضًا والآيات
والاخبار فى هٰذا الباب
كثيرة واذا كان حصول
المودة بين جمهور المسلمين
واجبًا فحصولها فى حق
اشرف المسلمين واكابرهم
اولٰى وقوله تعالٰى قل لا
اسئلكم عليه اجرًا الا
المودة فى القربٰى تقديره
والمودة فى القربٰى ليست

اس کا جواب ہم دو طرح دیں گے۔
اوّل یہ کہ یہ کلام مثل اس شعر کے ہے۔
(ترجمہ شعر) ان میں کچھ عیب
نہیں سوا اس کے کہ ان کی تلواریں
لڑتے لڑتے گر گئی ہیں۔
مطلب یہ کہ میں تم سے سوا اس
کے کچھ اجرت طلب نہیں کرتا اور
یہ فی الحقیقۃ اجرت نہیں ہے۔
کیونکہ عام طور پر باہم مسلمانوں
میں محبت کا ہونا ضروری ہے۔
اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ ایمان
والے مرد اور ایمان والی عورتیں
باہم ایک دوسرے کے دوست
ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
مسلمان مثل عمارت کے ہیں۔
کہ بعض کو بعض سے مضبوطی ہوتی
ہے۔ آیتیں اور حدیثیں اس
بارے میں بہت ہیں۔ اور جب
کہ عام طور پر مسلمانوں میں باہم
محبت کا ہونا ضروری ہے۔ تو
تو اشرف المسلمین اور اکابر مسلمین

اجراً فرجع الحاصل الی انہ لا اجر البتۃ والوجہ الثانی فی الجواب ان ھذا استثناء منقطع و تم الکلام عند قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً ثم قال الا المودۃ فی القربیٰ ای لکن اذکرکم قرابتی منکم وکانہ فی اللفظ اجر فلیس باجر۔

ہیں باہم محبت کا ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔ اور آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کی تقدیر یہ ہوگی کہ مودۃ فی القربیٰ اجرت نہیں ہے۔ پس حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ مودۃ فی القربیٰ یقیناً اجر رسالت نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ استثنائے منقطع ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً پر کلام ختم ہوگیا۔ پھر جو فرمایا الا المودۃ فی القربیٰ، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی قرابت یاد دلاتا ہوں۔ پس کہنے میں تو اجر ہے۔ مگر درحقیقت اجر نہیں۔

ف: امام رازی کی اس تفسیر کو دیکھو۔ کہ کس طرح انہوں نے اس قول ضعیف کو کہ مودۃ قربیٰ سے اہل بیت رسول کی محبت مراد ہے۔ اور یہ کہ محبت اجر رسالت ہے۔ باطل کیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے۔ کہ طلب اجر سے نبوت مشکوک ہو جاتی ہے۔

(۵) علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیہ روی انہ اجتمع المشرکون فی مجمع لھم فقال بعضھم لبعض اترون محمداً یسال علی ما یتعاطاہ

قل لا اسئلکم علیہ۔ روایت ہے کہ مشرکین اپنی ایک محفل میں جمع ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے، کہ کیا تم کو معلوم ہے۔ کہ محمدؐ اس تعلیم کے

اجرًا فنزلت اٰیۃ لا
اطلب منکم علی ما انا
علیہ من التبلیغ والبشارۃ
اجرًا نفعًا الا المودۃ فی
القربٰی ای الا ان تودونی
لقرابتی منکم او تودوا اھل
قرابتی و قبل الاستثناء
منقطع و المعنی لا اسئلکم
اجرًا قط - ولکن اسئلکم
المودۃ - و فی القربٰی حال
منھا ای الا المودۃ ثابتۃ
فی القربٰی متمکنۃ فی اھلھا
او فی حق القرابۃ والقربٰی
مصدر کالزلفٰی بمعنی
القرابۃ روی انھا لما
نزلت قیل یا رسول اللہ
من قرابتک ھؤلاء الذین
وجبت علینا مودتھم
قال علی وفاطمۃ وابنا
ھما وعن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم حرمت الجنۃ
علی من ظلم اھل بیتی
واذانی فی عترتی ومن

معاوضہ میں کچھ اجرت طلب
کرتے ہیں! پس یہ آیت اتری۔
کہ میں جو تبلیغ و بشارت تم کو
دیتا ہوں اس کی اُجرت یعنی
کوئی نفع نہیں مانگتا۔ سوا مودۃ
فی القربٰی کے۔ یعنی سوا اس کے
کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ قرابت
کے جو مجھے تم سے ہے۔ اور بعض
لوگوں نے کہا ہے۔ کہ استثنائے
منقطع ہے اور مطلب یہ ہے
کہ میں تم سے کچھ اُجرت ہرگز نہیں
مانگتا۔ ولیکن محبت چاہتا ہوں
اور (ترکیب نحوی میں فی القربٰی
المودۃ کا حال ہوگا) یعنی وہ محبت
جو قربٰی میں ہو۔ اور اہل قرابت
میں پائی جائے۔ اور بوجہ قرابت
کے پائی جائے۔ قربٰی مصدر ہے
مثل زلفٰی کے بمعنی قرابت۔ روایت
ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
تو کہا گیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ
کے قرابت والے کون ہیں جن
کی محبت ہم پر واجب ہے آپ نے
فرمایا، علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے

اصطنع صنیعۃ الی احد من ولد عبد المطلب و لہ یجازہ فانا اجازیہ علیھا غداً اذا لقینی یوم القیامۃ و قیل القربیٰ التقرب الی اللہ ای الا ان تودد الی اللہ ورسولہ فی تقربکم الیہ بالطاعۃ والعمل الصالح وقری الا مودۃ فی القربیٰ ۔	دونوں صاحب زادے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۔کہ جنت اس شخص پر حرام ہے ۔جو میری اہل بیت پر ظلم کرے ۔اور میری عزت کے متعلق مجھے ایذا دے ۔اور جو شخص اولاد عبد المطلب میں سے کسی کے ساتھ کوئی حرکت کرے اور وہ اس کا انتقام نہ لے تو میں کل اس کا انتقام لوں گا ۔

جب وہ قیامت میں مجھے ملیگا ۔اور کہا گیا ہے کہ قربیٰ بمعنی تقرب الی اللہ کے ہے مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرو. بذریعہ عبادت اور عمل صالح کے اللہ سے تقرب حاصل کرو ۔اور ایک قرأت میں الامودۃ فی القربیٰ ہے ۔

ف :۔ علامہ ابو سعود نے بھی سب سے پہلے وہی قول مختار نقل کیا ۔اور استثنار کا منقطع ہونا بیان کر دیا ۔اس کے بعد وہ قول ضعیف نقل کیا ہے ۔مگر بصیغہ تمریض ۔جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے ۔اور وہ کیونکر اس کے خلاف کر سکتے تھے ۔اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے ۔کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ رسالت کی اُجرت نہیں لیتے ۔

(۲) تفسیر خازن میں ہے ۔

قولہ عزوجل، قل لا اسئلکم علیہ ای علی تبلیغ الرسالۃ	قولہ عزوجل، قل لا اسئلکم علیہ ۔یعنی تبلیغ رسالت پر میں تم سے کچھ اجرت

اجرًا ای جزاءً الا المودۃ فی القربٰی (خ) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ سئل عن قولہ الا المودۃ فی القربٰی فقال سعید بن جبیر قربٰی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن عباس عجلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم تکن بطن من قریش الا ولہ فیھم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابۃ وعن ابن عباس ایضًا فی قولہ الا المودۃ فی القربٰی یعنی ان تحفظوا قرابتی وتودونی وتصلوا رحمی والیہ ذھب مجاھد وقتادۃ وعکرمہ ومقاتل والسدی والضحاک

(خ) عن ابن عمر ان ابا بکر قال ارقبوا محمدًا صلی اللہ علیہ

یعنی معاوضہ نہیں مانگتا۔ سوا مودت فی القربٰی کے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے الا المودۃ فی القربٰی کا مطلب پوچھا گیا۔ تو سعید بن جبیر نے کہا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ابن عباس نے کہا تم نے (جواب) میں عجلت کی (اصل یہ ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریش کے ہر خاندان سے تھی۔ لہذا نبی صلعم نے فرمایا۔ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ اس کا صلہ کرو۔ نیز ابن عباس سے الا المودۃ فی القربٰی کے متعلق مروی ہے۔ کہ تم میری قرابت کی حفاظت کرو۔ اور میرا صلہ رحم کرو۔ یہی مذہب مجاہد اور قتادہ اور عکرمہ اور مقاتل اور سدی اور ضحاک کا ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ محمد صلی اللہ

وسلم - فی اھل بیتہ -

(ثم بعد ان ذکر الاختلاف فی معنی اھل البیت ، فان قلت طلب الاجر علی تبلیغ الرسالۃ والوحی لا یجوز لقولہ فی قصۃ نوح علیہ السلام وغیرہ من الانبیاء وما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی رب العلمین قلت لا نزاع فی انہ لا یجوز طلب الاجر علی تبلیغ الرسالۃ بقی الجواب عن قولہ الا المودۃ فی القربی فالجواب عنہ من وجھین - الاول معناہ لا اطلب منکم الا ھذا وھذا فی الحقیقۃ - لیس باجر ومنہ قول الشاعر ولا عیب فیھم ان سیوفھم بھن فلول من قراع الکتائب معناہ

علیہ وسلم کا خیال ان کے اہلبیت کے بارے میں رکھو -

پھر اہل بیت کے معنی میں اختلافات نقل کر کے لکھتے ہیں اگر تم کہو کہ تبلیغ رسالت اور وحی پر اجرت لینا جائز نہیں - کیونکہ نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے قصوں میں ہے - کہ میں تم سے اس کی کچھ اجرت نہیں مانگتا - میری اجرت رب العلمین کے ذمہ ہے - تو میں کہوں گا کہ اس پر کچھ نزاع نہیں ہے - کہ تبلیغ رسالت پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں - باقی رہا الا المودۃ فی القربی کا جواب ! وہ دو طرح پر ہے - اوّل یہ کہ مطلب یہ ہوا کہ میں تم سے صرف یہ چیز مانگتا ہوں اور یہ چیز فی الحقیقت اجرت نہیں ہے - جیسا کہ ایک شاعر کا کلام ہے - مطلب اس شعر کا یہ ہوا کہ جب ان کا یہ عیب ہوا - تو عیب نہیں - بلکہ ان کی مدح ہے - اور

اذا كان هذا فلا عيب
بل هو مدح فيهم ولان
المودة بين المسلمين
امر واجب واذا كان
كذلك جميع المسلمين
كان في اهل بيت النبي
صلى الله عليه وسلم
اولى فقوله قل لا اسئلكم
عليه اجرا الا المودة في
القربى والمودة في القربى
ليست اجرا في الحقيقة
لان قرابته قرابتهم
فكانت مودتهم و
صلتهم لازمة لهم
فثبت ان لا اجر البتة
والوجه الثاني ان هذا
الاستثناء منقطع وتم
الكلام عند قوله قل
لا اسئلكم عليه اجرا
ثم ابتدا فقال الا
المودة في القربى اي
لكن اذكركم المودة في
قرابتي الذين هم قرابتكم

اس لئے کہ مسلمانوں میں باہم محبت
ایک واجب چیز ہے۔ اور
عام طور پر مسلمانوں میں محبت
ضروری ہے۔ تو اہل بیت نبی
صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اولیٰ
پس قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ
فے القربیٰ میں مودۃ فی الحقیقت
اجرت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی
قرابت ان کی بھی قرابت تھی۔
پس آپ کی قرابت سے محبت
رکھنا اور ان کا صلہ کرنا ان پر لازم
تھا۔ پس ثابت ہوا۔ کہ یہ یقیناً
اجرت نہیں ہے۔ دوسرا جواب
یہ ہے۔ کہ استثنا منقطع ہے۔
اور قل لا اسئلکم علیہ اجراً پر کلام
تمام ہو گیا۔ پھر نیا کلام شروع کر کے
فرمایا۔ الا المودۃ فی القربیٰ یعنی
میں تمہیں یاد دلاتا ہوں اپنے
اہل قرابت کو وہ تمہارے بھی اہل قرابت
ہیں۔ ان کو نہ ستاؤ۔
اور بعض لوگوں کا بیان ہے۔ کہ
یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ یہ
مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور مشرکین
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا

فلا تؤذوهم وقيل ان
هذه الآية منسوخة
وذلك لانها نزلت بمكة
وكان المشركون يؤذون
رسول الله صلى الله عليه
وسلم فانزل الله تعالى
هذه الآية - فامرهم فيها
بمودة رسول الله صلى الله
عليه وسلم وصلة رحمه
فلما هاجر الى المدينة و
اواه الانصار ونصروه
احب الله تعالى ان يلحقه
باخوانه من النبيين
فانزل الله تعالى قل ما
سألتكم من اجر فهو
لكم ان اجري الا على الله
فصارت هذه الآية ناسخة
لقوله قل لا اسئلكم عليه
اجرا الا المودة في القربى
واليه ذهب الضحاك والحسين
بن الفضل - والقول بنسخ
هذه الآية غير مرضي لان
مودة النبي صلى الله عليه وسلم

کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے
یہ آیت نازل فرمائی۔ اور ان
کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت کا اور آپ کے ساتھ
صلہ رحم کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب
آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔
اور انصار نے آپ کو جگہ دی۔
اور آپ کی مدد کی۔ تو اللہ تعالیٰ
کو یہ منظور ہوا۔ کہ آپ کے بھائیوں
یعنی نبیوں کے ساتھ ملا دے
لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
فرمائی قل ما سألتکم من اجر
فہو لکم ان اجری الا علی اللہ پس
اس آیت نے قل لا اسئلکم علیہ
اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کو منسوخ
کر دیا۔ یہی مذہب ہے۔ ضحاک
اور حسین بن فضل کا۔ مگر اس
آیت کو منسوخ کہنا پسندیدہ
نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپکو
تکلیف نہ دینا اور آپکے اقارب
کے ساتھ محبت کرنا دین کے فرائض
سے ہے۔ یہی قول سلف کا ہے

وکف الاذی عنه ومودة اقاربه من فرائض الدین وهو قول السلف فلا یجوز المصیر الی نسخ هذه الایة۔

پس آیت کو منسوخ کہنا جائز نہیں۔

وروی عن ابن عباس فی معنی الایة قول اٰخر قال لا تودوا الله وتقربوا الیه بطاعته وهو قول الحسن قال هو القربٰی الی الله یقول الا التقرب الی الله تعالٰی والتودد الیه بالطاعة والعمل الصالح۔

اور ابن عباس سے اس آیت کے معنی کے متعلق ایک دوسرا قول بھی منقول ہے۔ کہ انہوں نے کہا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ سے محبت کرو۔ اور اسکی عبادت کے ذریعہ سے اس سے تقرب حاصل کرو۔ یہی قول ہے۔ حسن بصری کا۔ وہ کہتے ہیں کہ قربٰی الی اللہ کا مطلب ہے۔ اللہ سے تقرب حاصل کرنا۔ اور بذریعہ عبادت وعمل صالح کے اس سے محبت پیدا کرنا۔

ف:۔ تفسیر خازن کی عبارت بھی غور سے دیکھو۔ سب سے پہلے وہی قول ہے۔ جس کو النجم میں اہل سنت کا مذہب بیان کیا گیا ہے۔ اسی کو ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ اور ابن عباس نے اس قول ضعیف کا رد بھی روایت کیا ہے۔

(۷) تفسیر مدارک میں ہے:۔

قل لا اسئلکم علیه (علی التبلیغ) اجرا الا المودة فی القربٰی یجوز ان یکون استثناءً متصلا ویجوز ان یکون منقطعا ای لا اسئلکم

قل لا اسئلکم علیه۔ یعنی میں تبلیغ پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ مگر مودت فی القربٰی ممکن ہے۔ کہ یہ استثناء متصل ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ منقطع ہو یعنی میں تم

اجرًا قط ولكني اسئلكم
ان تودوا قرابتي اي لا
اسئلكم عليه اجرًا الا
هذا وهو ان تودوا اهل
قرابتي الذين هم
قرابتكم ولا تؤذوهم
ولم يقل الا مودة القربي
اذ المودة للقربي لانهم
جعلوا مكانا للمودة ومقرا
لها كقولك لي في آل فلان
مودة ولي فيهم حب شديد
يراد احبهم ومكان حبي
ومحله وليست في بصلة
للمودة كاللام اذا قلت
الا المودة للقربي انما هي
متعلقة بمحذوف تعلق
الظرف به كيا في قولك
المال في الكيس وتقديره
الا المودة ثابتة في القربي
ومتمكنة فيها والقربي
مصدر كالزلفي والبشرى
بمعنى القرابة والمراد في
اهل القربي وروي انه لما

سے اجرت بالکل نہیں مانگتا
ولیکن تم سے یہ درخواست کرتا
ہوں کہ میرے اہل قرابت سے محبت
کرو یعنی میں تم سے صرف یہی اجر
چاہتا ہوں ۔ کہ میرے اہل قرابت
سے جو تمہارے بھی اہل قرابت
ہیں محبت کرو ۔ یا بوجہ میری
قرابت کے اُن سے محبت کرو
کیونکہ وہ لوگ محبت کا مکان
اور اس کا مقر قرار دیئے گئے
ہیں ۔ جس طرح تم کہتے ہو کہ "لی
فی آل فلان مودۃ ولی فیہم حب
شدید" مراد یہ ہوتی ہے کہ میں
ان سے محبت کرتا ہوں ۔ اور
وہ میری محبت کا مکان ومحل ہیں
لفظ فی مودت کا صلہ نہیں ہے ۔
جس طرح للقربیٰ میں لام صلہ
ہوتا ہے ۔ بلکہ وہ ایک محذوف
کے ساتھ متعلق ہے جیسے المال
فی الکیس میں ظرف کا تعلق ہے ۔
تقدیر عبارت یہ ہے ۔ الا المودۃ
ثابتۃ فی القربیٰ ومتمکنۃ فیہا اور
قربیٰ مثل زلفیٰ اور بشریٰ کے مصدر

نزلت ۔ قیل یارسول اللہ ۔ من قرابتك هؤلاء الذین وجبت علینا مودتهم ۔ قال علی و فاطمة و ابنا هما ۔ وقیل معناه الا ان توذونی ولا تهیجوا علی اذلم یکن بطن من بطون قریش الا بین رسول الله و بینهم قرابة ۔

سے ہے بمعنی قرابت کے ۔ اور مراد اہل قربیٰ ہیں ۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کہا گیا یارسول اللہ! آپ کے قرابت دار کون لوگ ہیں ۔ جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ آپ نے فرمایا علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دونوں لڑکے اور بعض لوگ کہتے ہیں ۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں ۔ کہ تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس قرابت کے جو مجھے تم سے ہے ۔ اور مجھے ایذا نہ دو ۔ اور میرے اوپر برانگیختہ نہ کرو کیونکہ کوئی خاندان قریش کا ایسا نہ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو ۔

وقیل القربی التقرب الی الله تعالیٰ الا ان تحبوا الله ورسوله فی تقربکم الیه بالطاعة والعمل الصالح ۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قربیٰ معنی میں تقرب الی اللہ کے ہے ۔ مطلب یہ ہوا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اللہ سے اور اس کے رسول سے محبت کرو ۔ اللہ سے تقرب حاصل کرتے ہیں اطاعت اور عمل صالح کے ذریعے سے ۔

ف : صرف اس ایک تفسیر میں محبت اہل بیت والا قول سب سے پہلے لکھا ہے اور استثناء کا متصل ہونا بھی جائز مانا ہے ۔ مگر بحمد اللہ یہ مضمون قبیح اس میں بھی نہیں ہے کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے ۔

(۸) علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور میں لکھتے ہیں :

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ اخرج احمد وعبد بن حمید والبخاری والمسلم والترمذی وابن جریر وابن مردویہ من طریق طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ سئل عن قولہ الا المودۃ فی القربیٰ فقال سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ قربیٰ آل محمد فقال ابن عباس رضی اللہ عنہ عجلت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان لہ فیہم قرابۃ فقال الا ان تصلوا ما بینی وبینکم من القرابۃ۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ امام احمد اور عبد بن حمید اور بخاری و مسلم و ترمذی و ابن جریر و ابن مردویہ نے بذریعہ طاؤس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان سے الا المودۃ فی القربیٰ کا مطلب پوچھا گیا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ قربت مندان آل محمد مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ تم نے عجلت کی۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا۔ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ لہذا آپ نے فرمایا کہ جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان میں ہے اس کی رعایت کرو۔

وأخرج ابن ابی حاتم و الطبرانی وابن مردویہ من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لہم رسول اللہ

اور ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن مردویہ نے بذریعہ سعید بن جبیر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے

صلی اللہ علیہ وسلم لا أسئلکم علیہ اجرًا الا ان تودونی فی نفسی لقرابتی منکم وتحفظوا القرابۃ التی بینی وبینکم۔

کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم میری ذات سے محبت کرو۔ بوجہ میری قرابت کے جو تم سے ہے۔ اور جو قرابت میرے تمہارے درمیان میں ہے اس کی حفاظت کرو۔

و أخرج سعید بن منصور وابن سعد وعبد بن حمید والحاکم وصححہ وابن مردویۃ والبیھقی فی الدلائل عن الشعبی رضی اللہ عنہ۔ قال اکثر الناس علینا فی ھذہ الاٰیۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی فکتبنا الی ابن عباس رضی اللہ عنہ نسألہ فکتب ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان واسط النسب فی قریش لیس بطن من بطونھم الا وقد ولدوہ فقال اللہ قل لا

اور سعید بن منصور نے اور ابن سعد وعبد بن حمید نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ وبیہقی نے کتاب دلائل میں شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ لوگوں نے ہم سے آیہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق بہت پوچھا تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دریافت کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جواب لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط النسب تھے۔ قریش کا کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے آپ کا سلسلہ نسب نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے میں تم سے بعوض اس چیز کے جس کی طرف

اسئلكم عليه اجرًا على ما ادعوكم اليه الا المودة فى القربى تودونى لقرابتى منكم وتحفظونى بها -

و[۴] اخرج ابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم والطبرانى من طريق على عن ابن عباس رضى الله عنهما فى قوله الا المودة فى القربى قال كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم قرابة من جميع قريش فلما كذبوه وابوا ان يبايعوه قال يا قوم اذا ابيتم ان تبايعونى فاحفظوا قرابتى فيكم ولا يكون غيركم من العرب اولى بحفظى و نصرتى منكم -

و[۵] اخرج ابن ابى حاتم وابن مردويه من طريق الضحاك عن ابن عباس رضى الله عنهما -

تم کو بلاتا ہوں۔ کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ سوا مودت فی القربیٰ کے یعنی یہ کہ تم مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ میری قرابت کے جو تم سے ہے۔ اور میری حفاظت اسی خیال سے کرو۔

اور[۴] ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و طبرانی نے بواسطہ علی کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت تمام قریش سے تھی۔ جب ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اور آپ کی بیعت سے انکار کردیا۔ تو آپ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! جب کہ تم میری بیعت سے انکار کرتے ہو۔ تو میری قرابت جو تم میں ہے۔ اسی کی حفاظت کرو۔ عرب کا کوئی اور شخص میری حفاظت اور مدد کا تم سے زیادہ حق دار نہیں۔

اور[۵] ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بواسطہ ضحاک کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

قال نزلت هذه الآية
بمكة وكان المشركون
يؤذون رسول الله صلى الله
عليه وسلم فانزل الله
تعالى قل يا محمد لا اسئلكم
عليه - اى على ما ادعوكم
اليه اجرًا عوضًا من
الدنيا الا المودة في القربى
الا الحفظ لي في قرابتي فيكم
قال المودة انما هي لرسول
الله صلى الله عليه وسلم
في قرابته فلما هاجر الى
المدينة احب ان يلحقه
باخوانه من الانبياء عليهم
السلام فقال قل ما اسئلكم
من اجر فهو لكم ان
اجرى الا على رب العلمين
وكما قال هود و صالح و
شعيب لم يستثنوا اجرًا
كما استثنى النبي صلى
الله عليه وسلم فرده
عليهم وهي منسوخة۔

آپ نے فرمایا! یہ آیت مکہ میں
نازل ہوئی تھی۔ اور مشرکین رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت
دیا کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالےٰ
نے یہ آیت نازل کی۔ کہ اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے۔ کہ
میں تم سے بعوض اس چیز کے جس
کی طرف تم کو بلاتا ہوں کوئی اجرت
معاوضہ دنیاوی نہیں مانگتا سوا
مودت فی القربیٰ کے۔ یعنی سوا
اس کے کہ میری حفاظت کرو۔ بوجہ
اس قرابت کے جو تم میں ہے انہوں
نے کہا کہ محبت رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کی مراد ہے۔ بوجہ ان
کی قرابت کے۔ پھر جب آپ نے
مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تو خدا کو
منظور ہوا کہ
آپ کو آپ کے بھائی یعنی دوسرے
انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملادے
لہذا فرمایا کہ اے نبی! کہہ دیجئے کہ
میں نے تم سے کچھ اجرت مانگی تو
تم اپنے پاس رکھو۔ میری اجرت
رب العالمین کے ذمہ ہے اور جیسا کہ ہود و صالح اور شعیب نے کہا تھا

اور انہوں نے کسی اجرت کو مستثنیٰ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو استثنار فرمایا تھا۔ اس کو واپس کر دیا۔ اور یہ آیت منسوخ ہے

واخرج احمد وابن ابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه وابن مردویه من طریق مجاهد رضی الله عنه عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم فی الایة قل لا اسئلکم علی ما اتیتکم به من البینت والهدی اجرا الا ان تودوا لله وان تتقربوا الیه بطاعته

اور امام احمد و ابن ابی حاتم و طبرانی نے اور حاکم نے بتصریح صحت اور ابن مردویہ نے بواسطہ مجاہد رضی اللہ عنہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق روایت کیا کہ مطلب یہ ہے کہ) اے نبی کہہ دو کہ جو بینات و ہدایت میں تمہارے پاس لایا ہوں۔ اس کی کچھ اجرت تم سے نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم اللہ سے محبت کرو۔ اور اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل کرو۔

واخرج عبد بن حمید و ابن المنذر عن مجاهد رضی الله عنه فی قوله قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ قال ان تتبعونی وتصدقونی و تصلوا رحمی

اور عبد بن حمید و ابن منذر نے مجاہد رضی اللہ عنہ سے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ کے متعلق روایت کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میری اتباع کرو اور میری تصدیق کرو۔ اور میرا صلہ رحم کرو۔

واخرج عبد بن حمید و ابن

اور عبد بن حمید و ابن مردویہ نے

مردویہ من طریق العوفی
عن ابن عباس رضی اللہ
عنہما فی الایۃ قال ان
محمدا صلی اللہ علیہ
وسلم قال لقریش لا اسئلکم
الی تودونی لقرابۃ ما بینی
وبینکم فانکم قومی
واحق من اطاعنی واجابنی

بذریعہ عوفی کے ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق
روایت کیا ہے۔ کہ محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا۔
کہ میں تم سے تمہارا مال نہیں
مانگتا۔ صرف یہ درخواست
تم سے کرتا ہوں کہ تم مجھ سے
محبت کرو بوجہ اس قرابت کے
جو میرے اور تمہارے درمیان میں ہے۔ کیونکہ تم میری قوم کے
لوگ ہو۔ اور سب سے زیادہ میری اطاعت اور اتباع کے مستحق ہو۔

واخرج ابن مردویہ
من طریق عکرمۃ عن
ابن عباس رضی اللہ عنہما
فی الایۃ قال۔ ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لم یکن فی
قریش بطن الا ولہ
فیھم ام حتی کانت لہ
من ھذیل ام فقال اللہ
قل لا اسئلکم علیہ
اجرا الا ان تحفظونی
فی قرابتی ان کذبتمونی
فلا توذونی ۔

اور ابن مردویہ نے بواسطہ
عکرمہ کے ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے اس آیت کے متعلق
روایت کیا ہے کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کی
ہر خاندان سے قرابت تھی ہر
خاندان میں آپ کا نانہال تھا
یہاں تک کہ قبیلہ ہذیل میں بھی
آپ کا نانہال تھا۔ لہذا اللہ نے
فرمایا کہ کہہ دیجئے۔ میں تم سے
اس کی اجرت نہیں مانگتا سوا
اس کے کہ تم میری حفاظت
کرو۔ بوجہ میری قرابت کے۔ اگر

تم میری تکذیب کرتے ہو تو کرو۔ لیکن مجھے ایذا تو نہ دو۔

وأخرج جرير وابن ابي حاتم وابن مردويه من طريق مقسم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قالت الانصار فعلنا وفعلنا وكانهم فخروا فقال ابن عباس رضي الله عنهما لنا الفضل عليكم فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتاهم في مجالسهم فقال يا معشر الانصار الم تكونوا اذلة فاعزكم الله ؟ قالوا بلى يا رسول الله! قال افلا تجيبوني ؟ قالوا ما نقول يا رسول الله ؟ قال الا تقولون الم يخرجك قومك فاويناك ؟ والم يكذبوك فصدقناك ؟ الم يخذلوك فنصرناك ؟ فما زال يقول حتى جثوا على الركب وقالوا اموالنا

اور ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے بواسطہ مقسم کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا (ایک روز) انصار باہم کہنے لگے۔ کہ ہم نے یہ کیا اور یہ کیا گویا کہ وہ فخر کر رہے تھے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم کو تم پر فضیلت ہے یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ ان کی مجلسوں میں تشریف لے گئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہ تھے۔ اللہ نے تم کو عزت دی؟ ان لوگوں نے کہا۔ کہ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ پھر تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ ان لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں کہتے کہ کیا آپ کو آپ کی قوم نے نکال نہ دیا تھا۔ پھر ہم نے جگہ دی! کیا انہوں نے آپ کی تکذیب

وما في ايدينا لله ورسوله.
فنزلت قل لا اسئلكم
عليه اجراً - الا المودة
في القربى .

نہ کی تھی - ہم نے آپ کی تصدیق
کی ؟ کیا انہوں نے آپکا ساتھ
نہ چھوڑ دیا تھا - ہم نے آپ کی
مدد کی ! آپ ایسے ہی کلمات

کہتے رہے - یہاں تک کہ انصار گھٹنوں کے بل گر پڑے - اور کہنے لگے
کہ ہمارا مال اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اللہ و رسول کا ہے - اسی پر
یہ آیت نازل ہوئی - قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ :

واخرج الطبراني في الاوسط
وابن مردويه بسند
ضعيف من طريق سعيد
بن جبير قال قالت الانصار
فيما بينهم لو لا جمعنا
لرسول الله صلى الله عليه
وسلم مالاً يبسط يده
ولا يحول بينه احد فقالوا
يا رسول الله انا اردنا ان
نجمع لك اموالنا فانزل
الله قل لا اسئلكم عليه
اجراً الا المودة في القربى
فخرجوا مختلفين فقالوا
لمن ترون ما قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فقال بعضهم انما قال .

اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن
مردویہ نے بسند ضعیف سعید
بن جبیر سے روایت کی ہے - کہ
انہوں نے کہا : انصار اپنے آپس
میں کہنے لگے کہ کاش ہم رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ مال
جمع کر دیں - تاکہ آپ کا ہاتھ
کشادہ ہو جائے - اور آپ کو
اس مال کے خرچ میں کوئی مانع
نہ ہو پس ان لوگوں نے کہا - کہ
یا رسول اللہ ! ہم ارادہ کرتے ہیں
کہ آپ کے لئے اپنا مال جمع کر
دیں - پس اللہ نے یہ آیت نازل
فرمائی : قل لا اسئلکم علیہ اجراً
الا المودۃ فی القربیٰ - پس وہ لوگ
باہم اختلاف کرتے ہوئے نکلے .

لنقاتل عن اهل بيته
وننصرهم فانزل الله
ام يقولون افترى على
الله كذبا الى قوله هو
الذى يقبل التوبة عن
عباده ،، فعرض لهم
بالتوبة الى قوله و
يستجيب الذين امنوا
وعملوا الصالحات و
يزيدهم من فضله
هم الذين قالوا هذا ان
يتوبوا الى الله ويستغفرونه

کہنے لگے کہ یہ حکم محبت جو رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے
تم کس کے متعلق سمجھتے ہو۔ بعض
لوگوں نے کہا کہ آپ کے اہل بیت
کی طرف سے لڑیں۔ اور ان کی
مدد کریں۔ پس اللہ نے یہ آیت
نازل فرمائی۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔
کہ نبی نے اللہ پر جھوٹ باندھ
لیا۔ الیٰ قولہ وہی اللہ ہے جو اپنے
بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔
پس ان کو توبہ کی ترغیب دی گئی
الیٰ قولہ ویستجیب الذین آمنوا
وعملوا الصالحات ویزیدہم من فضلہ۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں۔
جن سے یہ قول صادر ہوا تھا بشرطیکہ وہ توبہ و استغفار کریں۔

و[14] اخرج ابونعيم والديلمى
من طريق مجاهد عن ابن
عباس رضى الله عنه قال
قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لا اسئلكم
عليه اجرا الا المودة فى
القربى ان تحفظونى فى
اهل بيتى وتودهم لى۔

اور[14] ابونعیم ودیلمی نے بواسطہ مجاہد
کے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں
تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا۔
سوا مودت فی القربیٰ کے یعنی
یہ کہ تم میرے اہل بیت کے بارہ
میں میرا لحاظ رکھو۔ اور ان سے
میری وجہ سے محبت کرو۔

و[13] اخرج ابن المنذر وابن
ابی حاتم والطبرانی و
ابن مردویہ بسند
ضعیف من طریق سعید
بن جبیر عن ابن عباسؓ
قال لما نزلت هذه الایة
قل لا اسئلکم علیه اجرا
الا المودة فی القربی قالوا
یا رسول الله من قرابتک
هؤلاء الذین وجبت
علینا مودتهم قال علی
وفاطمة وولداهما۔
و[14] اخرج سعید بن منصور
عن سعید بن جبیر الا
المودة فی القربی قال قربی
رسول الله صلی الله علیه
وسلم
و[15] اخرج ابن جریر عن
ابی الدیلم قال لما
جیئ بعلی بن الحسین
اسیرا فاقیم علی درج
دمشق قام رجل
فقال الحمد لله الذی

اور[13] ابن منذر و ابن ابی حاتم و
طبرانی و ابن مردویہ نے بسند
ضعیف سعید بن جبیر سے انہوں
نے ابن عباسؓ سے روایت
کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا جب
یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم
علیه اجرا الا المودة فی القربی تو
صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ
کے اہل قرابت کون لوگ
ہیں جن کی محبت ہم پر واجب
ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا علیؑ
اور فاطمہؑ اور ان کے دونوں صاحبزادے
اور[14] سعید بن منصور نے سعید
بن جبیر سے الا المودة فی القربی
کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ
وہ کہتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی قرابت مراد ہے۔
اور ابن جریر نے ابوالدیلم سے
روایت کی ہے۔ کہ جب علی
بن حسین قید کر کے لائے گئے۔
اور دمشق کی سیڑھیوں پر کھڑے
کیے گئے۔ تو ایک شخص نے کھڑے
ہو کر کہا۔ کہ اللہ کا شکر ہے کہ

قتلكم واستاميلكم	اس نے تمہیں قتل کرا دیا اور
فقال له علي بن الحسين	تمہاری بیخ کنی کردی۔ علی بن
رضي الله عنه اقرأت	حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے
القرآن قال نعم. قال	کہا کہ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟
اقرأت آل حٰمٓ قال لا.	اس نے کہا ہاں انہوں نے کہا
قال اما قرأت قل لا اسئلكم	کیا تو نے آل حم پڑھی ہے۔
عليه اجراً الا المودة	
في القربىٰ قال فانكم	اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا
لانتم هم. قال نعم.	کیا تو نے قل لا اسئلکم علیہ اجراً

الا المودۃ فی القربیٰ" نہیں پڑھی؟ اس نے کہا کیا وہ تمہیں ہو؟
انہوں نے کہا ہاں

واخرج[16] ابن ابي حاتم	اور[16] ابن ابی حاتم نے ابن عباس
عن ابن عباس ومن	سے "ومن یقترف حسنۃ" کی
يقترف حسنة قال	تفسیر میں روایت کیا ہے کہ
المودة لآل محمد.	انہوں نے کہا محبت آل محمد مراد ہے
واخرج[17] احمد والترمذي	اور[17] امام احمد نے اور ترمذی نے
وصححه والنسائي والحاكم	بہ تصریح صحت اور نسائی و
عن المطلب بن ربيعة	حاکم نے مطلب بن ربیعہ رضی
رضي الله عنه قال دخل	اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ
العباس على رسول الله	حضرت عباس رض رسول خدا صلی
صلى الله عليه وسلم	اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔
فقال انا لنخرج فنرى	اور کہنے لگے کہ ہم باہر نکلتے ہیں
قريشا تحدث فاذا	تو دیکھتے ہیں کہ قریش باہم باتیں

رأونا سكتوا فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرّ عرق بين عينيه ثم قال والله لا يدخل قلب امرءٍ مسلم ايمان حتى يحبكم الله ولقرابتي.

کر رہے ہیں۔ اور ہم کو دیکھتے ہی چپ ہو جاتے ہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا۔ اور وہ رگ جو دونوں آنکھوں کے درمیان تھی اُبھر آئی اور آپ نے فرمایا کہ واللہ کسی مسلمان کے دل میں ایمان نہیں داخل ہو سکتا یہاں تک کہ تم سے اللہ کے لئے اور بلحاظ میری قرابت کے محبت کرے۔

و[18] اخرج الترمذی وحسنه وابن الانباری فی المصاحف عن زید بن ارقم رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الآخر کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی

اور[18] ترمذی نے بتصریح حسن اور ابن انباری نے مصاحف میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس سے تمسک کرو گے۔ تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ دو چیزیں ہیں ایک کا رتبہ دوسرے سے زیادہ ہے۔ کتاب اللہ جو ایک رسی ہے۔ آسمان سے زمین کی طرف کی ہوئی۔ اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت۔ اور وہ دونوں ہرگز جدا جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک

فیہما۔

یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ پس خیال رکھنا کہ میرے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو۔

[19] واخرج الترمذی و حسنه والطبرانی و الحاکم و البیهقی فی الشعب عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم احبوا الله لما یغذوکم من نعمه واحبونی بحب الله واحبوا اهل بیتی بحبی۔

اور [19] ترمذی نے بتصریح حسن اور طبرانی و حاکم و بیہقی نے شعب میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت کرو بوجہ اس کے کہ اسکی نعمتیں تم پر نازل ہوتی ہیں۔ اور مجھ سے محبت کرو۔ بوجہ محبت خدا کے۔ اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری وجہ سے۔

[20] واخرج البخاری عن ابی بکر الصدیق رضی الله عنه قال ارقبوا محمدا صلی الله علیه وسلم فی اهل بیته۔

اور [20] بخاری نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھو ان کے اہل بیت میں۔

[21] واخرج ابن عدی عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ابغضنا اهل البیت فهو منافق۔

اور [21] ابن عدی نے ابو سعید سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمارے اہل بیت سے بغض رکھے تو وہ منافق ہے۔

وأخرج[۲۲] احمد و ابن حبان والحاكم عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذى نفسي بيده لا يبغضنا اهل البيت رجل الا ادخله الله النار۔

اور[۲۲] احمد وابن حبان وحاکم نے ابوسعید سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم اسکی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ ہمارے اہل بیت سے جو شخص بغض رکھے گا۔ اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

وأخرج[۲۳] الطبرانى و الخطيب من طريق ابي الضحى عن ابن عباس قال جاء العباس الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انك قد تركت فينا ضغائن منذ صنعت الذي صنعت فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا يبلغوا الخير او الايمان حتى يحبوكم۔

اور[۲۳] طبرانی وخطیب نے بذریعہ ابوالضحیٰ کے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ حضرت عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمارے درمیان میں کینے قائم کر دیئے۔ جب سے آپ نے یہ کام شروع کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نیکی کو، یا فرمایا ایمان کو نہیں حاصل کر سکتے۔ یہاں تک کہ تم لوگوں سے محبت کریں۔

وأخرج[۲۴] الخطيب من طريق ابي الضحى عن مسروق عن عائشة رضي

اور[۲۴] خطیب نے ابوالضحیٰ سے انہوں نے مسروق سے انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے

اللہ عنہا قالت اتی العباس	روایت کی ہے۔ وہ کہتی تھیں
بن عبد المطلب رسول اللہ	کہ عباس بن عبد المطلب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم۔	خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
فقال یا رسول اللہ انا لنعرف	آئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ
الضغائن فی اناس من	ہم اپنی قوم کے کچھ لوگوں میں
قومنا من وقائع اوقعنا	کینے محسوس کر رہے ہیں۔ بوجہ
ھا فقال اما واللہ انھم	ان واقعات کے جو ہم نے کیے۔
لن یبلغوا خیراً حتی	آپ نے فرمایا آگاہ رہو واللہ
یحبوکم لقرابتی یرجون	وہ لوگ بھلائی حاصل نہیں کر
سلیم شفاعتی ولا یرجوھا	سکتے یہاں تک کہ تم لوگوں سے
بنو عبد المطلب۔	بوجہ میری قرابت کے محبت

کریں۔ رعجب تماشہ ہے کہ وہ تو میری شفاعت کے امیدوار رہیں مگر بنی عبد المطلب اس کے امیدوار نہ ہوں۔

و اخرج ابن النجار۔ فی [۲۵]	اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں [۲۵]
تاریخہ عن الحسن بن	حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے
علی رضی اللہ عنہ قال	روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ
قال رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم لکل شیٔ	نے فرمایا ہر شے کی بنیاد ہوتی
اساس و اساس الاسلام	ہے اور اسلام کی بنیاد اصحاب
حب اصحاب رسول اللہ	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
صلی اللہ علیہ وسلم	محبت اور آپ کے اہل بیت
وحب اھل بیتہ۔	کی محبت ہے۔
و اخرج عبد بن حمید عن [۲۶]	اور عبد بن حمید نے حسن رضی [۲۶]

الحسن رضی اللہ عنہ فی قولہ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی قال ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألہم علی ھذا القرآن اجرًا ولکنہ امرھم ان یتقربوا الی اللہ بطاعتہ وحب کتابہ۔

و[۲۷] اخرج البیہقی فی شعب الایمان عن الحسن رضی اللہ عنہ فی الآیۃ قال کل من تقرب الی اللہ بطاعتہ وجبت علیہ محبتہ۔

و[۲۸] اخرج عبد بن حمید عن عکرمۃ فی الآیۃ قال کن لہ عشر امہات فی المشرکات کان اذا مر بھم اذوہ فی تنقیصھن وشتمھن فھم قولہ الا المودۃ فی القربٰی یقول لا تؤذونی

اللہ عنہ سے "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" کے متعلق روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کی تعلیم پر لوگوں سے اجرت نہیں مانگتے تھے۔ بلکہ آپ نے ان کو یہ حکم دیا کہ اللہ سے تقرب حاصل کریں۔ بذریعہ اس کی عبادت اور اس کی کتاب کی محبت کے۔

اور[۲۷] بیہقی نے شعب الایمان میں حسن رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا جو شخص بذریعہ اسکی عبادت کے تقرب حاصل کرنا چاہیے اس پر محبت خدا لازم ہے۔

اور[۲۸] عبد بن حمید نے عکرمہ سے اسی آیت کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس مائیں تھیں جب آپ کا گزر ا مشرکوں کی طرف ہوتا تو وہ انہیں ماؤں کی توہین وبدگوئی کرکے آپ کا دل دکھلاتے۔ یہی مطلب ہے۔ الا المودۃ فی

فی قرابتی — القربیٰ کا کہ تم مجھے میری قرابت کے متعلق ایذا نہ دو۔

ف :۔ تفسیر درمنثور میں اگرچہ جمع روایات کا التزام ہے۔ تصحیح و تقسیم روایات سے تعرض کرنا ان کے ملتزمات سے باہر ہے مگر پھر بھی جمع روایات اس سلیقہ سے ہے کہ جاننے والا نتیجہ نکال لیتا ہے۔ سب سے پہلے اسی قول مختار کو ذکر کیا ہے۔ اور اس کی متعدد روایات کتب معتبرہ سے نقل کر کے اس کا راجح ہونا بنا دیا ہے۔ اور قول ضعیف کی بعض روایات پر جرح بھی کی ہے۔

(۹) تفسیر فتح البیان میں ہے۔

سورۃ الشوریٰ وتسمّی سورۃ حٰمٓ عٓسٓقٓ وسورۃ شوریٰ من غیر الف و لام وسورۃ حم عسق وھی ثلث وخمسون ایۃ وھی مکیۃ کلھا قال ابن عباس وابن الزبیر و کذا قال الحسن وعکرمۃ وعطاء وجابر وروی عن ابن عباس وقتادۃ انھا مکیۃ الا اربع ایات منھا نزلت بالمدینۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ الیٰ اخرھا۔

سورۂ شوریٰ جس کا نام سورہ حٰم عسق بھی ہے۔ اس میں ترپن آیتیں ہیں۔ اور وہ مکی ہے پوری سورت۔ یہ ابن عباس اور ابن زبیر کا قول ہے۔ اور حسن و عکرمہ و عطاء و جابر نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ ابن عباس و قتادہ سے مروی ہے۔ کہ یہ سورت مکی ہے باستثناء چار آیتوں کے۔ کہ وہ مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ الی آخرہا۔

ف : صحیح قول وہی ہے۔ کہ پوری سورت مکی ہے۔ ایک آیت بھی مستثنیٰ نہیں۔ اسی وجہ سے اس قول کو بصیغہ جزم بیان کیا۔ اور دوسرے قول کو بصیغہ تمریض۔ پھر اسی تفسیر میں آیت مبحوثہ کے متعلق وہ تمام اقوال بیان کرکے فیصلہ اس طرح لکھا ہے۔

والمعنى الاول هو الذى صح عنه ورواه عنه الجمع الجم من تلامذته فمن بعدهم ولا ينافيه ما روى عنه من النسخ فلا مانع من ان يكون قد نزل القرآن فى مكة بان يود كفار قريش لما بينه وبين القريش من القربى ويحفظوه بها ثم ينسخ ذلك ويذهب هذا الاستثناء من اصله كما يدل عليه ما ذكرنا مما يدل عليه على انه لم يسأل على التبليغ اجرا على اعلان ولا يقوى ما روى من حملها على آل محمد صلى الله عليه وسلم على معارضة ما صح

اور پہلا ہی مطلب بسند صحیح ابن عباس سے منقول ہے۔ اور ان سے ان کے شاگردوں وغیرہ کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔ اور ان سے جو قول منقول ہے۔ وہ اس کے منافی نہیں۔ کون مانع ہے۔ کہ مکہ میں یہ حکم قرآنی نازل ہوا ہو۔ کہ کفار قریش آپ سے محبت کریں۔ بوجہ اس قرابت کے جو آپ کے اور ان کے درمیان میں تھی۔ اور آپ کی حفاظت کریں۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو جائے اور استثناء بالکل جاتا رہا ہو۔ جیسا کہ ہماری منقولہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے کبھی تبلیغ کے عوض میں اجرت نہیں مانگی۔ اور جن لوگوں نے اس آیت کو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

عن ابن عباس من تلك الطرق الكثيرة وقد اغنى الله آل محمد عن هذا بما لهم من الفضائل الجليلة والمزايا الجميلة وقد بينا ذلك عند تفسيرنا لقوله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت وكما لا يقوى هذا على المعارضة فكذا لا يقوى ما روى عنه من ان المراد بالمودة ان يودوا الله وان يتقربوا اليه بطاعته ولكنه يشد من عضده هذا انه تفسير مرفوع الى رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

محمول کیا ہے۔ ان کا قول اس قابل نہیں کہ ابن عباس سے جو روایت اتنی بہت سندوں کے ساتھ منقول ہے اس کا معارضہ کر سکے۔ اور خدا نے آل محمد کو ایسی روایات سے بے نیاز کر دیا ہے۔ بوجہ ان فضائل جلیلہ اور مناقب جمیلہ کے۔ جو ان کو حاصل ہیں۔ اور ہم نے ان کو انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اور جس طرح یہ قول معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح وہ قول بھی معارضہ کی طاقت نہیں رکھتا کہ مراد مودت سے یہ ہے کہ اللہ سے محبت کریں۔ اور بذریعہ اس عبادت کے اس سے تقرب حاصل کریں۔ مگر اس کو اس بات سے قوت دی جاتی ہے۔ کہ وہ تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہے۔

ف:۔ اس تفسیر میں بھی نہایت توضیح کے ساتھ قول اول کا صحیح ہونا اور جماعت عظیمہ کی روایت سے منقول ہونا مذکور ہے۔

(۱۰) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں رقم فرماتے ہیں:۔

ذکر فیہ حدیث طاؤس

بخاری نے اس باب میں طاؤس

عن ابن عباس سئل عن
تفسيرها فقال سعيد
بن جبير قربى آل محمد
فقال ابن عباس عجلت
اى اسرعت فى التفسير
وهذا الذى جزم به
سعيد بن جبير قد جاء
عنه من روايته عن ابن
عباس مرفوعا فاخرج
الطبرى[1] وابن ابى حاتم
من طريق قيس بن الربيع
عن الاعمش عن سعيد
بن جبير عن ابن عباس
قال لما نزلت قالوا يا رسول
الله من قرابتك الذين
وجبت علينا مودتهم
الحديث واسناده ضعيف
وهو ساقط لمخالفته
هذا الحديث الصحيح
والمعنى الا ان تودونى
لقرابتى فتحفظونى ف
الخطاب لقريش خاصة.

کی روایت ذکر کی ہے۔ جو ابن
عباس سے منقول ہے۔ کہ ان
سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی۔
تو سعید بن جبیر بول اٹھے کہ قرابت
مندان آل محمد مراد ہیں ابن عباس
نے فرمایا کہ تم نے عجلت کی۔ یعنی
تفسیر بیان کرنے میں جلدی کی۔
یعنی تفسیر تمہاری صحیح نہیں ہے،
یہ قول جو سعید بن جبیر نے بیان کیا
بواسطہ سعید ابن عباس سے مرفوعاً
بھی روایت کیا گیا ہے چنانچہ
طبری نے اور ابن حاتم نے بروایت
قیس بن ربیع اعمش سے انہوں
نے سعید بن جبیر سے انہوں نے
ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا
ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
تو صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ
آپ کے قرابت والے کون ہیں۔
جن کی محبت ہم پر واجب ہے
الی آخر الحدیث۔ مگر سند اس
روایت کی ضعیف ہے اور یہ
روایت قابل اعتبار نہیں۔ بوجہ اس

---

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر میں اسی طرح ہے۔ مگر صحیح لفظ بجائے طبری کے طبرانی ہے۔

والقربى قرابة
العصوبة والرحم
فكانه قال احفظوني
للقرابة ان لم تتبعوني
للنبوة ثم ذكر ما تقدم
عن عكرمة في سبب
نزول[1] بياض باصله
وقد جزم بهذا التفسير
جماعة من المفسرين و
استندوا الى ما ذكرته
عن ابن عباس من
الطبراني وابن ابي حاتم
واسناده واه فيه ضعيف
ورافضي وذكر الزمخشري
ههنا احاديث ظاهر
وضعها ورده الزجاج
بما صح عن ابن عباس
من رواية طاؤس في
حديث الباب وبما
نقله الشعبي عنه وهو
المعتمد وجزم بان

کے کہ اُس حدیث صحیح کے مخالف
ہے، اور روایت کا صحیح مطلب
یہ ہے کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا.
سوا اس کے کہ مجھ سے محبت کرو
بوجہ میری قرابت کے۔ اور میری
حفاظت کرو. خطاب صرف
قریش سے ہے۔ اور قرابت سے
مراد پدری اور مادری رشتہ
داریاں ہیں۔ گویا یہ فرمایا کہ میری
حفاظت بخیال قرابت کرو۔ اگر
بوجہ نبوت کے میری اتباع نہیں
کرتے پھر عکرمہ سے سبب نزول
میں وہی مضمون سابق نقل کیا
ہے۔ اور اس تفسیر کو چند مفسروں
نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے
اسی روایت سے استدلال کیا
ہے۔ جو میں نے ابن عباس سے
بحوالہ طبرانی و ابن ابی حاتم نقل
کی۔ مگر سند اس کی واہی ہے۔
اس میں ایک راوی ضعیف اور
رافضی ہے۔ اور زمخشری نے اس

[1] یہاں فتح الباری کی عبارت کچھ مختصر ہے۔ چنانچہ مصری نسخہ میں جو میرے پاس ہے۔ سبب نزول کے بعد بیاض چھوڑی ہے۔ اور مصحح نے لکھا ہے کہ بیاض باصلہ۔ مگر مطلب ظاہر ہے ۱۲۔

الاستثناء منقطع وفی
سبب نزولها قول آخر
ذکره الواحدی عن
ابن عباس قال لما قدم
النبی صلی الله علیه وسلم
المدینة کانت تنوبه
نوائب ولیس بیده شئ
فجمع الانصار مالا فقالوا
یارسول الله انک ابن
اختنا وقد هدانا الله
بك وتنوبك النوائب
وحقوق ولیس لك سعة
فجمعنا لك من اموالنا
ما تستعین به علینا
فنزلت هذا من روایة
الکلبی ونحوه من
الضعفاء واخرج من
طریق مقسم عن ابن
عباس ایضا قال بلغ
النبی صلی الله علیه
وسلم عن الانصار شئ
فخطب فقال الم تکونوا
ضلالا فهداکم الله

مقام پر کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں۔
جن کا موضوع ہونا ظاہر ہے۔
اور زجاج نے روایت کر دیا
ہے۔ بذریعہ اس روایت
کے۔ جو ابن عباس نے اس
باب میں منقول ہے۔ اور
بذریعہ اس روایت کے جو شعبی
نے ابن عباس سے نقل کی ہے۔
اور وہ روایت معتبر ہے اور
انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ یہ
استثناء منقطع ہے۔ اور اس
کے سبب نزول میں ایک قول
اور ہے جس کو واحدی نے ابن
عباس سے نقل کیا ہے۔ کہ
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ
میں آئے۔ تو آپ کو ضرورتیں
پیش آتی تھیں۔ اور آپ کے
پاس کچھ نہ تھا۔ تو انصار نے
آپ کے لئے مال جمع کیا۔ اور
کہا کہ یا رسول اللہ آپ ہمارے
بھانجے ہیں۔ اور خدا نے آپ کے
ذریعہ سے ہمیں ہدایت کی ہے۔
آپ کو حاجتیں اور ضرورتیں

لي الحديث . وفيه فجثوا
على الركب وقالوا انفسنا و
اموالنا لك فنزلت و
هذا ايضاً ضعيف ويبطله
ان الآية مكية والاقوى
في سبب نزولها ما روى
عن قتادة قال قال
المشركون لعل محمدًا
يطلب اجرًا على ما يتعا
طاه فنزلت وزعم بعضهم
ان هذه الآية منسوخة
ورده الثعلبي بان الآية
دالة على الامر بالتودد
الى الله بطاعته او باتباع
نبيه او صلة رحمه بترك
اذيته او صلة اقاربه من
اجله وكل ذلك مستمر
الحكم غير منسوخ و
الحاصل . ان سعيد بن
جبير ومن وافقه كعلي
بن الحسين والسدي
وعمرو بن شعيب فيما
اخرجه الطبري عنهم

درپیش رہتی ہیں ۔ اور آپ کو
وسعت نہیں ہے لہذا ہم نے
آپ کے لئے مال جمع کر دیا ہے
جس سے آپ اپنی حاجت روائی
کریں ۔ مگر یہ روایت کلبی اور
انہیں جیسے لوگوں کی ہے ۔ اور
انہوں نے بواسطہ مقسم کے ابن
عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے ۔
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار
کی طرف سے کچھ شکایت پہنچی ۔
تو آپ نے خطبہ پڑھا ۔ اور
فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے ۔ خدا
نے تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت
کی ! الی آخر الحدیث ۔ اسی میں
یہ مضمون بھی ہے ۔ کہ وہ لوگ
گھٹنوں کے بل گر گئے ۔ اور کہا
کہ ہماری جانیں اور ہمارے
مال آپ ہی کے لئے ہیں ۔ پس یہ
آیت نازل ہوئی یہ روایت بھی
ضعیف ہے ۔ اور ان سب
روایات کو باطل کرتی ہے یہ بات
کہ آیت مکی ہے ۔ اور قوی روایت
اس کے سبب نزول میں قتادہ

حملوا الآية على امر
المخاطبين بان يوادوا اقارب
النبي صلى الله عليه وسلم
وابن عباس حملها على
ان يوادوا النبي صلى الله
عليه وسلم من اجل
القرابة التي بينهم و
بينه فعلى الاول الخطاب
عام لجميع المكلفين وعلى
الثاني الخطاب خاص
لقريش ويؤيد ذلك ان
السورة مكية وقد قيل
ان هذه الاية
نسخت بقوله قل ما
اسئلكم عليه من
اجر ويحتمل ان يكون
هذا ما خص بما
دلت اية الباب
والمعنى ان قريشا
كانت تصل ارحامها
فلما بعث النبي صلى الله
عليه وسلم قطعوه فقال
صلوني كما تصلون

سے مروی ہے کہ مشرکوں نے کہا
شاید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ
اجرت چاہتے ہوں۔ بمعاوضہ
اس کام کے جو کرتے ہیں۔ پس
یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بعض
لوگوں نے کہا ہے۔ کہ یہ آیت
منسوخ ہے۔ اور اس کو ثعلبی
نے رد کر دیا ہے۔ کہ یہ آیت
یا تو اللہ سے تقرب حاصل کرنے
اور اس کی اطاعت اور اس کے
نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے۔ یا
آپ کے صلہ رحم کا حکم دیتی ہے۔
بایں طور کہ آپ کو اذیت نہ دی
جائے۔ یا آپ کی وجہ سے آپکے
اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کا
حکم دیتی ہے۔ اور یہ سب باتیں
قائم ہیں۔ منسوخ نہیں ہیں خلاصہ
یہ کہ سعید بن جبیر اور جو لوگ
ان کے موافق ہیں مثل امام زین
العابدین اور سدی اور عمرو بن
شعیب کے جیسا کہ طبری نے ان
سے روایت کیا ہے۔ ان لوگوں نے
آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے۔

غيرى من اقاربكم وقد روى سعيد بن منصور من طريق الشعبى قال اكثروا علينا فى هذه الاية فكتبت الى ابن عباس اسأله عنها فكتب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان واسط النسب فى قريش لم يكن حى من احياء قريش الا ولده فقال الله قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربى تودونى لقرابتى منكم وتحفظونى فى ذلك وفيه قول ثالث اخرجه احمد طريق عن ابن عباس ايضا ان النبى صلى الله عليه وسلم قال قل لا اسئلكم عليه اجرا على ما جئتكم به من البينات والهدى

کہ مخاطبین کو حکم ہو رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے محبت کرو۔ اور ابن عباس نے اس بات پر محمول کیا ہے۔ کہ مخاطبین کو حکم ہو رہا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے محبت کرو۔ اور ابن عباس نے اس بات پر محمول کیا ہے۔ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں بوجہ اس قرابت کے جو آپ کے اور ان کے درمیان میں تھی۔ پس پہلی صورت میں خطاب جمیع مکلفین کو شامل ہے۔ اور دوسری صورت میں خطاب صرف قریش سے ہوگا اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر سے۔ اور یہ بھی احتمال ہے۔ کہ وہ آیت عام ہو۔ اور آیت مبحوثہ سے اس کی تخصیص ہو گی ہو۔ مطلب

إلّا ان تقربوا الى الله -
بطاعته و اسناده ضعيف
وثبت عن الحسن البصري
نحوه والاعلى هذا
مجاز وقوله القربى
هو مصدر كالزلفى
والبشرى بمعنى القرابة
والمراد في اهل القربى
وعبّر بلفظ في دون
اللام كانه جعلهم
مكانا للمودة و مقرًا
لها كما يقال "لي في
آل فلان هوى ، اي
هم مكان هواى و
يحتمل ان تكون في
سببية وهذا على ان
الاستثناء فان
كان منقطعًا فالمعنى
لا اسئلكم عليه اجرًا
قط ولكن ان تودوني
بسبب قرابتي
فيكم -

یہ ہے کہ قریش اپنی قرابتوں کا
صلہ کرتے تھے جب نبی صلی اللہ
علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں
نے قطع قرابت کر دیا۔ آپ نے
فرمایا کہ مجھ سے بھی صلہ کرو۔ جس
طرح اوروں سے صلہ کرتے ہو۔
اور سعید بن منصور نے شعبی سے
روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے۔
لوگوں نے ہم سے اس آیت کے
متعلق بہت پوچھا۔ تو ہم نے
ابن عباس کو خط لکھ کر دریافت
کیا۔ انہوں نے لکھا۔ کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں متوسط
النسب تھے کوئی قبیلہ قبائل قریش
میں سے ایسا نہ تھا جس سے آپ
کا نسب نہ ہو۔ لہذا اللہ نے فرمایا
کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کی کچھ
اُجرت نہیں مانگتا۔ بلکہ مودۃ
فی القربیٰ چاہتا ہوں۔ یعنی یہ کہ
تم مجھ سے محبت کرو بوجہ اس
قرابت کے جو تم سے ہے اور
میری حفاظت بھی اسی خیال
سے کرو۔ یہاں ایک تیسرا قول اور

ہے جس کو امام احمد نے مجاہد سے۔ انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے اس پر یعنی جو بینات وہدایت میں لایا ہوں۔ اس کے معاوضہ میں کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ تم اللہ سے تقرب حاصل کرو بذریعہ اس کی عبادت کے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اور حسن بصری سے بھی اسی کے مثل منقول ہے۔ اس صورت میں اجر بمعنی مجازی ہے۔ اور قربیٰ مصدر ہے مثل زلفیٰ اور بشریٰ کے بمعنی قرابت اور مراد قربیٰ سے۔ اہل قربیٰ ہیں۔ اور لفظ فی کا استعمال ہوا۔ بنزلام کا۔ گویا کہ ان لوگوں کو مکان محبت اور مقر محبت قرار دیا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "لی فی آل فلان ہویٰ" یعنی وہ لوگ میری محبت کے مکان ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ فی سببیہ ہو۔ یہ تقریر اس بناء پر ہے۔ کہ استثناء متصل ہو۔ اور اگر منقطع ہو تو معنی یہ ہونگے کہ میں تم سے بالکل اجرت نہیں مانگتا۔ بلکہ تم سے یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے محبت کرو۔ بہ سبب میری قرابت کے جو تم میں ہے۔

ف:۔ دیکھو حافظ الحدیث شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے اپنی اس کتاب میں جو بخاری کی شرح میں ایسی بے نظیر مانی گئی ہے کہ اُمت پر بخاری کی شرح قرض تھی۔ اور وہ قرض اس کتاب نے ادا کیا۔ کس تصریح کے ساتھ محبت اہل بیت والے قول کو رد کیا ہے۔ اور اس کی روایت کو سنداً و متناً دونوں طرح مجروح کر دیا۔ سنداً تو اس طرح کہ اس کی سند کو ضعیف اور واہی کہا۔ اس کے ایک راوی کو ضعیف اور رافضی بتایا۔ اور بعض روایات کو ظاہر الوضع فرمایا۔ اور اس طرح کہ اس کے مضمون کو احادیث صحیحہ معتمد کے خلاف کہا۔

(۱۱) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر شہیر بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں۔

وقولہ عزوجل قل لا اسئلکم — قولہ عزوجل قل لا اسئلکم علیہ اجرا

عليه اجرًا الا المودة في القربى اى قل يا محمد لهؤلاء المشركين من كفار قريش لا اسئلكم على هذا البلاغ والنصح لكم مالًا تعطونيه وانما اطلب منكم ان تكفوا شركم عنى وتذروني ابلغ رسالات ربي ان لم تنصروني فلا تؤذوني بما بيني وبينكم من القرابة -

الا المودة فی القربیٰ ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کفار قریش سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ اور نصیحت کے عوض میں کچھ مال نہیں مانگتا کہ تم مجھ کو دو ۔ میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایذا نہ پہنچاؤ ۔ اور مجھے چھوڑ دو ۔ تاکہ میں اپنے پروردگار کے احکام پہنچاؤں ۔ میری مدد نہیں کرتے تو نہ کرو ۔ مگر مجھے ایذا تو نہ دو بسبب اس قرابت کے جو میرے تمہارے درمیان میں ہے ۔

اس کے بعد صحیح بخاری وغیرہ سے دلائل ابن مطلب کے نقل کرکے اور امام زین العابدین وغیرہ سے جو مطلب منقول ہے ۔ اس کی روایت کا ضعیف و ناقابل اعتبار ہونا بیان کرکے لکھتے ہیں :۔

وذكر نزول الاية في المدينة بعيد فانها مكية ۔

اور یہ کہنا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی ۔ بعید از صحت ہے ۔ کیونکہ یہ آیت مکی ہے ۔

پھر کہتے ہیں :۔

والحق تفسير هذه الاية بما فسرها حبر الامة وترجمان

اور صحیح تفسیر اس آیت کی وہی ہے جو حبر الامۃ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

القرآن عبد اللہ بن	نے بیان کی ہے۔ جیسا کہ ان
عباس رضی اللہ عنہم	سے بخاری نے روایت کیا ہے۔
کما رواہ عنہ البخاری	

ف :۔ دیکھو کس تصریح کے ساتھ اس جلیل الشان محدث نے اسی ایک قول کو جو اہل سنت کا مختار ہے۔ حق کہہ کر اس کے خلاف کا باطل ہونا ظاہر کر دیا۔ اور پوری سورت کے مکی ہونے کو بیان کر دیا۔

(۱۲) تفسیر روح البیان میں ہے :۔

المودۃ مودۃ الرسول علیہ	مودۃ سے مراد رسول علیہ السلام
السلام وذلک لانہ	کی محبت ہے۔ یہ اس وجہ سے
لا یجوز من النبی علیہ	کہ نبی علیہ السلام کے لئے جائز
السلام ان یطلب الاجر	نہیں کہ تبلیغ رسالت کی اجرت
ایا کان علی تبلیغ الرسالۃ	طلب کریں جو کچھ بھی ہو۔
لان الانبیاء لم	کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے
یطلبوہ ۔	اجرت نہیں مانگی۔

(۱۳) علامہ شہاب الدین الوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

قل لا اسئلکم علیہ ای	کہیئے میں تم سے اس پر یعنی جو چیز
علی ما اتعاطاہ لکم	میں تمہیں تعلیم کرتا ہوں از قسم
من التبلیغ والبشارۃ	تبلیغ و بشارت وغیرہ۔ اس کے
وغیرھما اجرًا ای	عوض میں کچھ اجرت یعنی کسی قسم
نفعاما و یختص فی	کا نفع نہیں مانگتا۔ اور اجرت
العرف بالمال الا المودۃ	عرف میں مال کے ساتھ۔
ای الا مودتکم ایای فی	مخصوص ہے۔ اور المودۃ فی القربیٰ

القربیٰ ای لقرابتی منکم۔	کا مطلب یہ ہے۔ کہ مجھ سے محبت کرو قرابت کے بارے میں۔ یعنی بوجہ اس کے کہ مجھے تم سے قرابت ہے۔
والیٰ ھذا المعنیٰ ذھب مجاھد وقتادۃ وجماعۃ	اور اسی معنیٰ کو مجاہد اور قتادہ اور ایک جماعت نے اختیار کیا ہے

پھر جو روایات اس کے متعلق ہیں۔ ان کو ذکر کرکے اور دوسرے معانی کو بیان کرکے اور ان کی تضعیف و تقسیم کے بعد آخری فیصلہ لکھتے ہیں:۔

وقد ذھب الجمھور الی المعنی الاول وقیل فی ھذا المعنی انہ لاینا سب شان النبوۃ لما فیہ من التھمۃ فان اکثر طلبۃ الدنیا یفعلون شیئًا ویسألون علیہ ما یکون فیہ نفع لا ولادھم وقراباتھم وایضًا لہ منافاۃ بقولہ تعالیٰ وما تسألھم علیہ من اجر۔	جمہور نے پہلے معنیٰ کو اختیار کیا۔ دوسرے معنیٰ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ شان نبوت کے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں تہمت کی بات ہے۔ اکثر طالبان دنیا کا شیوہ ہوتا ہے کہ کوئی کام کرتے ہیں۔ تو اس میں چاہتے ہیں۔ کہ ان کی اولاد اور ان کے اہل قرابت کا نفع ہو۔ نیز یہ منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے۔ کہ تو ان سے کچھ اجرت نہیں مانگتا۔
وھو اولی بذلک لانہ افضل ولانہ صرح بنفیہ فی قولہ	اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت نہ مانگنے کے زیادہ سزاوار ہیں کیونکہ افضل الانبیاء ہیں۔

قل ما اسئلکم علیہ من اجر - اور نفی اجرت کی تصدیق اللہ تعالےٰ کے قول قل ما اسئلکم علیہ من اجر میں موجود ہے -

تفسیر سراج المنیر میں بھی پہلا قول اسی کو قرار دیا ہے - اور نفی اجر کی کی ہے۔ گویا خلاصہ تفسیر کبیر کا ہے -

(۱۴) غایۃ البرہان میں ہے :-

(۱۵) فرمایا میں نہیں چاہتا ہوں تم سے اس پر اجر - مگر محبت ، قرابت داری کہ وہ بار بار مقتضی خیر خواہی ہے - یہ استثنا منقطع ہے - اور آیت رقبل از پیدائش امام حسن وحسین علیہما السلام ، مکیہ ہے - مکہ میں نازل ہوئی -

(۱۶) حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن میں بذیل ترجمہ آیت مبحوثہ لکھتے ہیں :-

" نگویمی طلبم از شما بر تبلیغ قرآن ، ہیچ مزدے - لیکن باید کہ بپیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان " -

اور پھر اس پر حاشیہ لکھتے ہیں : کہ

" یعنی با من صلہ رحم کنید وایذا نہ رسانید "

(۱۷) حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنے ترجمہ ، قرآن میں لکھتے ہیں :-

کہ " نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلا ، مگر دوستی بیچ قرابت کے "

(۱۸) حضرت شاہ عبدالقادر اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں :-

" تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیگ - مگر دوستی چاہیئے ناتے میں " ، اور اس پر حاشیہ لکھتے ہیں ، " یعنی قرآن پہنچانے پر نیگ نہیں مانگتا - مگر قرابت کی دوستی یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدی نہ کرو -

(۱۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں بجواب شیخ علی امام اعظم شیعہ فرماتے ہیں :-

قال الرافضی البرهان السابع فی قوله تعالیٰ قل لا اسئلکم علیه اجرًا الا المودة فی القربیٰ۔ روی احمد بن حنبل فی مسنده عن ابن عباس قال لما نزلت قل لا اسئلکم علیه اجرًا الا المودة فی القربیٰ قالوا یارسول الله من قرابتك الذین وجبت علینا مودتهم قال علی وفاطمة وکذلك فی تفسیر الثعلبی ونحوه فی الصحیحین وغیر علی من الصحابة والثلثة لا تجب مودته فیکون علی افضل فیکون هو الامام ولان مخالفته تنافی المودة وبامتثال اوامره تکون مودته فیکون واجب الطاعة و معنی الامامة۔

والجواب من وجوه۔

رافضی کہتا ہے۔ کہ ساتواں برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ۔ احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے۔ کہ جب قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ" نازل ہوئی۔ تو لوگوں نے کہا یارسول اللہ آپ کے قرابت والے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے آپ نے فرمایا علیؓ اور فاطمہؓ اور ایسا ہی تفسیر ثعلبی میں ہے۔ اور اسی کے مثل صحیحین میں ہے۔ اور علیؓ کے سوا کسی صحابی کی اور خلفائے ثلاثہ کی محبت واجب نہیں۔ لہذا علیؓ افضل ہوئے پس وہی امام ہوں گے۔ اور چونکہ ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے۔ اور ان کے احکام کے ماننے ہی سے ان کی محبت ہوسکتی ہے۔ لہذا وہ واجب الطاعۃ ہوئے۔ یہی معنی امامت کے ہیں۔

اور جواب کئی طور پر ہے۔ اول

أخذ هاالمطالبة بصحة
هذا الحديث وقوله
أن أحمد روى هذا
كذب بين فان مسند
أحمد موجود به من
النسخ ما شاء الله ليس
فيه هذا الحديث و
أظهر من ذلك كذبا
قوله ان هذا في
الصحيحين وليس هو
في الصحيحين بل
فيهما وفي المسند ما
يناقض ذلك ولا ريب
ان هذا الرجل وامثاله
جهال بكتب أهل العلم
لا يطالعونها ولا يعلمون
ما فيها ورأيت بعضهم
جمع لهم كتابا في احاديث
من كتب متفرقة معزوة
تارة الى الصحيحين و
تارة الى مسند أحمد و
تارة الى المغازي والموفق
خطيب خوارزم والثعلبي

یہ کہ اس حدیث کی صحت کا ثبوت
مانگا جائے۔ اور رافضی کا یہ کہنا
کہ امام احمد نے اس حدیث کو
روایت کیا ہے۔ کذب
صریح ہے۔ امام احمد کے مسند
کے بے تعداد نسخے موجود ہیں
ان میں یہ حدیث کہیں نہیں
ہے۔ اور اس سے زیادہ
واضح جھوٹ اس کا یہ قول ہے
کہ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔
حالانکہ یہ حدیث صحیحین میں
نہیں ہے۔ بلکہ صحیحین میں اور
مسند میں اس کے خلاف
روایت موجود ہے۔ اس میں
کچھ شک نہیں کہ یہ شخص اور
اس کے مثل دوسرے کسی اہل
علم کی کتابوں سے جاہل ہیں۔ نہ
ان کا مطالعہ کرتے ہیں نہ جانتے
ہیں کہ ان میں کیا ہے۔ میں نے
ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا
ہے۔ کہ انہوں نے ایک کتاب
لکھی ہے جس میں متفرق کتابوں
کی حدیثیں ہیں کوئی صحیحین کی

وامثاله وسماه الطرائف
في الرد على الطوائف و
آخر صنف كتابا لهم
سماه العمدة واسم
مصنفه ابن البطريق
وهؤلاء مع كثرة
الكذب فيما يروونه فهم
امثل حالاً من ابي جعفر
محمد بن علي الذي صنف
لهم وامثاله فان هؤلاء
يروون من اكاذيب ما
لا يخفى الا على من هو
من اجهل الناس ورايت
كثيرا من ذلك المعزو
الذي عزاه اولئك
الى المسند والصحيحين
وغيرهما باطلا لا حقيقة
له يعزون الى مسند
احمد ماليس فيه
اصلا لكن احمد صنف
كتابا في فضائل ابي بكر
وعمر وعثمان وعلي و
قد يروي في هذا الكتاب

طرف منسوب ہے۔ کوئی مسند
امام احمد کی طرف، کوئی مغازی
اور کوئی موفق خطیب خوارزم
کی طرف اور ثعلبی وغیرہ کی طرف
اس کتاب کا نام الطرائف فی
الرد علی الطوائف ہے۔ اور
ایک اور شخص نے اور کتاب
لکھی ہے جس کا نام عمدہ ہے۔
اور اس کے مصنف کا نام ابن
بطریق ہے۔ یہ لوگ اپنے مرویات
میں بکثرت جھوٹ بولنے پر بھی
ابو جعفر یعنی محمد بن علی وغیرہ سے
بہتر ہیں۔ جس نے ان کے مذہب
کی کتابیں لکھی ہیں۔ کیونکہ ابو جعفر
وغیرہ تو ایسی ایسی جھوٹ باتیں
روایت کرتے ہیں۔ جو سوا اس
شخص کے جو اجہل الناس ہو۔
کسی پر مخفی نہیں۔ ان لوگوں نے
جو حدیثیں مسند اور صحیحین وغیرہ
کی طرف منسوب کی ہیں۔ ان میں
سے بہت حوالوں کو میں نے
غلط بے اصل پایا۔ مسند کے حوالے
سے کوئی حدیث لکھتے ہیں۔ حالانکہ

ماليس في المسند و
ليس كل مارواه احمد
في المسند وغيره
يكون حجة عنده بل
يروي مارواه اهل
العلم وشرطه في
المسند ان لا يروي
عن المعروفين بالكذب
عنده وان كان في ذلك
ماهو ضعيف وشرطه
في المسند مثل شرط
في المسند مثل شرط
ابي داود في سننه
واماكتب الفضائل فيروي
ماسمعه من شيوخه
سواء كان صحيحا او
ضعيفا فانه لم يقصد
ان لا يروي في ذلك الا
ماثبت عنده ثم زاد
ابن احمد زيادات وزاد
ابوبكر القطيعي زيادات
وفي زيادات القطيعي احاديث
كثيرة موضوعة فظن

وہ اس میں نہیں ہوتی۔ ہاں
امام احمد نے ایک کتاب
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ
و علیؓ کے فضائل میں تصنیف
کی ہے۔ اور اس کتاب میں
بعض حدیثیں انہوں نے ایسی
لکھی ہیں۔ جو مسند میں نہیں ہیں یہ
اور مسند وغیرہ میں جو حدیثیں
امام احمد لکھتے ہیں تو کچھ ضروری
نہیں۔ کہ ان کے نزدیک معتبر
ہوں۔ بلکہ جو حدیثیں اور علماء
نے روایت کی ہیں۔ ان کو وہ
بھی روایت کرتے ہیں۔ شرط ان
کی مسند میں صرف اس قدر ہے۔
کہ جو لوگ ان کے نزدیک جھوٹے
ثابت ہو چکے۔ ان سے روایت
نہ لیں۔ اور سب سے لیں۔
اگرچہ وہ ضعیف ہوں۔ اور
ان کے شروط مسند میں مثل
ابوداؤد کی شرط کے ہے سنن
میں باقی رہیں کتب فضائل۔ ان
میں وہ تمام حدیثیں روایت
کر دیتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے

ذلك الجاهل ان تلك
من رواية احمد وانه
رواها في المسند و
هذا اخطاء قبيح فان
الشيوخ المذكورين
شيوخ القطيعي كلهم
متاخرون عن احمد وهم
ممن يروي عن احمد
لا ممن يروي احمد
عنه - وهذا مسند
احمد وكتاب الزهد و
كتاب الناسخ والمنسوخ
وكتاب التفسير وغير
ذلك من كتبه يقول حدثنا
وكيع حدثنا عبد الرحمن
بن مهدي حدثنا سفيان
حدثنا عبد الرزاق فهذا
احمد وتارة يقول حدثنا
ابو معمر القطيعي حدثنا
علي بن الجعد حدثنا
ابو نصر التمار فهذا عبد الله
وكتابه في فضائل الصحابة
له فيه هذا وهذا وفيه

اساتذہ سے سنیں۔ خواہ وہ صحیح
ہوں یا ضعیف۔ کیونکہ انہوں نے
یہ ارادہ نہیں کیا کہ جو حدیث
ان کے نزدیک ثابت ہو۔ اسی
کو روایت کریں۔ پھر امام احمد
کے بیٹے نے کچھ حدیثیں بڑھائی
ہیں اور ابو بکر قطیعی نے کچھ حدیثیں
بڑھائی ہیں۔ قطیعی کی بڑھائی
ہوئی حدیثوں میں بہت موضوع
ہیں۔ اس جاہل نے یہ سمجھ لیا کہ
ان تمام مرویات کو امام احمد نے
لکھا ہے۔ اور انہوں نے اپنے
مسند میں روایت کیا ہے حالانکہ
یہ خطائے قبیح ہے۔ کیونکہ جن
اساتذہ کا نام بتایا گیا ہے۔ وہ
سب قطیعی کے اساتذہ ہیں۔ جو
امام احمد کے بعد کے ہیں۔ اور
وہ ان لوگوں میں ہیں۔ جو امام
احمد سے روایت کرتے ہیں۔ نہ
ان لوگوں میں جن سے امام
احمد روایت کریں۔ امام احمد
کا مسند انکی کتاب الزہد
کتاب الناسخ والمنسوخ اور

من زيادات القطيعي يقول حدثنا احمد بن عبد الجبار الصوفي وامثاله ممن هو مثل عبد الله بن احمد في الطبقة وهو ممن غايته ان يروي عن احمد فان احمد ترك الرواية في آخر عمره لما طلب الخليفة ان يحدثه ويحدث ابنه ويقيم عنده فخاف على نفسه من الحديث مطلقاً ليسلم من ذلك لانه قد حدث بما كان عنده قبل ذلك فكان يذكر الحديث باسناده بعد شيوخه ولا يقول حدثنا فلان فكان من يسمعون منه ذلك يفرحون بروايتهم عنه فهذا القطيعي يروي عن شيوخه زيادات وكثير منها كذب موضوع

کتاب التفسیر اور زہد اور کتابیں ہیں جن میں ان کی سند یہ ہوتی ہے۔ حدثنا وکیع حدثنا عبدالرحمٰن بن مہدی حدثنا سفیان حدثنا ابو معمر القطیعی حدثنا علی بن الجعد حدثنا ابو نصر التمار یہ عبداللہ بن احمد کی سند ہے۔ اور یہ سند بھی۔ اور اس میں قطیعی کی بڑھائی ہوئی روایات بھی ہیں جن کی سند یوں ہے۔ حدثنا احمد بن عبدالجبار الصوفی یہ لوگ طبقہ میں عبداللہ بن احمد کی مثل ہیں۔ ان لوگوں کی انتہا یہ ہے۔ کہ امام احمد سے روایت کریں۔ امام احمد نے اخیر عمر میں روایت چھوڑ دی تھی۔ جب بادشاہ نے ان سے درخواست کی کہ مجھ کو اور میرے بیٹے کو حدیث پڑھا دیجئے۔ اور میرے ہی پاس قیام کیجئے۔ ان کو اپنی ذات پر فتنۂ دنیا کا اندیشہ ہوا۔ لہذا انہوں نے حدیث پڑھانا بالکل چھوڑ دیا تاکہ اس فتنہ سے بالکل محفوظ رہیں اور

وهؤلاء قد وقع لهم
هذا الكتاب ولم ينظروا
ما فيه من فضائل سائر
الصحابة بل عرض
ذلك على وكلما زاد
حديثًا ظنوا ان القائل
ذلك هو احمد بن
حنبل فانهم لا يعرفون
الرجال وطبقاتهم و
ان شيوخ القطيعي
يمتنع ان يروي احمد
عنهم شيئًا ثم انهم
لفرط جهلهم ما سمعوا
كتابًا الا المسند فلما
ظنوا ان احمد رواه و
انه انما يروي في المسند
صاروا يقولون لما رواه
القطيعي رواه احمد
في المسند هذا ان لم
يزيدوا على القطيعي
ما لم يروه فان الكذب
عندهم غير مأمون
ولهذا يعزو صاحب

جس قدر حدیثیں ان کے پاس
تھیں وہ اس سے پہلے بیان
کرچکے تھے۔ پس اس کے بعد
وہ حدیث کو اپنی سند کے ساتھ
اپنے اساتذہ کے نام کے بعد
سے بیان کرتے تھے۔ یہ نہ کہتے
تھے مجھ سے فلاں نے بیان کیا۔
لہذا جو لوگ ان سے سنتے تھے۔
وہ ان سے روایت کرنے میں
خوش ہوتے تھے۔ یہ قطیعی ہیں
جو اپنے اساتذہ سے بہت سی
روایتیں نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ
ان میں اکثر جھوٹ اور موضوع
ہوتی ہیں۔ ان کو یہی کتاب مل
گئی ہے۔ اور انہوں نے اس
کتاب میں دوسرے صحابہ
کے فضائل نہ دیکھے صرف علیؓ
کے دیکھے۔ اور جس قدر حدیثیں
بڑھائی ہوئی تھیں۔ ان کا قائل
بھی امام احمد کو سمجھ لیا۔ کیونکہ
یہ لوگ اسماء الرجال کو اور
ان کے طبقات کو نہیں جانتے۔
اور یہ کہ محال ہے۔ کہ امام احمدؒ

الطرائف وصاحب العمدة
احاديث الى احمد لم
يروها احمد لا في هذا
ولا في هذا ولا سمعها
احمد قط واحسن حال
هؤلاء ان تكون تلك مما
رواه القطيعي فيه من
الموضوعات القبيحة
الوضع مالا يخفى على عالم
ونقل هذا الرافضي من
جنس صاحب كتاب
العمدة والطرائف فما
ادري نقل عنه او عمن
ينقل عنه والا فمن لة
بالنقل او في معرفة يستحي
ان يعزو مثل هذا الحديث
الى مسند احمد والصحيحين
والصحيحان والمسند
نسخهما ملاء الارض
وليس هذا في شئ منها و
هذا الحد لم يروفي شئ
من كتب العلم المعتمدة
اصلا وانما يروي مثل

قطیعی کے اساتذہ سے کچھ روایت
کریں۔ پھر ان لوگوں نے اپنی
فرطِ جہالت سے کوئی کتاب
مسند کے سوا سنی نہ تھی۔ لہذا یہ
سمجھا کہ جب امام احمد نے اس
کو روایت کیا ہے تو ضرور ہے۔
کہ مسند میں روایت کیا ہوگا
لہذا قطیعی کی روایت کو کہنے لگے
کہ امام احمد نے اس کو مسند میں
روایت کیا ہے۔ یہ اس وقت
ہے۔ کہ جھوٹ حوالہ قطیعی کا نہ ہو
ورنہ جھوٹ نہ بولنے کا ان لوگوں
کی طرف سے اطمینان نہیں ہے
چنانچہ صاحب طرائف اور صاحب
عمدہ ایسی حدیثیں امام احمد کی
طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ جو
انہوں نے نہ اس کتاب میں روایت
کی ہیں۔ نہ اس کتاب میں اور
نہ امام احمد نے کبھی ان روایتوں
کو سنا ہے سب سے عمدہ حالت ان کی
یہ ہے۔ کہ وہ قطیعی کی روایتیں
ہیں۔ اور قطیعی کی روایت میں
بڑے بڑے موضوعات ہیں جو کسی

هٰذا من يحطب بالليل كالثعلبي وامثاله الذين يروون الغث والسمين بلا تمييز۔	عالم سے پوشیدہ نہیں۔ اس رافضی نے اسی قسم کی کسی کتاب سے جس کتاب عمدہ اور کتاب طرائف ہے یہ روایتیں نقل کی ہیں۔ یہ مجھے معلوم نہیں کہ

بلاواسطہ ان کتابوں سے نقل کی ہیں یا نقل در نقل ہے۔ ورنہ جس کو منقولات کا کچھ بھی علم ہو۔ وہ اس قسم کی روایات کو مسند امام احمد اور صحیحین کی طرف منسوب کرنے سے شرم کرے گا۔ مسند اور صحیحین کے نسخے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ یہ روایت کسی میں نہیں ہے۔ اس قسم کی روایت وہی لوگ کرتے ہیں جو حاطب اللیل ہوتے ہیں۔ مثل ثعلبی وغیرہ کے جو صحیح وغیر صحیح ہر قسم کی روایات بلا امتیاز روایت کردیا کرتے ہیں۔

الوجه الثانی ان هٰذا الحدیث کذب موضوع باتفاق اهل المعرفة بالحدیث وهم المرجوع الیهم فی هٰذا ولهٰذا لا یوجد فی شیٔ من الحدیث التی یرجع الیها۔	دوم۔ یہ کہ یہ حدیث باتفاق علمائے حدیث جھوٹی ہے موضوع ہے۔ اور اس بارہ میں علمائے حدیث ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ روایت حدیث کی کسی ایسی کتاب میں جس کی طرف رجوع کیا جائے نہیں پائی جاتی۔
الوجه الثالث ان هٰذه الاٰیة فی سورة الشوریٰ وهی مکیة باتفاق اهل السنة بل جمیع اٰل حٰمٓ مکیات وکذلك اٰل طٰسٓ	سوم۔ یہ کہ یہ آیت سورہ شوریٰ میں ہے۔ اور وہ باتفاق اہلسنت مکی ہے بلکہ تمام آل حٰم کی سورتیں مکی ہیں۔ اور اسی طرح آل طٰس۔ اور یہ بات قطعی ہے کہ حضرت علیؓ

ومن المعلوم ان عليا
انما تزوج فاطمة بالمدينة
بعد غزوة بدر والحسن
ولد في السنة الثالثة
من الهجرة والحسين
في السنة الرابعة فتكون
هذه الاية قد نزلت
قبل وجود الحسن والحسين
بسنين متعددة فكيف
يفسر النبي صلى الله عليه
وسلم الاية بوجوب
مودة قرابة لا تعرف
ولم يخلق

الوجه الرابع ان تفسير
الاية الذي في الصحيحين
عن ابن عباس يناقض
ذالك ففي الصحيحين
عن سعيد بن جبير
قال سئل ابن عباس
عن قوله تعالى قل لا
اسئلكم عليه اجرا الا
المودة في القربى فقلت
ان لا تؤذوا محمدا

نے حضرت فاطمہ رض سے مدینہ میں
نکاح کیا ہے۔ غزوہ بدر کے بعد
اور حضرت حسن رض ۳ سنہ ہجری
میں اور حضرت حسین رض ۴ سنہ ہجری
میں پیدا ہوئے۔ پس یہ آیت
حضرت حسن و حسین رضی اللہ
عنہما کے وجود سے کئی سال قبل
نازل ہوئی تھی پس کیونکر نبی
صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت
کی تفسیر ایسی قرابت کی محبت
واجب ہونے کے ساتھ کر سکتے
ہیں۔ جو ابھی معلوم بھی نہیں۔
موجود بھی نہیں۔

چہارم: یہ کہ تفسیر اس آیت
کی جو صحیحین میں حضرت عباس رض
سے مروی ہے اس روایت کے
خلاف ہے۔ صحیحین میں سعید
بن جبیر رض سے روایت ہے۔ وہ
کہتے تھے کہ ابن عباس رض سے
اللہ تعالے کے قول قل لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی
کے متعلق پوچھا گیا تو میں نے
جواب دیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

فی قرابتہ فقال ابن عباس
عجلت انہ لم یکن بطن
من قریش الا لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
فیهم قرابۃ فقال
لا اسئلکم علیہ اجراً
لکن ان تصلوا القرابۃ
التی بینی وبینکم فهذا
ابن عباس ترجمان
القرآن واعلم اهل
البیت بعد علی یقول
لیس معناها مودۃ ذوی
القربی لکن معناها لا
اسئلکم یا معشر العرب
ویا معشر قریش علیہ
اجراً لکن اسئلکم ان
تصلوا القرابۃ التی
بینی وبینکم فهو
سأل الناس الذین
ارسل الیهم اولا ان
یصلوا رحمہ فلا یعتدوا
علیہ حتی یبلغ رسالۃ
ربہ ۔

کو ان کی قرابت کے بارے میں
بتاؤ۔ تو ابن عباسؓ نے کہا کہ
تم نے جواب دینے میں عجلت
کی (اصل یہ ہے کہ) قریش کا
کوئی خاندان ایسا نہ تھا۔ جس
سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی قرابت نہ ہو۔ لہذا فرمایا کہ
میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی
اجرت نہیں مانگتا۔ لیکن یہ کہ
تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو
میرے اور تمہارے درمیان
میں ہے۔ پس یہ ابن عباسؓ
جو ترجمان القرآن ہیں۔ اور حضرت
علیؓ کے سوا تمام اہل بیت سے
زیادہ علم رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں۔
کہ اس کے معنی ذوی القربیٰ کی
محبت نہیں ہیں۔ بلکہ معنی اس
کے یہ ہیں کہ اے گروہ عرب اور
اے گروہ قریش! میں تم سے تبلیغ
کی کوئی اجرت نہیں مانگتا صرف
یہ کہتا ہوں کہ قرابت کا صلہ کرو۔
جو میرے تمہارے درمیان میں ہے۔
پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان لوگوں سے جن کی طرف آپ بھیجے گئے تھے۔ یہ درخواست کی کہ صلہ رحم کریں۔ اور آپ پر ظلم نہ کریں۔ تاکہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچا دیں۔

الوجه الخامس انه قال لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فی القربی، لم یقل الا المودة للقربی ولا المودة لذوی القربی فلو اراد المودة لذوی القربی لقال المودة لذوی القربی کما قال واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی، وقال ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی وقوله فات ذا القربی حقه وقوله وآتی المال علی حبه ذوی القربی وهکذا فی غیر موضع فجمیع ما فی القرآن من توصیة بحقوق ذوی

پنجم :۔ یہ کہ حق تعالےٰ نے فرمایا کہ لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودة فی القربیٰ ۔ یہ نہیں فرمایا الا المودة للقربیٰ القربیٰ ۔ پس اگر ذوی القربیٰ کی محبت مراد ہوتی تو المودة لذوی القربیٰ فرماتا۔ جیسا فرمایا "واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ و للرسول ولذی القربیٰ" اور ایسا ہی فرمایا "فآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل"۔ اور فرمایا "وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ" اسی طرح بہت مقام میں ہے۔ پس تمام قرآن میں جہاں کہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی قربیٰ یا کسی شخص کے ذوے القربیٰ کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ تو وہاں ذوی القربیٰ کہا گیا ہے۔ فی القربیٰ نہیں کہا گیا۔ پس جب کہ یہاں مصدر مذکور ہوا نہ اسم۔ تو معلوم

قربى النبى صلى الله عليه وسلم وذوى قربى الانسان انما قيل فيها ذوى القربى ولم يقل فى القربى فلما ذكرههنا المصدر دون الاسم دل على انه لم يرد ذوى القربى۔

الوجه السادس انه لو اريد المودة لذوى ... لهم لقال المودة لذوى القربى ولم يقل فى القربى فانه لا يقول من طلب المودة لغيره اسئلك المودة فى فلان ولا فى قربى فلان ولكن اسئلك المودة لفلان المحبة لفلان فلما قال المودة فى القربى علم انه ليس المودة لذوى القربى۔

الوجه السابع ان النبى صلى الله عليه وسلم لا يسئل على تبليغ رسالة ربه اجرا البتة بل اجره

ہوا کہ ذوی القربیٰ مراد نہیں ہے۔ [illegible]

ششم یہ کہ اگر ذوی القربیٰ کی محبت مراد ہوتی۔ تو المودة لذوی القربیٰ فرماتا۔ فی القربیٰ نہ فرماتا۔ کیونکہ جو شخص اپنے سوا کسی کے لئے محبت طلب کرتا ہے یہ نہیں کہتا کہ اسئلک المودة فی فلان۔ اور نہ یہ کہتا ہے کہ فی قربی فلان بلکہ کہتا ہے کہ اسئلک المودة لفلان یا المحبة لفلان پس یہ جو فرمایا کہ المودة فی القربیٰ۔ تو معلوم ہوا کہ ذوی القربیٰ مراد نہیں ہیں۔

ہفتم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنے رب کا پیغام پہنچانے کی اجرت نہیں مانگ سکتے بلکہ ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

على الله كما قال ما
اسئلكم عليه من اجر
وما انا من المتكلفين
وقوله ام تسئلهم
اجرًا فهم من مغرم
مثقلون وقوله قل ما
سالتكم من اجر فهو
لكم ان اجرى الا على
الله ولكن الاستثناء
ههنا منقطع كما
قال قل ما اسئلكم عليه
من اجر الا من شاء ان
يتخذ الى ربه سبيلا
ولا ريب ان محبة اهل
بيت النبي صلى الله عليه
وسلم واجبة لكن
لم يثبت وجوبها
بهذه الاية فلا
محبتهم اجر النبي صلى
الله عليه وسلم بل هو
مما امر الله به كما
امرنا بسائر العبادات
وفي الصحيح عنه انه

جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اے نبی!
کہہ دو! کہ میں تبلیغ کی اجرت
نہیں مانگتا۔ اور میں تکلیف
کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔
اور فرمایا کہ اے نبی! کیا تم ان سے
کچھ اجرت مانگتے ہو۔ جس کے بوجھ
سے یہ گھبراتے ہیں۔ اور فرمایا کہ
اے نبی! کہہ دو۔ کہ جو کچھ اجرت
میں نے تم سے مانگی ہو۔ وہ تم
اپنے ہی پاس رکھو۔ میری اجرت
تو اللہ کے ذمہ ہے۔ بلکہ استثناء
یہاں منقطع ہے۔ جیسا کہ دوسری
آیت میں فرمایا۔ اے نبی! کہہ دو!
کہ میں تبلیغ کی کچھ اجرت نہیں
مانگتا۔ سوا اس کے کہ جو شخص
پروردگار کی طرف راہ بنانا چاہے
(وہ بنائے) اس میں کچھ شک
نہیں۔ کہ نبی صلعم کے اہل بیت
کی محبت واجب ہے۔ مگر اس
کا وجوب اس آیت سے ثابت
نہیں ہے۔ اور نہ محبت ان کی نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی اجرت ہے
بلکہ وہ محبت منجملہ ان چیزوں کے

خطب اصحابه بغدير
يدعى خما بين مكة
ومدينة فقال اذكركم
الله في اهل بيتي وفي
السنن عنه انه قال
والذي نفسي بيده لا
يدخلون الجنة حتى
يحبوكم الله ولقرابتي
فمن جعل محبة اهل
بيته اجرا له يوفيه
فقد اخطأ خطأ
عظيما ولو كان اجرا
له لم نثب عليه نحن
لو انا اعطيناه اجره
الذي يستحقه
بالرسالة فهل يقول
مسلم مثل هذا؟

ہے۔ جن کا اللہ نے ہمیں حکم دیا
ہے۔ جس طرح اور عبادت کا
حکم دیا ہے۔ صحیح حدیث میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
منقول ہے۔ کہ آپ نے بمقام
غدیر خم میں مکہ اور مدینہ کے
درمیان میں اپنے صحابہ کے سامنے
خطبہ پڑھا۔ اور اس میں فرمایا
کہ میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت
کے بارے میں ! خدا کی یاد دلاتا
ہوں۔ اور سنن میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے
کہ آپ نے (اپنے اہل بیت سے)
فرمایا کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ
میں میری جان ہے۔ کہ کوئی
شخص جنت میں داخل نہیں ہو
سکتا۔ یہاں تک کہ تم لوگوں سے
اللہ کے لئے اور میری قرابت کی وجہ سے محبت کرے۔ پس جس
شخص نے محبت اہل بیت کو اجر رسالت کہا۔ اس نے سخت خطا
کی اگر وہ اجر ہوتا تو ہمیں اس پر ثواب نہ ملتا۔ کیونکہ وہ اجرت ہم
نے پیغمبر کو اس وجہ سے دی۔ کہ بسبب رسالت کے وہ اس
اجرت کے مستحق تھے۔ کیا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے؟

الوجه الثامن ان القربى

ہشتم: یہ کہ قربیٰ یہاں صرف

معروفة بالامر فلابد	بالامرنا
ان يكون معروفا عند	
المخاطبين الذين امر	
ان يقول لهم لا اسئلكم	
عليه اجرًا وذكر	پس ضروری ہوا۔کہ
انها لما نزلت لم يكن	اس کو وہ لوگ جو مخاطب
قد خلق الحسنؓ والحسینؓ	کے لیئے حکم دیا گیا تھا۔کہ نبی
ولا تزوج علیؓ بفاطمةؓ	ان سے فرماویں کہ میں تم سے
فالقربی التی کان المخاطبون	کوئی اجرت نہیں مانگتا۔الی آخرہٖ
یعرفونها یمتنع ان تکون	وہ اس کو جانتے ہوں۔اور
هذه بخلاف القربی	ابھی بیان ہوچکا۔کہ جب یہ آیت
التی بینه وبینهم فانها	نازل ہوئی۔توحسنؓ وحسینؓ پیدا
معروفة عندهم کما	بھی نہ ہوئے تھے۔اور نہ حضرت
تقول لا اسئلك الا المودة	علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کیا
فی الرحم التی بیننا	تھا۔پس وہ قرابت جس کو مخاطب
وکما تقول لا اسئلك	لوگ جانتے تھے محال ہے کہ یہ
الا ان تتقی الله فی هذا	قرابت ہو۔بخلاف اس قرابت
الامر۔	کے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے اور کفار قریش کے درمیان میں تھی۔اس کو سب جانتے تھے۔یہ ویسا ہی ہے جیسے تم کہو۔کہ میں تجھ سے کچھ نہیں چاہتا سوا مودت فی الرحم کے جو ہمارے درمیان میں ہے۔اور کہو کہ میں کچھ نہیں چاہتا سوا انصاف باہمی کے۔اور میں کچھ نہیں مانگتا۔سوا اس کے کہ اس معاملہ میں اس سے ڈرو۔اور اللہ سے۔

الوجه التاسع ان
نسلم ان علیا تجب مودته
بدون الاستدلال بهذه
الاٰیۃ لکن لیس فی وجوب
موالاته و مودته ما
یوجب اختصاصه بالامامۃ
ولا بالفضیلۃ واما قوله
والثلاثۃ لا تجب موالاتهم
فانه ثبت ان اللّٰہ یحبهم
ومن کان اللّٰہ یحبه و
جب علینا مودته فان
الحب فی اللّٰہ والبغض
فی اللّٰہ واجب وهو
اوثق عری الایمان و
کذلک هو اکابر اولیاء
اللّٰہ المتقین وقد اوجب
اللّٰہ موالاتهم بل قد
ثبت ان اللّٰہ رضی
عنهم ورضوا عنه بنص
القراٰن وکل من رضی
اللّٰہ عنه فانه یحبه و
اللّٰہ یحب المتقین و
المحسنین والمقسطین

نہم - یہ کہ ہم اس کو مانتے ہیں کہ
حضرت علیؓ کی محبت واجب ہے
اس کو اس آیت سے ثابت
کرنے کی کچھ ضرورت نہیں مگر
محبت کے واجب ہونے سے
یہ کہاں ثابت ہوا کہ صرف حضرت
علیؓ امام ہیں - اور نہ ان کی کوئی
فضیلت اس سے ثابت ہوتی
ہے - اور رافضی کا یہ کہنا کہ ثلاثہ
کی محبت واجب نہیں - ہم نہیں
مانتے - بلکہ ان کی محبت بھی واجب
ہے - کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ
اللّٰہ ان سے محبت رکھتا ہے اور
جس سے اللّٰہ محبت رکھتا ہو اس
کی محبت ہم پر بھی واجب ہے۔
کیونکہ حب للّٰہ اور بغض للّٰہ
واجب ہے اور وہ ایمان کی
مضبوط رسیوں میں سے ہے -
نیز حضرات ثلاثہ اولیاء اللّٰہ
متقین کے اکابر سے ہیں - اور
تحقیق خدا نے ان کی محبت واجب
کی ہے - بلکہ یہ بات نص قرآن
سے ثابت ہے - کہ خدا ان سے

والصابرين وهؤلاء افضل	راضی ہے۔ وہ خدا کے محبوب
من دخل فی هذه النصوص	ہیں۔ اور اللہ کے محبوب متقی
من هذه الامة بعد نبيها	و محسن اور مقسط اور صابر لوگ
وفی الصحيحين عن	ہوتے ہیں۔ اور خلفائے ثلثہ!
النبی صلى الله عليه وسلم	ان تمام لوگوں سے افضل ہیں۔
انه قال مثل المؤمنين فی	جو ان نصوص میں اس امت
توادهم وتراحمهم و	میں سے داخل ہیں نبی کے بعد۔
تعاطفهم كمثل الجسد الواحد	اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اشتكى منه عضو تداعى	سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا
له سائر الجسد بالحمى	مؤمنین کی مثال آپس کی محبت و
والسهر فهو اخبرنا ان	مہربانی میں مثل ایک جسم کے ہوتی
المؤمنين يتوادون و	ہے۔ کہ اگر ایک عضو اس میں سے
يتعاطفون ويتراحمون	بیمار ہو۔ تو باقی اعضاء بھی درد مند
وانهم فی ذالك كالجسد	ہو جاتے ہیں۔ بخار آتا ہے۔ نیند
الواحد وهؤلاء قد ثبت	نہیں آتی پس حضرت نے ہمیں یہ
ايمانهم بالنصوص والاجماع	خبر دی کہ مؤمنین باہم دوستی و
كما قد ثبت ايمان	الفت و مہربانی کیا کرتے ہیں۔
علی بل كل طريق دل علی	وہ اس بارہ میں مثل ایک جسم
ايمانهم اقوى والطريق	کے ہیں۔ اور حضرات خلفائے ثلاثہ
التی يقدح بها فيهم	کا ایمان نصوص سے اور اجماع
يجاب عنها كما يجاب عن	سے ثابت ہے۔ بلکہ جتنے دلائل
القدح فی علی وا ولی فان	حضرت علیؓ کے ایمان کے ہیں۔
الرافضی الذی يقدح	وہ حضرات ثلاثہؓ کے ایمان پر

فيهم ويتعصب لعلي فهو
منقطع الحجة كاليهود
والنصارى الذين يريدون
اثبات نبوة موسى وعيسى و
القدح في نبوة محمد صلى
الله عليه وسلم ولهذا
لا يمكن الرافضي ان
يقيم الحجة على النواصب
الذين يبغضون عليا
او يقدحون في ايمانه
من الخوارج وغيرهم
فانهم قالوا له باي شئ
علمت ان عليا مؤمن او
ولي الله تعالى فان قال
بالنقل المتواتر باسلامه
وحسناته قيل له هذا
النقل موجود في ابي بكر
وعمر وعثمان وغيرهم
من اصحاب النبي صلى الله
عليه وسلم بل النقل
المتواتر بحسنات هؤلاء
السليمة عن المعارض
اعظم من النقل المتواتر

زیادہ واضح دلالت کرتے ہیں
اور جو اعتراض کسی دلیل پر ہوتا
ہے اس کا جواب اسی طرح دیا
جاتا ہے۔ جس طرح حضرت
علیؓ کے اعتراضات کا بلکہ اس سے
بہتر۔ کیونکہ رافضی جو خلفائے ثلاثہؓ
پر قدح کرتا ہے۔ اور حضرت
علیؓ کی حمایت کرتا ہے۔ اس کے
پاس کوئی دلیل نہیں۔ مثل یہود
نصاریٰ کے۔ جو حضرت موسیٰ اور
حضرت عیسیٰؑ کی نبوت ثابت
کرنا چاہتے۔ اور محمد صلے اللہ
علیہ وسلم کی نبوت پر اعتراض
کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے رافضی
کے لئے ممکن نہیں۔ کہ نواصب
کے سامنے کوئی دلیل پیش کر
سکے۔ جو کہ حضرت علیؓ سے بغض
رکھتے ہیں۔ یا ان کے ایمان میں قدح
کرتے ہیں۔ مثل خوارج وغیرہ کے۔
وہ لوگ رافضی سے کہتے ہیں۔ کہ
تجھ کو کس بات سے معلوم ہوا
کہ علیؓ مومن تھے یا اللہ تعالےٰ کے ولی
تھے۔ اگر رافضی کہے۔ کہ نقل متواتر

فی مثل ذلك لعلی وان
قال بالقرآن الدال علی
ایمان علیّ قیل له القرآن
انما دل باسماء عامة
كقوله لقد رضی الله
عن المؤمنین ونحو ذلك
وانت تخرج اكابر الصحابة
فاخراج واحد اسهل
وان قال بالاحادیث الدالة
علی فضائله فی نزول
القرآن فیه قیل احادیث
اولئك اكثر واصح وقد
قدحت فیهم وقیل
له تلك الاحادیث التی
فی فضائل علی انما رواها
الصحابة الذین قدحت
فیهم فان كان القدح
صحیحًا بطل النقل وان
كان النقل صحیحًا بطل
القدح وان كان بنقل
الشیعة او تواترهم
قیل له الصحابة لم
یكن فیهم من الرافضة

سے ان کا اسلام اور انکی نیکیاں
ثابت ہیں۔ تو اس سے کہا جائے
کہ ایسی نقل تو حضرت ابوبکرؓ و
عمرؓ و عثمانؓ اور دوسرے صحابہؓ
کے بارے میں بھی موجود ہے بلکہ
اُن حضراتؓ کی نیکیوں کے بارے
جو نقل کہ معارض سے محفوظ ہیں اس نقل متواتر
سے جو حضرت علیؓ کی نیکیوں کے بارہ
میں ہے۔ بہت زیادہ ہیں۔ اور
اگر رافضی کہے کہ قرآن سے معلوم
ہوا جو حضرت علیؓ کے ایمان پر
دلالت کرتا ہے۔ تو اس سے کہا
جائے۔ کہ قرآن تو اوصاف عامہ
پر دلالت کرتا ہے "لقد رضی
اللہ عن المؤمنین" اور مثل اس کے
اور جب کہ اکابر صحابہ کو اس سے
خارج کر دیتا ہے۔ تو ایک کا
خارج کر دینا زیادہ آسان ہے۔
اور اگر رافضی کہے۔ کہ احادیث
سے معلوم ہوا۔ جو علیؓ کے فضائل
پر دلالت کرتی ہیں۔ یا ان کے
بارہ میں نزول قرآن پر دلالت
کرتی ہیں تو اس سے کہا جائے گا
کہ جو حدیثیں زیادہ اور صحیح

لم يكن فيهم من الرافضة احد والرافضة احد والرافضة تطعن فی جمیع الصحابة الانفرا قليلاً بضعة عشر ومثل هذا قد يقال انهم تواطئوا على مانقلوه فمن قدح فی نقل الجمهور كيف يمكنه اثبات نقل قليل وهذا مبسوط فی موضعه و المقصود ان قوله وغير علی من الثلاثة لاتجب مودته كلام باطل عند الجمهور بل مودة هؤلاء اوجب عند اهل السنة من مودة علی لان وجوب المودة علی مقدار الفضل فكل من كان افضل كانت مودته اكمل و قال تعالیٰ الذين آمنوا وعملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمٰن ودا قال يحبهم ويحببهم الی عبادہ و

اور اس سے کہا جائے گا کہ جو حدیثیں علیؓ کے فضائل میں ہیں ان کو انہیں صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ جن پر تو قدح کر چکا۔ اگر وہ قدح صحیح ہے۔ تو ان کی روایت غلط۔ اور اگر روایت صحیح ہے تو تیری قدح غلط۔ اور اگر رافضی کہے۔ کہ شیعوں کی روایت سے اور ان کے تواتر سے معلوم ہوا تو اس سے کہا جائے گا کہ صحابہؓ میں تو کوئی رافضی نہ تھا۔ اور رافضی تو تمام صحابہؓ میں سوا معدودے چند کے جو دس سے کچھ اوپر ہیں قدح کرتے ہیں۔ اور ایسی قلیل جماعت ممکن ہے کہ جھوٹ پر اتفاق کرے۔ پس جو شخص جمہور کی روایت پر قدح کرتا ہو اس کے لئے کیسے ممکن ہے۔ کہ ایک قلیل جماعت کی روایت کو ثابت کر سکے۔ یہ بحث اپنے مقام میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ رافضی کا یہ کہنا کہ علیؓ کے سوا خلفاء ثلثہؓ کی محبت

هؤلاء افضل من امن
وعمل صالحا من هذه
الامة بعد نبيها كما
قال ” محمد رسول الله
والذين معه اشداء
على الكفار رحماء بينهم
تراهم ركعا سجدا
يبتغون فضلا من الله
ورضوانا سيماهم في
وجوههم من اثر
السجود ،، الى اخر السورة.
وفي الصحيحين عن النبي
صلى الله عليه وسلم
انه سئل اي الناس
احب اليك قال عائشة
قال فمن الرجال قال
ابوها وفي الصحيح
ان عمر قال لابي بكر
رضي الله عنهما يوم
السقيفة بل انت
سيدنا وخيرنا واحبنا
الى رسول الله صلى الله
عليه وسلم وتصديق

واجب نہیں۔ جمہور کے نزدیک
ایک غلط بات ہے۔ بلکہ ان
حضرات کی محبت سے زیادہ
واجب نزدیک حضرت علیؓ کی
محبت سے زیادہ واجب ہے۔
کیونکہ محبت کا وجوب بقدر بزرگی
کے ہوتا ہے۔ جس کی بزرگی زیادہ
ہوگی۔ اس کی محبت بھی کامل ہوگی
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ جو
لوگ ایمان لائے اور انہوں
نے اچھے کام کئے۔ عنقریب
رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا
کردے گا۔ یعنی ان سے محبت
کرے گا۔ اور ان کو اپنے
بندوں کا محبوب بنادے گا۔
اور خلفاء ثلٰثہ نبی کے سوا تمام
ان لوگوں سے افضل ہیں۔ جو
اس امت میں سے ایمان لائے
اور عمل صالح کئے۔ جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ محمد
رسول اللہ والذین معہ
اشداء علی الکفار
رحماء بینہم تراهم

ذلك مما استفاض في
الصحاح من غير وجه
ان النبي صلى الله عليه
وسلم قال لو كنت متخذا
من اهل الارض خليلا
لاتخذت ابابكر خليلا
ولكن مودة الاسلام
فهذا يبين انه ليس في
اهل الارض احق بمحبته
ومودته من ابي بكر
وما كان احب الى رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فهو احب الى الله وما
كان احب الى الله ورسوله
فهو احق ان يكون احب
الى المؤمنين الذين يحبون
ما احبه الله ورسوله
والدلائل الدالة على انه احق
بالمودة كثيرة فضلا عن
ان يقال المفضول تجب
مودته وان الفاضل
لا تجب مودته واما قوله
ان مخالفته تنافي المودة

رکعا سجدا یبتغون فضلا
من اللہ ورضوانا سیماھم
فی وجوھھم من اثر السجود"
اخیر سورۃ تک۔ اور صحیحین میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی
ہے۔ کہ آپ سے پوچھا گیا۔
کون شخص آپ کو زیادہ محبوب
ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ رض۔
پوچھا گیا۔ مردوں میں ؟ فرمایا
ان کے والد۔ نیز حدیث صحیح
میں ہے۔ کہ حضرت عمر رض نے حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سقیفہ کے
دن فرمایا کہ آپ ہمارے سردار
اور ہم سب میں بہتر ہیں۔ اور
سب سے زیادہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ اور
اسی کی تصدیق وہ حدیث ہے۔
جو صحاح میں بہت سندوں سے
مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ اگر میں زمین والوں
میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ضرور
ابوبکر رض کو خلیل بناتا۔ ولیکن
محبت اسلام کی ہے۔ یہ حدیث

وبامتثال اوامره تكون
مودته فيكون واجب
الطاعة وهو معنى الامامة
فجوابه من وجوه (احدها)
ان كانت المودة توجب
الطاعة فقد وجبت
مودة ذوى القربى فتجب
طاعتهم فيجب ان تكون
فاطمة ايضاً اماماً وان
كان هذا باطلاً فهذا مثله
(الثانى) ان المودة ليست
مستلزمة للامامة فحال
وجوب المودة فليس من
وجبت مودته كان
اماما حينئذ بدليل
ان الحسن والحسين تجب
مودتهما قبل مصيرهما
امامين وعلى تجب مودته
فى زمن النبى صلى الله عليه
وسلم ولم يكن اماما
بل تجب وان تاخرت امامته
الى مقتل عثمان (الثالث)
ان وجوب المودة ان كان

بیان کر رہی ہے۔ کہ زمین والوں
میں کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ
سے زیادہ آپ کا محبوب بننے
کا مستحق نہ تھا۔ وہ اللہ کو بھی
زیادہ محبوب ہوتے۔ اور جو
شخص اللہ ورسول کا سب سے
زیادہ محبوب ہو وہی اس بات
کا مستحق ہوگا۔ کہ ان مسلمانوں
کا بھی سب سے زیادہ محبوب
ہو۔ جو اللہ ورسول کے محبوب
سے محبت کرتے ہیں حضرت
ابوبکرؓ کے احق بالمودۃ ہونے کی
بہت دلیلیں ہیں۔ چہ جائیکہ
یہ کہا جائے کہ مفضول کی محبت
واجب ہے۔ اور فاضل کی محبت
واجب نہیں۔ اور رافضی کا
یہ کہنا کہ حضرت علیؓ کی مخالفت
محبت کے منافی ہے۔ اور
ان کے احکام کی فرماں برداری سے
ان کی محبت ہوسکتی ہے پس
وہ واجب الاطاعۃ ہوتے۔
اور یہی معنی امامت کے ہیں۔
اس کا جواب بھی کئی طور سے ہے۔

ملزوم الامامة يقتضي انتفاء اللازم فلا تجب مودة الا من يكون اماما معصوما فحينئذ لا يود احد من المؤمنين ولا يحبهم فلا تجب مودة احد من المؤمنين ولا محبته اذا لم يكونوا ائمة لا شيعة علي ولا غيرهم وهذا خلاف الاجماع وخلاف ما علم بالاضطرار۔

ایک یہ کہ اگر محبت اطاعت کو واجب کرے تو رسول (کے تمام ذوی القربیٰ کی محبت واجب ہے۔ لہذا سب کی اطاعت واجب ہوجائے گی۔ پس لازم آئے گا کہ حضرت فاطمہؓ بھی امام ہوں اور اگر وہ امام نہیں ہیں تو محبت کا موجب اطاعت ہونا بھی باطل ہے۔ دوسرے محبت اگر فی الفور امامت کو مستلزم ہو تو غلط ہے کیونکہ جس کی محبت واجب ہو۔ اس کا اسی وقت امام ہونا ضروری نہیں۔ بدلیل اس کے کہ حسن وحسین کی محبت قبل ان کے امام بننے کے بھی واجب تھی۔ اور حضرت علیؓ کی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی واجب تھی۔ حالانکہ اس وقت امام نہ تھے پس وہ واجب المحبۃ ہیں۔ اگرچہ امامت حضرت عثمانؓ کی شہادت تک متاخر ہوئی۔ تیسرے یہ کہ وجوب محبت اگر ملزوم امامت ہو۔ تو امامت کے نہ ہونے سے وجوب محبت کا نہ ہونا بھی لازم آئے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ محبت اسی کی واجب ہوگی جو امام معصوم ہو اور اس صورت میں کوئی مومن کسی مومن سے محبت نہیں کرسکتا۔ لہذا کسی مومن سے محبت واجب نہ ہوئی۔ جب کہ وہ امام نہ ہو۔ نہ شیعہ علی کی نہ کسی اور کی۔ اور یہ خلاف اجماع کے اور خلاف ضروریات دین اسلام کے ہے۔

من دين الاسلام - الرابع)
ان قوله والمخالفة تنافی
المودة يقال متى اذا كان
ذلك واجب الاطاعة
او مطلقا الثانی ممنوع و
الا لكان من اوجب على
غيره شيئا لم يوجبه الله
عليه ان خالفه فلا
يكون محبا له فلا يكون
مومن محبا لمومن حتى
يعتقد وجوب طاعته و
هذا معلوم الفساد. واما
الاول - فيقال اذا لم تكن
المخالفة قادحة فی المودة
الا اذا كان واجب الطاعة
فحينئذ يجب ان يعلم
اولا وجوب الطاعة حتى
تكون المخالفة قادحة فی
مودته فاذا ثبت وجوب
الطاعة بمجرد وجوب المودة
كان ذلك باطلا وكان
ذلك دورا ممتنعا فانه
لا يعلم ان المخالفة تقدح

چوتھے یہ کہ رافضی کا یہ قول کہ مخالفت
منافی محبت ہے - اس رافضی سے
پوچھا جائے کہ کب؟ جب کہ وہ
شخص واجب الاطاعۃ ہو یا ہر
حال میں؟ دوسری صورت ہم
نہیں مانتے - ورنہ لازم آئے گا
کہ اگر کوئی شخص کسی پر ایسی بات
لازم کردے - جو خدا نے لازم نہیں
کی - اور وہ اس کی مخالفت کرے -
تو اس کا محب نہ رہے - اس
صورت میں کوئی کسی مومن کا محب
نہیں ہو سکتا - تاوقتیکہ اس کی
وجوب طاعت کا معتقد نہ ہو -
اور یہ بات یقیناً غلط ہے - رہی
پہلی صورت تو اس کا جواب یہ
ہے - کہ جب مخالفت منافی
محبت صرف اسی صورت میں
ہوئی جب وہ شخص واجب
الاطاعۃ ہو تو تعیین واجب
الاطاعۃ ہونے کے مخالفت
منافی محبت نہ ہوئی - تو اگر وجوب
محبت سے ثابت کیا جائے - تو
یہ محال ہوگا اور یہ دور ہوگا کیونکہ

فی المودة حتی یعلم وجوب الطاعة ولا یعلم وجوب الطاعة الا اذا علم انہ امام ولا یعلم انہ امام حتی یعلم ان مخالفتہ تقدح فی مودتہ -	مخالفت منافی محبت ہونا وجوب اطاعت سے معلوم ہوگا۔ اور وجوب اطاعت ثبوت امامت موقوف ہے اس پر کہ اس مخالفت منافی محبت ہو۔
(الخامس) ان یقال المخالفة تقدح المودة اذا امر بطاعتہ اولم یامر والثانی منتف ضرورة واما الاول فالنعلم ان علیا لم یامر الناس بطاعتہ فی خلافة ابی بکر وعمر وعثمان -	پانچویں یہ کہ اس رافضی سے پوچھا جائے ۔ کہ مخالفت منافی محبت صرف اس وقت ہے ۔ جب کہ وہ شخص اپنی اطاعت کا حکم دے یا ہر وقت ہے دوسری صورت بداہتہً باطل ہے رہی پہلی صورت تو ہم یقیناً جانتے ہیں ۔ کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کی خلافت میں اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا ۔
(السادس) ان یقل هذا بعینہ یقال فی حق ابی بکر و عمر وعثمان فان مودتہم ومحبتہم وموالاتہم واجبة کما تقدم و مخالفتہم تقدح ذلك -	چھٹے یہ کہ یہی بات بعینہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے متعلق کہی جا سکتی ہے کہ ان کی محبت واجب ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اور ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے۔
(السابع) التوجیہ (۱) من هذا الحدیث لان القوم	ساتویں یہ کہ ہم ترقی کرکے کہیں۔ کہ مسلمانوں نے لوگوں کو خلفائے ثلثہ رضؓ

دعوا الناس الى ولايتهم وطاعتهم فخالفهم عدو الله وهؤلاء القوم مع اهل السنة بمنزلة النصارى مع المسلمين فالنصارى يجعلون المسيح الها ويجعلون ابراهيم وموسى ومحمدا اقل من الحواريين الذين كانوا مع عيسى وهؤلاء يجعلون عليا هو الامام المعصوم وهو النبي وآله والخلفاء الثلاثة اقل من مثل الاشتر النخعي وامثاله الذين قاتلوا معه ولهذا كان جهلهم وظلمهم اعظم من ان يوصف يتمسكون بالمنقولات المكذوبة والالفاظ المتشابهة والاقيسة الفاسدة ويدعون المنقولات الصادقة والنصوص البينة و المعقولات الصريحة ۔

کی بیعت و اطاعت کے لئے بلایا۔ اور ان حضرات نے امامت کا دعویٰ کیا پس ضرور ہؤا کہ ان کا مخالف دشمن خدا ہو یہ روافض مسلمانوں کے مقابلے میں ایسے ہیں۔ جیسے نصاریٰ مسلمانوں کے مقابلے میں۔ نصاریٰ مسیح کو خدا کہتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور محمدؐ کو ان حواریوں سے بھی کمتر قرار دیتے ہیں۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ تھے۔ ایسا ہی روافض حضرت علیؓ کو تو امام معصوم یعنی نبی کہتے ہیں۔ اور ان کی آل کو بھی۔ اور خلفائے ثلاثہؓ کو اشتر نخعی وغیرہ سے جو حضرت علیؓ کے ہمراہ لڑتے تھے۔ کمتر قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی جہالت اور ان کا ظلم بیان سے باہر ہے۔ جھوٹ منقولات سے اور الفاظ متشابہ اور قیاسات فاسدہ سے تمسک کرتے ہیں اور صحیح روایتوں کو جو متواتر ہیں اور نصوص واضح اور معقولات صریحہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

خلاصہ

اس فصل میں انیس کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کی عبارتیں نقل کی گئیں۔ تاکہ اس افترا و بہتان کی حقیقت واضح ہو جائے۔ کہ تمام مفسرین اہل سُنت اس آیت کا وہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے۔

ان عبارات سے اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ بفضلہٖ تعالیٰ علمائے اہل سُنت کا دامن اس بدنما داغ سے بالکل پاک ہے۔ کہ وہ آیت قرآنی میں تحریف معنوی کر کے خدا کی طرف ایسی قبیح چیز منسوب کریں۔ کہ اس نے اپنے نبی کو طلب اجر رسالت کا حکم دیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ رسالت کی اجرت مانگنے کا ناپاک الزام لگا کر آپ کی توہین کریں۔ اور منکرین کو آپ کی نبوت میں قدح کرنے کا موقع دیں۔

ان عبارات سے واضح ہو گیا۔ کہ اہل سنت کے اکابر محدثین و مفسرین نے اس قول کو کہ "مودۃ فی القربیٰ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کی محبت مراد ہے" اچھی طرح مردود و مخذول کیا۔ اس کی سند کے راویوں پر بھی جرح کی۔ کہ وہ ضعیف ہیں۔ اور رافضی ہیں۔ اور اس کے متن پر کئی جرحیں کیں۔

اوّل: یہ کہ دوسری آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔

دوم: یہ کہ احادیث صحیحہ مرویہ صحیح بخاری وغیرہ کے خلاف ہے۔

سوم: یہ کہ شان نبوت کے خلاف ہے۔

چہارم: یہ کہ عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس قول کی روایت میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا تذکرہ ہے۔ حالانکہ سورۂ شوریٰ جس میں یہ آیت ہے۔ بالاتفاق[1] مکی ہے۔ اور قبل ہجرت حضرات حسنین رض کا وجود تو کجا حضرت سیدہ رض کا

[1] شیعوں کے قبلہ مولوی مقبول احمد صاحب کے ترجمہ قرآن میں بھی اس سورت کو مکی لکھا ہے۔ اور اس آیت کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا ۱۲

نکاح بھی نہ ہوا تھا۔

کیا ان متعدد اور لاجواب جروح کے بعد پھر اہل سُنت کے سامنے اس قول کا ذکر کرنا انصاف اور حیا کا خوف کرنا نہیں ہے۔ اور اس بے نظیر بے انصافی کا مرتکب اپنے کو حق پر سمجھ سکتا ہے۔

فصل سوم

اب سنو! کہ مخالفین صحابہ کرامؓ جن کے مذہب کی روز اول سے قرآن کریم کی عداوت اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی مخالفت پر ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

اس موقع پر سب سے پہلے اس بات کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ شریعت الٰہیہ نے بڑا اہتمام اس امر کا کیا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا دامن لوث دنیا سے اس قدر پاک رہے۔ کہ کوئی منکر کتنی ہی بے حیائی اور بے انصافی پر کمر باندھ لے۔ لیکن اغراض دنیاوی کا دھبہ ان کے دامن مقدس پر نہ دکھلا سکے۔ اور ان کی مساعی جمیلہ کی بابت یہ نہ کہہ سکے۔ کہ یہ شاقہ محنتیں یہ روح فرسا اذیتیں انہوں نے فلاں نفع دنیاوی کے لئے برداشت کی تھیں۔ اور درحقیقت یہ اہتمام ایک ضروری اہتمام ہے۔ جو ان کی نبوت وصداقت کا یقین پیدا کرنے کے لئے ہزار ہا دلائل سے زیادہ پر تاثیر ہے۔

ہر انسان فطرۃً اس بات کا یقین رکھتا ہے۔ کہ کسی عقلمند کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا۔ اور انبیاء علیہم السلام کا صاحب عقل سلیم ہونا خود ان کے افعال واقوال سے اس درجہ واضح ہے۔ کہ اس کو اگر اصل میں شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ پس لامحالہ فطرت انسانی اس بات کا حکم لگاتی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ کوششیں ان کی یہ محنتیں جن میں انہوں نے اپنی ساری عمریں ختم کردیں۔ اپنی

ہستی کو قربان کر دیا۔ اور ہر قسم کے خطرات کا آماجگاہ اپنے کو بنایا عبث نہیں ہو سکتیں۔ اور جب کہ کوئی دنیاوی منفعت اپنی ان کوششوں سے انہوں نے حاصل نہ کی۔ موقع بھی ملا۔ لیکن دنیاوی اغراض کو اپنے پاس نہ آنے دیا تو لامحالہ یہ قطعی اور یقینی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ان کا مقصود آخرت تھی۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا۔ سب خدا کے حکم سے محض اس کی خوشنودی اور اس کا انعام حاصل کرنے کے لئے کیا۔ ایک بے انصاف منکر بھی اس نتیجہ پر پہنچ کر بے اختیار ان کی نبوت کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔ زبان اگر انکار بھی کرے۔ تو ضمیر اس اقرار سے بچ نہیں سکتا۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ عام قانون کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے ترکہ سے ان کی اولاد ان کے رشتہ دار محروم کر دیئے گئے۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ صدقات و خیرات کے مال سے انبیاء علیہم السلام کی اولاد اور ان کے مخصوص قرابت والے اگرچہ کیسے ہی مسکین و محتاج ہوں۔ محروم کر دیئے گئے۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ سلاطین دنیا کے عام قانون کے خلاف انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کے لئے ان کی اولاد یا ان کے عزیز و قریب ہونے کی شرط بالکل اڑا دی گئی۔ اور ان کی جانشینی کا استحقاق جسمانی رشتوں پر نہیں۔ بلکہ روحانی اوصاف اور قابلیتوں پر رکھا گیا۔

اسی خداوندی اہتمام کا ایک شعبہ یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے اپنی تعلیم و تبلیغ کا کوئی معاوضہ کسی قسم کی اجرت کا کسی مخلوق سے لینا ممنوع قرار پایا۔ اور قرآن مجید میں اس کا اعلان اس شد و مد کے ساتھ کیا گیا۔ کہ ہر نبی کے تذکرہ میں اس کا اظہار فرمایا گیا۔ خصوصاً سید الانبیاء خاتم النبیین کے لئے تو اس اعلان کا اہتمام اس درجہ کیا گیا۔ کہ متعدد آیتیں اس کے متعلق نازل کی گئیں جیسا کہ پہلی فصل میں تم دیکھ چکے ہو۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کا جو عملی نمونہ تمام دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی مٹ نہیں سکتا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہم لوگ ہر چند کوشش کرتے تھے۔ کہ حضورؐ کی کوئی خدمت انجام دیں۔ لیکن کبھی ایسا نہ ہُوا۔ کہ ہم نے حضرتؐ کا کوئی کام کیا ہو اور حضرتؐ نے اس سے زیادہ ہمارا کام نہ کر دیا ہو۔ ایک سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام تھے۔ کسی منزل پر گوشت پکانے کی رائے ہوئی۔ کام تقسیم کیے گئے۔ کسی کے ذمہ بکری کا ذبح کرنا، کسی کے ذمہ پکانا وغیرہ وغیرہ۔ حضرتؐ کے ذمہ کوئی کام نہ رکھا گیا۔ آپؐ خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر جنگل کے ایک جانب تشریف لے گئے۔ کسی کا خیال بھی نہ ہُوا کہ کیوں جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد لکڑیوں کا ایک بوجھ لیے ہوئے تشریف لائے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ نے یہ تکلیف کیوں کی۔ کیا ہم اس کام کو انجام نہ دیتے ؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! لیکن انصاف کے خلاف تھا کہ محنت تم سب کرتے۔ اور کھانے میں میں بھی شریک ہوتا۔ تحفہ اور ہدیہ آپ قبول فرماتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ التزام تھا۔ کہ تحفہ دینے والے کو آپؐ خود بھی تحفہ دیتے تھے۔ جو اس کے تحفہ سے بدرجہا زیادہ قیمتی ہوتا۔ حضرت زبیر بدوی کا ایک خاص واقعہ اس کے متعلق شمائل ترمذی میں موجود ہے۔ وفات سے پانچ دن پہلے جو خطبہ آپؐ نے پڑھا۔ جو صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ اس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ ماکان عندنا فامن بیدالا کافیناہ الخ یعنی جس کسی نے ہمارے ساتھ کوئی سلوک کیا۔ ہم نے اس کا بدلہ ضرور کر دیا سوا ابوبکرؓ صدیق کے۔ کہ ان کی جان نثاریوں کا بدلہ ہم نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو بدلہ دے گا۔

المختصر آپ نے کسی قسم کا معاوضہ کسی قسم کی خدمت یا اجرت نہ مخلوق سے کبھی طلب فرمائی نہ بغیر طلب لی۔ اگر اس مقصد کے متعلق واقعات جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

۔انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں میراث جاری ہونے کا بھی دعویٰ کیا گیا اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اس دعویٰ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

کی طرف داری کا پہلو نمایاں کیا گیا۔ صدقات و خیرات کے متعلق اگرچہ بظاہر اہل سُنت سے مخالفت نہیں کی۔ مگر اس مقصد کو دوسرے طور پر حاصل کیا۔ اور اولاد پیغمبر کے لئے دُنیا وی منافع کے حاصل ہونے کی دوسری صورتیں منجانب شرع تجویز کر دیں۔ جانشینی پیغمبر کے مسئلہ میں بھی دنیاوی بادشاہوں کی طرح ان کی اولاد کو حق دار قرار دیا۔ اور تبلیغ رسالت کی اجرت مانگنے کا الزام بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم کیا گیا۔ اور اس الزام میں عجیب و غریب کارروائی یہ کی ہے۔ کہ اور انبیاء کو اس الزام سے بری قرار دے کر صرف آپؐ ہی کی ذات اقدس کو نشانۂ ملامت بنایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مخالفینِ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ

اس آیت مودۃ القربیٰ کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا اپنے نبی کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ تم لوگوں سے کہہ دو۔ کہ میں اپنی تعلیم و تبلیغ کی اور کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کرتا۔ اس کی اجرت صرف یہ مانگتا ہوں۔ کہ میری قرابت والوں سے محبت کرو۔ اور میرے قرابت والے بس یہ چار ہیں۔ فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ حضرت عباسؓ جیسا برگزیدہ چچا اور عبداللہ بن عباس امام المفسرین جیسا چچازاد بھائی بھی قرابت والوں کی فہرست سے خارج۔ اور قرابت والوں کی محبت سے مراد یہ ہے۔ کہ ان کو اور ان کی اولاد کو میرے بعد بادشاہ بناؤ۔ غرضیکہ میری اس جان فشانی اور خوش تدبیری سے جو ایک سلطنت قائم ہو گئی ہے۔ اس کو میری اولاد سے باہر نہ جانے دینا۔ میں نے اتنی محنت کی۔ اس کا پھل میری اولاد کو تو ملے۔ وہ لوگ تو چین کریں۔

مخالفین صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ محبت اہل بیت اجر رسالت ہے گویا پیغمبر ایک مزدور ہیں۔ اور ان کی مزدوری مخالفین صحابہ کرامؓ ادا کر رہے ہیں۔

جو شخص مخالفین صحابہؓ کی طرح ان چار بزرگوں کو اور ان کی اولاد میں سے وقتاً فوقتاً ایک ایک شخص کو مثل نبی معصوم و مفترض الطاعتہ نہ مانے اور دنیا کی بادشاہت کا حق دار ان کو نہ سمجھے۔ اور بارہویں امام کو غائب نہ جانے۔ وہ پیغمبر کی مزدوری نہیں دیتا۔ اور ایسی حالت میں وہ اگر قرآن سے اور پیغمبر کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تو ناجائز اور حرام ہے اور ناقابل برداشت ظلم تو یہ ہے۔ کہ اپنے اس اعتقاد کی بنیاد اس آیت قرآنی کو قرار دیتے ہیں۔

میرے نزدیک مخالفین صحابہ کرامؓ کا یہی ایک عقیدہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے متنفر کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر جن کے دل پر خدا نے مہر کر دی ہو۔ اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہوں۔ ان کا کچھ علاج نہیں۔

مخالفین صحابہ کرام کا بیان کیا ہؤا مطلب آیت کا قطع نظر ان سب عقلی ونقلی قباحتوں کے جو اوپر بیان ہو چکیں۔ تحریف معنوی بھی ہے اس لئے کہ از روئے قواعد عربیت آیت کی عبارت اس مطلب کی مساعدت نہیں کرتی۔ کیونکہ آیت میں قربیٰ کا لفظ مصدر ہے۔ جس کے معنی قرابت کے ہیں اس سے قرابت والے مراد لینا۔ اور قرابت والے کس کے رسول کے۔ گویا یہ کہنا ہے۔ کہ آیت کی عبارت یوں ہونی چاہیئے :۔ الا المودۃ فی اھل القربےٰ لی۔ قربےٰ سے پہلے لفظ اہل اور قربیٰ کے بعد لفظ مقدر ہے اور دونوں مقدرات کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں۔ اس کو تحریف معنوی کہتے ہیں۔

مخالفین صحابہؓ کرام بڑی دلیری کیساتھ

اپنے بیان کئے ہوئے مطلب پر اور اپنے اعتقاد پر آج تک مصر ہیں۔ اور ان قباحتوں کا جواب ان کے اسلاف واخلاف نے نہ کچھ دیا اور نہ دے سکتے ہیں

البتہ بمقتضائی مثل " الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" اہل سنت کی بیان کی ہوئی صحیح تفسیر پر کچھ بے سرو پا اعتراضات کرنے کو آمادہ ہیں۔ چنانچہ مخالفین صحابہ کرام کے قبلہ فخر الحکماء صاحب نے اصلاح نمبر ۵ جلد ۱۸ میں جس کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ ان اعتراضات کو بیان کیا ہے۔ اور تفسیر مودۃ القربیٰ کی اشاعت سابقہ میں ان کے اعتراضات کا جواب بھی دیا جا چکا۔ پھر آج تک جواب الجواب کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔ خلاصہ ان اعتراضات وجوابات کا حسب ذیل ہے۔

اعتراض اوّل: یہ کہ پیغمبر پر طلب اجرت کا الزام اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر بھی عائد ہوتا ہے۔ وہ اجرت مودت اہل بیت نہ سہی۔ اپنی حفاظت سہی۔

اعتراض دوم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر پیغمبر کا غیر اللہ سے ڈرنا لازم آتا ہے۔ اور یہ بھی حسب اعتقاد اہل سنت انبیا کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر غیر اللہ سے ڈرتے نہیں تھے۔ تو پھر اپنی حفاظت کی درخواست ان سے کیوں کی۔

اعتراض سوم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر لازم آتا ہے۔ کہ رسول کو وعدہ ہائے خداوندی پر اعتماد نہ ہوا۔ کیونکہ خدا نے بہت سی آیتوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحفاظت کا وعدہ فرمایا۔ بلکہ خدا پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ کہ اس نے اپنے رسول کو غیروں سے امان مانگنے کا حکم دیا۔

اعتراض چہارم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر رسول کا خود غرض ہونا لازم آتا ہے۔ کہ اپنے لئے تو بہت کوشش کی اور کفار سے امان مانگی۔ حفاظت کے خواستگار ہوئے۔ مگر اپنے بال بچوں کے لئے کچھ بھی فکر نہ کی۔ یعنی ان کی معاش دنیاوی کا بھی سامان نہ کیا۔

اعتراض پنجم: یہ کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر آیت کا مفہوم بالکل خلاف عقل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خطاب کفار سے ہوگا۔ کہ میں تم سے اپنی دشمنی کی اجرت مانگتا ہوں۔ میں تمہاری بیخ کنی کرتا ہوں۔ مگر تم مجھ کو ایذا نہ دو

میں تمہارے دین و مذہب کا خاتمہ کردوں ۔ مگر تم مجھ کو اپنا عزیز سمجھ کر ستانے سے باز رہو۔ بھلا ایسی درخواست کیوں کر عقل کے موافق ہو سکتی ہے ۔

الجواب واللہ الموفق للصواب

اعتراض اوّل کا جواب یہ ہے کہ تمام یوسف زلیخا خواندی و ہنوز ندانستی کہ زلیخا مرد بود یا زن ۔ اتنی مفصل بحث کے بعد بھی مخالفین صحابہ کرام کے علماء کو یہ پتہ نہ چلا کہ اہل سنت کی تفسیر کی بنا پر طلب اجرت لازم ہی نہیں آتی ۔ کیونکہ الاالمودۃ کو ہم استثنائی منقطع مانتے ہیں ۔ اور اپنی حفاظت جس کی درخواست بربنائے قرابت کی گئی ہے ۔ اجر رسالت ہو ہی نہیں سکتی ۔ اجر ہر شے کا اس شے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے ۔ اور یہ حفاظت قرابت کی وجہ سے ہے ۔ نہ کہ رسالت کی وجہ سے ۔

اعتراض دوم کا جواب یہ ہے ۔ کہ بیشک غیر اللہ سے ڈرنا اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کیا معنی ۔ عامہ مومنین کے لئے بھی سخت نقص و عیب ہے ۔ قرآن مجید میں بے شمار آتیں ہیں ۔ جن میں عموماً تمام اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے ۔ کہ میرے سوا کسی سے نہ ڈرو ۔ لیکن اپنی حفاظت کی درخواست کرنا یعنی یہ سمجھانا کہ دیکھو میں تمہارا قرابت دار ہوں ۔ اور قرابت دار کی ایذا رسانی تم بھی جائز نہیں سمجھتے ۔ اس سے کافروں کا خوف نہیں ثابت ہوتا ۔ اس قسم کی تفہیمات اکثر بغرض اتمام حجت ہوتی ہیں ۔ اس قسم کی تفہیمات تو کلام خدا میں بھی بہت ہیں ۔ خود حق تعالیٰ نے کافروں کو جا بجا سمجھایا ہے ۔ کہ ہمارے رسول کو ایذا نہ دو ۔ ان کی توقیر و تعظیم کرو ۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ دین الٰہی کی مدد کرو ۔ ہماری مدد کرو ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ خدا بھی کافروں سے ڈرتا تھا ؟ مخالفین صحابہ کرام کو تو شاید اس کہنے میں بھی باک نہ ہو۔

کیونکہ ان کا خدا تو صحابہ کرام سے ڈرتا[1] تھا۔ کافروں سے اگر ڈر گیا۔ تو کیا تعجب۔

اعتراض سوم کا جواب یہ ہے۔ کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ لہذا یہاں کسی کام کی تدبیر کرنے سے وعدہ ہائے خداوندی پر بے اعتمادی لازم نہیں ورنہ جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح تمام جانداروں کے لئے روزی رسانی کا وعدہ فرمایا گیا ہے لہذا یہ کہنا پڑے گا کہ کسب معاش کی تدبیر کرنا خدا کے وعدے پر بے اعتمادی ہے۔ اور ناجائز ہے۔ اور جتنے لوگ کسب معاش کی سعی کرتے ہیں۔ سب بے ایمان ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

نکتہ: حق تعالےٰ کی طرف سے جب کسی چیز کا وعدہ ہوجاتا ہوتا ہے۔ تو اس چیز کے حاصل کرنے کے لئے تدبیر کرنے کے متعلق خاصان خدا کا یہ دستور ہے کہ اگر حق تعالےٰ نے وعدہ کے ساتھ یہ تصریح بھی فرما دی ہو۔ کہ باوجود اسباب ظاہری کی مباشرت نہ کرنے کے بھی میسر آیہ وعدہ پورا ہو گا۔ تب تو وہ حضرات تدابیر ظاہری کو ترک نہیں کرتے۔ اور کبھی اگر ترک بھی کر دیتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہاں کوئی اشارہ غیبی ترک تدبیر کے متعلق ان کے دل پر منعکس ہوتا ہے اس نکتہ کی تفصیلی تقریر اور خاصان خدا کے ان حالات مختلفہ کی مثالوں کا بیان اگرچہ بہت سے نفیس فوائد پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ مقام اس کے لئے زیادہ مناسب نہیں۔

اعتراض چہارم کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ اس کی

---

[1] خدا کے صحابہ کرام سے ڈرنے کے متعدد واقعات کتب حق الیقین صحابہ کرام میں مذکور ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ حسب روایت احتجاج طبرسی جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے قرآن مجید میں آل محمد کا لفظ صاف طور پر اس لئے نازل نہ کیا کہ اس کو علم تھا کہ منافقین قسم اٹن نے جس طرح اور چیزوں کو قرآن سے نکال ڈالا اسی طرح اس لفظ کو بھی نکال ڈالیں گے ۱۲۔

بنیاد محض اس بات پر ہے۔ کہ مخالفین صحابۂ کرام کے علماء اپنی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک بندۂ دنیا سمجھتے ہیں جس کا مقصد زندگی سوا دنیا کمانے کے کچھ نہ ہو۔ جو صرف اپنی زندگی بھر اپنے اور اپنے بال بچوں کی خوش گزرانی پر قناعت کرے۔ اور اپنے بعد کے لئے سامان کر جائے۔ مگر واضح ہے کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ اپنے لئے راحت دنیائے فانی کی کچھ کوشش کی۔ نہ اپنے بال بچوں کے لئے۔ اس آیت میں جو اپنی ایذارسانی نہ کرنے کی درخواست ہے۔ وہ محض اس لئے ہے کہ اس ایذارسانی سے تبلیغ رسالت میں خلل پڑتا تھا۔ بال بچوں کو اول تو نہ کوئی ایذا پہنچاتا تھا۔ اور نہ ان کے ایذا پہنچانے سے کار تبلیغ میں خلل آسکتا تھا۔ اس تفہیم کو امان مانگنے سے تعبیر کرنا سوا خوش فہمی کے کیا کہا جائے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا اپنی مدد کے لئے اپنے شعائر کی بے حرمتی نہ کرنے کے لئے کافروں کو تفہیم کی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ خدا نے کافروں سے امان مانگی۔

اعتراض پنجم کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض بھی لغو اور معترض کی بے عقلی کا کامل نمونہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ساتھ نہ کوئی دشمنی کی تھی۔ نہ دشمنی کی اجرت مانگتے تھے۔ اول تو دنیا میں کسی صاحب عقل نے اپنے خلاف وعظ و تبلیغ کو دشمن نہیں سمجھا۔ اور نہ فی الحقیقت دشمنی کی تعریف وعظ و تبلیغ پر صادق آتی ہے۔ بلکہ عندالعقل وعظ و تبلیغ ہی اصلی محبت و مہربانی ہے۔

ہر نزد من آنکس نکو خواہ تست
کہ گوید فلاں خار در راہ تست

عیسائیوں کی سلطنت میں رہ کر ہم ان پادریوں سے مباحثات کرتے ہیں غرضکہ تبلیغ و وعظ کا کام انجام دیتے ہیں۔ لیکن وہ عیسائی سلطنت نہ ہم کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ اور نہ اپنے ہم مذہب پادریوں کو۔ اور اگر ہم کسی موقع پر اس

عیسائی سلطنت سے عدل وانصاف کے خواستگار ہوں۔ تو ہم کو یہ جواب نہیں ملتا۔ کہ تم ہمارے ساتھ دشمنی کرتے ہو۔ اور ہمیں سے اپنی دشمنی کی اُجرت مانگتے ہو۔ دوسرے اگر بالفرض کفرضِ المحال مخالفین صحابہ کرام[1] کا خاطر سے وعظ اور تبلیغ کا عداوت ودشمنی ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے۔ تو بھی دشمنی کی اُجرت مانگنا تو اس وقت کہا جا سکتا۔ جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تبلیغ کے معاوضہ میں مودت کی درخواست کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مودت کی درخواست محض بر بنائے قرابت تھی۔

فصل چہارم

اس آیہ کریمہ سے جو پاکیزہ تعلیمات حاصل ہو رہی ہیں۔ ان میں سے صرف دو تین اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱) اس آیت میں مخلوق سے تبلیغ وتعلیم دین کی اُجرت مانگنے کی ممانعت فرما کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بڑی زبردست دلیل ارشاد فرمائی گئی۔ اور زیادہ غائر نظر سے دیکھو تو خدا کی ہستی کی ایک مضبوط نشانی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ مافوق الفطرت ان تھک شاقہ محنتیں جو مسلسل یکساں زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہنے والی ہیں۔ اور پھر ان محنتوں کا کوئی معاوضہ نہ مانگنا نہ لینا بلکہ جائز منافع سے بھی نہ صرف ذات کو بلکہ اپنی بی بی بچوں اور قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ کے لئے محروم کر دینا بجز اس کے کہ کسی اور عالم سے ان کو اس کا کچھ بدلا ملتا ہے۔ کوئی اور ہستی ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔ سچ ہے۔ " اگر ہیچ نہ دیدہ انداز برائے چہ دویدہ اند" ے

زیں تعب گر نہ خدا یافتہ اند ۔۔۔ ہمہ از بہر چہ بشتافتہ اند

[1] مخالفین صحابہ کرامؓ اپنے مذہب کے وعظ وتبلیغ کو ہمیشہ دشمنی وعداوت سمجھتے رہتے۔

(۲) طلب اجرت کی نفی انبیاء علیہم السلام کے اتباع و اطاعت کی تشویق و ترغیب کے لئے بھی ایک لے نظیر ہے جس کو سورۂ یٰسین کی آیت میں بہت وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ یہ آیت تفسیر ہذا میں نقل ہو چکی ہے۔

(۳) گو اس آیت میں طلب اجر کی نفی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔ مگر چونکہ قرآن مجید میں یہ قانون کلی تعلیم دیا گیا ہے۔ کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور اتبعونی یحببکم اللہ لہذا جس قدر احکام آپ کو مخاطب کرکے دیئے گئے ہیں۔ جب تک ان کے متعلق اس بات کی تصریح نہ ہو۔ کہ یہ حکم نبی کے ساتھ مخصوص ہے اس وقت تک وہ تمام احکام اُمت کے لیے ہی ثابت ہوں گے۔

اور یہ حکم چونکہ منصب تبلیغ سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا خصوصیت کے ساتھ اس کی پابندی علمائے امت پر جو نیابت نبی کا شرف رکھتے ہیں۔ لازم ہوگی۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اہل سنت و جماعت میں ایسے علمائے ربانی اب بھی موجود ہیں۔ جو تبلیغ و تعلیم دین کی اجرت مخلوق سے نہیں لیتے اُجرت تو بڑی چیز ہے۔ اجرت کی مشابہت سے بھی ان کا پرہیز لائق دید و قابل شنید ہے۔ بیشک انہیں علمائے ربانیین سے سید الانبیاء کی مسند عالی آباد ہے۔ اور انہیں کے انفاس قدسیہ کی برکت سے آسمان و زمین کا قیام ہے۔

مخالفین صحابہ کرام اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں۔ جن کے مشہور علماء علانیہ اپنے وعظوں اور خالص دینی خدمتوں کی فیس مقرر کرکے لیتے ہیں اور اپنی فیس کا اعلان عام دیتے ہیں۔ حتے کہ بعض اوقات بذریعہ عدالت اپنی فیس وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کی قوم میں یہ چیز کوئی عیب نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ اس پر فخر و مباہات کیا جاتا ہے۔ کہ ہمارے یہاں فلاں عالم ہیں۔ جن کی فیس سو روپیہ ہے فلاں کی دو سو۔ فلاں کی پانچ سو۔ اہل سنت میں بھی ایسا کوئی ہے؟ اے خداوند کریم اپنے فضل عمیم سے بطفیل قرآن عظیم اور صاحب قرآن

نبی رؤف ورحیم کے اپنے اس عاجز اور ناکارہ بندہ کو بھی ان علمائے ربانیین کے نقش قدم پر چلنے والا بنادے ۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبیہ وآلہ اجمعین ۔

اَللّٰہُ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

بہ تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے۔ اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

★

تفسیر آیت تقسیم فے

ملقب بہ

★

وظیفہ مدح صحابہ رض

جس میں

سورہ حشر کی آیہ کریمہ والذین جاء من بعدھم یقولون کی مکمل تفسیر کرکے یہ بات روز روشن کی طرح واضح کردی گئی ہے۔ کہ قرآن مجید نے مدح صحابہ کرام خصوصاً مدح مہاجرین و انصار کو قیام قیامت تک ہر مسلمان کیلئے ایک ضروری وظیفہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نفیس معارف بیان میں آگئے ہیں۔ مثلاً قصہ فدک کا قرآنی فیصلہ وغیرہ وغیرہ۔

آیات تقسیم فے

اگرچہ ہمارا مقصود اس وقت صرف آخری آیت سے تعلق رکھتا ہے مگر سلسلہ کلام ظاہر کرنے کے لئے اوپر کی دو آیتیں بھی نقل کی جاتی ہیں.

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ
وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ
يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا
وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا

یہ مال فے ان فقیر ہجرت کرنے
والوں کے لئے ہے. جو نکالے
گئے اپنے گھروں سے اور جدا
کئے گئے اپنے مالوں سے اس
حال میں کہ وہ چاہتے ہیں بخشش
اللہ کی طرف سے اور اس کی
رضامندی اور مدد کرتے ہیں
اللہ کی اور اس کے رسول کی.
یہی لوگ ہیں سچے اور (یہ مال فے)
ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے
گھروں اور ایمان میں مہاجرین
کے آنے سے پہلے جاگزین ہو
چکے تھے وہ محبت کرتے ہیں ہر
اس شخص سے جو ہجرت کر کے آئے.
ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے
دلوں میں کوئی خواہش اس چیز
کی جو ان کو دی گئی. اور ترجیح
دیتے ہیں دوسروں کو اپنی جانوں

بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ	پر اور اگرچہ خود ان کو تکلیف ہو۔
فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ	اور جو لوگ اپنے نفس کی (بری
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ	صفت) حرص سے محفوظ کر دیئے
رَّحِیْمٌ ۔ سورہ حشر	جائیں تو وہ لوگ فلاح پانے
پارہ ۲۸ ۔	والے ہیں ۔ اور (یہ مال فی) ان

لوگوں کے لئے ہے ۔ جو مہاجرین و انصار کے بعد (اسلام میں) آئیں کہتے ہوئے کہ ہمارے پروردگار بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے سابق تھے ۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں عداوت ان لوگوں کی جو ایمان لائے ۔ اے ہمارے پروردگار! یقیناً تو نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ۔

ان آیات کی تفسیر تین فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے ۔

فصل اوّل میں ان آیات کے فارسی اور اردو مستند ترجمے سنی شیعہ دونوں کے ۔

فصل دوم میں اس سورہ حشر کے بعض نفائس کا بیان ہے ۔ اور آیات کے کلمات کی شرح اور جو تعلیمات حاصل ہو رہی ہیں ۔ ان کا بیان ۔

فصل سوم میں ان آیات کے متعلق حضرت مولینا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اور اس کا ترجمہ ۔

اخیر میں ایک تتمہ ہے ۔ جس میں کچھ بصیرت افروز مضامین اس سلسلہ تفسیر کے متعلق ہیں ۔

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ اس تفسیر سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے گی کہ قرآن مجید ہر معاملہ میں ہمارے لئے مشعل راہ ہے اور وہی ہمارا بہترین ہادی اور بہترین امام ہے ۔

فصلِ دوم

اس سورۃ کا نام سورۂ حشر اس وجہ سے ہؤا۔ کہ اس میں یہودیوں کے حشر یعنی اُن کی جلاوطنی کا تذکرہ ہے۔

اس سورت کے مضامین اور ان کی ترتیب ایک عجیب اسلوب پر رکھی گئی ہے۔ جس سے صاحبانِ عقل بہت عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔ چند باتیں بطورِ مثال کے یہاں زیب رقم کی جاتی ہیں۔

فصلِ اوّل

اس میں آیت مذکورہ کے فارسی اور اردو مستند تراجم شیعہ وسنی حضرات درج کیے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ تراجم عوام کے لئے چنداں ضروری نہیں تھے۔ البتہ اہل علم کے لئے زیادہ بصیرت افروز ہیں۔ اس لیے انہیں نیچے حاشیہ میں درج کرنا مناسب خیال کیا گیا۔

قرآن مجید کے ترجمے تو اب بہت ہوگئے ہیں۔ اور سنیوں کی دیکھا دیکھی شیعہ بھائیوں نے بھی ترجمے قرآن مجید کے اردو میں شائع کیے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے یہ چیز صاف طور پر نظر آتی ہے۔ کہ قرآن مجید نے ہمارے ان بھائیوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا ہے۔ قرآن مجید اُن کیلئے گڑ بھرا ہتھیار ہے۔ اگر اُس کو چھوڑتے ہیں۔ تو گڑ ہاتھ سے جاتا ہے۔ یعنی کلمہ گویان اسلام کی فہرست سے نام خارج ہوتا ہے۔ اور اگر نگلتے ہیں یعنی اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو تمام پیٹ اور پیٹ کے اندر کے تمام اعضاء جن پر مدار حیات ہے قیمہ ہوئے جاتے ہیں۔ یعنی مخالفین کی اصل و بنیاد کا قلع قمع ہوا جاتا ہے۔ بیچارے حیران ہیں کچھ بنائے نہیں بنتی۔ مُذَبذَبِینَ بَینَ ذٰلِكَ لَا اِلٰی هٰؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی هٰؤُلَآءِ۔

اب آیات مذکورہ کے تراجم ملاحظہ کیجیے۔

ازاں جملہ یہ کہ اس سورت کا آغاز بھی اپنی تسبیح و تقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح و تقدیس پر اور خاتمہ سورۃ پر اپنے صفات کاملہ اس قدر ذکر فرمائے ہیں۔ کہ اس قدر صفات یک جا قرآن مجید کی کسی دوسری سورۃ میں نہیں ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ اس سورۃ میں کچھ ایسے خاص مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ جو قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر زیادہ واضح دلالت کرتے ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ یہودیوں کی جزیرہ عرب سے جلاوطنی کی ایک زبردست پیشین گوئی فرمائی گئی ہے۔ اور وہ بھی ایک عجیب عنوان سے۔ یہودی جزیرہ عرب سے دو مرتبہ جلاوطن کئے گئے۔ ایک مرتبہ عہد نبوی میں جس کا بیان اس سورۃ میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں جس کی پیشین گوئی اس سورت میں ہے۔ اس طرح کہ عہد نبوی کی جلاوطنی کو اول کے ساتھ موصوف کر دیا فرمایا ھُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ یعنی وہی اللہ ہے جس نے ان یہودیوں کو ان کے وطن سے پہلی بار نکالا۔ یہ پہلی بار کا لفظ پیشین گوئی کر رہا ہے۔ کہ اس کے بعد پھر ان کی جلاوطنی ہونے والی ہے۔ کسی چیز کو اول کہنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس کے لئے کوئی ثانی بھی ہے۔ چنانچہ یہ زبردست پیشین گوئی کس جلال و جبروت کے ساتھ پوری ہوئی۔ حضرت فاروقؓ اعظم نے ایسا جلاوطن کیا۔ کہ جزیرہ عرب میں یہودیوں کا نام و نشان نہ باقی رہا۔ اس ضمن میں حضرت فاروق اعظمؓ کی ایک فضیلت بھی ثابت ہوئی۔ کہ قرآن مجید کی پیشین گوئی ان کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔

ازاں جملہ یہ کہ بسلسلۂ تقسیم مال فے مسلمانوں کی تین قسموں کا بیان فرما کر منافقوں کا ذکر فرمایا جو اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا سے شروع ہوتا ہے اس ترتیب بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کی تینوں قسموں سے منافق بالکل علیحدہ اور ممتاز کر دیئے گئے تھے۔ لہذا مہاجرین و انصار میں سے کسی

کو منافق کہنا قرآن مجید کی مخالفت ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی قوت تاثیر کو اس سورۃ میں بڑے اہتمام سے بیان فرمایا۔ فرمایا کہ یہ کتاب پتھر پر بھی اپنا اثر دکھانے والی ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں کافروں سے قتال اور ان کی جلاوطنی کا بیان ہے۔ اس لئے شاید کسی کو شبہہ ہوتا۔ کہ اسلام کی اشاعت جبر و قہر سے ہوئی۔ اس شبہ کا قرار واقعی قلع و قمع کر دیا۔ کہ اسلام کی اشاعت قرآن مجید کی تاثیر سے ہوئی ہے نہ کسی اور ذریعہ سے۔

اس قسم کے نفائس اس سورۃ میں اور بھی ہیں۔ اب آیات مبحوثہ کے کلمات کی شرح ملاحظہ ہو۔

فیءٌ اصل لغت میں تو اس لفظ کے معنی ہیں بازگشتن یعنی لوٹنا اور اصطلاح شریعت میں فئے اس مال کو کہتے ہیں۔ جو بغیر لڑائی کے اور بغیر فوج کشی کے کافروں سے حاصل ہو جائے۔ گویا وہ مال ناجائز قبضہ سے نکل کر اپنے اصلی مستحقوں کے پاس لوٹ کر آگیا۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی دولت کے اصلی مستحق مسلمان ہی ہیں۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا سے ظاہر ہے۔ اور عقل بھی اسی کو چاہتی ہے۔ کہ بادشاہ کے انعام کے مستحق اس کے فرماں بردار ہوں نہ کہ باغی۔

حکومت اسلامیہ کو جو مال حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ زکوٰۃ و صدقات مال غنیمت۔ مال فئے۔ ان تینوں قسم کے مالوں کے مصارف قرآن مجید میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں مال فئے کی تقسیم کا بیان ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ اس کلمہ سے صرف ان کے مستحق ہونے کا بیان مقصود نہیں بلکہ یہ ایک خاص لقب جس کی قدر وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جن کا دل ذوق محبت سے آشنا ہو۔ وہی اس بات کو جانتے ہیں۔ کہ کوئی محبوب اپنے محب کو اپنی گلی

کا فقیر کہہ دے۔ تو اس میں کس قدر لذت محب کو ملتی ہے۔ پھر دیکھو تاج فقر اُن کے زیب سر کرنے کے بعد مہاجرین کا لقب ان کو دیا گیا۔ گویا اس تاج میں چار چاند لگا دیئے گئے۔ مطلب یہ ہُوا کہ انہوں نے اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیا۔

اُخْرِجُوْا اس کلمہ سے ان کی مظلومیت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اور خاص لطف یہ ہے کہ پہلے اُن کو فقیر فرمایا تھا۔ اب ان کے دیار و اموال کا ذکر کر کے یہ بتا دیا کہ وہ پہلے فقیر نہ تھے۔ ان کے پاس گھر بھی تھا۔ اور مال بھی تھا۔ یہ تو اب میرے لئے اس حالت کو پہنچ گئے۔

گدایانے از بادشاہی نفور[1]
بامیدش اندر گدائی صبور[1]

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی اس بات کی ہے۔ کہ ان مہاجرین کا مطلوب و مقصود سوا رضائے الٰہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

ترکیب نحوی کے لحاظ سے یہ جملہ حالیہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہُوا۔ کہ یہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ ان کا کوئی جرم و قصور سوا اس کے نہ تھا۔ کہ یہ میری رضا کے طلب گار تھے۔ یہ بالکل ویسا ہی مضمون ہے۔ جیسا سورۃ حج میں انہیں مہاجرین کے حق میں فرمایا اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ یعنی یہ مہاجرین اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ بغیر کسی جرم کے سوا اس کے (ان کا کوئی جرم نہ تھا) کہ یہ لوگ ربنا اللہ کہتے تھے۔

یہی کلمہ یعنی یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا الخ یعنیہٖ آیت معیت میں کل صحابہ کرامؓ کی شان میں وارد ہُوا ہے۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ آیت معیت میں ان کے رکوع و سجود کے ذکر کے بعد یہ کلمہ ارشاد ہُوا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ

---

[1] ایسے فقیر کہ ظاہری بادشاہی سے کوسوں بھاگتے ہیں۔ وصال الٰہی کی امید میں فقیری پر صبر کرتے ہیں۔

صرف ان کے رکوع و سجود کی بابت یہ شہادت دی جا رہی ہے۔ کہ ان کا مقصود
سوا رضائے الٰہی کے کچھ نہیں ہے۔ اور یہ کلمہ کسی فعل خاص کے ذکر کے بعد نہیں
ہے۔ جس سے صاف نتیجہ یہ ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ ان کے کسی خاص فعل کی تخصیص
نہیں۔ بلکہ ان کے تمام افعال و اعمال ایسے ہی ہیں کہ کسی کا مقصود سوا رضائے الٰہی
کے کچھ نہیں ہے۔

يَنْصُرُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ یہ بھی انتہائی عزت افزائی کا کلمہ ہے۔ کہ
اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اسلام کا نہیں۔ بلکہ اپنا اور اپنے رسول کا مددگار
فرمایا۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ قرآن مجید میں وعدہ ہے۔ کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ
يَنْصُرْكُمْ اس وعدہ کو کلمۂ مذکورہ سے لاؤ تو ایک زبردست پیشین گوئی
نکل رہی ہے۔ کہ یہ مہاجرین ہمیشہ مظفر و منصور رہیں گے۔ اور اسی پیشین گوئی
کے مطابق ظہور بھی ہوا۔

هُمُ الصّٰدِقُوْنَ مہاجرین کی جماعت کو صادق فرمایا۔ اور ان کے
صدق کو کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ ان کی ہر بات سچی
اور واجب القبول ہے۔ اب اس کے ساتھ وہ آیت ملاؤ جس میں سچوں کے
ساتھ رہنے یعنی ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قولہ تعالیٰ كُوْنُوْا
مَعَ الصّٰدِقِيْنَ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جماعت مہاجرین اس امت
کی مقتدا ہے۔ ان کی پیروی از روئے قرآن امت پر واجب ہے۔ چنانچہ
چاروں خلفائے راشدین مہاجرین ہی میں سے ہیں۔

اَلدَّارَ وَالْاِيْمَانَ دار سے باتفاق مفسرین مدینہ طیبہ مراد ہے
بجائے دار الاسلام یا دار الہجرت کے مدینہ منورہ کو صرف دار فرمانا ایک
عظیم الشان فضیلت اس شہر مقدس کی ہے۔ معلوم ہوا کہ روئے زمین پر انسانوں
کا گھر ہے، تو صرف مدینہ ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین ست
ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست[1]

علمائے محققین لکھتے ہیں کہ ایمان سے بھی مدینہ منورہ ہی مراد ہے چنانچہ مدینہ کے ناموں میں سے ایک نام ایمان بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور سند میں یہی آیت پیش کی گئی ہے۔ اور کلمہ مِنْ قَبْلِهِمْ اس کے بعد ہے وہ اس مراد کا روشن قرینہ بھی ہے۔ کیونکہ ایمان سے مراد اگر مدینہ منورہ نہ ہو بلکہ صفت ایمان مراد لی جائے تو مِنْ قَبْلِهِمْ کسی طرح نہیں بنتا۔ مہاجرین سے پہلے انصار کا صفت ایمان سے موصوف ہونا خلاف واقع ہے۔

يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ۔ یہ انصار کی تعریف ہے۔ انصار کے فضائل میں مہاجرین کا محب ہونا بیان فرما کر مہاجرین کا رتبہ دوبالا کر دیا۔ جن کا محب ہونا فضائل میں شمار کیا جائے۔ ان محبوبین کا رتبہ کیا ہوگا۔

مِمَّآ اُوْتُوْا۔ اوتو کی ضمیر مہاجرین کی طرف بھی پھیری جا سکتی ہے۔ اور انصار کی طرف بھی مہاجرین کی طرف پھیرو تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ مہاجرین کو اگر کچھ مال مل جاتا ہے۔ تو انصار ان پر حسد نہیں کرتے۔ اور انصار کی طرف پھیرو تو مطلب یہ ہوگا کہ انصار کو کچھ مال مل جاتا ہے۔ تو اس مال سے ان کو محبت نہیں ہوتی۔ کہ اس کے خرچ کرنے میں بخل کریں۔ ایک مطلب کی بنا پر انصار کی جماعت کا حسد سے پاک ہونا ثابت ہوا۔ اور دوسرے مطلب کی بنا پر بخل سے اور آگے فرمایا۔ کہ جو شخص حسد یا بخل سے پاک ہو گیا۔ ہر قسم کی فلاح اس کو حاصل ہو گئی۔

ف۔ حسد اور بخل دونوں دنیا کی محبت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا جس شخص میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں۔ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اس کا قلب دنیا کی محبت سے

---

[1] اگر روئے زمین پر کہیں جنت الفردوس جیسی کوئی جگہ ہے۔ تو بس یہی مدینہ طیبہ ہے۔

پاک ہے۔ اور جب دنیا کی محبت سے کسی کا قلب پاک ہو جاتا ہے۔ تو اسی کو قلب سلیم کہتے ہیں۔ اور ایسے قلب کو صحیح تعلق اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَآءُوْا مہاجرین و انصار کے ذکر کے بعد اب ایک تیسری جماعت کا بیان فرمایا جاتا ہے۔ جس میں قیامت تک ہونے والے سب مسلمان شامل ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ ترکیب نحوی میں یہ جملہ حالیہ ہے۔ جس سے مطلب یہ نکلتا ہے۔ کہ اس تیسری جماعت کو اسلام میں داخل ہوتے ہی مہاجرین و انصار کی فضیلت کا اعتقاد اور ان کا ذکر خیر کرنا چاہیئے۔

سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ایمان کی سبقت سے مراد یہ نہیں ہے۔ کہ زمانۂ سابق میں ایمان لائے۔ محض زمانے کا مقدم ہونا شرعاً کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ سبقت ایمان سے مراد یہ ہے۔ کہ شخص سابق مابعد والوں کے اسلام کا سبب بنا ہو۔ اور دینی تعلیمات اُسی کے نقل و روایت سے مابعد والوں کو حاصل ہوئی ہوں۔ یہ صفت عموماً تمام صحابہ کرام میں اور خصوصاً مہاجرین و انصار میں اظہر من الشمس ہے۔ وہ تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت کا سبب[1] ہوئے۔ اسلامی تعلیمات انہیں کی نقل و روایت سے مابعد والوں کو ملیں۔

---

[1] بلکہ اصلی بات یہ ہے۔ کہ مابعد میں جس نے بھی اسلام قبول کیا۔ اس کے ایمان کی بنیاد انہیں حضرات کی چشم دید گواہی پر ہے۔ انہیں حضرات نے تمام دنیا میں اس بات کا اعلان کیا۔ کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان کے معجزات و دلائل کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور دین کی تعلیم بلا واسطہ اُن سے پائی ہے۔ مخالفین بھی مجبور ہو کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ مابعد والوں کے ایمان کی بنیاد پیغمبروں کے اصحاب کی شہادت پر ہوتی ہے۔ دیکھو احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران میں امام رضا کا قول ہے۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰہُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَھْلِہٖ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔
لَا تَجْعَلْ بجائے اس کے کہ یوں فرمایا جاتا۔ کہ اس تیسری جماعت کے دل میں مہاجرین و انصار کی عداوت نہیں ہے۔ یوں فرمایا گیا۔ کہ وہ لوگ ہم سے دعا مانگتے ہیں۔ کہ مہاجرین و انصار سے عداوت رکھنا بڑی بد بلا ہے۔ اس بلا سے نجات بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہو سکتی۔

علم الٰہی میں چونکہ ایک فرقہ ایسا پیدا ہونے والا تھا۔ جو مہاجرین و انصار کی عداوت کو عظیم الشان عبادت قرار دینے والا تھا۔ اس لئے اس مضمون کو اتنی اہمیت دی گئی۔ ورنہ کچھ ضرورت نہ تھی۔ یہ تو فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔ کہ اخلاف اپنے اسلاف کی عزت کریں۔ اور اُن کے کارناموں کی یاد تازہ کرتے رہیں۔

آج ہر یہودی کی زبان پر یہ لفظ ہے۔ کہ ہماری اُمت میں سب سے بہتر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا مرتبہ سب سے فائق ہے علیٰ ہذا دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے۔ سب اپنے اسلاف کی برتری کے گیت گاتے ہیں۔ مگر مشیت الٰہی کہ قرن صحابہ کے آخر میں کلمہ گویان اسلام میں ایک فرقہ روافض کا پیدا ہوا۔ جو فطرت انسانی کے اسلاف کرام کو بدترین اُمت کہتا ہے۔ اور جن کی بدولت کلمہ اسلام نصیب ہوا۔ ان سے عداوت رکھتا ہے۔ جس وقت اس فرقہ کا ظہور ہوا۔ کچھ کچھ صحابہ کرام موجود تھے۔ ان کو اس فرقہ کے اقوال سن کر سخت تعجب ہوا۔ اور انہوں نے ان کا بطلان اچھی طرح ظاہر فرمایا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی فرمایا۔ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے اقوال انشاء اللہ آئندہ فصل میں آئیں گے۔

تعلیمات و فوائد: ان آیتوں میں جو تعلیمات ہیں۔ آپ ان کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

(۱) مہاجرین کے متعلق تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی۔ اوّل یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نہایت خالص و مخلص بندے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا مقصود و مطلوب سوائے رضائے الٰہی

کے کچھ نہ تھا۔ اور اس مقصود کے حاصل کرنے میں ان کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔ لیکن وہ ثابت قدم رہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار تھے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ قیامت کے دن ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ صادق تھے۔ اور صادق ہونے کی وجہ سے واجب الاقتداء تھے۔

(۲) انصار کے متعلق بھی تین عقیدوں کی تعلیم دی گئی۔ اول یہ کہ وہ مہاجرین کے محب تھے۔ دوم یہ کہ ان کے نفوس ایسے مزکیٰ تھے۔ کہ حرص و حسد کا ان کے پاس گذر نہ تھا۔ حتیٰ کہ باوجود صاحب حاجت ہونے کے مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ سوم یہ کہ وہ فلاح پانے والے تھے۔ فلاح آخرت کی تخصیص نہ فرمائی۔ لہٰذا دنیا و آخرت دونوں کی فلاح اُن کے لئے لازم ہوگئی۔

(۳) مہاجرین و انصار کے بعد جو مسلمان ہوں۔ اُن کو یہ تعلیم دی گئی۔ کہ وہ مہاجرین و انصار کے مرتبے کو پہچانیں۔ اور ان کے لئے استغفار یعنی دعائے خیر کرتے رہیں۔ اور ان سے بغض و عداوت نہ رکھیں۔

استغفار کے لفظ سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ بالفرض مہاجرین و انصار سے کوئی گناہ بھی سرزد ہوا ہو۔ تو مابعد والوں کو اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ان کے لئے استغفار کرنا چاہیئے۔

ف۔ اہل سُنت کے عقائد کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ نَکُفُّ عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ یعنی ہم صحابہ کرام کا ذکر سوا بھلائی کے کسی دوسری طرح نہیں کرتے۔ اس کی بنیاد اسی قسم کی آیتوں[1] پر ہے۔

---

[1] اور احادیث میں تو یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ثوبان سے اور ابن عدی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا یعنی جب

باقی حاشیہ ص ۳۱۱ پر

اس آخری آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرین و انصار کی مدح کرنا اُن کے فضائل و مناقب کا چرچا کرنا مابعد والوں کے فرائض میں سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۰)

میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے۔ تو ان کی بدگوئی سے زبان کو روکو۔ یہی مضمون مخالفین کی معتبر کتابوں میں حضرت امام زین العابدین سے منقول ہے۔ چنانچہ کشف الغمہ مطبوعہ ایران ص ۱۹۹ میں ہے۔

قَالَ سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ	سعید بن مرجانہ کہتے ہیں۔ کہ میں ایک
كُنْتُ يَوْمًا عِنْدَ عَلِيِّ	روز امام زین العابدین کے پاس
بْنِ الْحُسَيْنِ إِلَى أَنْ قَالَ	بیٹھا ہوا تھا کچھ لوگ عراق کے
وَقَدِمَ عَلَيْهِ نَفَرٌ مِنْ	رہنے والے اُن کے پاس آئے۔
أَهْلِ الْعِرَاقِ فَقَالُوا فِي	اور انہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان
أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ	رضی اللہ عنہم کی شان میں کچھ
رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَلَمَّا	(ناشائستہ کلام) کہا۔ جب وہ اپنی
فَرَغُوا مِنْ كَلَامِهِمْ	بات ختم کر چکے۔ تو امام نے ان سے
قَالَ لَهُمْ أَلَا تُخْبِرُونِي	فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ تم لوگ ان مہاجرین
أَفَأَنْتُمُ الْمُهَاجِرُونَ	اولین میں سے ہو جن کے حق میں
الْأَوَّلُونَ الَّذِينَ	اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں سے
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ	اور اپنے مالوں سے نکالے گئے
وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ	اس حال میں کہ وہ اللہ کی بخشش
فَضْلًا مِنَ اللهِ وَرِضْوَانًا	اور رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ
وَيَنْصُرُونَ اللهَ وَ	کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے

ایک بڑی چیز ان آیتوں میں اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مال فے کا مستحق تین جماعتوں کو قرار دیا۔ اوّل مہاجرین دوّم انصار سوّم وہ مسلمان جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٣١١)

رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ قَالُوْا لَا قَالَ
فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ تَبَوَّءُو
الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ
قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ
فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً
مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط قَالُوْا
لَا قَالَ مَآ اَنْتُمْ مِّنْ
تَبَرَّأْتُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِنْ
اَحَدِ هٰذَيْنِ الْفَرِيْقَيْنِ
وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكُمْ
لَسْتُمْ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ
اللّٰهُ فِيْهِمْ وَالَّذِيْنَ
جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ

ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ ان لوگوں نے
جواب دیا کہ نہیں۔ امام نے فرمایا:
کہ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو۔
(جن کے حق میں اللہ نے فرمایا، کہ
انہوں نے دار میں اور ایمان میں
مہاجرین سے پہلے سکونت اختیار
کی تھی۔ اور محبت رکھتے تھے ان
لوگوں سے جو ان کے پاس ہجرت
کرکے آئے اور نہیں پاتے اپنے
سینوں میں کوئی حاجت اُس چیز کی
طرف سے جو ان کو دی گئی۔ اگرچہ
اُن پر تنگی ہو۔ ان لوگوں نے جواب
دیا کہ نہیں امام نے فرمایا کہ آگاہ ہو
ان دونوں گروہوں میں سے نہ ہونے
کا تو تم کو خود اقرار ہے۔ اور میں
گواہی دیتا ہوں کہ تم اُس تیسرے
گروہ میں سے بھی نہیں ہو (جن
کے حق میں اللہ نے فرمایا، کہ وہ دعا
مانگتے ہیں کہ۔ ہمارے پروردگار بخش

(باقی حاشیہ صفحہ ٣١٣ پر)

مہاجرین وانصار کے مداح اور دُعاگو ہوں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جو لوگ مہاجرین وانصار کے مداح نہ ہوں۔ بلکہ ان کی بدگوئی کریں۔ وہ مال فئے کے مستحق نہیں اس کے بعد یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ مال فئے کا مستحق ھر مسلمان ہے۔ جیسا کہ ان روایات سے جو آئندہ فصل میں منقول ہوں گی۔ ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ اور مہاجرین وانصار کی بدگوئی کرنے والے ان تینوں قسموں سے خارج ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد اول صـ۱۵۳ میں انہیں آیتوں کو لکھ کر فرماتے ہیں۔

فَهٰذِهِ الْاٰيَاتُ تَتَضَمَّنُ	یہ آیات مہاجرین اور انصار اور
الثَّنَاءَ عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ	ان لوگوں کی تعریف پر شامل ہیں
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ	جو مہاجرین وانصار کے بعد آئیں

(بقیہ حاشیہ صـ۳۱۲)

سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا	دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو
تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا	جو ہم سے سبقت لے گئے ایمان میں۔
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اُخْرُجُوْا	اور نہ کر ہمارے دلوں میں کینہ ایمان
عَنِّيْ فَعَلَ اللّٰهُ بِكُمْ۔	والوں کا تم تو بجائے دُعائے خیر کے

ان کی بدگوئی کرتے ہو۔ لہذا تم مسلمانوں کی تینوں قسموں سے خارج ہو میرے پاس سے نکل جاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ بُرائی کرے۔ آمین۔

حضرت امام زین العابدین نے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کرنے والوں کو کس صفائی کے ساتھ بتادیا۔ کہ قرآن مجید نے جو تین قسمیں مسلمانوں کی سورہ حشر میں بیان فرمائی ہیں۔ تم ان تینوں قسموں سے خارج ہو۔ دوسرے ائمہ کرام سے بھی اسی قسم کے کلمات منقول ہیں۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی بدگوئی کرنے والوں کو فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُرَّاقُ یعنی یہ لوگ دین سے خارج ہیں ۱۲ ؛

جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَسْتَغْفِرُوْنَ لَهُمْ وَ
يَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ أَنْ لَا
يَجْعَلَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ غِلًّا لَّهُمْ
وَتَتَضَمَّنُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْأَصْنَافَ
هُمُ الْمُسْتَحِقُّوْنَ لِلْفَيْءِ
وَلَا رَيْبَ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الرَّافِضَةِ
خَارِجُوْنَ مِنَ الْأَصْنَافِ
الثَّلَاثَةِ فَإِنَّهُمْ لَمْ
يَسْتَغْفِرُوْا لِلسَّابِقِيْنَ وَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ غِلٌّ عَلَيْهِمْ
فَفِي الْآيَاتِ الثَّنَاءُ عَلَى
الصَّحَابَةِ وَعَلٰى أَهْلِ السُّنَّةِ
الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُمْ وَ
إِخْرَاجُ الرَّافِضَةِ مِنْ
ذٰلِكَ وَهٰذَا يَفْتَضُّ
مَذْهَبَ الرَّافِضَةِ.

اور ان کے لئے استغفار کریں
اور اللہ سے یہ دعا مانگیں کہ
ہمارے دلوں میں ان کا کینہ
نہ ہو۔ نیز ان آیتوں میں یہ
مضمون بھی ہے۔ کہ مال فے
کے مستحق بھی تین جماعتیں
ہیں۔ اور اس میں کچھ شک
نہیں کہ روافض ان تینوں قسموں
سے خارج ہیں۔ اس لئے کہ
وہ سابقین کے لئے استغفار
نہیں کرتے۔ اور ان کے دلوں
میں ان کا کینہ ہے۔ پس ان آیات
میں تعریف ہے صحابہ کی اور
اہل سنت کی جو صحابہ سے محبت
رکھتے ہیں۔ اور روافض کا اس
سے اخراج کیا گیا ہے یہ بات
مذہب روافض کو بالکل چاک
کر دیتی ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام موصوف نے کچھ اقوال صحابہ کرامؓ کے اسی مضمون کی تائید میں نقل کئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں امام مالکؒ اور دوسرے اکابر فقہاء سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔ کہ سلف صالحین کی بدگوئی کرنے والے کا مال فے میں کچھ حق نہیں۔

فصل سوم

حضرت مولینا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی عدیم النظیر کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل ششم میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ سُوْرَةِ الْحَشْرِ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ خدا تعالیٰ در نص قرآن چیزے را کہ بہ فے حاصل شد یعنے بغیر ایجاف خیل ورکاب و بدون مباشرت قتال معین میگرداند برائے مصارف مذکورہ کہ خدا و رسول و ذوقرابت رسول و یتامیٰ و مساکین و ابن سبیل باشند۔ بعد ازاں مے فرماید۔ للفقراء یعنے آں فے برائے فقرائے مہاجرین است و برائے انصار و برائے تابعان ایشان باحسان کہ بوصف نصیحت و خیر خواہی و دعائے خیر برائے پیشینیان متصف اند۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ حشر میں فرمایا کہ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔ خدائے تعالیٰ نص قرآن میں اس مال کو جو بطور فے کے حاصل ہو یعنی بغیر گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے یعنی بغیر فوج کشی کے اور بغیر لڑائی کرنے کے مل جائے۔ اُن مصارف کے لئے معین کرتا ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی خدا و رسول اور رسول کے قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔ اس کے بعد فرماتا ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ یعنی وہ مال فے فقراء مہاجرین کے لئے ہے۔ اور انصار

کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو نیکی میں مہاجرین اور انصار کے
پیرو ہوں اور اگلوں کے لئے خلوص اور خیر خواہی اور دعائے خیر کرتے ہوں

چوں فے برائے جماعت غیر محصورین
مقرر شد ملک یمین کسے نباشد
بلکہ ہر کسے را قدر مایحتاج او
باید داد ۔ و معنی خلیفہ نیست ۔
الا آنکہ تصرف کند ۔ در بیت المال
مسلمین بموافقت سنت
آں حضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ
وسلم بہ نیابت او علیہ الصلوٰۃ
والسلام ۔ پس خلیفہ متصرف
در فے باشد و آں فے ملک
آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نبود تا مبحث میراث در آں
جاری باشد ۔ و نیز آں حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم شخصے خاص
را از اقارب خود ہبہ او نتواند
کرد ۔ وہو المقصود ۔

(جب مال فے ایک غیر محدود
جماعت کے لئے قرار پایا تو معلوم
ہوا کہ) یہ مال کسی کی ملک نہیں
ہوتا ۔ بلکہ (اس کو مسلمانوں کے
بیت المال میں رکھنا چاہیئے ۔
اور اس میں سے) ہر مسلمان کو
اس کی ضرورت کے موافق دینا
چاہیئے اور (یہ بات سب کو
مسلم ہے کہ) خلیفہ کا (بڑا) کام یہ
ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال
میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی سنت کے مطابق آپ کے
نائب ہونے کی حیثیت سے تصرف
کرے ۔ لہٰذا (ثابت ہو گیا کہ) خلیفہ
فے میں تصرف کرے گا (یعنی
اس کو اپنی صوابدید سے صرف
کرے گا اور (یہ بھی ثابت ہو گیا کہ) مال فے آں حضرتؐ کی ملک نہ تھا ۔
کہ اس میں[1] وراثت کی بحث پیدا ہو ۔ اور جب ملک نہ تھا ۔ تو آپ
اپنے قرابت داروں میں سے کسی کو ہبہ بھی نہ کر سکتے تھے ۔ وہو المقصود ۔

[1] ان چند جملوں میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ فدک کو ایسا ختم کر دیا کہ باید و شاید ۔ فدک کا
از قسم فے ہونا مسلم الکل ہے اور جب نص قرآنی سے یہ ثابت ہو گیا ۔ کہ مال فے کسی کی ملک نہیں ہوتا ۔ تو اب

(باقی حاشیہ صـ ۳۱۷)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ	حضرت عمرؓ بن خطاب سے منقول
قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي	ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔ قبیلہ
النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ	بنی نضیر کے مال از قسم فے تھے۔
عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ	کیونکہ ان مالوں کے حاصل کرنے
يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ	میں مسلمانوں نے نہ گھوڑے
مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ	دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ یہ مال
وَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً	کے لئے مخصوص تھے۔ آپ اپنے
وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهٖ	گھر والوں کا سال بھر کا خرچ
مِنْهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ	اسی میں سے کرتے تھے۔ پھر جو
ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي	باقی رہتا تھا۔ اس کو اللہ کی راہ
السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً	میں اسلحہ وغیرہ کے خریدنے میں
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَنْ مَالِكِ	صرف کرتے تھے۔ مالک بن
بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ	اوس بن حدثان سے روایت
قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ	ہے۔ کہ وہ کہتے تھے (ایک روز)
إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ	حضرت عمرؓ بن خطاب نے یہ آیت
وَالْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى بَلَغَ	پڑھی۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ثُمَّ قَالَ	لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ عَلِيْمٌ
هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ	حَكِيْمٌ تک۔ پھر فرمایا کہ یہ (قسم
قَرَأَ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا	مال کی) ان لوگوں کے لئے ہے،

(بقیہ حاشیہ[۳۱۶]) فدک میں خواہ میراث کی بحث ہو خواہ ہبہ کی کچھ جان باقی نہ رہی اور یہ سارا طومار خاکستر ہو گیا۔ فالحمد للہ ۱۲

غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ	جن کا ذکر آیت میں ہے، بعد
لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الْاٰیَةَ ثُمَّ	اس کے یہ آیت پڑھی ۔ وَ
قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ	اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ
قَرَأَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى	مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ
رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ	اَلْاٰیَةَ پھر یہ فرمایا کہ یہ
الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَاءِ	(قسم مال کی)، ان لوگوں کے لئے
الْمُهَاجِرِیْنَ اِلٰٓى اٰخِرِ	ہے (جن کا ذکر اس آیت
الْاٰیَةِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ	میں ہے)، پھر فرمایا کہ یہ (قسم
لِلْمُهَاجِرِیْنَ ثُمَّ تَلَا	مال کی) ان لوگوں کے لئے ہے.
وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ	اس کے بعد یہ آیت پڑھی مَا
الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ	اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
اِلٰٓى اٰخِرِ الْاٰیَةِ فَقَالَ	مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى لِلْفُقَرَاءِ
هٰذِهٖ لِلْاَنْصَارِ ثُمَّ	الْمُهَاجِرِیْنَ تک اور فرمایا
قَرَأَ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ	کہ یہ مال مہاجرین کے لئے
مِنْۢ بَعْدِهِمْ اِلٰٓى اٰخِرِ	ہے پھر وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ
الْاٰیَةِ ثُمَّ قَالَ اسْتَوْعَبَتْ	الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ
هٰذِهِ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةً	قَبْلِهِمْ کی تلاوت کر کے فرمایا
وَلَیْسَ اَحَدٌ اِلَّا لَهٗ فِیْ	کہ یہ مال انصار کے لئے ہے.
هٰذَا الْمَالِ اِلَّا مَا تَمْلِكُوْنَ	پھر وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ
مِنْ رَّقِیْقِكُمْ ثُمَّ قَالَ	بَعْدِهِمْ آخر آیت تک
لَئِنْ عِشْتُ لَیَاْتِیَنَّ	پڑھ کر فرمایا کہ یہ لفظ تمام
الرَّاعِیَ وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْیَرَ	مسلمانوں کو شامل ہے۔ کوئی
نَصِیْبُهٗ مِنْهَا لَمْ	مسلمان ایسا نہیں۔ جس کا حق

يَعْرَقُ جَبِيْنُهٗ ۔ اس مال میں نہ ہو۔ سوا ان غلاموں کے جو تمہارے ملک میں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر میں (کچھ دنوں) زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو مقام سرو حمیر میں اس کا حصہ پہنچ جایا کرے گا (جس کے حاصل کرنے میں، اس کی پیشانی پر پسینہ بھی نہ آئیگا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ اجْتَمِعُوْا لِهٰذَا الْمَالِ فَانْظُرُوْا لِمَنْ تَرَوْنَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنِّىْ اَمَرْتُكُمْ اَنْ تَجْتَمِعُوْا لِهٰذَا الْمَالِ فَتَنْظُرُوْا لِمَنْ تَرَوْنَهٗ وَاِنِّىْ قَرَأْتُ اٰيَاتٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَكَفَتْنِىْ سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِلٰى قَوْلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ لِهٰٓؤُلَآءِ وَحْدَهُمْ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ اِلٰى قَوْلِهٖ الْمُفْلِحُوْنَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ لِهٰٓؤُلَآءِ وَحْدَهُمْ

زید بن اسلم سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! (ایک دن) سب جمع ہو کر اس مال کے متعلق غور کرو کہ کس کو دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے تم لوگوں سے جمع ہو کر اس مال کے متعلق غور کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اب میں نے کتاب اللہ میں کچھ آیتیں پڑھیں وہ میرے لیئے کافی ہیں۔ میں نے اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ... هُمُ الصّٰدِقُوْنَ تک معلوم ہوا کہ یہ مال ان لوگوں کا حق ہے مگر نہ صرف ان کا (کیونکہ آگے فرمایا)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَآ اِلٰى قَوْلِهٖ رَحِيْمٌ وَاللّٰهِ مَآ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا لَهٗ حَقٌّ فِيْ هٰذَا الْمَالِ اُعْطِيَ مِنْهُ اَوْ مُنِعَ مِنْهُ حَتّٰى رَاعِيْ بِعَدَنَ

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ اِلٰى قَوْلِهٖ الْمُفْلِحُوْنَ تک معلوم ہوا کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے مگر نہ صرف ان کا کیونکہ آگے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا قولہ رَحِيْمٌ۔ معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو۔ اب خواہ اس کو دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ یہاں تک کہ عدن جیسے دور دراز مقام، میں ایک چرواہا رہتا ہو اس کا بھی حق ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَسَمَ عُمَرُ ذَاتَ يَوْمٍ قَسْمًا مِنَ الْمَالِ فَجَعَلُوْا يُثْنُوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَحْمَقَكُمْ لَوْ كَانَ لِيْ مَا اَعْطَيْتُكُمْ مِنْهُ دِرْهَمًا

سعید بن مسیب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے کچھ مال تقسیم کیا تو لوگ (خوش ہوکر) ان کی تعریف کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تم کس قدر احمق ہو۔ اگر یہ مال میرا ہوتا تو میں تم کو اس میں سے ایک درہم بھی نہ دیتا۔

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّمْلَاَ اللّٰهُ اَيْدِيَكُمْ مِنَ الْعَجَمِ ثُمَّ يَجْعَلُهُمْ اُسُدًا

سمرہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے۔ کہ اللہ تمہارے ہاتھ عجم کے مال سے بھر دیگا۔ پھر اللہ ان کو (اسلام سے مشرف

لَا يَفِرُّوْنَ فَيَقْتُلُوْنَ مُقَاتِلَتَكُمْ وَيَأْكُلُوْنَ فَيْئَكُمْ ۔

کرکے) شیر بنادے گا۔ کہ لڑائی سے فرار نہ کریں گے۔ اور تمہارے دشمنوں کو قتل کریں گے۔ اور تمہارے فے کو وہ بھی کھائیں گے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ثَلٰثًا مَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ إِلَّا لَهُ فِيْ هٰذَا الْمَالِ حَقٌّ أُعْطِيَهُ أَوْ مُنِعَهُ وَمَا أَحَدٌ أَحَقُّ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ وَمَا أَنَا فِيْهِ إِلَّا كَأَحَدِهِمْ وَلٰكِنَّا عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَقَسْمِنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهُ فِي الْإِسْلَامِ وَالرَّجُلُ وَقِدَمُهُ فِي الْإِسْلَامِ فَالرَّجُلُ وَغَنَاؤُهُ فِي الْإِسْلَامِ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهُ وَاللّٰهِ لَئِنْ

سائب بن یزید سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ سے سنا۔ کہ تین مرتبہ انہوں نے اس طرح قسم کھا کر کہ قسم اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو۔ اب خواہ حق دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ اور اس حق میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں سوا غلام کے کہ اس کا البتہ کوئی حق اس مال میں نہیں میں بھی اس معاملہ میں مثل اور لوگوں کے ہوں۔ ہاں ہم لوگوں کے جو مدارج کتاب اللہ میں ہیں اور جو حصہ ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے وہ بجائے خود ہے۔ پس ہر شخص اپنے اس درجہ میں ہے۔ جو مصائب اس نے اسلام میں برداشت کیے۔ اور

بَقِیْتُ لَیَاتِیَنَّ الرَّاعِیُ بِجَبَلِ صَنْعَاءَ حَظُّہٗ مِنْ ھٰذَا الْمَالِ وَھُوَ بِمَکَانِہٖ۔

رسوخ اس نے اسلام میں حاصل کیا۔ اور جو فوائد اس سے اسلام کو پہنچے۔ اور ہر شخص کی حاجت کا بھی لحاظ کیا جائے گا واللہ اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو جو صنعا کے پہاڑ میں رہتا ہو اس کا حصہ اُس کے گھر میں پہنچ جایا کرے گا۔

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ کَتَبَ عُمَرُ اِلٰی حُذَیْفَۃَ اَنْ اَعْطِ النَّاسَ اَعْطِیَتَھُمْ وَاَرْزَاقَھُمْ فَکَتَبَ اِلَیْہِ اِنَّا قَدْ فَعَلْنَا وَبَقِیَ شَیْءٌ کَثِیْرٌ فَکَتَبَ اِلَیْہِ عُمَرُ اِنَّہٗ فَیْئُھُمُ الَّذِیْ اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ لَیْسَ ھُوَ لِعُمَرَؓ وَلَا لِاٰلِ عُمَرَؓ اِقْسِمْہُ بَیْنَھُمْ۔

حسنؒ بصری سے روایت ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ کو یہ لکھ کر بھیجا۔ کہ لوگوں کو ان کے گزارے اور روزینے دے دو۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب بھیجا کہ دینے کے بعد بھی بہت سا مال بچ رہا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ فے کا مال ہے نہ عمرؓ کا ہے نہ عمر کی اولاد کا۔ لہذا کل تقسیم کردو۔

عَنْ قَتَادَۃَ فِیْ قَوْلِہٖ لِلْفُقَرَآءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ قَالَ ھٰؤُلَآءِ الْمُھَاجِرُوْنَ تَرَکُوا الدِّیَارَ وَالْاَمْوَالَ وَالْاَھْلِیْنَ وَالْعَشَائِرَ وَ

قتادہ سے لِلْفُقَرَآءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ کی تفسیر میں منقول ہے کہ یہ مہاجرین کا بیان ہے۔ جنہوں نے گھر اور مال اور بی بی بچوں اور اعزہ و اقارب کو چھوڑ دیا۔ اور اللہ اور اس کے

خَرَجُوْا حُبًّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَاخْتَارُوا الْاِسْلَامَ عَلٰى مَا كَانَتْ فِيْهِ مِنْ شِدَّةٍ حَتّٰى ذُكِرَ لَنَا اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَعْصِبُ الْحَجَرَ عَلٰى بَطْنِهٖ لِيُقِيْمَ بِهٖ صُلْبَهٗ مِنَ الْجُوْعِ وَكَانَ الرَّجُلُ يَتَّخِذُ الْحُفْرَةَ فِي الشِّتَاءِ مَالَهٗ دِثَارٌ غَيْرُهَا۔

رسول کی محبت میں اپنے وطن سے نکل گئے۔ اور باوجود سختیوں کے اسلام کو اختیار کیا۔ یہاں تک کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ حال تھا کہ وہ لوگ بھوک کے سبب سے اپنے شکم پر پتھر باندھتے تھے۔ تاکہ اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھ سکیں اور جاڑوں میں گڑھے کھود کر اُن میں رہتے تھے کوئی کپڑا ان کے پاس نہ ہوتا تھا۔

وَعَنْ قَتَادَةَ فِيْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ قَالَ هُمْ هٰذَا الْحَيُّ مِنَ الْاَنْصَارِ اَسْلَمُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ وَابْتَنَوُا الْمَسَاجِدَ قَبْلَ قُدُوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَنَتَيْنِ وَاَحْسَنَ اللّٰهُ الثَّنَاءَ عَلَيْهِمْ فِيْ ذٰلِكَ وَهَاتَانِ الطَّائِفَتَانِ الْاُوْلَيَانِ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَخَذَتَا

نیز قتادہ سے وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيمان اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَة کی تفسیر میں منقول ہے۔ کہ یہ بیان قبیلہ انصار کا ہے۔ وہ اپنے وطن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے دو برس پہلے اسلام لائے اور مسجدیں بنائیں۔ اللہ تعالٰی نے ان کے اس کام کی تعریف فرمائی۔ اول اس امت کے یہ دونوں اگلے گروہ اپنی اپنی فضیلت

بِفَضْلِهِمَا وَاَثْبَتَ اللّٰهُ حَظَّهُمَا فِي هٰذَا الْفَيْءِ ثُمَّ ذَكَرَ الطَّائِفَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ قَالَ اِنَّمَا اُمِرُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِاَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُؤْمَرُوْا بِسَبِّهِمْ۔

لے گئے۔ اور اللہ نے ان دونوں کا حصہ مال فے میں قائم کر دیا۔ اور اُن کے بعد اللہ نے تیسرے گروہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ (یہ آیت پڑھ کر) قتادہ نے کہا۔ کہ لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کریں۔ ان کی بدگوئی کا حکم نہیں دیا گیا۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَلَى الْاَنْصَارِ فَلَمْ يَجِدُوْا فِيْ صُدُوْرِهِمْ قَالَ الْحَسَدَ۔

حسنؒ بصری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مہاجرین کو انصار پر فضیلت دی۔ مگر انصار کو ان پر حسد نہ ہوا۔

عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اُوْصِي الْخَلِيْفَةَ بَعْدِيْ بِالْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ اَنْ يَّعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ وَيَحْفَظَ لَهُمْ حُرْمَتَهُمْ وَاُوْصِيْهِ بِالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ

حضرتؓ عمر سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا میں آپ کے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کا خیال کرے ان کی حق شناسی کرے۔ اور ان کی عزت کی حفاظت کرے۔ اور انصار کے لئے بھی

الْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّهَاجِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّقْبَلَ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَيَعْفُوْا عَنْ مُّسِيْئِهِمْ۔

وصیت کرتا ہوں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ لی تھی۔ کہ ان کے نیکو کاروں کی نیکی قبول کرے۔ اور ان کے خطا کاروں سے در گذر کرے۔

عَنْ سَعْدِ ابْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ النَّاسُ عَلٰى ثَلٰثِ مَنَازِلَ قَدْ مَضَتْ مَنْزِلَتَانِ وَبَقِيَتْ مَنْزِلَةٌ فَأَحْسَنُ مَا أَنْتُمْ كَائِنُوْنَ عَلَيْهِ أَنْ تَكُوْنُوْا بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ بَقِيَتْ ثُمَّ قَرَأَ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاءِ الْمُهَاجِرُوْنَ وَهٰذِهِ مَنْزِلَةٌ وَّقَدْ مَضَتْ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَاءِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رض سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے کہا لوگوں کے (یعنی مسلمانوں کے) تین طبقہ ہیں۔ دو طبقہ تو گذر چکے۔ اب صرف ایک باقی ہے۔ پس تمہاری بہترین حالت یہ ہے۔ کہ جو طبقہ باقی رہ گیا ہے۔ اس میں داخل ہوجاؤ اس کے بعد انہوں نے لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ الْاٰيَةَ کی تلاوت کی اور کہا کہ یہ مہاجرین کا طبقہ ہے۔ اور یہ طبقہ گذر چکا۔ اس کے بعد الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ الْاٰيَةَ

الْاَنْصَارُ وَهٰذِهٖ مَنْزِلَةٌ وَقَدْ مَضَتْ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ مَضَتْ هَاتَانِ الْمَنْزِلَتَانِ وَبَقِيَتْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ فَاَحْسَنُ مَآ اَنْتُمْ كَائِنُوْنَ عَلَيْهِ اَنْ تَكُوْنُوْا بِهٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ۔

کی تلاوت کی۔ اور کہا کہ یہ انصار کا طبقہ ہے۔ یہ بھی گذر چکا اس کے بعد وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کی تلاوت کی اور کہا کہ وہ دونوں طبقہ تو گذر چکے۔ اب یہی ایک طبقہ باقی ہے۔ لہٰذا تمہاری بہترین حالت یہ ہے۔ کہ اس تیسرے طبقہ میں تمہارا شمار ہو جائے۔

عَنِ الضَّحَّاكِ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ الْاٰيَةَ اُمِرُوْا بِالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ وَقَدْ عَلِمَ مَآ اَحْدَثُوْا۔

ضحاکؒ سے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کو حکم ملا تھا کہ صحابہ کے لئے استغفار کریں۔ مگر اب دیکھو لوگ کیسی بدعت کر رہے ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُمِرُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِاَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبُّوْهُمْ ثُمَّ قَرَأَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کریں مگر لوگوں نے بجائے استغفار کے، ان کی بدگوئی شروع کر دی۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ۔

یہ کہہ کر انہوں نے بھی آیت وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ پڑھی ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَجُلًا يَتَنَاوَلُ بَعْضَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَرَأَ عَلَيْهِ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ هٰؤُلَآءِ الْمُهَاجِرُوْنَ اَفَمِنْهُمْ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ الْاٰيَةَ قَالَ هٰؤُلَآءِ الْاَنْصَارُ اَفَمِنْهُمْ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰيَةَ قَالَ اَفَمِنْ هٰؤُلَآءِ اَنْتَ قَالَ اَرْجُوْ قَالَ لَا لَيْسَ مِنْ هٰؤُلَآءِ مَنْ سَبَّ هٰؤُلَآءِ ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ مہاجرین میں سے کسی پر اعتراض کرتا ہے ۔ تو انہوں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی ۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاٰيَةَ اور اس سے فرمایا کہ یہ مہاجرین کا بیان ہے ۔ کیا تو اس گروہ میں سے ہے اس نے کہا نہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ الْاٰيَةَ اور فرمایا کہ یہ انصار کا بیان ہے ۔ کیا تو اس گروہ میں سے ہے ۔ اس نے کہا نہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰيَةَ ۔ اور فرمایا کہ کیا تو اس گروہ میں سے ہے ۔ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی

رکھتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ اس گروہ میں سے وہ شخص نہیں ہو سکتا جو پہلے دونوں گروہوں کی بدگوئی کرے۔

وَمِنْ وَجْهٍ اٰخَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا قَالَ مِنْ عُثْمَانَ فَدَعَاهُ فَاَقْعَدَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَرَأَ عَلَيْهِ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ قَالَ مِنْ هٰؤُلَاءِ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ الْاٰيَةَ ثُمَّ قَالَ اَمِنْ هٰؤُلَاءِ اَنْتَ قَالَ لَا ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ الْاٰيَةَ قَالَ اَمِنْ هٰؤُلَاءِ اَنْتَ قَالَ اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ مِنْهُمْ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ مِنْهُمْ مَنْ تَنَاوَلَهُمْ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهِ الْغِلُّ عَلَيْهِمْ۔ (ازالۃ الخفا)

ایک دوسری سند سے حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ ان کو یہ خبر ملی کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتا ہے۔ آپ نے اس کو بلایا۔ اور اپنے سامنے بٹھلایا اسکے سامنے یہ آیت پڑھی للفقراء المھاجرین اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے کہا نہیں پھر یہ آیت پڑھی والذین تبوؤ الدار والایمان الآیۃ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے اس نے کہا نہیں پھر یہ آیت پڑھی۔ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ وَمِنْ بَعْدِهِمْ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے۔ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی رکھتا ہوں کہ میں انہیں سے ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ نہیں اللہ کی قسم وہ شخص ان میں سے نہیں ہو سکتا۔ جو مہاجرین و انصار پر اعتراض کرے۔ اور اس کے دل میں ان کی عداوت ہو۔

ازالۃ الخفاء کی عبارت ختم ہو گئی۔ اور چونکہ تفاسیر موجودہ میں اس قدر جامع عبارت کسی میں نہ تھی۔ لہذا اس وقت صرف اسی عبارت پر اکتفا کی گئی۔

تتمہ

یہ سلسلہ آیات قرآنیہ کی تفسیر کا بظاہر نظر صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کے بیان کرنے کے لئے شروع کیا گیا تھا۔ لیکن درحقیقت اصلی نتیجہ اس مبحث کا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کا مظاہرہ ہے۔

ایک مرتبہ قرآن مجید کو شروع سے آخر تک اس نظر سے دیکھنے کی توفیق ملی۔ کہ جن آیات میں دلائل نبوت کا بیان ہوا۔ ان کو منتخب کر لیا جائے۔ اس مطالعہ سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن مجید میں چار قسم کے دلائل آپ کی نبوت پر قائم فرمائے گئے ہیں۔

پہلی قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی انبیائے سابقین علیہم السلام کی اور کتب الٰہیہ سابقہ کی پیشین گوئیاں ہیں۔ جو متعدد آیتوں مختلف عنوانوں اور عبارتوں میں پیش فرمائی گئی ہیں۔ مثلاً ایک آیت میں فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ[1] اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ اور دوسری جگہ فرمایا اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ[2] مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ اور ایک جگہ فرمایا اَوَلَمْ[3] یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔

دوسری قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے حالات ہیں جن

---

[2] ترجمہ: وہ نبی امی جس کو اپنے پاس توراۃ، انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

[3] ترجمہ: کیا اہل مکہ کے لئے یہ دلیل کافی نہیں ہے۔ کہ بنی اسرائیل یعنی علمائے یہود و نصاریٰ ہمارے نبی کی نبوت کو جانتے ہیں ۱۲۔

[1] ترجمہ:۔ جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ یعنی علمائے یہود و نصاریٰ وہ ہمارے نبی کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۱۲

ہیں آپ کی تعلیمات بھی شامل ہیں۔ قرآن مجید میں اس چیز کا بیان تو اصل مقصد ہی ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق کسی خاص آیت کا حوالہ دینا ضروری نہیں۔

تیسری قسم کی دلیل آپ کی نبوّت کی آپ کے معجزات ہیں۔ قرآن مجید میں اگرچہ چند ہی معجزات کا بیان ہے۔ مگر کلی طور پر آپ کے معجزات کی بےنظیر کثرت بیان فرما کر ایک طرح سے تمام جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے۔ سورہ قمر میں ارشاد ہوا۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ[1]۔

چوتھی قسم کی دلیل آپ کی نبوت کی آپ کے شاگردوں یعنی آپ کے صحابہ کرام کے کمالات ہیں۔

اس قسم کو قرآن مجید نے بہ نسبت پہلی تین قسموں کے زیادہ اہتمام سے بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسی زبردست دلیل ہے۔ جس کے آگے بےانصاف مخالفوں کے سر بھی جھک جاتے ہیں۔ اور یہ دلیل ایسی ہے۔ کہ اسی سے تمام دنیا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان ہوا۔ اور اس دلیل نے تمام عالم کو طوعًا وکرہًا اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ بخلاف دلائل سابقہ کے کہ جب کوئی باختیار خود ان کی طرف توجہ کرے تو کچھ نتیجہ نکلے۔

صحابہ کرام بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام دنیا میں پھیل گئے۔ اور بڑی سلطنتیں ان کے قبضہ میں آئیں۔ لوگوں نے ان کے حالات وکمالات کا مشاہدہ کیا اور سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ بے اختیار بول اٹھے کہ جس استاد

---

[1] ترجمہ۔ قریب آ گئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔ اور جب یہ کافر کوئی نشانی یعنی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ جادو ہے مستمر ۱۲۔

ف۔ اس آیت میں معجزہ شق القمر کا بیان ہے۔ مستمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ کہیں درمیان سے قطع نہ ہوا ہو۔ معلوم ہوا کہ معجزات کا مسلسل سلسلہ تھا کہ دشمن اسکو مستمر کہتے تھے۔

کے شاگرد ایسے باکمال ہیں۔ اُس اُستاد کے کمال میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار اقوال منکرین کے درج ذیل ہیں۔

(۱) یورپ کے مشہور مؤرخ گبن نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ ان کی سرگرمی و دل دہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں۔ پس یہی لوگ محمدؐ کے ابتدائی جلسہ کے شریک تھے جو بیشتر اس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی۔ اُس کے جانب دار ہوگئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا، اُن کے اوّل ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کی سچائی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

"اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں۔ اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی۔ اور اس سرگرمی سے اُس کے پابند ہوئے۔ اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوئے ہوں۔ جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلۂ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں۔ جو ان کی تربیت کے خلاف ہو۔ اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ اس پر یقین نہیں ہو سکتا۔ یہ خارج از حیطۂ امکان ہے"

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"عیسائی اس بات کو یاد رکھیں۔ تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل نے اس درجہ نشۂ دینی اس کے پیروؤں میں پیدا کیا۔

جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ اور اس کا مذہب اس تیزی کے ساتھ پھیلا جس کی نظیر دین عیسوی میں نہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالی شان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے۔ تو اس کے پیرو بھاگ گئے۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کر چل دیتے۔ اگر بالفرض اس کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو موجود رہتے۔ اور صبر سے اس کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے۔ اور اس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالی کر کل دشمنوں پر اس کو غالب کر دیا۔

گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی فرام محمد میں لکھتے ہیں کہ:-

"باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰؑ کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں۔ جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جن میں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسیٰؑ کے اوّل بارہ مریدوں کو ناتربیت یافتہ اور کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمدؐ کے اول مریدوں کے کہ بجز اس کے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے۔ اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے۔ تو اس زمانہ میں جو کچھ انہوں نے کام کیئے ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے۔ عیسیٰؑ کے اول مریدوں کی کم رتبگی کو موشیم صاحب دین عیسائی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں بمجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اوّل محققین میں سے ہوتے۔ تو مجھ کو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا۔"

سر ولیم اپنی کتاب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں :-

ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ ایک ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثر عظیم پیدا ہوا کہ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے۔ اسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات اور خیرات اور پاک دامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہماری ادنیٰ حوائج کا بھی خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں ہر ایک امر متعلقہ زندگانی اور اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں اسی کے ید قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر اس نئی روحانی حالت کو جس میں خوش حالی اور حمد کناں رہتے تھے۔ خدا کے فضل خاص و رحمت یا اختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمدؐ کو جو ان کی ساری امیدوں کے ماخذ تھے۔ اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے۔ جو ان کے رتبہ عالی کے لائق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت و ہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گویا ایسا کرنا ان کی ایک مصلحت تھی۔ مگر پھر بھی ایسی عالی ہمتی کے ساتھ بُرد باری کرنے کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔"

سر ولیم میور نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ عبرت آموز ہے۔ چنانچہ چند فقرات کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"موصوف اپنی کتاب اولیٰ خلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق لکھتے ہیں"

آپ کا عہد مختصر تھا۔ مگر رسول اللہ کے بعد اور کوئی ایسا نہیں ہوا۔ جس کا اسلام کو ان سے زیادہ ممنون اور مرہون احسان ہونا چاہیئے۔ چونکہ ابوبکرؓ کے دل میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا۔ اور یہی عقیدہ خود رسول اکرمؐ کے خلوص اور سچائی کی زبردست شہادت ہے۔ لہذا میں نے آپ کی حیات وصفات کے تذکرہ کے لئے کچھ جگہ زیادہ وقف کی ہے۔ اگر حضرت محمدؐ کو ابتدا سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا۔ تو وہ کبھی ایسے شخص کو دوست اور عقیدت مند نہ بنا سکتے۔ جو نہ صرف دانا وہوشمند تھا۔ بلکہ سادہ مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکر کو نفسانی عظمت وشوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا۔ اور وہ بالکل خود مختار تھے۔ مگر وہ اس طاقت واقتدار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافہ انام کے فائدہ پہنچانے کی خاطر عمل میں لایا کیئے۔ ان کی ہوشمندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھالیں۔ اور وہ خود ایسے متدین تھے۔ کہ کسی کو دھوکا نہ دے سکتے تھے۔

پھر حضرت عمر فاروق کی نسبت لکھتے ہیں:۔

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو عمرؓ نے ساڑھے دس سال کی عہد حکومت کے بعد انتقال فرمایا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد سلطنت

اسلام میں سب سے بڑے شخص عمر تھے۔ کیوں کہ یہ انہیں کی دانائی واستقلال کا ثمرہ تھا کہ ان دس سال کے عرصہ میں شام مصر اور فارس کے علاقے جن پر اُس وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے تسخیر ہو گئے ابوبکرؓ نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کر لیا تھا۔ لیکن ان کے عہد میں افواج اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچی تھیں۔ عمرؓ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت ان کے قبضہ میں صرف عرب تھا مگر جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے۔ جو فارس، مصر، شام، بائنطائن جیسی سلطنتوں کے بعض نہایت ہی زرخیز اور دل کشا صوبوں پر مشتمل تھی۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرماں روا ہونے کے آپ کو کبھی اپنی فراست اور قوت فیصلہ کی متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب سے اپنے آپ کو ملقب نہیں کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے۔ اور مسجد نبوی کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں حالانکہ شہنشاہ سادہ لباس میں اُن کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔

یہ چند اقوال منکرین اسلام کے آیات بینات حصہ فدک کے دیباچہ سے نقل کئے گئے۔ جو نمونہ کے لئے کافی ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس چوتھی قسم کی دلیل نبوت یعنی صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کو اس قدر زیادہ اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید کو دیکھو تو معلوم ہو۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو اعتراضات کفار مکہ کی طرف سے ہوتے تھے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر کے جواب صحابہ کرام ہی کو پیش کیا گیا ہے۔

مثلاً کفار مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہا۔ اس کے جواب میں صحابہ کرام ہی کو پیش فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا کہ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ یعنی شعراء کے متبعین گمراہ ہوا کرتے ہیں، مطلب یہ کہ اگر ہمارے نبی کے متبعین گمراہ ہوتے۔ تو تمہارا یہ اعتراض صحیح ہوتا۔ کفار مکہ میں بھی کسی بے حیا کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کے بعد لب کشائی کرتا۔ اور کہہ دیتا کہ حضرت آپ کے متبعین گمراہ تو ہیں۔ المختصر قرآن مجید میں صحابہ کرام کے مناقب و فضائل کا بیان محض اس لئے ہے۔ کہ ان کے کمالات ان کے استاد برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل و مکمل ہونے کی دلیل ہیں۔ اہل سنت کو صحابہ کرام کے فضائل کی اشاعت پر اسی لئے اصرار ہے۔ کہ وہ ایک بڑی زبردست دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ہیں ؂

جو لوگ صحابہ کرام کے فضائل کا انکار کرتے ہیں۔ وہ دراصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک بڑی روشن دلیل کو بجھانا چاہتے ہیں۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ [1]

اگر مخالفین صحابہ کے مصنف کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہوتے۔ تو ضرور ان کے سامنے حضرت سعدی کے یہ شعر پیش کر دیئے جاتے ؎

یکے بر سر شاخ و بن مے برید
خداوند بستان نگہ کرد و دید
بگفتا کہ ایں مرد بد مے کند
نہ بامن کہ بالنفس خود مے کند

هٰذَا اٰخِرُ الْكَلَامِ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ

[1] چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے اور اللہ کو پوری کرنی ہے اپنی روشنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؛

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۶)

پڑے برا مانیں منکر ۱۲۔

ؔ ایک شخص درخت کی شاخ کے اوپر بیٹھ کر اس کی جڑ کاٹ رہا تھا۔ باغ کے مالک نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص برا کر رہا ہے۔ لیکن میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ اپنے ساتھ برا کر رہا ہے۔

تراجم اہل سُنت

اہل سنت کے دو ترجمے (ایک فارسی میں حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی کا دوسرا اردو میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی) یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں ترجمے قدیم اور مستند اول ہیں۔ اور ان کا مسلم الکل ہونا متفق علیہ ہے۔

فارسی ترجمہ حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رح

آں فے فقیران ہجرت کنندہ راست آنانکہ بیرون کردہ شد ایشاں را از خانہائے ایشاں و اموال ایشاں مے طلبند نعمت را از پروردگار خویش و خوشنودی را و نصرت مید ہند خدا را و پیغامبر او را این جماعت ایشانند راست وعدہ۔ ونیز آناں راست کہ جائے گرفتند بدار[1] الاسلام وجائی پیدا کردند در ایمان پیش از مہاجران دوست میدارند ہر کرا کہ ہجرت کند بسوئی ایشاں ونمی یابند در خاطر خود غدغہ از طرف آنچہ دادہ شد۔ مہاجراں را و دیگراں را اختیار مے کنند بر خویشتن واگرچہ باشد ایشاں را احتیاج وہر کہ نگاہ داشتہ شد از حرص نفس خودش پس آں جماعت ایشانند رستگاراں ونیز آناں راست کہ آمدند بعد از مہاجران وانصار مے گویند اے پروردگار ما را بیامرز ما را و برادران ما را کہ سبقت کردند بر ما بہ ایمان آوردن و پیدا مکن در دل ما ہیچ کینہ بہ نسبت آنانکہ ایمان آوردند اے پروردگار ما ہر آئینہ تو بخشایندہ[2] مہربانی

---

[1] یعنی بمدینہ ۱۲ منہ

[2] مترجم گوید از یں آیہ معلوم شد کہ در فے ہر مسلمان را حق است پس احوج فالاحوج را باید داد تا آں کہ مال فے کفایت کند ۱۲

اُردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رح

واسطے ان مفلسوں ، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے ڈھونڈنے آئے ہیں اللہ کا فضل اور رضامندی اور مدد کرتے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے اور جو جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے محبت کرتے ہیں ۔ اس سے جو وطن چھوڑ آئے ۔ اُن کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو ان کو ملا ۔ اور اول رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے ۔ اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ۔ اور واسطے ان کے جو آئے ان سے پیچھے کہتے ہوئے ۔ اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا ۔ اے رب تو ہی ہے بخشنے والا مہربان ۔

تراجم شیعہ

شیعوں کا ایک ترجمہ فارسی کا ملا ۔ فتح اللہ کاشانی کا ہے ۔ جو بغرض اختصار حذف کیا جاتا ہے ۔ اور اردو میں اُن کے کل دو ہی ترجمہ ہیں ۔ جن میں سے یہاں مولوی مقبول احمد کا نقل کیا جاتا ہے ۔

اُردو ترجمہ مولوی مقبول احمد شیعی

(یہ مال فے) ہجرت کرنے والوں میں سے ان ضرورت مندوں کا حق بھی

ہے ۔ جو اپنے گھروں سے بھی نکالے گئے ۔ اور اپنے مالوں سے بھی الگ کیے گئے ۔ تاہم خدائے تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشی کے خواستگار ہیں ۔ اور اور اللہ اور اسکے رسول کی نصرت کئے جاتے ہیں وہی تو سچے ہیں اور ان کا حق بھی ہے) جو ہجرت کر کے آئے ان سے محبت کرتے ہیں ۔ اور جو کچھ ان ہجرت کرنے والوں کو دیا جائے اُسکی اپنے دلوں میں خواہش نہیں پاتے اور گو انہیں خود ضرورت موجود ہو تاہم دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کے حرص سے بچالیا جائے ۔ تو ایسے ہی لوگ تو (پوری پوری) فلاح پانے والے ہیں اور (ان کا حق بھی ہے ، جو ان مہاجر و انصار کے بعد یہ عرض کرتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے (گنا ہوں) ، اور ہمارے بھائیوں کے گنا ہوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے بخش دے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی کینہ نہ رہنے دے ۔

تراجم ختم ہو گئے

تراجم مذکورۂ بالا سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی ۔ کہ سنی شیعہ دونوں اس بات پر متفق ہیں ۔ کہ ان آیتوں میں تین جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے مال فے کا مستحق قرار دیا ہے ۔ اوّل مہاجر دوم انصار ، سوم وہ مسلمان جو مہاجرین و انصار کے بعد ہوں ۔ جن کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا ۔ مگر ان کے لئے ایک شرط لگادی گئی ہے ۔ کہ وہ مہاجرین و انصار کے لئے دعائے خیر کرتے ہوں ۔ اور اُن کو سابق الایمان کہہ کر ان کی مدح و ثنا کرتے ہوں ۔ اور نیز ہر مسلمان کی عداوت سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوں ۔ مہاجرین و انصار کی جیسی بلند تعریف آیات میں ہے ۔ اور جو جو تعلیمات ہیں ۔ وہ فصل دوم میں ملاحظہ فرمائیں ۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ ط

بہ تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو بہت سیدھی ہے۔ اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت قتال مرتدین

و

آیت ولایت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حق تعالےٰ کے اس انعام کا شکر کس زبان و قلم سے ادا کیا جائے کہ اس نے اپنے کلام پاک کی تفسیر کی توفیق اس ناکارہ کو عطا فرمائی۔ قرآن مجید کی خدمت میں مشغول کیا۔

اگر ہر موئے من گردد زبانے   ز تو رانم بہر یک داستانے
نیارم گوہر شکر تو سفتن!   سر موئے ز احسان تو گفتن!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد
والہ اجمعین

امابعد! آیۂ استخلاف اور آیۂ تمکین کی تفسیر کے بعد آیت قتال مرتدین اور آیت ولایت کی تفسیر برادرانِ اسلامی کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ان دونوں آیتوں کو یکجا کرنے کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ دونوں آیتیں مسلسل اور متصل ہیں۔ "مطلب کی توضیح بغیر دونوں کو لاتے ہوئے" نہیں ہوتی۔ علیحدہ کرنے میں بہت مضامین مکرر لانا پڑتے ہیں بگر مخالفین صحابہ نے چونکہ آیت ولایت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ اس لئے اس بحث کے لئے مستقل باب قائم کیا گیا۔

آیہ قتال مرتدین سورۂ مائدہ (۷) چوتھی آیت رکوع (۱) پارہ چھٹا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ	اے ایمان والو! اگر مرتد ہو جائے
یَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ	گا کوئی تم میں اپنے دین سے۔
فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰهُ بِقَوۡمٍ	تو بہت جلد آمادہ کر دے گا
یُّحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗۤ	اللہ ایک ایسی قوم کو۔ جو اللہ کی

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	محبوب اور اللہ کی محب ہوگی۔
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ	تواضع کرنے والی ہوگی۔ ایمان
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	والوں کے مقابلہ میں سختی کرنے
اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ	والی ہوگی کافروں پر۔ جہاد کرے
لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ	گی راہ خدا میں۔ اور نہ ڈریگی
اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط	ملامت سے کسی ملامت کرنے
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ط اِنَّمَا	والے کی یہ اللہ کی بخشش ہے دیتا
وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ	اللہ وسعت والا اور دانا ہے
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ	سوا اس کے نہیں کہ دوست
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ہ	تمہارا اللہ ہے اور رسول اس
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	کا اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ	یعنی وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ہ	نماز اور دیتے ہیں زکواۃ۔ اور

وہ جھکنے والے ہیں۔ اور جو شخص دوستی کرے گا اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو بہ تحقیق اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے گا۔

یہ تین آیتیں ہیں۔ جو اس مقام پر لکھی گئیں۔ پہلی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ آیت قتال مرتدین کے نام سے مشہور ہے اور دوسری آیت یعنی اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ آیت ولایت کے لقب سے ملقب ہے۔ اور تیسری آیت تتمہ کے طور پر نقل کی گئی ہے۔

ان دونوں آیتوں کی دو تفسیر دو باب پر تقسیم کی جاتی ہے۔ پہلے باب میں دونوں آیتوں کی صحیح تفسیر اور دوسرے باب میں آیت ولایت کی تفسیر از روئے مذہب شیعہ اور اس کا جواب باصواب۔

باب اوّل صحیح تفسیر دونوں آیتوں کی

اس باب کے مضامین چار حصوں پر منقسم ہیں ۔
فصل اول : آیتوں کے مطلب و مقصد کی تلخیص اور سیاق وسباق کا ربط ۔
فصل دوم : الفاظ کی شرح ۔
فصل سوم : حقیقت خلافت پر استدلال ۔
فصل چہارم : فوائد متفرقہ

فصل اوّل

اصل مقصود خداوندی اس مقام پر کفار ۔ یہود ، نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت ہے ۔ اور باہم مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے کی تاکید ہے ۔ اور درحقیقت یہ ایک بہت بڑا مقصد دین الٰہی کا اور اسلام کے دین کامل ہونے کا ایک روشن ثبوت ہے ۔ کہ شیطان کے آنے کے جتنے راستے تھے ۔ سب بکمال بند کر دیئے گئے ہیں ۔ اور صلاح و تقویٰ کی جو جو صورتیں ممکن تھیں ۔ سب کی بہ تفصیل یا باجمال تعلیم دی گئی ۔ بلاشبہ محبت و دوستی ایک ایسی چیز ہے ۔ کہ اس کے بڑے بڑے اثرات ہیں ۔ محبوب کی ہر چیز کا محب کی نظر میں محبوب ہو جانا اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ۔ حق تعالیٰ نے اس مقصد کو یوں شروع فرمایا کہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ	اے ایمان والو ! یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو ۔ وہ اپنے آپس میں دوستی کریں ۔ اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کریگا

مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ — وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔ اس لئے خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے۔ وہ بہت جلد یہود و نصاریٰ کے دوست بن جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ بُرے وقت ہمارے کام آئیں گے۔ عنقریب خدا مسلمانوں کو فتح دے گا۔ یا کوئی اور بات عالمِ غیب سے ظاہر کرے گا۔ اس وقت یہ لوگ پشیمان ہونگے۔

اس کے بعد آیت قتالِ مرتدین ہے۔ جس کا ربط ماسبق سے ظاہر ہے کہ جب یہود و نصاریٰ سے دوستی کا ثمرہ بیان فرمادیا کہ وہ جو ان سے دوستی کرے گا۔ انہیں میں سے ہو جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ جو لوگ ان سے میل رکھتے ہیں۔ ایک نہ ایک روز مرتد ہوں گے۔ لہٰذا فتنہ ارتدا کی خبر اور اس فتنہ کا علاج جو عالمِ غیب میں مقدر ہو چکا تھا۔ بیان فرما کر مسلمانوں کو مطمئن کر دیا۔

جب کفار کی دوستی سے ممانعت فرمائی۔ تو یہ بتانا ضروری ہوا کہ پھر دوستی کس سے کریں۔ لہٰذا آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ میں تعلیم فرمایا ہے کہ دوستی خدا سے کرنا چاہیئے۔ اور اس کے رسول سے اور ان ایمان والوں سے جو نماز قائم کرتے ہوں اور زکوٰۃ دیتے ہوں۔ اور جھکنے والے ہوں۔ یعنی اپنی عبادت پر ان کو ناز و غرور نہ ہو۔ پھر ساتھ ہی اس شبہہ کا جواب بھی دے دیا جو وہ کہتے تھے۔ کہ بُرے وقت میں کفار ہمارے کام آئیں گے۔ فرمادیا کہ بُرا وقت ایمان والوں پر آ ہی نہیں سکتا۔ خدا اور رسول اور مومنین سے دوستی کرنے والے سب پر غالب رہیں گے۔ ان کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ یہ تو آیہ قتالِ مرتدین و آیت ولایت کا ربط سباق کے ساتھ تھا۔ اب سیاق دیکھو۔ ان آیتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا — یعنی اے ایمان والو! جن یہود

ﻻ تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ	ونصارٰے وغیرہ نے تمہارے دین کے ساتھ تمسخر کیا۔ ان سے دوستی مت کرو۔

اس کے بعد ان کی شرارتوں کا بیان ہے۔ کہ انہوں نے اذان کے ساتھ تمسخر کیا۔ پھر ان پر لعنت وغضب کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ کہ ہم نے ان کو سؤر اور بندر بنا دیا تھا۔ یہی بیان بہت دور تک چلا گیا ہے۔

المختصر ان تمام آیتوں کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہود ونصاریٰ وغیرہ کفار سے دوستی کی ممانعت اور باہم مسلمانوں میں ایک دوسرے سے الفت ومحبت رکھنے کی تاکید ہو رہی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں تھا۔ اس مقصود کے درمیان فتنۂ ارتداد کا تذکرہ اسی مناسبت کی وجہ سے فرمادیا جو اوپر ذکر ہوئی۔ اور فتنۂ ارتداد کے تذکرہ میں خلیفہ برحق کو بھی بتلادیا۔

اب آیت قتال مرتدین پر ایک نظر ڈالو۔ کہ کس طرح خداوند عالم غیب نے ایک آئندہ آنے والے ہولناک واقعہ کی پیشینگوئی فرمائی۔ اور اپنے جلال وجبروت کا کس طرح اظہار کیا۔ کہ اے مسلمانو! جو لوگ تم میں سے مرتد ہو جائیں گے۔ خدا نے ان کے قلع وقمع کرنے کے لئے عالم غیب میں یہ تدبیر مقرر کی ہے۔ کہ خاصان خدا کی ایک جماعت ان کے قتال پر منجانب اللہ برانگیختہ کی جاتے گی اور وہ ان کی سرکوبی کردے گی۔

کیفیت اس واقعہ کی یوں ہوئی۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ میں عرب میں تین قبیلے مرتد ہو گئے۔ اور ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص مدعی نبوت اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ان لوگوں نے بڑا فساد برپا کیا۔

اوّل ذوالخمار اسود عنسی جو ایک کاہن اور شعبدہ باز شخص تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حضرت معاذ بن جبل کو حکم بھیجا کہ اس کا قلع قمع

کردیں۔ چنانچہ ان کے لشکر میں ایک شخص فیروز نے اس کذاب کو جہنم پہنچایا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی الہٰی خوشخبری بھی مسلمانوں کو سنادی۔ کہ فاز فیروز یعنی فیروز کامیاب ہوگئے۔ مگر اس کامیابی کی خبر ظاہری طور پر حضرت صدیقؓ کے آغاز عہد خلافت میں بماہ ربیع الاول آئی اور یہ پہلی خوشخبری فتح کی تھی۔ جس کو سن کر حضرت صدیقؓ خوش ہوئے۔

دوم۔ مسیلمہ کذاب۔ اس نے شہر یمامہ (متعلقات یمن) میں دعویٰ نبوت کیا۔ اور اس کی جرأت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ایک خط جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ جس کی عبارت یہ ہے "من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ - اما بعد فان الارض نصفها لی ونصفها لک" یعنی یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف ہے۔ امابعد زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی مطلب یہ کہ ہم آپ مل کر ملک فتح کریں۔ اور باہم نصف تقسیم کرلیا کریں۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود ملک لینا ہے۔ اس کا جواب خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل بھیجا۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب۔ امابعد فان الارض للہ یورثها من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ یعنی محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہو۔ کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ جس کو چاہے وارث بنا دے۔ اور دار آخرت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

اس مسیلمہ کذاب کے متعلق کوئی انتظام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کرنے پائے تھے۔ کہ خدا نے اپنے قرب خاص میں آپ کو بلا لیا۔ حضرت صدیقؓ ہی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مہم کو انجام دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک لشکر دے کر روانہ فرمایا۔ اور حضرت وحشیؓ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچایا۔ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں بعض لوگ تائب بھی ہوئے۔

سوم ۔ طلیحہ اسدی ۔ اس شخص نے بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں دعوئ نبوت کیا ۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے اس کا قلع قمع بھی کیا ۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آپ نے اس کی طرف بھیجا ۔ اور طلیحہ ان کی شمشیر کا فرکش کی تاب نہ لاکر میدان جنگ سے بھاگ گیا ۔ بعد اس کے تائب ہوگیا اور جنگ قادسیہ میں بڑے کارنمایاں کیے ۔ مگر وہ شرف جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہونے کا تھا ۔ پھر کہاں نصیب ہوسکتا ہے ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تو یہ فتنہ بہت بڑھ گیا ۔ سوا حرمین شریفین اور شہر جواثی کے جو بحرین کے مضافات میں ہے اکثر مقامات کے لوگ مرتد ہوگئے ۔ اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ۔ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ــــــــــــــــــــــ ۔ اور کہہ دیا کہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو زکوٰۃ لینے کا اختیار نہیں ہے ۔ ایک طرف تو مسلمانوں پر یہ قیامت کبریٰ کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جن کا منہ دیکھ کر جیتے تھے ان کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ۔ دوسری طرف یہ آفت کہ فتنہ ارتداد روز بروز ترقی کر رہا ہے ۔ تیسری طرف رسول خدا کی یہ وصیت کہ اسامہ کا لشکر بجانب شام مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے روانہ کر دیا جائے ۔ حضرت صدیق ہی تھے ۔ کہ جن کی قوت قلبیہ نے اس وقت رنگ دکھلایا ۔ اور کوہِ استقامت بن کر تمام پریشانیوں کو انہوں نے جھیلا ۔ اور چند ہی روز میں مطلع اسلام پر جو غبار آگیا تھا ۔ اس کو صاف کر دیا ۔

حضرت صدیق نے جس وقت ان مرتدین سے قتال کا ارادہ فرمایا بعض صحابہ کرام نے بھی اس امر میں ان سے اختلاف کیا ۔ بعض لوگ تو یہ کہتے تھے ۔ کہ ان سے قتال کرنا ہی نہ چاہیئے ۔ اور بعض کا یہ قول تھا ۔ کہ اس وقت مصلحت نہیں ہے ۔ یہ وقت اسلام کے لئے نہایت نازک ہے اس وقت تالیف

قلوب سے کام لینا چاہیئے۔ اس طور پر آیت میں جس ملامت کا ذکر ہے۔
وہ ملامت پیش آگئی۔ اور اپنوں کی ملامت بہت زیادہ ناقابل برداشت
ہوتی ہے مگر حضرت صدیقؓ نے اس ملامت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور اپنا کام
پورا کر دیا۔ لا یخافون لومۃ لائم کی تصدیق ہوگئی۔

اس ملامت کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی
ان سے اختلاف کیا۔ اور نرمی کی صلاح دی۔ جس پر حضرت صدیقؓ نے وہ
جلال بھرے ہوئے الفاظ فرمائے کہ آج اُن کو سن کر بدن کانپ جاتا ہے۔
فرمایا اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام۔ اے عمرؓ تم جاہلیت
میں تو بڑے تندمزاج تھے۔ اسلام میں ایسے نرم بن گئے اور فرمایا تم الدین
وانقطع الوحی اینقص وانا حی۔ دین کامل ہو چکا وحی الٰہی بند ہو گئی۔ کیا
دین پر زوال آئے اور میں زندہ ہوں۔ یعنی میری زندگی میں دین پر یہ آفت
آئے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ قصہ مشکوٰۃ میں منقول ہے۔

راقم سطور کہتا ہے۔ کہ میں جب حضرت صدیقؓ کے اس کلام کو دیکھتا ہوں۔
تو مجھے ایک عجیب بات اس میں نظر آتی ہے۔ غور سے دیکھو یہ لفظ کہ میری
زندگی میں دین ناقص ہو جائے۔ کیسا کلمہ ہے۔ اس کلمہ کے کہنے کا کس کو حق
ہو سکتا ہے۔ کوئی شخص مر جائے۔ اور اس کا صرف ایک اکلوتا بیٹا ہو۔
وہ بیشک کہہ سکتا ہے۔ کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹ جائے
لیکن اگر کسی شخص کے متعدد اولاد ہوں۔ تو ان میں سے کوئی ایک اس کلمہ کو
نہیں کہہ سکتا۔ کہ میری زندگی میں میرے باپ کا مال لٹے۔ اگر کہے گا۔ تو یوں
کہے گا کہ ہم لوگوں کی زندگی میں۔

یہ کلمہ حضرت صدیقؓ کا بتلا رہا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے
حقیقی وارث آپ کے اکلوتے روحانی فرزند وہی ایک تھے۔ اس لئے
ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔ کہ میری زندگی میں دین پر آفت آئے۔ اکلوتا بیٹا

موجودہ اس کی نظر کے سامنے اس کے باپ کی بڑی محنت، وجانفشانی سے جو باغ تیار ہوا تھا۔ وہ کاٹ ڈالا جائے۔ یقیناً حضرت صدیقؓ کا ادعا اسلام پر ایسا ہی تھا اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے بعد کام بھی ایسے ہی کیے۔ لوگوں نے انہیں کو خلیفہ رسول اللہ کہا۔ ان کے بعد پھر کوئی خلیفہ اس نام سے نہیں پکارا گیا۔ بلکہ خلفائے مابعد امیر المومنین کہے گئے امیر المومنین کا لفظ بطور تواضع کے ایک کم درجہ کا لفظ سمجھ کر حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے لئے تجویز کیا تھا۔ جس کو آج طرفدارئے امتیاز سمجھ کر حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ کے اس کارنامہ یعنی قتال مرتدین کو انجام کار میں تمام صحابہؓ نے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت صدیقؓ میری تمام عمر کی عبادت لے لیں۔ اور مجھے صرف اپنی ایک رات اور اپنے ایک دن کی عبادت دے دیں۔ اما اللیلۃ فلیلۃ الغار و اما الیوم فیوم الردۃ۔ یعنی رات سے مراد شب غار ہے۔ اور دن سے مراد فتنہ ارتداد کا دن ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قائم فی الردۃ مقام الانبیاء یعنی فتنہ ارتداد میں حضرت صدیقؓ نے وہ کام کیا جو پیغمبروں کے کرنے کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کرھنا لا فی الابتداء وحمدناہ علی الانتھاء۔ یعنی ہم لوگوں نے ابتداء تو قتال مرتدین کو ناپسند کیا تھا۔ مگر انجام دیکھ کر پھر ہم سب حضرت صدیقؓ کے شکر گذار ہوئے۔

فصل دوم

ارتداد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقی یعنی واقعی طور پر کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد دین اسلام سے پھر جائے۔ یہ ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ

دوسری آیتوں میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ دوسری ارتداد صوری کہ ظاہر میں لوگوں کے دیکھنے میں ایک شخص مسلمان ہوا۔ اس کے بعد دین اسلام سے پھر گیا۔ جہاں کہیں ارتداد کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہی ارتداد صوری مراد ہوتا ہے۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ خدا کے لانے کا یہاں بھی وہی مطلب ہے۔ جو آیت استخلاف میں خدا کے خلیفہ بنانے کا بیان ہو چکا۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ خدا اس قوم کو عدم سے وجود میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں لائے گا۔ یا کوئی آواز غیب سے آئے گی۔ کہ یہ لوگ خدا کے لائے ہوئے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے۔ کہ خدا ان کو اس کام پر آمادہ کرلے گا۔ ان کے دل میں ارادہ اس کام کا مضبوطی کے ساتھ قائم کردے گا۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ پہلے خدا نے یہ فرمایا۔ کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اس میں سر یہ ہے۔ کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے۔ پہلے خدا کو اس سے محبت ہوتی ہے اگر خدا کو اس سے محبت نہ ہو تو خدا اس کو اتنی بڑی نعمت نہ دلائے۔ خدا جس کو چاہتا ہے اس کو یہ نعمت دیتا ہے۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ ویسا ہی ہے۔ جیسے سورۃ فتح میں۔ فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ مسلمانوں سے نرمی و محبت کرنے کو یہاں اذلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ وہاں رحمار کے لفظ سے کفار پر سختی کرنے کو یہاں اعزہ کے لفظ سے بیان فرما دیا وہاں اشدآء کے لفظ سے

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ جس قوم کا اوپر بیان ہوا۔ اس کے اوصاف کی غیر معمولی عظمت اس کلمہ میں بیان فرمائی گئی۔ کہ یہ خدا کی بخشش ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور خدا کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص کس انعام کا مستحق ہے۔ وليكم یعنی دوست مددگار۔

رَاكِعُوْنَ رکوع کے معنے لغت میں جھکنا، عاجزی کرنا۔ نماز کے ایک رکن خاص کو بھی رکوع کہتے ہیں۔ یہاں وہی لغوی معنی مراد ہیں۔

فصل سوم

یہ آیت نہایت صفائی اور کامل وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ برحق ہونے پر اور نیز ان کے اور ان کے ساتھیوں کے اعلیٰ ترین کمالات پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت میں جس قوم یعنی جماعت کا بیان ہے۔ وہ مرتدوں پر اس کے مسلط کرنے کا وعدہ ہے۔ اس جماعت کی چھ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ جماعت خدا کی محبوب ہے۔

(۲) یہ کہ وہ خدا کی محب ہے۔

(۳) یہ کہ وہ مسلمانوں پر مہربان و متواضع ہے۔

(۴) یہ کہ وہ کافروں پر سخت ہے۔

(۵) یہ کہ وہ راہ خدا میں جہاد کرتی ہے۔

(۶) یہ کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتی۔

اب غور کرو کہ یہ صفات کمالیہ کس رتبہ کی ہیں۔ آیا شریعت الٰہیہ میں اب ان سے مافوق بھی کوئی رتبہ ہو سکتا ہے۔

جب تک فتنہ ارتداد کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اس وقت تک پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ کہ اس آیت میں کس جماعت کی تعریف بیان ہو رہی ہے۔ مگر فتنہ ارتداد کے ظاہر ہونے کے بعد اور حضرت صدیقؓ کے دست حق پرست سے اس فتنہ کا استیصال مشاہدہ کرنے کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور معلوم ہو گیا کہ آیت میں تعریف حضرت صدیقؓ اور ان کے رفقاء کی ہے۔ حضرت صدیقؓ اور ان کے طفیل میں ان کے رفقاء خدا کے محبوب و محب ہیں۔ اور جب وہ خدا کے محبوب محب ہوئے۔ تو ان کی خلافت برحق ہونے میں کس کو شبہ ہو

سکتا ہے سوا اس کے کہ جس کا ایمان قرآن شریف پر نہ ہو۔ اگر کوئی کہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے حق میں ہے۔ انہوں نے زمانۂ خلافت میں مرتدوں سے جنگ کی ہے۔ تو جواب اس کا بچند وجوہ ہے۔

(اول) یہ کہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جن لوگوں سے جنگ کی۔ ان میں کوئی مرتد نہ تھا سب مسلمان تھے۔ چنانچہ اہل شام کے متعلق حضرت علیؓ کا فرمان نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ جس میں صاف تصریح اہل شام کے نہ صرف مومن بلکہ مومن کامل ہونے کی ہے۔ حضرت علیؓ نے اس میں لکھا ہے۔ کہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے میں نہ ہم ان سے زیادہ نہ وہ ہم سے زیادہ دیکھو نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر قسم دوم۔

دوم: یہ کہ موافق اصول موضوعہ شیعہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کرامؓ مرتد تھے اور حضرت علیؓ کی لڑائی مرتدوں سے تھی۔ نعوذ باللہ من ذلک تو حضرات خلفائے ثلثہ سے کیوں جنگ نہ ہوئی۔ حالانکہ آیت کا مقتضا یہ ہے کہ بوقت نزول آیت جس قدر کلمہ گو تھے۔ ان میں سے جب کوئی مرتد ہوگا اس کا قتال ضرور ہوگا۔ بعض مرتدوں سے قتال ہو۔ یہ تو آیت کی تکذیب ہے۔ لہذا حضرت علیؓ کے حق میں یہ آیت نہیں ہو سکتی۔

سوم۔ یہ کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں آیت کے موعودہ اوصاف باتفاق فریقین نہ تھے۔ نہج البلاغۃ میں بہت سے خطبے ہیں۔ جن میں حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب کی بزدلی اور جہاد سے اُن کا پیچھے ہٹنا بیان فرمایا ہے پھر بھلا ایسے لوگوں کے حق میں یہ آیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام مہدی کے وقت میں اس آیت کی پیشین گوئی پوری ہوگی۔ تو اس کے بھی کئی جواب ہیں۔

(اول) یہ کہ آیت لفظ منکم بتلا رہی ہے۔ کہ یہ پیشین گوئی صرف زمانۂ نزول کے لئے ہے۔ یعنی اس وقت کے لوگوں میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو اس

کے لئے آیت مذکورہ وعید ہے۔ اور قطع نظر لفظ مِنکمْ سے اگر آیت کو عام کر دیا جائے۔ تو مشاہدہ کے خلاف لازم آئے گا۔ آج جو لوگ مرتد ہو رہے ہیں کون سی قوم ان پر مسلط ہوتی ہے۔

(دوم) یہ کہ بفرض محال بلا دلیل ہم آیت کو زمانہ نزول کے ساتھ خاص نہ رکھیں۔ تو بھی زمانہ نزول ضرور مراد ہوگا۔ آیت میں بطور شرط وجزا کے بیان ہوا ہے۔ لہذا اگر ہزار بار فتنہ ارتداد پیدا ہو تو ہر مرتبہ مرتدین پر قوم موصوف کا تسلط ہونا چاہیئے۔ اور یہ مسلّم ہے۔ کہ آخر عہد نبوی اور خلافت اولیٰ میں بعض قبائل عرب مرتد ہوئے۔ لہذا ان پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ پس امام مہدی کے وقت کے لیے مخصوص کرنا آیت کی تکذیب ہے۔

المختصر مخالفین حضرات اس آیت کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ تاویل اگر ہو سکتی تھی تو یہ اس زمانہ میں فتنۂ ارتداد کے وقوع سے انکار کرتے۔ مگر متواتر واقعات کا انکار امکان سے باہر ہے۔ ان کے مؤرخین اور مفسرین اس کو تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ تفسیر منہج الصادقین وغیرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے۔

ف۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقؓ کو خلیفہ بنانے کا حکم نہیں دیا۔ حکم دینے کے بعد بندوں کو اختیار باقی رہتا ہے۔ کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں۔ بلکہ آیت استخلاف و آیۂ تمکین کی طرح اس آیت میں بھی خداوندِ علیم وخبیر نے ایک پیشین گوئی فرمائی۔ اور اس پیشین گوئی کے ضمن میں خلیفہ برحق کے علامات بیان فرمائے ہیں۔ اور اس تقرر کے عالم غیب سے ظہور پذیر ہونے کا وعدہ فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔

واقعی جو اہتمام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں تھا۔ اس کا یہی تقاضا تھا کہ آپ کے بعد آپ کی خلافت راشدہ کا انتظام عالم غیب سے ہوتا۔ بندوں کے ہاتھ میں اس کے انجام دینے کی باگ نہ دی جاتی۔ گو عالم غیب کا انتظام بھی انہیں بندوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوا مگر اس

صورت میں بندے مرادِ حق کے لئے صرف آلہ بن گئے۔ جو خدا کی رضا تھی وہی ظہور میں آیا۔ اور اس کے خلاف کا ظہور ہونا ناممکن ہوگیا۔ وَالحمدُ لِلّٰہِ اولاً وآخراً۔

فصل چہارم

(۱) آیتِ قتال مرتدین سے معلوم ہوا۔ کہ مرتد کی سزا شریعتِ الٰہیہ میں قتل ہے۔ اور قتل مرتد کا شارع کو اس قدر محبوب ہے کہ قرن اول کے مرتدین سے قتال کرنے کا سامان عالمِ غیب سے کرنے کی خدا نے خبر دی۔

(۲) آیت ولایت سے معلوم ہوا۔ کہ مسلمانوں کو ہر ایک سے دوستی و محبت کرنا جائز نہیں۔ محبت صرف اللہ سے اور اس کے رسول اور اُن مومنین سے چاہیئے۔ جو نماز قائم کرتے۔ اور زکواۃ دیتے ہوں۔ بے نمازیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی ممانعت بھی اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔

(۳) مخالفین صحابہ کرام کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے۔ کہ تمام صحابہ کرامؓ باستثناء تین چار اشخاص کے مرتد ہو گئے تھے۔ کافی وغیرہ میں روایت موجود ہے۔ کہ ارتدت الصحابۃ کلھم الا ثلثۃ۔ یہ عقیدہ فاسد اس آیت سے رد ہو جاتا ہے۔ اگر نعوذ باللہ حضرات خلفائے ثلاثہ مرتد ہوتے تو ضرور موافق وعدہ الٰہی کے کوئی قوم جو خدا کی محبوب و محب ہوتی ان پر مسلط ہوتی۔ اور ان سے قتال کرتی۔ حالانکہ وہ خود ہی سب مسلط رہے۔ سب ان کے مطیع فرمان رہے۔ اگر کوئی یہ تاویل کرے۔ کہ ارتداد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ارتداد ایمان ہے۔ جس میں ظاہری اسلام باقی رہتا ہے۔ دوسرے ظاہری اسلام کو بھی ترک کر دینا۔ آیت قتال مرتدین ارتداد کی دوسری قسم کا بیان ہے۔ اور خلفائے ثلاثہ میں صرف پہلی قسم ارتداد کی تھی۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ مخالفین حضرات

کے علماء نے تصریح کردی ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ میں دونوں قسمیں ارتداد کی موجود تھیں۔ چنانچہ مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس مضمون کو بیان کر کے لکھتے ہیں۔ **فان کفرهم و ارتدادهم واضح لاستورة فیه** یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ کا کفر و ارتداد بالکل ظاہر ہے۔ کسی قسم کی پوشیدگی اس میں نہیں۔ نعوذ باللہ۔

پس اب سوا اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ یا تو قرآن کو محرف مان کر اس آیت کے کلام الٰہی ہونے کا انکار یا خدا کے لئے بداء تجویز کر کے کہہ دیں کہ پہلے خدا کی یہی رائے تھی۔ جو اس آیت میں مذکور ہے۔ بعد میں رائے بدل گئی۔ ایسے ہی موقع کے لئے عقیدۂ تحریف و عقیدہ بداء ان حضرات نے تصنیف بھی کیا ہے۔

باب دوم

تفسیر آیت ولایت

آیت ولایت کی صحیح تفسیر تو اوپر بیان ہو چکی۔ جس سے صاف ظاہر ہو چکا کہ اس آیت کو خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر مخالفین حضرات فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل پر بڑی روشن دلیل ہے۔ اور اس آیت کا ترجمہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اے مسلمانو! سوا اس کے نہیں کہ حاکم تمہارا اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ یعنی صدقہ دیتے ہیں۔

اس ترجمہ پر بھی کچھ کام نہ چلا تو اس کے ساتھ یہ روایت ملائی گئی۔ کہ حضرت علیؓ ایک روز نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ تو حضرت علیؓ نے بحالت رکوع اپنی انگوٹھی اتار کر سائل کو دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے۔ کہ اس روایت کے لئے کتب اہل سنت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

اس روایت کے ملانے سے آیت کا یہ مطلب ہوا کہ اے مسلمانو! تمہارا حاکم صرف اللہ ہے۔ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے یعنی حضرت علیؓ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اور حالتِ رکوع میں انگوٹھی دیتے ہیں۔

اب سنیئے کہ اس استدلال میں کتنی لطیف باتیں ہیں۔

پہلا لطیفہ۔ کہ ولی بمعنے حاکم لغت عرب میں کبھی مستعمل نہیں ہوتا۔ والی بمعنی حاکم البتہ آتا ہے۔ آج تک کبھی کسی نے ولی بلکہ بمعنی حاکم کبھی نہ سنا ہوگا۔ ہاں

والی کہ بمعنی حاکم ملکہ البتہ مستعمل ہوتا ہے ۔ اچھا اب مخالفین صحابہؓ خود انصاف کریں جو اپنی اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ پکارتے ہیں کیا وہاں بھی ولی بمعنی حاکم ہے یعنی حضرت علیؓ اللہ کے حاکم ہیں

یقیناً وہاں ولی بمعنی حاکم لینے پر مخالفین

صحابہ میں سے کوئی راضی نہ ہوگا ۔ پھر اس آیت نے کیا قصور کیا ہے ؟ کہ یہاں ولی بمعنی حاکم لیا جاوے ۔ قرآن شریف میں بیسیوں جگہ یہ لفظ مستعمل ہے ۔ اور ہر جگہ بمعنی دوست ومحب ہے ۔ قولہٖ تعالیٰ المومنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض وغیرہ وغیرہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں ۔ کہ یہاں دو لفظ ہیں ۔ ایک ولایت بفتح واؤ ۔ اس کے معنی حکومت کے ہیں ۔ دوسری ولایت بکسر واؤ اس کے معنی دوستی ومحبت نزدیکی کے ہیں ۔ ولایت بفتح واؤ سے صفت مشبہ والی آتا ہے ۔ اس کے معنی حاکم کے ہوتے ہیں ۔ اور ولایت بکسر واؤ سے صفت مشبہ ولی آتا ہے ۔ جس کے معنی دوست کے ہوا کرتے ہیں ۔

دوسرا لطیفہ :۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وغیرہ جمع کے الفاظ سے صرف حضرت علیؓ مراد لینا یقیناً مجاز ہوگا ۔ اور مجازی بغیر ضرورت اور بغیر قرینہ صارفہ کے مراد لینا قطعاً ناجائز ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اس مجاز کے لئے نہ کوئی ضرورت ہے ۔ اور نہ کوئی قرینہ ۔

تیسرا لطیفہ :۔ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ کو مخالفین نے صرف یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ کی ضمیر سے حال قرار دیا ۔ حالانکہ دو جملہ متناسقہ کے بعد اگر حال آتا ہے ۔ تو دونوں جملوں کی ضمیر سے حال بنتا ہے نہ صرف ایک سے ۔ لہذا یہاں بھی دونوں جملوں یعنی یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ اور یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ سے حال بنانا چاہیئے ۔ جس کا مطلب یہ ہوگا ۔ کہ حالتِ رکوع میں نماز قائم کرتے ہیں ۔ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں ۔ لیکن حالتِ رکوع میں نماز پڑھنا ایک ایسا مہمل کلام

ہے۔ کہ مخالفین بھی اس کی جرأت نہ کر سکے۔

چوتھا لطیفہ: رکوع سے یہاں نماز کا رکوع مراد لیا گیا۔ حالانکہ یہاں رکوع سے مراد لغوی معنی ہیں۔ یعنی جھکنا اور عاجزی کرنا۔

پانچواں لطیفہ۔ زکوٰۃ اصطلاح شریعت میں خاص اس صدقہ مفروضہ کو کہتے ہیں۔ جو صاحبِ نصاب پر سال تمام ہونے کے بعد فرض ہوتا ہے۔ مگر حضرت علیؓ صاحبِ نصاب نہ تھے۔ لہذا زکوٰۃ ان پر فرض نہ تھی۔ لامحالہ زکوٰۃ سے صدقہ نافلہ مراد لیا جائے گا اور یہ مجاز ہوگا۔ اور معنی مجازی بغیر قرینہ و تعذر حقیقت مراد نہیں ہو سکتے۔

چھٹا لطیفہ:۔ یہ کہ جب قرآن میں اس فعل کی یعنی نماز میں صدقہ دینے کی تعریف کی گئی۔ تو کم از کم اس فعل کو مستحب ضرور ہونا چاہیئے۔ حالانکہ آج تک فریقین میں کوئی اس بات کا قائل نہیں کہ حالتِ رکوع میں حالتِ نماز میں صدقہ دینا بہ نسبت خارج نماز کے کوئی فضیلت کی بات ہے۔ بلکہ نماز کے اندر صدقہ دینا اگر فعلِ کثیر کے ساتھ ہو۔ تو مفسد نماز ہے۔

ساتواں لطیفہ: یہ کہ حضرت علیؓ کی نماز کی اس میں بڑی توہین ہے۔ کہ نماز میں توجہ کلیتہً خدا کی طرف ہونا چاہیئے۔ نہ کہ سائل کی طرف۔ خاصانِ خدا کی نماز تو ایسی ہوتی ہے کہ لیسا اوقات ان کو اس عالم کی چیزوں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ خود حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے۔ کہ جنگِ اُحد میں بحالتِ نماز اُن کے پیر میں تیر لگ گیا۔ مگر ان کو خبر نہ ہوئی۔ بعد نماز جب لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے تیر لگا ہے۔ اس وقت ان کو پتہ چلا۔

(اشعار تحفۃ الاحرار)

آٹھواں لطیفہ: یہ کہ اس مضمون کو صحیح مان لینے سے آیت سیاق سباق سے بے ربط ہوئی جاتی ہے۔ اوپر سے یہود و نصاریٰ سے محبت کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں فتنۂ ارتداد اور اس کے علاج کا

بیان ہے۔ بعد میں بھی یہی مضمون ہے۔ درمیان میں حضرت علیؓ کی خلافت اور حالتِ نماز میں سائل کو صدقہ دینے کا ذکر نہ ما قبل سے کچھ مناسبت رکھتا ہے نہ مابعد سے۔

نواں لطیفہ یہ ہے۔ کہ اہل سنت کے نزدیک یہ قصہ اعطائی انگشتری کے بالکل جعلی و وضعی ہے۔ جن تفسیروں میں روایات کے لکھنے کا التزام کیا گیا ہے۔ ان میں اس روایات کا نام و نشان نہیں۔ مثلاً تفسیر جلالین کہ اس کے دیباچہ میں تشریح ہے۔ کہ اقوال ناپسندیدہ اس میں درج نہیں کئے گئے۔ اور صحیح روایات لائی گئی ہیں۔ اس تفسیر جلالین میں نہ یہ قصہ ہے۔ اور نہ حضرت علیؓ کے حق میں اس کا نازل ہونا۔ بلکہ لکھا ہے کہ و نزل لما قال ابن سلام یارسول اللہ ان قومنا ھجرونا۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے ائمہ فن نے اس روایت پر جرح کی ہے۔ اس کا جعلی ہونا بیان کیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ منہاج السنہ میں لکھتے ہیں کہ قد وضع بعض الکذابین حدیثا مفتری ان ھذہ الآیۃ منزلت فی علی لما تصدق بخاتم فی الصلوٰۃ وھذا کذب باجماع اھل العلم بالنقل وکذبہ بین من وجوہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف میں لکھتے ہیں رواہ الثعلبی من حدیث ابی ذر مطولا واسنادہ ساقط حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ ولیس یصح شیئ منہا لضعف اسانیدھا وجہالۃ رجالھا۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:۔ و قصہ موضوعہ اعطائی انگشتری روایت کنند۔

اب رہا یہ قصہ اعطائی انگشتری نقل درنقل کے طور پر بہت سی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اس سے اس کا معتبر ہونا نہیں ثابت ہوسکتا شیعوں کے

محدثین نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ کہ کسی روایت کا کتب کثیر میں درج ہو جانا اس کے صحت کی دلیل نہیں۔ دیکھو دیباچہ استبصار۔

دسواں لطیفہ یہ ہے۔ کہ اس قصہ خوانی کرنے اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل تو ثابت ہوئی یا نہ ہوئی۔ مگر دوسرے ائمہ کی امامت باطل ہو گئی۔ کیونکہ آیت میں انما کلمہ حصر موجود ہے۔ مسلمانوں کی حکومت صرف اس شخص میں منحصر کر دی گئی ہے۔ جس نے حالت رکوع میں سائل کو صدقہ دیا۔ اور یہ صفت سوا حضرت علیؓ کے کسی میں پائی نہیں گئی۔

بالفعل ان دس لطائف پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اگرچہ ابھی بہت باتیں باقی ہیں۔ مخالفین نے بڑا زور قصہ انگشتری پر دیا ہے۔ اور اس میں عجیب عجیب افترا پردازیوں سے کام لیا ہے۔ مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے حیا و شرم کو بالائے طاق کر کے بوارق میں یہاں تک لکھ دیا کہ اعطائی انگشتری کا قصہ مشکوٰۃ میں موجود ہے۔ خدا کے لئے کوئی حمایتی مجتہد صاحب کا مشکوٰۃ سے اس قصہ کو دکھلائے۔

مخالفین صحابہؓ کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں اور بھی کمال کیا لکھ دیا کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات یہ حالت تھی اس آیت کے استدلال کی۔ جس کو مخالفین صحابہ بڑی زبردست دلیل خلافت بلا فصل کی کہتے ہیں۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ
لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے
زیادہ سیدھی ہے۔ اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو

تفسیر آیت اولی الامر

جس میں

سورہ نساء کی آیہ کریمہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

دسویں آیت ۔ آیہ اولی الامر

سورۂ نساء ۔ پارہ پانچواں ۔ رکوع ساتواں

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ	اے ایمان والو! اطاعت کرو
اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ	اللہ کی ۔ اور اطاعت کرو رسول
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ	کی ۔ اور اولی الامر (یعنی صاحبان
تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ	حکومت کی) جو تم میں سے ہوں۔
اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ	پھر اگر تم (یعنی رعیت اور
کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ	صاحبان حکومت) آپس میں
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ	اختلاف کرو کسی بات میں ۔ تو
خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ط	اس کو رجوع کرو اللہ کی اور رسول

کی طرف ۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر یہ بہتر ہے اور بہت خوب ہے باعتبار انجام کے ۔

تراجم علمائے اہل سنت و شیعہ

(۱)۔ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی اس کا ترجمہ لکھتے ہیں ۔ اے مومناں فرماں برداری کنید خدا و پیغامبر را و فرماں روایاں را از جنس خویش ۔ پس اگر اختلاف کنید در چیزے ۔ پس رجوع کنید آں را بسوئے خدا و پیغامبر اگر اعتقاد کنید بخدا و روز آخر ۔ ایں بہتر است و نیکو تر باعتبار عاقبت ۔

(۲) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں ۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں سے

پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا»

یہ دونوں ترجمے علمائے اہل سنت کے تھے۔ اب دو ترجمے علمائے شیعہ کے بھی ملاحظہ ہوں۔"

(۳) قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی صاحب رحین کا ترجمہ قرآن شیعوں کو اس قدر پسند آیا کہ اس کا ترجمہ انگریزی میں ہو رہا ہے) اس آیت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں" اے ایمان دارو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ اور تم میں سے صاحبان حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو۔ اور تم کسی بات[1] میں جھگڑا کرو پس اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے"

(۴) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی جن کی مشق تبرا بازی یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ کہ آخر گورنمنٹ انگلشیہ کی عدالت سے سزایاب ہوئے۔ (ولعذاب الاخرۃ اکبر) اپنے مشہور ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں۔ "اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ اور اس رسول اور ان والیان امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں[1]۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے"۔

صحیح تفسیر آیت کی!

اس آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صاف بات ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے

---

[1] لفظ "اور" فان تنازعتم کی "فا" کا ترجمہ ہے۔ حالانکہ فا کا ترجمہ "اور" کسی طرح

(باقی حاشیہ ص۳۶۵ پر)

مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ کہ اللہ و رسول اور ان اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں۔ یعنی مسلمان ہوں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اولی الامر اور رعیت میں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے۔ تو اس اختلاف کا تصفیہ اللہ اور رسول یعنی قرآن و سنت سے کرانا چاہیئے۔ اور تصفیہ کی اس صورت کو اس قدر ضروری قرار دیا۔ کہ فرمایا اگر تمہارا ایمان خدا پر اور قیامت پر ہے۔ تو ضرور تم ایسا ہی کرو گے۔ یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرتے میں تمہارے لئے ہر طرح کی بھلائی ہے اور اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ اور ان سے کسی بات میں نزاع کرنا حرام ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے۔ لفظ تو دو ہیں مگر مصداق ایک ہے۔ چنانچہ اسی سورت میں آگے چل کر فرمایا مَن یطع الرَّسُولَ فقد اطاعَ اللّٰہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ ان دونوں اطاعتوں کا متحد ہونا محض اس سبب سے ہے کہ

صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہ خیانت ترجمہ میں محض اس لئے کی گئی ہے۔ کہ اس مضمون کا ربط اوپر سے نہ رہے۔ اور یہ سمجھا جائے کہ یہ حکم جدید بیان ہو رہا ہے۔ اور اولے الامر اور رعیت میں نزاع کا مفہوم نہ پیدا ہونے پائے۔ تاکہ اولی الامر مثل رسول کے معصوم اور اس کے جمیع احکام رسول کی طرح واجب الاطاعۃ قرار دیئے جا سکیں۔

ہے اس ترجمہ میں لفظ منکم کو رسول کے ساتھ بھی لگا دیا۔ حالانکہ از روئے قواعد عرب یہ بات درست نہیں ہو سکتی۔ اور لطف یہ ہے کہ ترجمہ کی عبارت ہی اس خیانت کو ظاہر کر رہی ہے لکھتے ہیں "جو تم میں سے ہیں"۔ حالانکہ اولی الامر سے بارہ امام مراد لئے جائیں تو ان کو "ہیں" نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ نزول آیت کے وقت صرف علیؓ اور حسنینؓ موجود تھے باقی ائمہ کا وجود بھی نہ تھا۔

رسول معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے خلاف حکم الٰہی کوئی بات صادر ہی نہیں ہو سکتی مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى یعنی رسول ہوائے نفسانی سے کوئی بات نہیں فرماتے۔ ان کی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی۔ کہ اولی الامر کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں۔ اگر ان کا کوئی حکم خلافِ قرآن وسنت ہو تو اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَا طَاعَةَ لِلْمَخْلُوْقِ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ یعنی خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔ تو پھر مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اسی لیے اولی الامر سے نزاع اور اس نزاع سے فیصلہ کا طریقہ بیان فرمادیا۔

اب یہاں دو باتیں سمجھ لینا چاہئیں۔

اوّل۔ یہ کہ اولوالامر کے کیا معنی ہیں۔ اور کون کون لوگ اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

دوم:۔ یہ کہ اولوالامر کی اطاعت کا حکم کیوں دیا گیا۔ خصوصًا جب کہ اولی الامر معصوم بھی نہیں۔ اور اس کا معصوم نہ ہونا اسی سے ظاہر ہے۔ کہ اس سے نزاع کی اجازت دی گئی۔

امر اول کی توضیح اولوالامر کے معنی ازروئے لغت عرب صاحب حکومت کے ہیں۔ لہٰذا جس شخص کو کسی قسم کی حکومت حاصل ہو۔ اس کو اولوالامر کہیں گے۔ حکومت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حکومت عامہ جیسے بادشاہِ وقت کی حکومت۔ کہ اس کی تمام رعایا کو شامل ہے۔ دوسری حکومت خاصہ جیسے افسرانِ فوج یا حکامِ صوبہ یا قاضیوں کی حکومت۔ کہ ان کی حکومت اپنی اپنی فوج، یا صوبے یا شہر کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ ان سب کو اولوالامر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے مفسرین نے اولوالامر کی تفسیر میں تین قول بیان کیے ہیں۔

(۱) یہ کہ اس سے سرداران فوج مراد ہیں۔ ہر فوج کو اپنے سردار کی اطاعت واجب ہے۔

(۲) یہ کہ اس سے خلیفہ وقت مراد ہے۔ اس تفسیر کی بنا پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔

(۳) یہ کہ علماء اور فقہا مراد ہیں۔

ان تینوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کی اطاعت اپنے اپنے درجہ میں واجب ہے۔ تفسیر درمنثور میں ہے۔

أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ	بخاری، مسلم، ابوداؤد،
وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ	ترمذی، نسائی ابن جریر ابن
وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ جَرِيرٍ	منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی
وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ	نے دلائل النبوۃ میں بروایت
أَبِي حَاتِمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ	سعید ابن جبیر ابن عباس سے
فِي الدَّلَائِلِ مِنْ طَرِيقِ	اللہ تعالے کے قول اطیعوا اللہ
سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ	واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ	کے متعلق روایت کیا ہے کہ
تَعَالَى أَطِيعُوا اللَّهَ وَ	ابن عباس نے کہا یہ آیت عبداللہ
أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي	بن حذافہ بن قیس کے بارہ میں
الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ نَزَلَتْ	نازل ہوئی تھی۔ جب کہ نبی صلی
فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُذَافَةَ	اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک
بْنِ قَيْسٍ إِذْ بَعَثَهُ	چھوٹے سے لشکر کا سردار بنا کر
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ	بھیجا تھا۔ اور ابن عساکر نے
وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ	بروایت سدی ابو صالح سے
وَأَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكِرَ	انہوں نے ابن عباس سے نقل

مِنْ طَرِیْقِ السُّدِّیِّ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاَخْرَجَ ابْنِ جَرِیْرٍ عَنْ مَیْمُوْنَ بْنِ مَهْرَانَ فِیْ قَوْلِہٖ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ قَالَ اَصْحَابُ السَّرَایَا عَلٰی عَہْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

کیا ہے۔ اور ابن جریر نے میمون بن مہران سے اللہ تعالیٰ کے قول اولی الامر کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ افسران فوج ہیں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر ہوئے تھے۔

ان روایات سے معلوم ہوا۔ کہ یہ آیت ان سرداران فوج کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقرر ہوا کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض مہم پر کسی دوسرے کو سردار فوج بنا کر بھیج دیتے تھے۔ خود تشریف نہ لے جاتے تھے۔ لہذا حکم ہوا کہ فوجی لوگ اپنے اپنے سرداروں کی اطاعت کریں۔ شان نزول تو یہی ہے۔ مگر چونکہ الفاظ آیت کے عام ہیں۔ اور اصول تفسیر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ لہذا اب حکم سرداران فوج کے ساتھ خاص نہ رہے گا۔ بلکہ سرداران فوج کا بھی جو شخص سردار ہو یعنی خلیفہ وقت بدرجہ اولیٰ اس حکم میں شامل ہوگا۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

وقال ابوھریرۃ ھم الامراء والولاۃ وقال عکرمۃ اراد باولی الامر ابابکر وعمر۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد امیر اور والی یعنی خلفاء ہیں اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مراد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ لفظ اولی الامر ان کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ ان کا ذکر محض اس لئے کیا گیا کہ لفظ اولی الامر کے اعلیٰ و اکمل مصداق وہ ہیں۔

نیز تفسیر درمنثور میں ہے۔

أَخْرَجَ عَبْدُ ابْنُ حُمَيْدٍ وَ بْنُ جُبَيْرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ عَطَاءٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ قَالَ طَاعَةُ اللهِ وَالرَّسُولِ اتِّبَاعُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ أُولِي الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَالْحَاكِمُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ يَعْنِي أَهْلَ الْفِقْهِ وَالدِّينِ وَأَهْلَ الطَّاعَةِ الَّذِينَ يُعَلِّمُونَ النَّاسَ مَعَانِيَ دِينِهِمْ وَيَأْمُرُونَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ فَأَوْجَبَ اللهُ طَاعَتَهُمْ عَلَى الْعِبَادِ وَأَخْرَجَ

عبد ابن حمید اور ابن جبیر اور ابن ابی حاتم نے عطاء سے اللہ تعالیٰ کے قول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے متعلق روایت کیا ہے۔ کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد کتاب اور سنت کی پیروی ہے۔ اور اولی الامر سے مراد فقہاء اور علماء ہیں اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اولی الامر سے فقہا اور دیندار عبادت گزار لوگ مراد ہیں اور ان کو امر معروف و نہی منکر تعلیم کرتے ہیں اور ان کو امر معروف و نہی منکر کرتے ہیں اللہ نے ان کی اطاعت بندوں پر واجب کی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ اور عبد بن حمید نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور

ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَبْدُ ابْنُ حُمَیْدٍ وَالْحَکِیْمُ التِّرْمِذِیُّ فِیْ نَوَادِرِ الْاُصُوْلِ وَابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَالْحَاکِمُ وَصَحَّحَہٗ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰہِ فِیْ قَوْلِہٖ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَابْنُ جُرَیْرٍ عَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ قَالَ ھُمْ اَھْلُ الْعِلْمِ اَلَا تَرٰی اَنَّہٗ یَقُوْلُ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ -

ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے روایت کی ہے۔ اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ کہ حضرت جابر بن عبداللہ بھی اولی الامر سے فقہا کو مراد لیتے تھے اور ابن ابی شیبہ اور ابن جبیر نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے۔ کہ اولی الامر سے مراد اہل علم ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دوسری آیت فرمایا ہے۔ کہ اگر وہ رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف رجوع کرتے تو جو لوگ استنباط کر سکتے ہیں وہ بات کو سمجھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ اہل استنباط مراد ہیں وہ اہل علم ہی ہو سکتے ہیں۔

مفسرین کے ان اقوال سے معلوم ہوا۔ کہ ہر درجہ کے حاکموں پر لفظ اولی الامر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ پس کچھ شک نہ رہا کہ خلیفہ وقت جس کو حکومت عامہ حاصل ہے۔ بدرجہ اولیٰ اس لفظ کا مصداق ہے۔ بلکہ جب لفظ اولی الامر بولا جائے گا۔ تو اس کے متبادر معنی خلیفہ ہی ہوں گے۔

امر دوم کی توضیح:۔ اولوا الامر سے مراد اگر علماء و فقہا لیے جائیں تو ان کی اطاعت کا حکم دینا اس وجہ سے ہے۔ کہ عوام الناس جو کتاب و سنت

کے سمجھنے کی لیاقت یا استنباط مسائل کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر علماء و فقہائے دین کی تعلیم نہ حاصل کریں یا ان کی تعلیم پر عمل نہ کریں تو ظاہر ہے۔ کہ دین سے بے خبر اور بے تعلق ہو جائیں گے۔ اور اگر اولوا الامر سے مراد خلیفہ یا سردارِ فوج ہوں اور یہی مراد ظاہر ہے۔ تو ان کی اطاعت کا اس لیئے حکم دیا گیا کہ نظامِ امت کا قیام اور امور سیاست کا انصرام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا۔ مشیت الٰہی میں روز اول سے یہ بات مقرر تھی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس لیے ہو گی۔ کہ تمام روئے زمین پر اسلام کی شوکت وسطوت کا جھنڈا نصب ہو۔ اور آپ کے متبعین کسی غیر مسلم قوت کے زیر فرمان ہو کر نہ رہیں۔ بلکہ وہ خود فرمان روا ہوں۔ اور دین الٰہی کے جلال وجبروت کے سامنے تمام ادیانِ باطلہ کو سرنگوں کر دیں آیہ کریمہ لیظھرہٗ علی الدین کلہ اس کی گواہ ہے۔

پس جب یہ بات پہلے سے مقرر تھی تو ضروری تھا کہ قرآن شریف میں جس طرح عبادات و معاشرت واخلاق کے اصول تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ اسی طرح سیاست وجہان داری کے اصول بھی ارشاد فرمائے جاتے۔ اور سیاست وجہان داری کے اصول میں سب سے بڑی چیز یہ ہے۔ کہ تمام قوم کا شیرازہ متحد ہو۔ سب ایک نظام میں منسلک ہوں۔ اور یہ بات بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کہ قوم کا ایک شخص مقتدا اور صاحب حکم ہو۔ اور باقی اشخاص اس کی اطاعت و فرماں برداری کریں۔

سیاست وجہان داری کی اسی اصلِ عظیم کی تعلیم آیت مذکورہ میں ہے۔ اس آیت سے پہلے حکام کو تعلیم دی ہے۔ کہ تم عدل وانصاف پر کاربند رہنا فرمایا۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ یعنی جب تم لوگوں کے درمیان میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بہ تحقیق اللہ کیا ہی اچھی نصیحت تم کو کرتا ہے۔ اس کے بعد

آیت مجوزہ میں محکوموں کو حکام کی اطاعت کا حکم دیا۔ اسی طرح حاکم و محکوم دونوں کے فرائض بیان فرما دیئے۔

سیاست وجہان داری تو بڑی چیز ہے۔ ایک گھر کا انتظام بھی بغیر اس کے درست نہیں ہو سکتا۔ کہ اس گھر کے جتنے رہنے والے ہوں۔ سب مل کر اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا بڑا مانیں۔ اور سب اس کی اطاعت کریں۔ تو بھلا ایسا ضروری مسئلہ قرآن شریف سے کیونکر فروگذاشت ہو سکتا تھا۔

دین اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے۔ کہ اس نے فلاحِ دارین کے اصول تعلیم فرمائے ہیں۔ تو کیوں کر ممکن تھا کہ تمدن کا ایسا ضروری مسئلہ نہ تعلیم دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اطاعتِ اولی الامر کے متعلق احادیثِ صحیحہ کا بھی ایک بڑا دفتر ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

احادیث نبویہ متعلق اطاعت اولی الامر

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر یعنی حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری

فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَہٗ بِذٰلِکَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِہٖ فَاِنَّ عَلَیْہِ مِنْہُ۔ (متفق علیہ)

نافرمانی کی۔ امام یعنی خلیفہ ایک سپر ہے جس کی پناہ میں جہاد کیا جا سکتا ہے۔ پس اگر وہ تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے تو یقیناً اس کو ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کے خلاف کرے تو اس پر وبال اس کا ہوگا (صحیح بخاری مسلم)

ف۔ یہ جو فرمایا کہ امام مثل ایک سپر کے ہے الخ اس سے معلوم ہوا۔ کہ امام یعنی خلیفہ کا مقرر کرنا اور اس کی اطاعت کا واجب ہونا ان سیاسی و تمدنی مقاصد کے لئے ہے اور بس۔

(۲) عَنْ اُمِّ الْحُصَیْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا (مسلم)

حضرت ام الحصین سے روایت ہے وہ کہتی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم پر کوئی غلام حاکم بنا دیا جائے جسکے ناک کان کٹے ہوئے ہوں وہ تم کو کتاب اللہ کے موافق چلائے تو اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ (صحیح مسلم)

(۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَاْسَہٗ زَبِیْبَۃٌ (البخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل بنا دیا جائے۔ اور وہ ایسا بدصورت ہو گویا اس کا سر انگور کے

ف. معلوم ہوا کہ اگر غلام بھی خلیفہ ہو جائے تو اس کی اطاعت بھی واجب ہے تاہم کو بس مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مقصد خلافت کا یہی ہے۔ کہ کتاب اللہ کے مطابق ہماری قیادت کرے۔ تیسری حدیث میں استعمل کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہر حاکم کی اطاعت واجب ہے۔ خواہ وہ خلیفہ ہو یا خلیفہ کا مقرر کیا ہوا عامل۔

(۱۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِہَ مَالَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَۃٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِیَۃٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ۔ (متفق علیہ)	حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ خواہ وہ اس کو پسند ہوں یا ناپسند تا وقتیکہ گناہ کو حکم نہ دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے نہ اطاعت کرنا (صحیح بخاری صحیح مسلم)

آیت اولی الامر کی تفسیر بیان ہو چکی اب اہل انصاف غور کریں کہ اس آیت سے کس طرح حضرات مخالفین صحابہ اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں۔ آیت میں کونسا لفظ ہے جس سے حضرت علیؓ کی خلافت یا عصمت ائمہ ثابت کی جا سکے۔ بلکہ اگر سچ پوچھو تو یہ آیت حضرات مخالفین کی ایجاد کی ہوئی امامت و عصمت کا گھروندہ ہی بگاڑتے دیتی ہے۔ کیونکہ آیت صاف بتلا رہی ہے۔ کہ امام مثل رسول واجب الاطاعۃ اور معصوم نہیں۔ ورنہ امام سے نزاع کی ممانعت فرمائی جاتی۔ جس طرح رسول سے نزاع کی ممانعت ہے۔ یہ نہ فرمایا جاتا۔ کہ اگر امام سے کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس کا فیصلہ قرآن شریف سے کرو۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ جس کا اقرار خود ائمہ مخالفین سے بھی منقول ہے۔

اب دیکھو کہ مخالفین صاحبان کیا فرماتے ہیں۔ اور کس طرح آیت قرآنی کی تحریف کرتے ہیں۔

مخالفین صحابہ کرام رضٰ کہتے ہیں

کہ یہ آیت اولی الامر حضرت علی رضٰ کی خلافت بلا فصل اور عصمت ائمہ کیلئے نص صریح ہے اور آیت انما ولیکم اللہ کے بعد اسی کا نمبر ہے اس آیت سے استدلال کرنے میں انہوں نے کئی رنگ بدلے ہیں۔

سب سے پہلا اور اصلی رنگ یہ ہے۔ کہ اس آیت میں تحریف ہوگئی ہے۔ اصلی آیت یوں تھی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ خِفْتُمْ تَنَازُعًا فِیْ اَمْرٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ یعنی اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اولی الامر کی۔ اور اگر تم کو آپس میں کسی بات میں نزاع پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کو اللہ اور رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرو مطلب یہ کہ اولی الامر بھی مثل رسول ہیں۔ مولوی مقبول احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن مطبوعہ مقبول پریس دہلی کے ص۱۳۸ میں فرماتے ہیں۔ کافی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ وہ حضرت آیت کو یوں تلاوت فرماتے تھے فان خفتم تنازعًا فی امر فردوہ الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم اور یہ فرمایا کرتے تھے اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر ان سے جھگڑا کرنے کی اجازت بھی دے۔ بلکہ یہ حکم تو اُن اماموں کے حق میں ہے۔ جن سے اطیعوا اللہ کہا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ خود انہوں نے بلکہ ان کے امام محمد باقر نے اقرار کر لیا۔ کہ قرآن شریف میں یہ آیت جن الفاظ میں ہے۔ ان سے اولوالامر کا غیر معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ معصوم سے جھگڑا کرنے کی اجازت نہیں ہوسکتی

اور اس اقرار سے روزِ روشن کی طرح یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ آیت مذکورہ بالفاظ موجودہ ان کے دوازدہ امام پر صادق نہیں آسکتی ۔ کیونکہ وہ بزعم ان کے معصوم تھے ۔

ہاں اہل سنت کے نزدیک اس تفسیر کی بنا پر کہ اولوالامر سے علماء و فقہاء مراد ہوں ۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما وباقی بزرگانِ خاندان نبوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اولوالامر میں داخل ہوسکتے ہیں ۔ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضرت امام مہدی بھی جب پیدا ہوں گے ۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے گی، لفظ اولی الامر کے مصداق میں بنا بر تفسیر خلیفہ بھی داخل ہیں اور ہوں گے ۔ کیونکہ اہل سنت کے نزدیک یہ سب حضرات غیر معصوم ہیں ۔

اب رہا اس آیت کو محرف کہنا یا اس کے مضمون پر اعتراض کرنا ، یہ نتیجہ ہے قرآن شریف پر ایمان نہ لانے کا ۔ جس کے جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں ۔ کیونکہ دنیا میں کون ایسا ذی عقل ہے ۔ جو قرآن شریف جیسی کتاب کو جس کی محفوظیت بلاشبہ عدیم المثال اور مسلّم الکل معجزہ ہے غیر مسلم تک اس کا اقرار کر چکے ہیں ۔ چند خودغرض اور ابوالہوس لوگوں کے لئے بے دلیل بکواس سے کون محرف مان لے گا ۔ یا اس کی صاف اور معقول بات کو موردِ اعتراض قرار دے گا ۔

مخالفین صحابہ کے امام باقر صاحب نے جو یہ اعتراض قرآن پر کیا ہے کہ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے ۔ کہ خدا تعالےٰ اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر ان سے جھگڑے کی اجازت بھی دے ۔" ایک عجیب منطق ہے خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ اولوالامر کی اطاعت ہر بات میں آنکھ بند کر کے کرانا واجب ہے ۔ یہ شان صرف رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے ۔ کہ ان کا ہر حکم وحی الٰہی ہے ۔ اور ان کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا واجب ہے اولوالامر کی اطاعت صرف انہی امور میں ہے ۔ جو قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں ۔ اگر مخالفین کہیں کہ غیر معصوم کی اطاعت کسی بات میں بھی درست نہیں تو یہ

فطرۃ اللہ کے خلاف ہوگا۔ خود معصوم کے زمانے میں بھی لوگ غیر معصوم کی اطاعت کرنے پر مامور و مجبور تھے۔ فرض کرو (کفرض المکذوبات) کہ حضرت علیؓ معصوم ہیں۔ لیکن وہ کوفہ میں رہتے تھے۔ اطراف و جوانب میں نزدیک و دور مقامات میں ان کے عامل اور قاضی مقرر تھے۔ جو غیر معصوم تھے۔ وہاں کے لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ہر خلیفہ کے زمانہ میں ایسا ہوا۔ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا ہوا۔ اور ایسا نہ ہو تو نظام خلافت ہی قائم نہیں رہ سکتا۔

دوسرا رنگ۔ جناب کلینی صاحب نے اس آیت کے متعلق ابوبصیر اور امام جعفر صادق کی ایک گفتگو نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ امام موصوف نے اپنے باپ کے خلاف اس آیت کو غیر محرف مان کر فرمایا کہ اولی الامر سے مراد حضرت علیؓ و حسنینؓ ہیں۔ ابوبصیر نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ حضرت علیؓ اور انکے اہل بیت کا نام آیت میں کیوں نہ لیا گیا (تاکہ اولی الامر کی مراد سب پر ظاہر ہو جاتی)، اس کا کوئی معقول جواب امام صاحب نہ دے سکے۔ اب اس کی اصل عبارت اصول کافی صـ۱۷۳ پر ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَاعَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَقَالَ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَہٗ اِنَّ النَّاسَ	ابوبصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ عزوجل کے قول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے متعلق دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب اور حسن و حسین علیہم السلام کے حق میں اتری ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ لوگ

يقولون فما له لم يسم
عليا و اهل بيته عليهم
السلام في كتاب الله
عز وجل قال فقال قولوا
لهم ان رسول الله صلى
الله عليه وآله نزلت
عليه الصلوة ولم
يسم لهم ثلاثا ولا اربعا
حتى كان رسول الله
صلى الله عليه وآله هو
الذي فسر ذلك لهم
ونزلت عليه الزكوة
ولم يسم لهم من كل
اربعين درهما درهم
حتى كان رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم
هو الذي فسر ذلك لهم
ونزل الحج فلم يقل لهم
طوفوا اسبوعا حتى كان
رسول صلى الله عليه
وآله هو الذي فسر لهم
ذلك -

کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ خدا نے
علی کا اور ان کے اہل بیت
علیہم السلام کا نام قرآن میں نہ
لیا۔ امام نے فرمایا تم ان لوگوں
سے کہہ دینا کہ رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم پر نماز کا حکم اترا۔
مگر خدا نے نہ بتلایا کہ تین رکعت
یا چار رکعت پڑھو۔ یہاں تک
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس کو لوگوں سے بیان کیا
اور حج کا حکم نازل ہوا۔ مگر خدا نے
یہ نہ فرمایا کہ سات مرتبہ طواف
کرو۔ یہاں تک کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر
فرمائی۔

ف۔ امام جعفر صادق صاحب نے جو جواب ابوبصیر کو دیا وہ بچند وجوہ غیر معقول ہے۔

اوّل ۔ یہ کہ سوال تھا مسئلہ امامت کے متعلق ۔ جو مخالفین صحابہ کے یہاں اصول دین میں ہے ۔ اور مدارِ نجات ہے ۔ جواب میں امام صاحب نے نماز روزہ وغیرہ فروعات پر قیاس کیا ۔ یہ قیاس مع الفارق نہیں تو کیا ہے ۔ اعمال کی تفصیل قرآن میں نہ ہوئی ۔ تو اس سے عقائد کی تفصیل نہ کرنے کا جواب کیوں کر نکلا

دوم :۔ یہ کہ نماز کی تعدادِ رکعات یا نصابِ زکوٰۃ کا بیان قرآن میں نہ ہوا تو کسی خلافِ مراد مضمون کی طرف ذہن نہ گیا ۔ بخلاف اس کے کہ لفظ اولی الامر کی مراد نہ بیان کرنے سے ذہن اب اسی عام معنی کی طرف جاتا ہے ۔ جو از روئے لغت مفہوم ہوتے ہیں ۔ حالانکہ وہ معنی خلاف مراد ہیں ۔

سوم :۔ یہ کہ بالفرض یہ سب مان لیا جائے ۔ تو امام کو چاہیئے تھا ۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہی پیش کرتے ۔ جس میں اولوا الامر کی مراد بیان کی گئی ہوتی ۔ لیکن انہوں نے یہ بھی نہ کیا اور نہ کر سکتے تھے ۔

علاوہ اس کے سب سے بڑا نقص امام صاحب کے استدلال میں یہ ہے کہ اولی الامر سے حضرت علیؓ و حسنینؑ اگر مراد لیئے جائیں ۔ تو ان کی عصمت باطل ہوئی جاتی ہے ۔ کیونکہ فان تنازعتم سے حسب اقرار امام باقر عصمت کی نفی ہو رہی ہے ۔ اس نقص کو مخالفین کے اوّلین و آخرین مل کر نہیں اٹھا سکتے تھے اس لئے متاخرین شیعہ نے آیت کا استدلال ایک تیسرے رنگ میں شروع کیا ۔

تیسرا رنگ ۔ مخالفین صحابہ کے امام اعظم شیخ حلی نے اور ان کے بعد دوسرے علمائے مخالفین نے اس آیت سے یوں استدلال کیا ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کا یکساں حکم دیا ہے کچھ فرق ان تینوں اطاعتوں میں نہیں بیان کیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح رسول معصوم ہیں اولی الامر بھی معصوم ہیں ۔ اور باتفاق مفسرین فریقین اولی الامر سے مراد آئمہ ہیں ۔ لہذا ان کا معصوم ہونا ثابت ہو گیا ۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ معصوم کے ہوتے ہوئے غیر معصوم کا خلیفہ بنانا جائز نہیں ۔ لہذا حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل

بھی ثابت ہو گئی ۔

اسی مضمون کو مختلف عبارتوں میں کچھ مقدمات گھٹا بڑھا کر علمائے شیعہ بیان کیا کرتے ہیں ۔ اور بڑی بے باکی سے کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل اور عصمت آئمہ ثابت ہو گئی ۔

جواب

مخالفین کی پہلی دونوں تقریروں کا جواب تو انہیں کے ساتھ ساتھ ہو چکا ۔ مذکورہ بالا تیسری تقریر کا جواب یہ ہے کہ اس تقریر کی بنیاد دو باتوں پر ہے ۔ اور دونوں خالص افترا ہیں ۔

اوّل ۔ یہ کہ خدا نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کو یکساں واجب کیا کچھ فرق نہیں بیان کیا ۔ یہ خدا پر افترا ہے ۔ اس سے زیادہ فرق کیا ہو گا ۔ فان تنازعتم فرما کر ظاہر کر دیا کہ اولوا الامر سے درصورت شبہ مخالفت شریعت نزاع جائز ہے ۔ اور رسول سے کسی حال میں بھی نزاع جائز نہیں ۔ اور بالفرض اگر یہ فرق نہ بیان ہوتا ۔ تو بھی اولوا الامر کا مثل رسول معصوم ہونا ثابت نہ ہوتا ۔ کیا اللہ و رسول کی اطاعت جو واقعی اس آیت اور دوسری آیت میں یکساں بیان کی گئی ہے ۔ اس سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے ۔ کہ رسول مثل خدا کے واجب الوجود اور بے والد و بے ولد ہیں ۔ نعوذ باللہ ۔

دوم : یہ کہ مفسرین اہل سنت کا اتفاق ہے ۔ کہ اولوا الامر سے بارہ امام مراد ہیں ۔ یہ مفسرین اہل سنت پر افتراء ہے تفاسیر اہل سنت کی عبارتیں ہم اوپر نقل کر چکے ہیں ۔ کسی میں بھی دوازدہ امام کا ذکر نہیں شاید کسی مفسر نے اگر اولوا الامر سے ان حضرات کو مراد لیا ہو ۔ تو اس کا مقصود یہ ہو گا ۔ کہ لفظ اولی الامر میں اگر علماء فقہاء کو بھی شامل رکھا جائے ۔ تو یہ ائمہ بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں ۔

خلاصۃ الکلام

(۱) آیت مذکورہ کو کسی خاص خلیفہ کی خلافت سے کوئی تعلق نہیں۔ آیت میں ایک عام حکم بیان ہوا ہے۔ کہ مسلمانوں کو اپنے حاکم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

(۲) اولی الامر کے معنی صاحبِ حکومت کے ہیں۔ اور یہی معنی لغوی آیت میں مراد ہیں۔ قیامت تک جتنے مسلمان حاکم ہوں۔ سب کو بلا تخصیص یہ لفظ شامل ہے۔

(۳) اولی الامر سے دوازدہ امام کو مراد لینا آیت کی تحریف معنوی کے علاوہ خود مذہب شیعہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ آیت میں اولوالامر سے نزاع کی اجازت ہے۔ جو عصمت کے منافی ہے۔ اور شیعہ کہتے ہیں۔ کہ دوازدہ امام معصوم ہیں۔ اور ان سے کسی مسئلہ میں نزاع کرنا ویسا ہی حرام ہے۔ جیسا رسول سے نزاع کرنا۔

(۴) آیہ مذکورہ صاف بتلا رہی ہے۔ کہ اولی الامر معصوم نہیں ہوتا نہ اس کا قول حجت شرعی ہے۔ حجت مستقلہ شرعی صرف اللہ اور رسول کا فرمان ہے ورنہ در صورتِ نزاع صرف اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم نہ دیا جاتا فقط۔ هذا اخر الکلام والحمد رب العلمین تمت

ضمیمہ تفسیر آیت اولی الامر

اما بعد جب میں تفسیر آیت اولی الامر پوری کر چکا۔ اور وہ شائع ہو چکی۔ اس وقت کتاب نصیحۃ الشیعہ میں اس آیت کی تفسیر نظر سے گذری۔ اور بہت پسندیدہ معلوم ہوئی۔ بعض مضامین میں تو بالکل توارد ہے۔ بعض اس میں زائد ہیں۔ اور بعض میری تفسیر میں۔ لہذا مناسب معلوم ہوا۔ کہ نصیحۃ الشیعہ کی عبارت اس آیت کے متعلق بطور ضمیمہ کے اسی تفسیر کے ساتھ شامل کر دی جائے۔

ناظرین سے درخواست ہے، کہ جناب مولوی احتشام الدین صاحب مراد آبادی مصنف نصیحۃ الشیعہ کو دعائے خیر اور ایصال ثواب سے ضرور یاد کریں۔

عبارت نصیحۃ الشیعہ متعلق تفسیر آیہ اولی الامر

مخالفین صحابہ قرآن کی بعض آیتوں کے صاف اور سیدھے معنی چھوڑ کر زبردستی ان سے مسئلہ امامت ثابت کرنے لگے۔ حالانکہ اگر تعصب کو چھوڑ کر انصاف سے دیکھیں۔ تو ان آیتوں کو مسئلہ امامت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ اس قسم کی آیتوں میں سب سے زیادہ زور حضرات مخالفین کا آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم پر ہے۔ مخالفین کہتے ہیں۔ کہ اس آیت میں لفظ اولی الامر سے علیؓ اور باقی آئمہ مراد ہیں۔ اسی وجہ سے حضرات مخالفین نے جس امام کو غائب فرض کیا ہے۔ اس کا نام صاحب الامر رکھ لیا آیت سورۃ النساء میں ہے۔ جزو پنجم میں قریب ربع کے واقع ہے۔ اس آیت کو مع اس کے ماقبل و مابعد کے نقل کرتے ہیں

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ	اور جب حکم کرو تم آدمیوں میں تو
أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ	حکم کرو انصاف کے ساتھ بیشک

اللہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ط	اللہ جس چیز کی تم کو نصیحت کرتا ہے
اِنَّ اللہَ کَانَ سَمِیْعًاۢ	وہ بہت اچھی ہے بیشک اللہ
بَصِیْرًا ہ	سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ
اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا	کی اور اطاعت کرو رسول کی
الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ	اور حکومت والے کی جو تم میں
مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ	سے ہو۔ پس اگر جھگڑو تم کسی چیز
فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ	میں تو رجوع کرو اس میں طرف
اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ	اللہ اور رسول کے اگر ہو تم ایمان
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ۔	لانے والے اللہ پر اور قیامت
	کے دن پر۔

اس آیت میں اول اللہ نے حکومت والوں کو یہ حکم کیا کہ انصاف کے ساتھ حکم کریں۔ پھر مومنین کو یہ حکم کیا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں۔ پھر یہ حکم کیا کہ اگر تم میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کر کے اس اختلاف کا فیصلہ کر لو۔

اب بحث طلب یہ بات ہے۔ کہ اللہ نے جس اولی الامر کی اطاعت کا حکم کیا ہے وہ کون ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ باعتبار لغت اور استعمال زبان عرب کے اولی الامر کے معنی صاحب کے جس کو حاکم کہتے ہیں پس اس لفظ کے جو معنی حقیقی ہیں۔ انہی معنی میں اس لفظ کو باقی رکھنا چاہیئے اگر یہ تردد ہو کر وہ حکومت والے کون ہیں۔ جن کی اطاعت کا حکم ہوا۔ تو یہ عقدہ بھی بہت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب کی بڑی بڑی بستیوں میں اپنی طرف سے حکام مقرر کر کے بھیجا کرتے تھے۔ اور وہاں کے لوگوں کو ان حکام کی اطاعت کا حکم ہوتا تھا۔ اور جس جہاد میں بذات خود

تشریف نہ لے جاتے تھے۔ تو کسی صحابی کو امیر لشکر مقرر کرتے تھے۔ اور تمام لشکر اسلام کو امیر لشکر کی اطاعت کا حکم کرتے تھے۔ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں کسی کو حاکم مقرر کر جاتے تھے۔ یہ سب لوگ چونکہ حاکم ہوتے تھے۔ اس لئے اولی الامر ہوتے تھے۔ ان سب کی اطاعت ان کے ماتحتوں پر واجب ہوتی تھی۔

حضرات مخالفین صحابہ نہ ان حکام کے اولی الامر ہونے کا اقرار کر سکتے ہیں نہ ان کی اطاعت کے وجوب میں کوئی خلل ڈال سکتے ہیں۔ پس آیت کے معنی بے تکلف راسخ ہو گئے۔ کہ یہی وہ حکام ہیں جن کی اطاعت کا اس آیت میں اللہ نے حکم دیا۔ بڑا قرینہ اس کا یہ ہے کہ اللہ نے اول حکام کو انصاف کرنے کا حکم کیا۔ اسی کے ساتھ مومنین کو ان کی اطاعت کا حکم کیا۔ پس پہلی آیت سے بھی اس کا ربط بہت اچھی طرح واضح ہو گیا۔ اسی طرح بعد کی آیت سے بھی یہی معنی مربوط ہیں۔ اس لئے کہ حکام کی اطاعت اسی حد تک واجب ہے۔ کہ جب تک ان کا حکم اللہ و رسول کے مخالف نہ ہو۔ اور جب ان کا حکم اللہ و رسول کے حکم کے مخالف ہو۔ اس وقت ان کی اطاعت واجب نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اگر تم میں کوئی نزاع واقع ہو۔ یعنی اولی الامر کے کسی حکم کو اس کے ماتحت خلاف حق سمجھیں۔

تو اس وقت اولے الامر اور اس کے ماتحتوں پر نزاع واجب ہے۔ کہ دونوں فریق اللہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کریں۔ اور جس کا قول اللہ اور رسول کے قول کے مخالف ثابت ہو۔ اس کو غلط سمجھ لیں۔

مخالفین کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کے قول سے فیصلہ کرنے کا حکم اس نزاع میں ہے۔ جو باہم مومنین میں واقع ہو۔ نہ اس نزاع میں جو اولی الامر کے ساتھ واقع ہو۔ مگر اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ نے یہ حکم کیا ہے۔ کہ واگر تم میں نزاع

واقع ہو تو اللہ اور رسول کے قول سے فیصلہ کرو) اس میں اولوا الامر اور غیر اولوا الامر یعنی حاکم اور محکوم خواہ اہل بیت میں سے ہو خواہ غیر اہل بیت میں سے ہو، سب شامل ہیں۔ یعنی جس طرح اور مومنین کو یہ حکم ہے۔ کہ تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول کے قول پر فیصلہ کریں۔ اسی طرح اولی الامر کو بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ یہ حکم سب مومنین کے لئے ہے۔ اور اولی الامر بھی بے شک مومنین میں داخل ہے۔ قطع نظر اس کے اگر اولی الامر اس خطاب سے خارج ہوتا۔ اور اس کا قول ہر صورت میں حجت ہوتا۔ تو اللہ یوں فرماتا۔ کہ اے مومنین تم تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول اور اولی الامر کے قول کی طرف رجوع کرو۔ مگر چونکہ اولی الامر کے قول کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ اولی الامر کا قول حجت نہیں۔ اللہ اور رسول کا قول حجت ہے۔

حضراتِ مخالفین کو اس موقعہ پر سخت مجبوری پیش آئی۔ مگر فرقہ قدیمہ کے پاس ان مشکلات کا علاج بہت سہل تھا۔ اس لیئے کہ یہ بات ان کے اختیار میں تھی۔ کہ جو مضمون چاہا قرآن میں بڑھا لیا۔ اور کسی امام سے ایک روایت تصنیف کر لی۔ کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس آیت میں بھی انہوں نے یہ کہہ دیا۔ کہ اللہ کی طرف سے یہی حکم نازل ہوا تھا۔ کہ تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول اور اولی الامر کی طرف رجوع کرو۔ مگر محرفین نے اس آیت سے اولی الامر کا لفظ نکال ڈالا۔ چنانچہ تفسیر[1] صافی میں اس آیت کے تحت میں لکھا ہے۔

القمی عن الصادق	قمی نے امام جعفر صادق علیہ
قال نزل فان تنازعتم	السلام سے روایت کی ہے
فی شئ فردوہ الی اللہ	کہ یہ آیت اس طرح نازل
والی الرسول والی اولی	ہوئی تھی۔ (فان تنازعتم

---

[1] تفسیر صافی صـ۲۱۶ مطبوعہ طہران ۱۲

الامر منکم وفی شیٔ فردوہ الی اللّٰہ والی الرسول والی الولی الامر منکم۔ الکافی والعیاشی عن الباقر انہ تلا فی ھٰذا الاٰیۃ ھٰکذا فان خفتم تنازعاً فی امر فردوہ الی اللّٰہ و الی الرسول والی اولی الامر منکم قال کذا نزلت وکیف یامرھم اللّٰہ عزّ وجلّ بطاعۃ ولاۃ الامر ویرخص فی تنازعتم۔

یعنی پس اگر اختلاف کرو تم کسی امر میں تو رد کر اس کو اللّٰہ کی طرف اور رسول کی طرف اور اولی الامر کی طرف جو تم میں سے ہو۔ اور کافی میں اور عیاشی میں امام باقر سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے پڑھا اس آیت میں اس طرح فان خفتم تنازعاً فی امر فردوہ الی اللّٰہ والی الرسول والی اولی الامر منکم

یعنی اگر خوف کرو تم تنازع کا کسی امر میں تو اس کو رد کرو تم اللّٰہ کیطرف اور رسول کی طرف اور اس حاکم کی طرف جو تم میں سے ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللّٰہ عزّ وجلّ مومنین کو صاحبان حکومت کی اطاعت کا حکم کرے۔ اور ان کے ساتھ جھگڑا کرنے کی بھی اجازت دے۔

امام باقر علیہ السلام نے اس قول میں یہ اشارہ کر دیا۔ کہ اگر اس آیت میں الیٰ اولی الامر کا لفظ نہ بڑھایا جائے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ

ملے قرآن موجودہ میں فان تنازعتم فی شیٔ ہے مگر امام باقر علیہ السلام نے فان خفتم تنازعاً فی شیٔ پڑھا۔ یہ بھی تحریف ہے ۱۲۔

کہ اولی الامر کے ساتھ تنازع کی صورت میں بھی اللہ اور رسول کے قول سے یہ فیصلہ کرنا چاہیئے۔ پس اس معنی کو بدلنے کے لئے الی اولی الامر کا لفظ بڑھانا ضرور ہے۔ ورنہ آیت کے معنی خلاف ما انزل اللہ ہو جائیں گے۔ پس یہاں سے ثابت ہو گیا کہ اسی مجبوری سے حضرات مخالفین نے قرآن میں تحریف کر کے لفظ مذکورہ کے بڑھانے کا قصد کیا۔

بیان مذکورہ بالا سے بخوبی واضح ہو گیا کہ آیت واطیعو اللہ واطیعو الرسول و اولی الامر منکم میں لفظ اولی الامر سے جو بمعنی حاکم ہے وہ حاکم مراد ہے۔ جس کو رسول کی طرف سے کسی لشکر یا کسی شہر کی حکومت ملی ہو۔ اس کی اطاعت اس کے ماتحتوں پر اس وقت تک واجب ہوتی تھی۔ جب تک اس کا حکم اللہ اور رسول کے قول کے مخالف نہ ہو۔ اور جب اس کے حکم کو اس کے ماتحت مخالف حق سمجھیں۔ تو اللہ اور رسول کے قول سے حق کا فیصلہ کرنے کا حکم تھا۔ اور جب اولی الامر کا لفظ بمعنی حاکم ہے۔ تو ان حکام کو بھی شامل ہے۔ جن کو بعد رسولؐ کے حکومت ملی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کبھی کبھی ان حکومتوں پر خلیفہ اوّل اور خلیفہ ثانی بھی مقرر ہوئے ہیں۔ بلکہ روایاتِ مخالفین صحابہ سے ثابت ہے۔ کہ ان کا تقرر اس حکومت پر اللہ کے حکم سے ہوا تھا۔ چنانچہ حیات القلوب[1] میں علی ابن ابراہیم اور شیخ مفید اور شیخ طوسی اور شیخ طبرسی اور قطب راوندی کی روایت سے غزوۂ ذات السلاسل کے بیان میں حضرت صادق اور ابن عباس سے منقول ہے۔ کہ میدان یابس میں بارہ ہزار سوار کافروں کے جمع ہوئے تھے۔ اور انہوں نے یہ عہد کیا تھا۔ کہ محمد اور علیؓ کو قتل کر دیں۔ اس کے بعد حیات القلوب کی عبارت یہ ہے۔

---

[1] حیات القلوب جلد دوم ص۴۲۵

پس جبرائیل نازل شد وقصہ الیشان رابرائے آں حضرت نقل کرد۔ واز جانب خدا مامور گردانید آں حضرت ابوبکر را با چار ہزار سوار مہاجران و انصار بجنگ الیشان بفرستند۔	پس جبریل نازل ہوئے۔ اور ان کا قصہ حضرت سے بیان کیا۔ اور خدا کی طرف سے حضرت کو مامور کیا۔ کہ ابوبکر کو چار ہزار سوار مہاجرین اور انصار دے کر ان سے لڑنے کے لئے بھیجیں۔

اس کے بعد یہ قصہ مذکور ہے۔ کہ ابوبکرؓ ان سے ڈر کر بغیر جنگ کے واپس آئے۔ اور پھر اللہ کا حکم آیا کہ عمرؓ کو بھیجو۔ چنانچہ حیات القلوب میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

وا اینک جبرائیل مرا از جانب خدا امر مے کند۔ کہ عمر را بجائے او بفرستیم۔	اور اب جبرائیل مجھ کو خدا کی طرف سے یہ حکم کرتا ہے۔ کہ ابوبکرؓ کی جگہ عمرؓ کو بھیجوں۔

پھر عمرؓ کی نسبت بھی یہی مذکور ہے۔ کہ وہ ڈر گئے۔ اور بغیر جنگ کے واپس آئے۔

اہل سنت کے نزدیک یہ بیان کہ دونوں بغیر جنگ کے واپس آگئے محض افترا ہے۔ مگر اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک یہ کہ دونوں نص الٰہی اس جہاد میں امام مقرر ہوئے تھے۔ پس امام منصوص تھے۔ دوسرے یہ کہ امام منصوص کے لئے معصوم ہونا ضرور نہیں۔

جو معنی اس آیت کے ہم نے بیان کئے۔ یہی مضمون جناب امیر علیہ السلام کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ میں جناب امیر کا کلام اس وقت کا جب کہ بعد شہادت عثمانؓ کے لوگوں نے ان سے بیعت کرنے کی خواہش کی یہ مذکور ہے۔

ملے منقول از شرح میثم مطبوعہ ایران الخ ۱۲

ومن كلام له لما	اور جناب امیر کے کلام سے
اريد قبل البيعة بعد	ہے جبکہ ارادہ کیا گیا بیعت کا
قتل عثمان دعوني والتمسوا	بعد قتل عثمانؓ کے مجھے چھوڑ دو.
غيري -	اور میرے سوا کسی دوسرے کو ڈھونڈ لو۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ جناب امیر اپنے آپ کو اولوالامر منصوص نہیں سمجھتے تھے۔ ورنہ یہ کیوں کہتے کہ مجھے چھوڑ دو۔ اور نیز جناب امیر خلافت کو مشورہ مومنین پر موقوف سمجھتے تھے۔ نہ نص پر۔ جب ہی تو فرمایا کہ کسی اور کو ڈھونڈ لو۔

اس کلام کے آخر کا فقرہ یہ ہے۔

ان تركتموني فانا كاحدكم	اگر تم چھوڑ دو گے تو میں بھی مثل
ولعلي اسمعكم واطوعكم	ایک کے تم میں سے ہونگا۔
لمن وليتموه امركم وانا	اور شاید تم سے زیادہ حکم ماننے
لكم وزيرا خيرا مني	والا اور زیادہ اطاعت کرنیوالا
لكم اميرا[1]	اس کا ہونگا جس کو تم اپنا اولی الامر بناؤ گے۔ اور میں تمہارے لئے وزیر بن کر بہتر ہوں اس حالت سے کہ تمہارا امیر ہوں۔

یعنی اگر تم مجھ کو چھوڑ کر کسی اور کو اولی الامر بناؤ گے، تو جس طرح تم میں سے ہر ایک اس کی اطاعت کرے گا۔ اسی طرح میں بھی اس کی اطاعت کروں گا۔ بلکہ میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔

اس سے ظاہر ہو گیا: کہ جناب امیر اپنے آپ کو اولوالامر منصوص نہیں جانتے تھے۔ بلکہ یہ کہتے تھے۔ کہ تم جس کو اولی الامر بناؤ گے۔ میں بھی تمہاری طرح

[1] یہ خطبہ نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر قسم اول ص ۱۹۸ میں ہے ۱۲ مدیر النجم۔

اس کی اطاعت کروں گا۔ بلکہ شاید تم سے زیادہ اطاعت کروں گا۔ فاضل ابن میثم نے اس کی شرح میں لکھا ہے۔

ای کنت کاحدکم	یعنی ہوں گا میں بھی مثل ایک
فی الطاعۃ لامیرکم	کے تم میں سے اطاعت میں
بل لعلی اکون اطوعکم	تمہارے امیر کی۔ بلکہ شاید
لہ اے لقوۃ علم	ہوں میں تم سے زیادہ اطاعت
بوجوب طاعۃ الامام	کرنیوالا اس کا یعنی واسطے

زیادتی علم جناب امیر کے ساتھ وجوب اطاعت امام کے۔

مطلب یہ ہے کہ جناب امیرؑ سب سے زیادہ اس مسئلہ کو جانتے تھے۔ کہ امام کی اطاعت واجب ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا۔ کہ تم جس کو امام مقرر کرلوگے۔ میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔ اور اس کی فرماں برداری جو مجھ پر واجب ہوگی۔ تم سے زیادہ ادا کروں گا۔

جناب امیرؑ کے اس بیان سے بخوبی واضح ہوگیا کہ امام (اولوالامر) کا مقرر کرنا مسلمانوں کی رائے پر موقوف تھا۔ چنانچہ جناب امیرؑ یہ فرماتے تھے۔ کہ میرے سوا کسی اور کو امام اولوالامر مقرر کرلو تو میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔ اس لئے کہ اطاعت امام کا حکم تو تم سے زیادہ مجھ کو معلوم ہے۔ اور آیہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کو میں تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اولی الامر کی اطاعت واجب تھی۔ تو جناب امیر کو یوں کہنا چاہیئے تھا۔ کہ ضرور میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں گا۔ مگر انہوں نے یہ نہ کہا۔ بلکہ یوں کہا کہ شاید میں تم سے زیادہ اس کی اطاعت کروں۔ اس کا سبب شارح ابن میثم نے یہ لکھا ہے۔

وانما قال لعلی لانہ علی تقدیر ان یولوا احدًا بخالف امر اللّٰہ لا یکون الموعلہم بل اعصاھم۔

اور جناب امیر نے شاید اس لئے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوتی کہ وہ ایسے شخص کو اولوالامر مقرر کر دیتے تو جو اللّٰہ کی حکم کی مخالفت کرتا تو اس وقت جناب امیر سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے نہ بنتے بلکہ سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے بنتے۔

یعنی جناب امیر اسی وقت تک اولی الامر کی اطاعت کرتے۔ جب تک اولوالامر کا حکم اللّٰہ کے حکم کے مخالف نہ ہوتا۔ اور جب الوالامر کا حکم اللّٰہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف ہوتا تو اس وقت جناب امیر سب سے زیادہ اس کی مخالفت کرتے۔ اور اللّٰہ اور رسول کی طرف رجوع کرتے یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ جناب امیر بھی آیت اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرّسول واولی الامر منکم کا مطلب یہی سمجھتے تھے۔ کہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم اسی وقت تک ہے۔ جب تک اس کا حکم مخالفِ حکم الٰہی نہ ہو۔ اور اگر اولی الامر کے ساتھ اختلاف ہو۔ تو اللّٰہ اور رسول کے قول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

آخر میں جناب امیرؓ نے صاف صاف فرمایا۔ کہ میرے امیر بننے سے میرا وزیر بننا بہتر ہے۔ پس اگر وہ خود ہی اولوالامر منصوص ہوتے۔ تو امیر نہ بننے کی حالت کو بہتر کیوں کہتے۔ اس لئے کہ حکم الٰہی کی مخالفت ہرگز بہتر نہیں ہوتی۔ اب اگر حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ کو امیر نہ بنانا ایسا جرم تھا۔ جس کی وجہ سے مخالفین تمام صحابہ کو مرتد کہتے ہیں (معاذ اللّٰہ)

تو اس جرم میں خود حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔ اس لئے کہ وہ تو خود کہتے تھے۔ کہ مجھے امیر بنانا بہتر نہیں۔ کسی اور کو امیر بنالو، یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ نے وہی کیا جو جناب امیر کی رائے تھی۔ یعنی ان کو امیر نہ بنایا (نصیحۃ الشیعہ کی عبارت ختم ہوگئی)۔

ایک شبہ کا جواب

آخر میں ایک بات اس موقع پر یہ بھی صاف کرنے کی ہے۔ کہ بعض حضرات کہتے ہیں۔ کہ ایک اور آیت میں بھی اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔ وہ آیت بھی اسی سورت میں بعد آیت مبحوثہ کے ہے وَ اِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط

ترجمہ ۔ اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے۔ تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف رجوع کرتے۔ تو جو لوگ ان میں سے قوت استنباط رکھتے ہیں۔ وہ اس کو سمجھ لیتے ہیں۔

جواب یہ ہے ۔ کہ اس امر میں اولی الامر کی طرف کسی شرعی معاملہ میں رجوع کرنے کا حکم نہیں۔ بلکہ امن یا خوف کی خبر کے متعلق مخصوص حکم دیا گیا۔ شرعی معاملات میں خصوصاً بوقتِ نزاع صرف اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ اس معاملہ میں قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی خفیف اشارہ بھی مخالفین کے موافق نہیں مل سکتا۔ بیسیوں آیتیں قرآن مجید کی ہیں۔ جن میں رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول کی اطاعت کو نجات کے لئے کافی قرار دیا گیا ہے۔ ہر جھگڑے میں رسول کی طرف رجوع کرنے اور ان کے فیصلہ کو بطیب خاطر قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دو چار آیتیں حسب ذیل ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورہ نسا) — جس نے رسول کی اطاعت کی۔ پس اس نے بتحقیق اللہ کی اطاعت کی۔

مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔

(سورۂ نسا)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا ۔ مگر اسی لئے کہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے ۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۔

(سورۂ احزاب)

اور جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی تو یقیناً وہ اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو پہنچ گیا ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(سورۂ نساء)

قسم ہے تیرے رب کی کہ وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے ۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنے اختلافات میں حکم بنائیں پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں تنگی اس فیصلہ کی طرف سے جو آپ کر دیں اور تسلیم کریں اس کو جیسا کہ حق ہے تسلیم کرنے کا ۔

تفسیر

آیاتِ امامت

جس میں

قرآنِ مجید کی اُن تمام آیات کی جن میں لفظ امام آیا ہے۔ صحیح تفسیر کرکے روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ امام کے جو معنی بعض حضرات بیان کرتے ہیں وہ محض ان کے خانہ ساز معنی ہیں اور بالکل بے اصل و بے بنیاد ہیں۔ اور یہ کہ اصلی مقصد مسئلہ امامت کی ایجاد سے عقیدہ رسالت سے آزادی اور ختم نبوت کے انکار کے سوا کچھ نہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعث الانبیاء والمرسلین لھدایۃ العالمین ورضیھم تدرلا فی الدین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی جعلہ خاتم النبیین وعلیٰ الہٖ وصحبہ الذین جعلھم ائمۃ وجعلھم الوارثین وعلیٰ من یعبدھم الیٰ یوم الدین ٥

اما بعد تفسیر آیاتِ خلافت کے سلسلہ میں اب تک متعدد آیات کی تفیریں شائع ہوچکی ہیں۔ جن سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوچکی ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت یقیناً قرآن مجید کی موعودہ خلافت ہے۔ بغیر ان خلافتوں کے ماننے ہوئے ان آیات کی تصدیق ہو ہی نہیں سکتی۔

آج اس وقت آیاتِ امامت کی تفسیر کرکے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ لفظ امام کے معنی قرآن شریف میں کیا ہیں۔ اور مخالفین صحابہؓ نے کیا گھڑے ہیں۔ اور ان کا اصلی مقصود اس ایجاد سے کیا ہے۔

مخالفین کہتے ہیں۔ کہ مسئلہ امامت اصول دین میں ہے۔ اور اس مسئلہ کی ایجاد پر ان کو اس قدر ناز ہے۔ کہ اگر ان کو امامیہ کہا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

اہل سُنّت کہتے ہیں۔ مخالفین صحابہ کا مفروضہ مسئلہ امامت دین الٰہی کی سخت ترین بغاوت ہے۔ ایک مسلم کے اس سے زیادہ کوئی عیب نہیں کہ وہ مسئلہ امامت کا قائل ہو۔ اور اپنے آپ کو امامیہ کہے۔ سچ ہے:۔

آں کہ فخر تست آں ننگ من است

مخالفین مسئلہ امامت کی ضرورت کو بڑی طمع سازی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور سادہ لوگوں کو یہ دکھاتے ہیں۔ کہ انہوں نے بڑی احتیاط سے دینداری کو اختیار کیا ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ رسول کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اگر انہیں کا مثل کوئی معصوم دنیا میں موجود نہ ہو۔ اور رسول کی طرح اس کی اطاعت لوگوں پر فرض نہ ہو۔ تو لوگوں کو ہدایت کس سے حاصل ہو گی۔ غیر معصوم کی اتباع میں سوا گمراہی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیر معصوم سے ہر وقت خطا کا صادر ہونا ممکن ہے۔

لہٰذا ضروری ہوا کہ رسول کے بعد ہر زمانے میں قیامت تک ایک معصوم مفترض الطاعۃ دنیا میں موجود رہے۔ تاکہ سعادت مند لوگ اس سے دین حاصل کریں۔ اور خدا کی حجت بندوں پر قائم رہے۔ اسی معصوم مفترض الطاعۃ کو جو ہر صفت میں رسول کا مثل اور مانند ہے۔ امام کہتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لئے خدا کی طرف سے بارہ امام مقرر ہو چکے ہیں۔ اور بارہویں امام پر دنیا کا خاتمہ ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ رسول کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہدایت خلق اللہ کے لئے اور بندوں پر حجتِ خداوندی قائم رکھنے کے لئے دو چیزیں کافی ہیں جو قیامت تک موجود رہیں گی۔ قرآن اور سنت یہی دو ثقلین ہیں۔ جن کے اتباع کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے گئے۔ اور فرما گئے۔ کہ ان کا اتباع کرتے سے ہرگز گمراہی تم میں نہ آئے گی۔ یہ بھی فرما گئے۔ کہ یہ دونوں چیزیں قیامت تک دنیا میں موجود رہیں گی۔ لہٰذا آپ کے بعد نہ کسی کو آپ کا مثل اور معصوم مفترض الطاعۃ ماننے کی ضرورت۔ اور نہ کسی غیر معصوم کے اتباع کی حاجت۔

ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے۔ جو شاہانہ اقتدار کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر دین کے ان مہمات کو انجام دیتا رہے۔ جن کی انجام دہی بغیر شاہانہ اقتدار

سکے نہیں ہو سکتی ۔ مگر اس شخص
کے معصوم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ رسول کی طرح دین کا ماخذ نہیں ۔ قرآن و سنت کی پیروی جس طرح اور مسلمانوں پر فرض ہے ۔ بالکل اسی طرح اس شخص پر بھی ہے ۔ دین میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کرنے کا اس شخص کو اختیار نہیں ۔ نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے ۔ نہ حلال کو حرام ۔ اس شخص کی اطاعت بھی صرف انہیں باتوں میں ضروری ہے ۔ جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوں ۔ جیسا کہ آیت اولی الامر میں اس کو صاف ارشاد فرمایا ہے اسی شخص کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں ۔

خلیفہ یا امام کا انتخاب بھی امت کے ذمہ ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے امام نماز کا تقرر مقتدیوں کے ذمہ ہے ۔ اگر امت کسی نالائق شخص کو خلافت کے لئے انتخاب کرے ۔ تو گنہ گار ہوگی جس طرح مقتدی کسی نالائق شخص کو امام بنا لینے سے گنہ گار ہوتے ہیں ۔

اگر مخالفین کہیں کہ قرآن و سنت ہدایت کے لئے کافی نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے ۔ جو قرآن و سنت کے مطالب معلوم کرنے کے لئے کسی بیان کرنے والے کے محتاج ہوں گے ۔ اور وہ غیر معصوم ہوگا ۔ تو لامحالہ ان کو غیر معصوم کی اتباع کرنی پڑے گی ۔ اور وہی سب خرابیاں لازم آئیں گی جو غیر معصوم کے اتباع میں ہوتی ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس چیز کو اگر غیر معصوم کا اتباع قرار دیا جائے ۔ تو اس سے کسی حال میں مفر نہیں ہو سکتی ۔ معصوم کی موجودگی میں بھی یہ کام کرنا پڑتا ہے ۔ کیونکہ معصوم کسی ایک مقام میں ہوں گے ۔ اس مقام کے بھی لوگ ہر ہر بات میں معصوم کی طرف رجوع نہیں کر سکتے ۔ اور دوسرے مقامات کے لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ۔ لامحالہ ان کو کسی غیر معصوم سے معصوم کے احکام معلوم کرنا پڑیں گے ۔ خواہ وہ معصوم کا نائب ہی کیوں نہ ہو ۔ حضرت علیؓ کو خلافت

بھی حاصل ہوئی۔ پھر بھی وہ کوئی ایسا انتظام نہ کر سکے۔ کہ ہر معاملہ میں لوگ ان سے ہدایت حاصل کر سکتے۔ بلکہ خاص کوفہ میں ان کی طرف سے ایک غیر معصوم قاضی مقرر تھا۔ جو مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ کوفہ سے باہر ان کے نائب تھے۔ جو طرح طرح کی خیانتیں کرتے تھے۔ اور لوگ مجبور تھے کہ انہیں کے احکام پر عمل کریں۔ ائمہ کی موجودگی میں اصحاب ائمہ میں باہم دینی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا۔ اور وہ اختلاف نزاع کی اس حد تک پہنچتا تھا۔ کہ باہم ترکِ سلام وکلام کی نوبت آجاتی تھی۔ اور کسی طرح اس کا تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ مجتہدین مخالفین کہتے ہیں کہ اصحاب ائمہ پر واجب نہ تھا۔ کہ ائمہ سے یقین حاصل کریں (دیکھو اساس الاصول) غرضیکہ ائمہ کی موجودگی ہی میں غیر معصوم کا اتباع برابر جاری تھا۔ اور اب تو کسی کے مخالف کو کچھ کہنے کی گنجایش ہی نہیں۔ کیونکہ قدرت نے اس طرح ان کے خانہ ساز مسئلہ امامت کو خاک میں ملایا ہے۔ کہ اب بھی کوئی نہ سمجھے۔ تو کس منہ سے خدا کے سامنے جائے گا۔ مخالفین کہتے تھے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ مگر امام حسن عسکری کے بعد جن کی وفات سنہ ۲۶۰ھ ہجری میں ہوئی۔ آج تک ایک ہزار اٹھاسی سال ہوئے کوئی امام معصوم موجود نہیں ہے۔ اور مخالفین بھی غیر معصومین ہی کا اتباع کر رہے ہیں۔ اور روایات ہی پر ان کا بھی عمل ہے۔ اب کوئی پوچھے۔ کہ غیر معصوم کا اتباع کر کے تم گمراہ ہوئے یا نہیں۔ اور جب روایات ہی پر عمل کرنا ٹھہرا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ ان کو چھوڑ کر امام باقر و صادق کی روایات پر عمل کیا جائے۔

مخالفین صحابہ کہتے ہیں کہ امام معصوم تو موجود ہیں۔ مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ایک غار کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ لیکن جب ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اور نہ ان سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ تو ان کا وجود و عدم برابر ہے۔ اور پھر اگر ایسا موجود ہونا کافی ہے۔ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر اقدس انور

میں موجود ہیں۔ اور ایسی زندگی کے ساتھ کہ اس عالم کی کروڑوں زندگیاں اس پر قربان ہیں۔

ایک لطیفہ ۔ یہاں یہ بھی ہے۔ کہ خدا نے دنیا کا خاتمہ ان بارھویں امام صاحب پر رکھا تھا۔ اس لحاظ سے زائد از زائد چوتھی صدی ہجری میں قیامت قائم ہونی ضرور تھی۔ مگر لوگوں کی نافرمانی اور بدکاری کی وجہ سے امام صاحب غائب ہو گئے۔ اور خدا کو ان کی عمر دراز کرنا پڑی۔ اور قیامت کا وقت ٹل گیا۔ خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خدا کو بدا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔

اصل حقیقت

یہ ہے کہ بانیان مخالفین صحابہؓ کا مقصود اصلی دین اسلام کو خراب کرنا تھا اور وہ اسی لیئے مسلمانوں کے لباس میں آکر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے۔ لہذا انہوں نے ایک طرف تو قرآن کو محرف کرنا شروع کیا۔ دو ہزار سے زیادہ روایتیں قرآن میں ہر قسم کے تحریف کی تصنیف کر لیں۔ اور دوسری طرف قرآن کو معمّٰی اور چیستان مشہور کیا۔ تیسری طرف تمام صحابہ کرام کو کاذب قرار دیا۔ تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور تعلیمات جو انہیں صحابہ کرام سے منقول ہیں قابل اعتبار نہ رہیں۔ اور پھر چوتھی طرف یہ کارروائی کی۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص آپ کے مثل معصوم اور مفترض الطاعۃ تجویز کیئے اور ان کے اختیارات یہ بیان کیئے۔ کہ فھم یحلون ما یشاءُن ویحرمون ما یشاءُن (اصول کافی ص۲۷۸) یعنی یہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔ تاکہ مسلمانوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے استغنا ہو جائے۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ ان کے بانیان مذہب کے اصلی مقصود کو عالم میں آشکارا کر رہی ہیں غضب خدا کا کہا تو جائے۔ کہ ہم غیر معصوم کے اتباع سے بچنے کے لئے دوازدہ امام کو مانتے

ہیں۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں چونکہ غیر معصومین سے منقول ہیں۔ اس لئے نہیں لیتے۔ اور پھر غیر معصومین کا اتباع بھی کیا جائے۔ اور غیر معصومین کی نقل کی ہوئی روایات بھی لی جائیں۔ مگر رسولؐ کی نہیں بلکہ ائمہ کی۔

بہر کیف اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ لفظ امام کے جو معنی مخالفین نے گھڑے ہیں۔ قرآن مجید سے کہیں ان کا ثبوت نہیں ملتا۔

قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں۔ بارہ جگہ لفظ امام کا استعمال ہوا ہے مگر کسی جگہ بھی مخالفین کے مفروضہ معنی نہیں بنتے۔ قرآن مجید میں امام مطلق پیشوا کے معنی میں ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ نبیوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے اور کافروں بدکاروں پر بھی ملاحظہ ہو۔

پہلی آیت

فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (سورۃ توبہ دسواں پارہ)

ترجمہ: (اے مسلمانو! کفر کے اماموں سے قتال کرو۔ ان کا معاہدہ اب باقی نہیں ہے۔ تاکہ وہ اپنی شرارتوں سے، باز آجائیں۔

ف: اس آیت میں حق تعالےٰ نے کافروں کے سرداروں کو امام فرمایا بوجہ اس کے کہ وہ کافروں کے پیشوا تھے۔ کافر لوگ ان کا اتباع کرتے تھے۔

دوسری آیت

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ط یہ آیت دو جگہ ہے۔ اوّل سورہ ہود، بارھویں پارے میں۔ دوسرے سورۂ احقاف

چھبیسویں پارہ میں۔

ترجمہ: قرآن شریف سے پہلے موسیٰ ؑ کی کتاب (یعنی توریت) امام اور رحمت تھی۔

ف۔ اس آیت میں خدا نے کتاب کو امام فرمایا۔ اس لیئے کہ لوگوں کی پیشوا ہے۔ لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں۔ النجم دورِ قدیم میں حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہٖ پر ایک مبسوط مضمون شائع ہُوا تھا۔ اس میں ایک مطلب اس حدیث کا یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ امام زمان سے آسمانی کتاب مراد ہو۔ اور مطلب حدیث کا یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی اپنے زمانہ کی کتاب اللہ کو نہ پہچانتا ہو۔ یعنی اس پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ تو مخالفین کے قبلہ فخر الحکما صاحب ایڈیٹر اصلاح نے اس پر بڑا تمسخر کیا۔ کہ بھلے امام کا اطلاق کتاب پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر جب یہ آیت قرآنی پیش کی گئی کہ خدا نے توریت کو امام فرمایا ہے۔ تو مبہوت و مسکوت ہو گئے۔

تیسری آیت

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ط (سورہ حجر چودھواں پارہ)

ترجمہ: بہ تحقیق وہ دونوں بستیاں امام مبین یعنی شارع عام پر ہیں۔

ف:۔ دو بستیوں پر خدا کا عذاب نازل ہُوا تھا۔ ان کا ذکر اس میں ہے۔ اس آیت میں سڑک کو اللہ تعالےٰ نے امام فرمایا۔ اس لئے کہ مسافر اتباع کرتے ہیں۔

چوتھی آیت

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (سورۃ انبیاء سترھواں پارہ)

ترجمہ:۔ اور بنا دیا ہم نے ان کو امام کہ ہمارے حکم سے وہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔

ف:۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام کو امام فرمایا۔ مخالفین کے معنی یہاں بھی نہیں ہیں۔ یہاں امامت بمعنی نبوت ہے۔

پانچویں آیت

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (سورۃ فرقان انیسواں پارہ)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے ٹھنڈک آنکھوں کی۔ اور بنا دے ہم کو متقیوں کا امام۔

ف:۔ اس آیت میں حق تعالےٰ نے مسلمانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ تم ہم سے یہ دعا مانگا کرو۔ اس دعا میں اپنے لیئے امامت کی درخواست بھی ہے۔ ظاہر ہے، کہ مخالفین کے مفروضہ معنی کی بنا پر اپنے لئے امامت کی دعا مانگنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح اپنے لئے نبوت کی درخواست کرنا۔ لہذا یہاں امامت سے مطلق پیشوائی مراد ہے۔ مخالفین کی اصطلاحی امامت مراد نہیں۔

اس آیت میں مخالفین کو بڑی مشکل نظر آئی۔ کہ امامت تو ایک ایسی چیز ہوئی

جاتی ہے۔ جس کی ہر شخص تمنا کر سکتا ہے۔ بلکہ کرنا چاہیئے۔ لہذا انہوں نے فوراً امام جعفر صادق کے نام سے ایک روایت تصنیف کر لی۔ تفسیر قمی میں ہے۔ کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں تحریف ہو گئی ہے۔ اصل عبارت تفسیر مذکور کی یہ ہے۔

قرئ علی ابی عبد اللہ علیہ	امام جعفر صادق علیہ السلام کے
السلام واجعلنا للمتقین	سامنے یہ آیت پڑھی گئی وَاجْعَلْنَا
اماما فقال ابو عبد اللہ	لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا تو امام صادق
لقد سألوا اللہ عظیما	نے فرمایا۔ کہ اللہ سے ان لوگوں
ان یجعلھم للمتقین	نے بڑا سوال کیا کہ ان کو متقیوں
اماما فقیل لہ ابن رسول	کا امام بنا دے۔ تو ان سے پوچھا
اللہ کیف نزلت فقال انما	گیا کہ اے فرزند رسول اللہ یہ
نزلت واجعل لنا من	آیت کس طرح نازل ہوئی تھی۔
المتقین اماما۔	امام نے فرمایا یہ آیت اس طرح

تھی واجعل لنا من المتقین اماما یعنی متقیوں میں سے ایک امام ہمارے لئے بنا دے۔

چھٹی آیت

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (سورہ قصص بیسواں پارہ)

ترجمہ: اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں۔ جو زمین میں کمزور سمجھے گئے تھے۔ اور ان کو امام بنا دیں۔ اور ان کو زمین کا وارث بنا دیں۔

ف: اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ زمین میں

بہت کمزور تھے۔ لہٰذا ہم نے چاہا کہ ان پر احسان کریں اور ان کو امام بنا دیں۔ اس آیت میں بھی امامت مطلق پیشوائی کے معنی میں ہے جس سے مراد نبوت اور بادشاہت ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ ہم نے تم کو بادشاہ بنایا۔ اور انبیاء تم میں معبوث کئے۔

ساتویں آیت

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (سورۂ قصص بیسواں پارہ)

ترجمہ :- اور بنا دیا ہم نے ان کو امام کہ بلاتے تھے۔ وہ دوزخ کی طرف۔

ف۔ دیکھئے اس آیت میں امام کو کیسے بُرے معنی میں استعمال کیا ہے اس آیت میں فرعون والوں کو امام فرمایا۔

آٹھویں آیت

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ط (سورہ سجدہ اکیسواں پارہ)

ترجمہ : اور بنائے ہم نے ان میں سے امام کہ ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے۔ جب کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور وہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

ف :- اس آیت میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے۔ اس آیت میں امام بمعنی نبی ہے۔ اس لئے کہ خدا کے حکم سے ہدایت کرنا نبیوں ہی کا کام ہے۔

اور آگے چل کر ان پر وحی نازل کرنے کا بھی تذکرہ ہے اس سے بھی امامت کا مبنی نبوت ہونا ظاہر ہے۔

نویں آیت

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَھُمْ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ط (سورہ یٰسین بائیسواں پارہ)۔

ترجمہ: بہ تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھتے ہیں تمام ان کاموں کو جو لوگوں نے آگے بھیجے۔ اور ان کے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں کو۔ اور ہر چیز کو ہم نے ایک روشن امام میں گھیر دیا ہے۔

ف:- یہاں امام کا لفظ کتاب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ روشن امام سے یا لوح محفوظ مراد ہے یا اعمال نامہ۔ ایک دوسری آیت سے اعمال نامہ ہی مراد ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ سورہ سبا میں ہے۔ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک واضح کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ اعمال نامہ کو امام اس لئے فرمایا کہ وہ بھی ایک قسم کا پیشوا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ جزا و سزا ملے گی۔

دسویں آیت

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (سورہ بنی اسرائیل پندرھواں پارہ)

ترجمہ: جس دن ہم بلائیں گے ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ۔

ف۔ اس آیت میں امام سے مراد پیغمبر ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن ہر اُمت

اپنے پیغمبر کے ساتھ بلائی جائے گی۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

ترجمہ :۔ اور ہر اُمت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا رسول آجائے گا۔ تو ان کے درمیان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

گیارہویں آیت

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ
عَهْدِي الظَّالِمِينَ ط (سورہ بقرہ پہلا پارہ)

ترجمہ : اور جب کہ ابراہیمؑ کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا۔ اور ابراہیمؑ نے ان باتوں کو پورا کر دیا۔ تو اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی (کچھ لوگوں کو امام بنا) اللہ نے فرمایا۔ کہ میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

ف :۔ اس آیت میں یہ بیان ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام امتحان خداوندی میں کامیاب ہوئے۔ تو حق تعالےٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اس نعمت میں شریک کرنا چاہا۔ تو حق تعالیٰ نے ان کو خبر دی۔ کہ تمہاری اولاد میں ظالم اور عادل دونوں قسم کے لوگ ہونگے ظالموں کو یہ نعمت نہ ملے گی۔

مخالفین نے اس آیت میں بہت ہاتھ پیر مارے ہیں۔ ان کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں اس آیت کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ اس آیت میں مخالفین کے مفروضہ معنی امامت کا ثبوت ہوتا ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے بڑھ کر ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ امام کے لیئے معصوم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ میں تم کو امامت کا مرتبہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ امامت کا رتبہ نبوت سے زیادہ ہے۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے لئے امامت کی درخواست کی تو خدا نے فرمایا کہ ظالم کو یہ مرتبہ نہ ملے گا۔ یعنی غیر ظالم کو ملے گا۔ اور غیر ظالم اسی کو کہتے ہیں۔ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ اور اسی کو معصوم بھی کہتے ہیں۔ مخالفین صحابہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت سے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ابطال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ معاذ اللہ ظالم تھے۔ اور ظالم ہونے کا ثبوت یہ ہے۔ کہ انہوں نے قبل از اسلام بت پرستی کی تھی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس خطاب کا بعد نبوت ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ امامت سے نبوت کے سوا کسی اور مرتبہ کا مراد لینا محض بے دلیل ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ امتحان خداوندی میں کامیاب ہوگئے۔ تو خدا نے ان سے فرمایا کہ ہم کو مرتبہ نبوت عطا کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اگرچہ معنی امام پیشوا است نبی	اگرچہ امام کے معنی پیشوا کے
باشد یا خلیفہ۔ لیکن مراد دریں	ہیں نبی ہو خلیفہ لیکن اس جگہ
جانبی است پس معنی کلام ایں	بلاشک نبی مراد ہے۔ پس آیت
است کہ خدائے تبارک وتعالیٰ	کا مطلب یہ ہے کہ خدائے
حضرت ابراہیم رانبی ساخت	تبارک وتعالیٰ نے حضرت

برائے مرد ماں و مبعوث گردانید۔ اور بسوئے مرد ماں وے صلوات اللہ علیہ سوال نمود کہ بار خدایا از ذریت من جمعے را انبیا گرداں حق سبحانہ فرمود نرسد وحی من یا نبوت من ظالماں را۔

ابراہیم کو ان لوگوں کے لئے نبی بنایا۔ اور ان لوگوں کی طرف مبعوث کیا۔ حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ نے سوال کیا۔ کہ یا اللہ میری اولاد میں سے بھی کچھ لوگوں کو نبی بنا۔ تو حق سبحانہ نے فرمایا کہ میری وحی یا میری نبوت ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ یہ خطاب بعد نبوت کا ہے تو امامت سے مراد یہ ہوگی۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلطنت و بادشاہت کا وعدہ اس آیت میں دیا گیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ملک فلسطین کی حکومت ان کو عطا بھی فرمائی۔ تفسیر معالم التنزیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا ایک مطلب یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء ہوئے ان کی ذریت سے ہوئے۔ اور ان کی ملت کے تابع رہے۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے۔ تو وہ بھی ملت ابراہیمی پر بہر حال مخالفین کی اصطلاحی امامت اس آیت سے بھی کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ اور مخالفین کا یہ کہنا کہ غیر ظالم اس کو کہتے ہیں جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ بالکل غلط اور شریعت الٰہیہ کے قطعاً خلاف ہے۔ دین اسلام میں قطعی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ گناہ کے بعد توبہ کرنے سے وہ گناہ بالکل معاف ہو جاتا ہے۔ اور توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں یہاں تک فرما دیا کہ گناہ کے بعد توبہ کرنے سے وہ گناہ نیکی بن جاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ یبدل اللہ سیاٰتہم حسنٰت الحاصل قرآن مجید کی بہت سی آیتیں ہیں۔ جن میں لفظ امام مستعمل ہوا ہے۔ اور کہیں بھی مخالفین

کے اصطلاحی معنے کسی طرح چسپاں نہیں ہوتے۔ اور کوئی مقصود ان کا مسئلہ امامت سے سوا عقیدہ نبوت کے مقابلہ اور مدار رشد کے معلوم نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کو شروع سے آخر تک کوئی پڑھے تو اس کو سینکڑوں آیتیں اس مضمون کی ملیں گی کہ رسول کی اطاعت نجات کے لئے کافی ہے۔ اور رسول ہی کے مبعوث ہونے سے خدا کی حجت قائم ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے رسول ہی کی اطاعت مخلوق پر فرض کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں سوا رسول کے اور کسی کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت نہیں فرمایا۔ نمونہ کے طور پر چند آیتیں جو قطرہ از بحار کے حکم میں ہیں حسب ذیل ہیں:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔	کہہ دیجئے اے نبی اگر تم دوست رکھتے ہو اللہ کو تو میری پیروی کرو محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے گناہوں کو۔
قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکافرین۔	کہہ دیجئے اے نبی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی۔ پھر اگر منہ پھیریں یہ لوگ تو اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔
من یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا وذلک الفوز العظیم	جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو داخل کریگا اس کو اللہ باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله ۔	جو رسول ہم نے بھیجا وہ اسی لیئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے ۔
من يطع الله فقد اطاع الله ۔	جس نے رسول کی اطاعت کی بہ تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔
رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل۔ واطيعوا الله واطيعوا الرسول واحذروا ۔	رسول خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ رہے کوئی حجت لوگوں کی اللہ پر رسولوں کے بھیجنے کے اطاعت کرو اللہ کی اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔
يا معشر الجن والانس الم ياتكم رسل منكم يقصون عليكم اياتي وينذرونكم لقاء يومكم هذا ۔	اے گروہ جن اور انسانوں کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی سے کہ بیان کرتے میرے احکام اور ڈراتے تم کو اس دن کے ملنے سے ۔
يا بني آدم اما ياتينكم رسل منكم يقصون عليكم اياتي فمن اتقى و اصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۔	اے بنی آدم آئیں گے تمہارے پاس رسول جو تمہیں میں سے ہوں گے ۔ بیان کریں گے تم سے میرے احکام پھر جو لوگ پرہیزگاری کریں گے اور اچھے کام کریں گے ان پہ نہ کچھ خوف ہوگا ۔ نہ وہ رنجیدہ ہوں گے ۔

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ ورسولہ۔	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔
لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔	بہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھی پیروی ہے۔
ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔	جو اطاعت کریگا اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بہ تحقیق وہ بڑی کامیابی کو پہنچ جائے گا۔
وقال لھم خزنتھا الم یاتکم رسل منکم۔	اور کہیں گے ان سے داروغہ جہنم کے کہ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے۔
ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔	جو حکم دیں تم کو رسول اس پر عمل کرو اور منع کریں۔ اس سے باز رہو۔

المختصر قرآن مجید میں ہر جگہ رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے۔ انہیں کے اوامر و نواہی کو واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے۔ انہیں کی اطاعت پر فوز عظیم اور جنت کا وعدہ ہے۔ قبر سے لے کر حشر تک انہیں کی اطاعت کا سوال ہوگا۔ انہیں کی اطاعت بعینہا خدا کی اطاعت قرار دی گئی ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات کو دیکھ کر کون مسلمان اس بات کو مان سکتا ہے۔ کہ رسول کے سوا کوئی اور بھی مثل رسول کے واجب الاطاعۃ ہو سکتا ہے۔ یا کسی اور سے بھی حجت خدا کی قائم ہو سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ کہ اگر مسئلہ امامت کی کچھ اصلیت ہوتی۔ اور امام کی اطاعت بھی مثل اطاعت رسول کے فرض ہوتی۔ تو جس طرح خدا نے رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا۔ اسی طرح اماموں کی اطاعت کا بھی حکم دیتا۔ اگر رسولوں کے اطاعت کے متعلق دو سو آیتیں ہیں۔ تو اماموں کے

متعلق دس بیس ہی آیتیں ہوتیں، نہ سہی ایک ہی آیت قرآن مجید میں ہوتی۔
ایک آیت میں خدا نے رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی دیا۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اگر تم میں اولی الامر میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے۔ تو اس کا فیصلہ خدا اور رسول سے کراؤ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اولی الامر کی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ کوئی حکم خلافِ شریعت نہ دے۔

مگر مخالفین کے پاس اس کا نہایت شافی جواب موجود ہے۔ کہتے ہیں خدا قرآن میں مسئلہ امامت کو کیسے ذکر کرتا۔ اور امام کی اطاعت کا حکم کیسے دیتا۔ امامت تو ایک راز تھی۔ جس کا پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنو صـ۴۸۷ میں ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔
ولایۃ اللہ اسرھا الی	اللہ کی ولایت (یعنی مسئلہ امامت)
جبرئیل واسرھا	پوشیدہ طور پر خدا نے جبریلؑ
جبرئیل الی محمد صلی اللہ	سے بیان کیا اور جبریلؑ نے اس
علیہ والہ وسلم	کو پوشیدہ طور پر محمد صلی علیہ
واسرھا محمد الی علی	وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ اور
علیہ السلام واسرھا	محمدؐ نے علی علیہ السلام سے
علی الی من شاء ثم	اسکو پوشیدہ طور پر بیان کیا۔
انتم تذیعون ذالک	مگر تم اس کو مشہور کر رہے ہو۔

امام باقر علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا۔ کہ مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے۔ جس کو خدا نے صرف جبریل سے بیان کیا۔ کسی فرشتہ کو بھی اس کی خبر نہ دی۔ اور جبریل نے بھی صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس راز کو بیان کیا۔ اور کسی نبی کو اس کی اطلاع نہیں ہونے پائی

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف جناب امیر علیہ السلام سے اس پوشیدہ راز کو بیان کیا۔ فاطمہؓ اور حسنینؓ کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے دی۔ جناب امیرؓ نے البتہ جن کو اہل سمجھا اِن سے بیان فرمایا۔ مگر امام باقر علیہ السلام کے نااہل شاگردوں نے اس راز کو طشت از بام کر دیا۔

پس جب مسئلہ امامت ایسا راز سربستہ تھا۔ تو خدا قرآن میں اس کو کیسے بیان کرتا۔ لہٰذا قرآن میں صرف رسولوں کے بیان پر قناعت کی گئی۔

اس مضمون کی روایتیں۔ ان کی کتابوں میں بہت ہیں۔ اصولِ کافی کے اسی باب کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا۔

مازال سرنا مکتوما	ہمارا راز یعنی مسئلہ امامت
حتےٰ صار فی ید ی ولد	ہمیشہ پوشیدہ رہا۔ یہاں تک
کیان فتحدث بہ فی	کہ مکر و فریب کی اولاد کے ہاتھوں
الطرق وقری السواد۔	میں پہنچا اور انہوں نے اس کو

راستوں میں، اور عراق کی بستیوں میں بیان کرنا شروع کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسئلہ امامت اگلے پیغمبروں کے وقت میں کوئی نہ جانتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ حضرت علی و حسنین اور زین العابدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی کو اطلاع نہ تھی۔ مگر امام موصوف نے اپنے اور اپنے والد کے شاگردوں کو گالی دے کر فرمایا۔ کہ انہوں نے اس کا چرچا کر دیا۔

ان کی کتابوں میں یہ تصریح بھی موجود ہے۔ کہ خاندانِ نبوت کے لوگ بھی اس مسئلہ امامت سے ناواقف ہوتے تھے۔ ائمہ اپنی اولاد سے بھی اس مسئلہ کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ جب کوئی امام زادے اس مسئلہ کو سنتے تھے تو بہت تعجب کرتے تھے۔

کہ حضرت

امام زین العابدین کے فرزند حضرت زید شہید سے احول نے اس مسئلہ امامت کو بیان کیا تو حضرت زید شہید نے فرمایا کہ اے احول تعجب ہے کہ میرے والد حضرت زین العابدینؑ مجھ سے اس قدر محبت کرتے تھے۔ کہ جب میں ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتا تھا تو لقمے ٹھنڈے کر کر کے مجھے کھلاتے تھے۔ مگر دوزخ کی آگ کا میرے لئے کچھ خیال نہ کیا کہ دین کی باتیں تم کو بتا دیں اور مجھے نہ بتائیں۔ اس موقع کا فقرہ یہ ہے۔ ولم یشفق علی من حر النار اذا خبرک بالدین ولم یخبرنی به۔

الغرض مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے۔ کہ خدا نے اس کو راز رکھا۔ رسول نے اس کو راز رکھا۔ ائمہ نے اس کو راز رکھا۔ لہٰذا قرآن میں اس کی تصریح کس طرح ہوتی مخالفین صحابہ اگر اس راز کو طشت از بام نہ کرتے۔ تو آج کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ مگر بیچارے کیا کرتے ؎

نہاں کے ماند آں رازے کزو لسازند محفلہا

مگر یہاں پر ایک عقدۂ لاینحل یہ ہے۔ کہ آخر مسئلہ امامت میں کیا بات تھی جو اس طرح پردۂ راز میں رکھا گیا۔ جتنا بھی غور کیا جائے یہ عقدہ حل ہو نہیں سکتا۔

اگر دشمنوں کے خوف سے یہ مسئلہ چھپایا گیا تو کیا توحید کے دشمن نہ تھے بلکہ توحید و رسالت کے دشمن تو بہت زیادہ تھے۔ پھر نا معلوم فرشتوں سے کیا اندیشہ تھا۔ جو سوا جبرئیلؑ کے سب فرشتوں سے بھی یہ مسئلہ چھپایا گیا اور نبیوں سے کیا خطرہ تھا۔ جو سوا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی کو بھی یہ مسئلہ نہ بتایا گیا۔ شاید فرشتوں اور نبیوں سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس مسئلہ کو سن کر حسد کریں گے۔ اور نہ معلوم اس حسد کے کیا کیا نتائج نکلیں۔ فرشتوں نے حضرت آدمؑ کی خلافت سن کر اعتراض کیا ہی تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے ائمہ کے نام ساقِ عرش پر دیکھ کر حسد کیا ہی تھا۔ اور اسی حسد

سزا میں جنت سے نکالے گئے۔
خیر ہم اس عقدہ لاینحل کے پیچھے پڑ کر کاغذ سیاہ کرنا نہیں چاہتے۔ یہ جانیں اور ان کے ائمہ۔ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں۔

دوسرا جواب ان کے پاس یہ ہے۔ کہ قرآن میں تحریف ہو گئی ہے۔ اصلی قرآن میں مسئلہ امامت بڑے اہتمام اور بڑی تصریح کے ساتھ مذکورہ تھا۔ حتیٰ کہ بارہ اماموں کا تذکرہ نام بنام اس میں تھا۔ اس جواب کے متعلق ہم کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ امام کے جو معنی اور امام کی جو ضرورت یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ وہ سب ان کی خانہ ساز باتیں ہیں۔ قرآن شریف سے ان چیزوں کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ اس مسئلہ کی ایجاد کا مقصد صرف عقیدۂ نبوت کو بے کار کرنا اور انبیاء علیہم السلام کی شان کو گھٹانا تھا۔ یہ مقصود پورا ہو گیا۔

هذا آخر الكلام والحمد لله رب العالمين وسلام على المرسلين ٥

تفسیر

آیت رضوان

سورۂ انا فتحنا کی آیۂ کریمہ لقد رضی اللہ عن المومنین کی تفسیر سے یہ بات ثابت کی گئی ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلثہؓ اور تمام اصحابؓ حدیبیہ قطعی جنتی ہیں۔ دُنیا ہی میں خدا نے اُن سے اپنی رضا مندی کا اعلان کرکے ان کے حال و مآل کی خیریت سے تمام اہل ایمان کو آگاہ کر دیا۔ اور ان کی خلافت کے منکروں کی راہ بند کر دی۔

آیتِ رضوان

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ
اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا
وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ
كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا
فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ
اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ
لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا وَّاُخْرٰى لَمْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ
اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا
وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ

بہ تحقیق راضی ہو گیا اللہ ایمان
والوں سے جبکہ (اے نبی) وہ تجھ
سے بیعت کر رہے تھے درخت
کے نیچے پس معلوم کیا اللہ نے جو
کچھ اُن کے دلوں میں تھا۔ پھر
اتارا اللہ نے سکینہ اُن پر اور بدلہ
میں دی ان کو فتح قریب اور
بہت سی غنیمتیں جن کو وہ لوگ
لیں گے اور اللہ غالب اور
حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم
لوگوں سے بہت سی غنیمتوں
کا وعدہ کیا ہے۔ جن کو تم لوگے
پس اُس نے جلدی دی تم کو
یہ غنیمت اور روک دیا لوگوں
کے ہاتھوں کو تم سے اور یہ اس
لیے کیا کہ ہو جائے یہ ایک نشانی
ایمان والوں کے لیے اور اللہ
تم کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے
اور کچھ اور غنیمتوں کا ابھی اللہ نے
وعدہ کیا ہے (جن پر تم نے رکھی)

لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۝ سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۝

قالو نہیں پایا یا اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر کافر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر نہ پائیں گے کوئی یار نہ مددگار۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اور تو اللہ کے قانون میں ہرگز تبدیلی نہ پائے گا۔

تفسیر

یہ کئی آیتیں جو نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی آیت آیہ رضوان کے نام سے موسوم ہے۔ اور اُسی کی تفسیر اس وقت مقصود ہے۔ باقی آیتیں محض توضیح مراد کے لئے نقل کی گئی ہیں۔

اس آیت میں حق تعالےٰ نے حدیبیہ کی بیعت کا تذکرہ فرمایا۔ اور جو لوگ اس بیعت میں تھے۔ ان کے حسب ذیل فضائل بیان فرمائے۔

(۱) حق تعالےٰ نے ان کو مومنین فرمایا۔ اس سے بڑھ کر ان کے ایمان کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو شخص اس بیعت کے شرکا کو مومن نہ کہے اس کا مکذب قرآن ہونا کس قدر واضح ہے۔

(۲) حق تعالےٰ نے ان سے اپنا راضی ہونا بیان فرمایا۔ اور وہ بھی حرف تاکید یعنی لقد کے ساتھ ظاہر ہے کہ خدا جس سے راضی ہو گیا۔ اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرما دیا۔ اس کا انجام یقیناً بخیر ہو گا۔ اور آئندہ کبھی اس سے خلاف مرضیٔ الٰہی کوئی کام صادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر آئندہ ان لوگوں سے کوئی فعل خلاف مرضیٔ الٰہی صادر ہونے والا ہوتا۔ تو وہ ان کی بیعت سے

ہرگز راضی نہ ہوتا۔ چہ جائیکہ رضامندی کا اعلان۔ ہم لوگ جو آج کسی سے کسی بات پر خوش ہوجاتے ہیں۔ اور کل اس کی کسی خلاف مزاج حرکت پر ناخوش ہوجاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہم کو آئندہ کا علم نہیں۔ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جو آج ہماری مرضی کے مطابق کام کررہا ہے۔ کل ہماری مخالفت پرکمربستہ ہوجائے گا تو ہم اس کی کسی بات پر ہرگز خوش نہ ہوں۔ چہ جائیکہ اپنی خوشنودی کا اعلان کریں۔ لہذا شیعہ بھائیوں کا یہ کہنا کہ خدا اُس وقت اُن کی بیعت سے خوش ہوگیا۔ مگر بعد وفات پیغمبر کے جب انہوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی شروع کردی۔ تو خدا اُن سے ناخوش ہوگیا۔ خدا کے عالم الغیب ہونے کا کھلا ہوا انکار ہے۔

۳۔ حق تعالٰے نے اُن کے دلوں کی حالت کا علم بیان فرماکر اُن کی نیک نیتی اور ان کے اخلاص کی گواہی دی۔ گویا منکرین کے اس وسوسہ کا پہلے ہی جواب دے دیا۔ کہ ہم صرف اُن کے ظاہری فعل کو دیکھ کر راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ ہم کو ان کے دل کا حال معلوم ہے۔ اسی لئے ہماری رضامندی ان کے شامل حال ہوئی۔

۴۔ حق تعالٰی نے اُن پر سکینہ نازل فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس پر سکینہ نازل ہوجاتا ہے۔ اس کے ایمان کو پھر جنبش نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کی استقامت میں فرق آسکتا ہے۔ یہ ایک بڑا انعام خداوندی ہے۔ جو ان کو حاصل ہوا۔

۵۔ حق تعالٰے نے اُن کو دنیا میں تین چیزوں کے دینے کا وعدہ فرمایا اول فتح قریب دوم مغانم کثیرہ سوم کچھ اور مغانم جو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر تھے۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ سے فتح مکہ اور خیبر کا مال غنیمت مراد لیا گیا ہے۔ اور یہی ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ فتح کے ساتھ قریب کا لفظ اور مغانم کثیرہ کے بعد عَجَّلَ کا لفظ اسی کو بتا رہا ہے۔ کہ یہ دونوں چیزیں جلد اور

بہت جلد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ فتح خیبر تو حدیبیہ سے لوٹتے ہی حاصل ہوگئی۔ ذوالحجہ ۶؁ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے۔ اور محرم ۷؁ھ میں خیبر فتح ہو گیا۔ اور مال غنیمت بکثرت ہاتھ آیا۔ لیکن تیسری چیز یعنی وہ مغانم جن کو عرب کے احاطۂ قدرت سے باہر فرمایا گیا ہے۔ اس کا مصداق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں پایا گیا۔ خیبر کے بعد کوئی غنیمت ایسی نہیں حاصل ہوئی جس کو غنائم خیبر کے مقابلہ میں اتنی اہمیت دی جائے۔ کہ عرب کے احاطۂ قدرت سے اس کو باہر کہا جائے۔ لامحالہ اس تیسری چیز سے فارس وروم کے فتوحات مراد لئے جائیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سلطنتوں کی فتح البتہ ایک ایسی چیز تھی۔ کہ عرب کے احاطۂ قدرت تو کیا۔ بلکہ وہم وگمان سے بھی بالاتر تھی۔

یہ تیسری چیز خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئی۔ اور خدا کا یہ وعدہ انہیں تینوں کے ہاتھ پر پورا ہوا۔

۶۔ فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو اَثَابَهُمْ کے تحت میں بیان فرماکر اس امر کو ظاہر فرمادیا۔ کہ یہ انعام اس بیعت کا معاوضہ ہے۔ جو لوگ اس بیعت میں شریک نہیں ہیں۔ ان کا کوئی حصہ اس انعام میں نہیں ہے۔ چنانچہ خیبر کی غنیمتوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ کسی اور کو اس میں سے کوئی حصّہ نہیں ملا۔ تیسری نعمت کو اگرچہ کسی جماعت کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ مگر اس کو اہل حدیبیہ کے ہاتھ پر پورا کرنا ہزاروں خصوصیتوں سے بڑھ کر ہے۔

۷۔ فرمایا کہ اب کوئی جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں فتح یاب نہ ہوگی۔ بلکہ جو تمہارے مقابلہ میں آئے گا۔ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اصحاب حدیبیہ کے مقابلہ میں کبھی کسی کافر کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ایران وروم جیسی زبردست سلطنتوں سے جب ان کا مقابلہ ہوا۔ اس

وقت خدا کی قدرت سب کو نظر آگئی۔ اور یہ دونوں سلطنتیں دم کی دم میں زیر وزبر ہو گئیں۔

۸۔ ان انعامات کے وعدوں کے بعد فرمایا۔ کہ یہ ہمارا قدیم قانون ہے اور ہمارے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی یہ اشارہ ہے۔ اس قانون خداوندی کی طرف جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین صادقین کے فتح ونصرت کے متعلق ہے۔ جس کا بیان دوسری آیتوں میں بہت وضاحت کے ساتھ ہے۔

قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُونَ ط یعنی ہمارا وعدہ اپنے رسولوں سے پہلے ہی ہو چکا ہے۔ کہ انہیں کو فتح ملے گی۔ اور بہ تحقیق ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

۹۔ بیعت حدیبیہ کی عزت افزائی کی انتہا یہ ہے۔ کہ دوسری بیعتوں سے ممتاز کرنے کے لئے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی

۱۰۔ فتح مکہ اور فتح خیبر کو ایمان والوں کے لئے نشانی فرمایا۔ یعنی یہ دونوں فتوحات آئندہ فتوحات کی دلیل ہیں۔ یہ دونوں فتوحات یقین دلاتی ہیں کہ آئندہ فتوحات بھی اسی طرح پوری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو فارس وروم کی فتوحات کا وعدہ ہے۔ اور ان کی علامت ونشانی کے طور پر یہ فتوحات عطا ہوئی ہیں۔ اس سے فاتحان فارس وروم کی شان اظہر من الشمس ہو رہی ہے۔

ف۔ اس آیت سے اصحاب حدیبیہ کا مومن بلکہ کامل الایمان اور پسندیدۂ خدا ہونا اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی قسم کی تاویل اور چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ اور یہ بات بھی بلاشک وشبہہ باتفاق فریقین ثابت ہے۔ کہ تینوں خلفاء اس بیعت میں شریک تھے اور جن لوگوں نے ان کا انتخاب خلافت کے لئے کیا۔ اور ان کو اپنا امام مانا وہ بھی اس بیعت میں

شریک تھے

۔ لہذا اس آیت کی رو سے وہ
سب پسندیدۂ خدا اور مومن مخلص ہوئے ۔ اور جو ایسا ہو۔ اس کی خلافت یقیناً خلافت راشدہ ہے۔ ایسے لوگوں کی خلافت کو ظلم و جور کی خلافت کہنا کلام الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

مخالفین بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے ۔ کہ کوئی تاویل اس آیت کی نہیں ہو سکتی ۔ اور اصحاب حدیبیہ کے فضائل کا انکار بغیر اس آیت کی تکذیب کئے ہوئے ممکن نہیں ۔ لہذا انہوں نے اپنے اسی آخری کید سے یہاں بھی کام لیا ہے ۔ جس کو انہوں نے ہدایت قرآنی سے سرتابی کے لئے بڑے اہتمام سے تصنیف فرمایا ہے ۔ یعنی کہتے ہیں کہ یہاں تحریف ہو گئی ہے ۔ خدا نے اپنی رضا مندی اس شرط کے ساتھ بیان کی تھی ۔ کہ مرتے دم تک اسی بیعت پر قائم رہیں مگر وہ لوگ قائم نہ رہے ۔ لہذا رضا مندی بھی جاتی رہی ۔ لیکن صحابہ نے شرط کے مضمون کو اس آیت سے نکال کر کہیں اور لگا دیا اور اس آیت کو بغیر شرط کے کر دیا ۔ جس سے کلام کا مفہوم بدل گیا (دیکھو تفسیر قمی ص ۳۳۶ اور مولوی مقبول احمد کا ترجمہ قرآن صفحہ ۸۱۵)

ہمارے نادان بھائی تحریف قرآن کا عذر کر کے سمجھتے ہوں گے ۔ کہ اس آیت رضوان سے ان کی گلو خلاصی ہو گئی اور اس آیت سے جو فضائل اصحاب حدیبیہ کے ثابت ہوتے تھے ۔ ان کا جواب ہو گیا ۔ مگر خدا کی قدرت کہ اس جواب سے بھی ان کو رہائی نہیں مل سکتی

اولاً اس لیے کہ اگر اس آیت کے ساتھ کوئی شرط پوری نہیں ہوئی تو ضرور خدا کو پہلے ہی سے اس شرط کے پورے نہ ہونے کا علم ہوتا ۔ کیوں کہ خدا کو تمام آئندہ ہونے والی چیزوں کا علم ہے ۔ پس اس صورت میں نعوذ باللہ فریب دہی کا الزام خدا پر قائم ہوتا ہے ۔ ایک ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط

کرکے اپنی رضا مندی کا اعلان کر دینا فریب نہیں تو اور کیا ہے۔
ثانیاً اس لیے کہ آیت میں سب صیغے ماضی کے ہیں رَضِیَ اَنْزَلَ اَثَابَ یعنی خدا ان سے راضی ہو گیا۔ پھر سکینہ ان پر اتارا۔ پھر بدلے میں ان کو فتح قریب وغیرہ دی۔ حالانکہ اگر کسی شرط کے ساتھ یہ چیزیں مشروط ہوتیں تو بجائے ماضی کے مستقبل کے صیغے ہونے چاہئیں تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کے ساتھ کوئی شرط ہرگز نہ تھی۔
ثالثاً۔ اس لئے کہ اگر کوئی شرط اس آیت میں ہوتی۔ تو وہ رضامندی اور نزول سکینہ اور فتح قریب وغیرہ سب کے ساتھ لگتی۔ اور بغیر اس شرط کے جس طرح رضامندی ان کو حاصل نہ ہوتی۔ اسی طرح نزول سکینہ اور فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بھی ان کو نہ ملتیں۔ حالانکہ فتح قریب وغیرہ کی نعمتیں بالاتفاق فریقین قطعاً ان کو ملیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہرگز کوئی شرط اس آیت کے ساتھ نہ تھی۔ اور بالفرض اگر تھی۔ تو وہ پوری ہوئی۔
رابعاً۔ اس لئے کہ اگر خدا کی رضامندی کسی ناشدنی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی تو پھر عَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ بالکل لغو ہو جاتا ہے۔ معاذ اللہ منہ۔ کیونکہ اس جملہ کا مقصود تو یہ ہے کہ خدا اپنی رضامندی کی وجہ ظاہر فرما رہا ہے۔ کہ چونکہ ہم دلوں کی حالت سے واقف ہیں۔ اس لیے اُن سے راضی ہوئے۔ حالانکہ صورت مذکورہ میں رضامندی کا وجود ہی نہیں ہوا۔ المختصر آیت کے الفاظ اور اُس کا مضمون اور اس کی پیشین گوئی کا ظہور بتا رہا ہے کہ ہرگز اس آیت میں کوئی شرط نہ تھی۔ اور اگر تھی تو وہ پوری ہو گئی۔ اور خدا نے جس طرح فتح قریب مغانم کثیرہ وغیرہ کا وعدہ اُن سے پورا کیا۔ اسی طرح قطعاً ویقیناً خدا کی رضامندی بھی ان کو حاصل ہوئی۔ اور سکینہ بھی اُن پر نازل ہوا۔
بعض نادان بھائی گھبرا کر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے تو اُن مومنوں سے جو اس بیعت میں شریک تھے۔ اپنی رضامندی بیان فرمائی ہے۔ نہ منافقین سے

لہذا جو منافق اس بیعت میں تھے۔ ان سے خدا کا راضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔
مولوی فرمان علی شیعی نے اسی جواب کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ترجمۂ قرآن کے صـ۸۱۸ میں اسی آیت رضوان کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

اس سے یہ شبہ نہ ہو۔ کہ ان تمام بیعت کرنے والوں سے خدا ہمیشہ کے لیئے راضی ہوگیا۔ اور یہ لوگ جنتی بن گئے۔ کیونکہ اوّل تو خدا نے تمام بیعت کرنے والوں سے خوشنودی کا اظہار کیا نہیں بلکہ صرف مومنین سے۔ اور وہ بھی ہمیشہ کے لیئے نہیں بلکہ وہ تو اس وقت خوش ہُوا۔ جس وقت ان لوگوں نے بیعت کی اب رہی آئندہ کی حالت۔ تو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ تو خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہُوا۔ کہ خدا سچے ایمان داروں کے اس فعل سے ضرور خوش ہُوا۔

مولوی فرمان علی نے یہ تو مان لیا۔ کہ خدا کی رضامندی ضرور اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ دو باتیں فرماتے ہیں۔

اوّل:۔ یہ کہ خدا کی رضامندی ہمیشہ کے لیئے نہ تھی۔ بلکہ وقتی تھی۔ بعد میں جب انہوں نے خلاف شرع کام لیے۔ تو رضامندی جاتی رہی۔

دوم:۔ یہ کہ خدا نے سب بیعت کرنے والوں سے رضامندی ظاہر نہیں کی۔ بلکہ صرف مومنین سے ہے۔

جواب: پہلی بات کا ہم اوپر دے چکے ہیں: اجی حضرت خدا عالم الغیب ہے جس سے آئندہ خدا کی خلاف مرضی حرکات صادر ہونے والی ہیں۔ خدا کو پہلے ہی اس کا علم ہے لہذا خداوند تعالیٰ اس شخص کی کسی اچھی سے اچھی بات سے ہرگز خوش نہیں ہوسکتا اور اپنی خوشی کا اعلان دے کر لوگوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا اہل سُنّت کا اعتقاد تو یہی ہے۔ مگر شیعہ جو خدا کے لئے عقیدہ بدا کے قائل ہیں۔ ان کے مذہب کی بنا پر یہ بات ممکن ہے۔ کہ ایک وقت خدا

ان سے راضی ہو گیا۔ اور اپنی رضا مندی کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر بعد میں جب ان لوگوں نے بُرے کام کیئے۔ تو خدا کو بدا ہوُا۔ اور خدا کی رائے بدل گئی۔ اور وہ ناراض ہو گیا۔ استغفر اللہ۔

رہی دوسری بات اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جس طرح آیت میں خدا نے ایمان والوں سے اپنی رضا مندی بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح فتح قریب اور مغانم کثیرہ کو بدلہ بھی ایمان داروں ہی کا قرار دیا ہے۔ لہذا جس طرح خدا کی رضا مندی ایمان والوں کے ساتھ مخصوص رہی۔ اسی طرح خیبر کا مال غنیمت بھی ان کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے۔ حالانکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام بیعت کرنے والوں کو غنیمت خیبر میں حصہ دیا۔ اس سے معلوم ہوُا کہ وہ سب مومن تھے۔ اور سب کو خدا کی رضا مندی حاصل ہوئی اور یقیناً سب جنتی ہو گئے۔ اگر کہا جائے کہ غنیمت خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ خوف کے منافقوں کا حصہ لگایا۔ اگر ایسا نہ کرتے تو منافق لڑ بیٹھتے۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ اگر اسی طرح رسول کو خوف کی وجہ سے احکام خداوندی کا خلاف کرنے والا قرار دیا جائے تو دین بازیچۂ طفلاں بن جائے گا۔ پھر دوسری بات یہ ہے۔ کہ جس طرح حدیبیہ میں نہ آنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت خیبر سے حصہ نہ دیا۔ اور کوئی فتنہ نہ برپا ہوُا۔ اسی طرح حسن تدبیر سے ان منافقوں کو بھی علیحدہ کر سکتے تھے۔ اور کوئی فتنہ نہ ہوتا۔

بہر حال ان بھائیوں کے بنائے کوئی بات بنتی نہیں۔ اور آیت برملا ندا دے رہی ہے۔ کہ جن لوگوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ ان سب سے خدا راضی ہو گیا۔ سب پر سکینہ اترا۔ اور سب قطعی جنتی ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

اسی آیت رضوان کی اور خدا کی رضا مندی کی تفسیر ہیں۔ وہ احادیث جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب حدیبیہ کی نسبت فرمایا۔

أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرُ أَهْلِ الْاَرْضِ یعنی آج تم تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔ نیز فرمایا کہ لَنْ یَلِجَ النَّارَ اَحَدٌ مِمَّنْ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔ ان میں سے کوئی شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ یہ دونوں حدیثیں وہی خاص مضمون بیان کر رہی ہیں۔ جو آیت میں ہے۔ جن سے خدا راضی ہے۔ اس کے بہتر ہونے میں کیا شک اور اس کے دوزخی نہ ہونے میں کیا تردد۔

آیت کی تفسیر تو ہو چکی۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ واقعہ حدیبیہ کے مختصر حالات بیان کر دیئے جائیں۔ تاکہ آیت کی تفسیر میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

واقعہ حدیبیہ

کے کچھ مختصر حالات

سنہ ۶ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ مع اپنے اصحاب کرام کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور سب نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے۔ اس کے بعد کسی نے سر کے بال منڈوائے ہیں۔ اور کسی نے کترِوائے ہیں۔ اس خواب کو آپ نے اپنے اصحاب کرام سے بیان فرمایا۔ سب نہایت خوش ہوئے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی از قسم وحی الٰہی ہوتا ہے۔ اس خواب کا تذکرہ بھی قرآن مجید کی اسی سورت میں ہے۔

پھر اسی سال کے آخر میں یعنی ذی قعدہ کے مہینے میں رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے بارادۂ عمرہ مکہ معظمہ کا سفر فرمایا۔ ایک بڑی جماعت صحابۂ کرام کی آپ کے ہمراہ ہوئی۔ جن کا شمار بنا بر روایات صحیحہ چودہ سو اور پندرہ سو کے درمیان میں تھا۔ بعض روایات میں اٹھارہ سو بھی وارد ہوا ہے۔

مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر سب نے احرام باندھا۔ اور احرام کا لباس زیب تن کیا۔ قدوسیوں کی یہ جماعت مقام حدیبیہ تک پہنچی تھی۔ کہ کفار مکہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ کہ کفار مکہ کو سمجھائیں کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں آئے۔ کعبہ کا طواف کر کے واپس چلے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جا کر بہت سمجھایا۔ مگر ضد اور شرارت کا برا ہو۔ کفار مکہ نے کسی طرح اس کو منظور نہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کی روانگی کے بعد کسی صحابی نے کہا۔ کہ عثمانؓ کی قسمت اچھی ہے۔ وہ تو مکہ جا رہے ہیں۔ کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ مگر ہم لوگوں کو معلوم نہیں۔ کہ کفار اجازت دیں یا نہ دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس بات کو سنا تو فرمایا کہ عثمانؓ کے متعلق ہم کو ایسا وہم بھی نہیں ہے کہ بغیر ہمارے کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ اللہ اکبر حضرت عثمانؓ کے اخلاص پر کیسا اعتماد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔ اور ویسا ہی ان سے ظہور میں آیا۔ جب حضرت عثمانؓ مکہ میں ابوسفیان سردار مکہ سے بات کر رہے تھے۔ تو ابوسفیان نے کہا۔ کہ اے عثمانؓ اگر تم چاہو تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ کہ کعبہ کا طواف کر لو۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کہ تمہارے نبی طواف کے لئے آئیں۔ اور اپنی شان وشوکت ہم کو دکھائیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تو ہم ہرگز طواف نہ کریں گے۔ اس جواب پر ابوسفیان نے حضرت عثمانؓ کو اور دس صحابی جو ان کے ساتھ تھے۔ ان سب کو قید کر دیا۔

یہ واقعہ اسی طرح کتب شیعہ میں بھی ہے۔ چنانچہ حملہ حیدری میں جو مذہب

شیعہ کی نہایت معتبر تاریخ اور مولوی سید محمد مجتہد اعظم کی مصدقہ ہے۔ یہ واقعہ اسی طرح نظم کیا گیا ہے۔

سیدؔ عثمانؓ زیں در زماں — بمقصد رواں شد چو تیر از کماں
چوؔ او رفت اصحاب روز دگر — بگفتند چندے بخیر البشر
خوشؔا حال عثمانؓ با احترام — کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسولؔ خدا چوں شنید ایں سخن — بپاسخ چنیں گفت با انجمن
بعثمانؔؓ نداریم ما ایں گماں — کہ تنہا کند طواف آں آستاں

اس کے بعد پھر آگے چل کر ابوسفیان اور حضرت عثمانؓ کی گفتگو اس طرح نظم کی ہے۔

بجوؔشید ش انگہ بدل مہر خوں — بعثمانؓ چنیں گفت آں سرنگوں

ملہ۔ **ترجمۂ اشعار**۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی وقت آداب بجالائے۔ اور مقصد یعنی مکہ شریف کی طرف بہت جلدی سے روانہ ہو گئے۔

ملہ۔ جب آپ روانہ ہو گئے۔ تو چند صحابہ نے دوسرے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

ملہ۔ کہ محترم عثمان رضی اللہ عنہ کیا ہی خوش قسمت ہیں۔ کہ بیت اللہ شریف کا حج ان کے نصیب ہو گیا۔

ملہ۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی۔ تو اہل مجلس کو یوں ارشاد فرمایا۔

ملہ۔ کہ حضرت عثمانؓ کے متعلق ہمیں ایسا گمان نہیں ہے۔ کہ وہ بیت اللہ کا اکیلے ہی طواف کر لیں گے۔

ملہ۔ ابوسفیان کے دل میں اس وقت محبت نے جوش مارا۔ تو اس نے حضرت عثمانؓ کو یوں کہا۔

[۱] کہ گر میل داری تو طوفِ حرم ... بکن مانعت نیست کس زیں حشم

[۲] ولیکن محال است ایں بے گزاف ... کہ آید محمدؐ برائے طواف

[۳] چو بشنید عثمانؓ ازو ایں سخن ... چنیں داد پاسخ بآں اہرمن

[۴] کہ طوفِ حرم بے رسولِ خدا ... نباشد بر پیرو انش روا

[۵] ازیں گفتہ سفیاں برآشفت بیش ... بگرداند از سوئے او روئے خویش

[۶] بفرمود پس باد گر مشرکاں ... کہ عثمانؓ و آں دہ کس از پیرواں

[۷] نیابند رفتن بہ نزد رسول ... اگر شاد باشند ازیں گر ملول

[۸] چو عثمان ازو ایں حکایت شنید ... علاجے بجز صبر کردن ندید

[۹] مقید نمودندش اعدائے دیں ... بیان نجاتش کنم بعد ازیں

---

[۱] کہ اگر آپ کو بیت اللہ شریف کے طواف کا خیال ہے۔ تو کر لیجئے۔ اس عزت سے آپ کو کوئی نہیں روکتا۔

[۲] و لیکن یہ یقیناً محال ہے کہ محمدؐ طواف کے لئے آئیں۔

[۳] اُس کی یہ بات سن کر حضرت عثمانؓ نے اسے یوں جواب دیا۔

[۴] کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدون بیت اللہ کا طواف آپ کے پیروؤں کے لئے جائز نہیں۔

[۵] اس کہنے سے سفیان بھڑک اُٹھا۔ اور اپنا مُنہ دوسری طرف کر لیا۔

[۶] اور پھر دوسرے مشرکین کو کہنے لگا کہ عثمانؓ اور اس کے دس ساتھی۔

[۷] آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے نہ پائیں۔ اگرچہ یہ لوگ راضی ہوں یا ناراض۔

[۸] جب حضرت عثمانؓ نے اُس سے یہ بات سنی۔ تو بجز صبر کے آپ کو کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

[۹] دین کے دشمنوں نے آپ کو قید کر لیا۔ اس کے بعد آپ کی خلاصی کا بیان آ رہا ہے۔

حضرت عثمان رضؓ کے قید ہو جانے کے بعد کسی نے یہ غلط خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی۔ کہ حضرت عثمان رضؓ اور ان کے ساتھیوں کو کفار مکہ نے شہید کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپ اٹھ کر اس درخت کے نیچے جو اس میدان میں تھا۔ تشریف لے گئے اور اپنے اصحاب سے آگئے اور اپنے اصحاب سے آپ نے موت کی بیعت لی۔ اثنائے بیعت میں آپ کو خبر ملی۔ کہ حضرت عثمان رضؓ اور ان کے ساتھی زندہ ہیں تو آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان رضؓ کا ہاتھ قرار دے کر حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے بیعت[1] فرمائی اسی بیعت کا تذکرہ آیت رضوان میں ہے۔ اور اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کو بیعۃ الرضوان کہتے ہیں۔

یہ عظیم الشان بیعت حضرت عثمان رضؓ ہی کے طفیل ہوئی۔ اور سب سے زیادہ فضیلت بھی اس بیعت میں انہیں کی ظاہر ہوئی۔

---

[1] حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے بیعت کرنے کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے۔ کافی کتاب الروضہ صہ۱۵ا میں ہے۔ وبایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ المسلمین وضرب باحدی یدیہ علی الاخری بعثمان اور حیات القلوب جلد دوم صہ۴۰۱ میں ہے" بروایت شیخ طبرسی چوں مشرکان عثمان را حبس کردند۔ خبر بحضرت رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمی کنم تا با ایشان قتال کنم و مردم را بسوئے بیعت دعوت نمایم و برخاست و پشت مبارک بدرخت داد تکیہ کرد و صحابہ باآں حضرت بیعت کردند کہ بامشرکاں جہاد کنند و نگریزند و بروایت کلینی حضرت یک دست خود را بردست دیگرے زد برائے عثمان بیعت گرفت ۱۲۔

یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ چونکہ حضرت عثمان رضؓ مکہ گئے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی بیعت اس طرح لی کہ اپنے دست مبارک پر اپنے ہی دوسرے ہاتھ کو رکھ دیا۔ گویا کہ اشارۃً حضرت عثمان رضؓ کو بیعت میں شامل فرما لیا۔ (باقی حاشیہ صہ۴۳۱ پر)

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔ کہ کسی طرح کفار کے کچھ آدمیوں کو بھی گرفتار کرو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب کفار مسلمانوں کی قید میں آگئے۔ تو کافروں نے مجبور ہو کر حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا۔ اور ان کے عوض میں اپنے قیدیوں کو رہائی دلائی۔

اس سفر میں ایک معجزہ پانی کا ظہور میں آیا۔ حدیبیہ میں جو کنواں تھا۔ اس میں پانی بہت کم تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب پانی خرچ ہو گیا۔ اور ہر طرف سے العطش کی آواز بلند ہوئی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر ایک صحابی کو دیا۔ کہ اس تیر کی نوک کنوئیں کی تہہ میں پہنچا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جیسے ہی اس تیر کی نوک تہہ میں گڑی۔ کنوئیں سے فوارہ پانی کا ابلنے لگا۔ اور پھر وہ پانی آخر تک کام دیتا رہا۔

اسی سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ کفار مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی حالت جانچنے کے لئے آئے۔ انہوں نے یہاں آکر جو حالت دیکھی اس کا بڑا اثر ان کے دل پر ہوا۔ جو اطاعت و جاں نثاری صحابۂ کرام کی اور جو محبت و ارادت عروہ کے مشاہدہ میں آئی اس سے

بقیہ حاشیہ ۱۴۸ یعنی شیخ طبرسی کی روایت میں ہے۔ کہ جب مشرکین نے حضرت عثمان کو گرفتار کر لیا۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔ جب تک ان سے لڑائی نہ کر لوں۔ اور لوگوں کو بیعت موت کی دعوت نہ دے لوں۔ اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پشت مبارک درخت سے ٹیک دی۔ اور تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور صحابہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ مشرکین سے لڑیں گے۔ اور بیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے۔ اور کلینی کی روایت ہے کہ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور حضرت عثمانؓ کے لئے بیعت لی۔

ان کی عقل متحیر ہو گئی ۔ کیونکہ تاریخ عالم میں کوئی مثال ان چیزوں کی نہیں مل سکتی ۔ حملۂ حیدری کا مصنف باوجود متعصب ہونے کے لکھتا ہے ۔

پس[1] آں گاہ در مجلس شاہ دیں — نشست او زمانے دگر در کمیں
کہ[2] اصحاب او را کند امتحان — بہ بیند کہ چوں است اخلاص شاں
بظاہر[3] گرہ کرد ابرو ز خشم — نہانی ہمی دید از زیر چشم
چو[4] اکرام و تعظیم و فرماں بری — ارادت شعاری عقیدت وری
زاصحاب[5] نسبت بسالار دیں — بیابید آں مرد ز دید چ ہیں ا
ازاں[6] طور آمد شگفتش بسے — کزاں پیش دیدہ نبود از کسے

اب دیکھنا ہے ۔ کہ پھر مکہ پہنچ کر اپنی قوم میں عروہ نے جو خیالات ظاہر کیے وہ کیا ہیں ۔ عروہ نے کہا ۔

---

[1] ۔ پس عروہ کبھی آں حضرت کی طرف متوجہ ہوتا ۔ مجلس میں بیٹھتا ۔ اور کبھی گھات میں ۔ یعنی حالات کو جانچتا ۔

[2] ۔ تاکہ آپ کے صحابہ کا امتحان کرے ۔ اور تاکہ یہ دیکھے ۔ کہ ان کا اخلاص کیسا ہے ۔

۳ ۔ ظاہری طور پر غصے کی وجہ سے ماتھے پر بل ڈال رکھے تھے ۔ ویسے چپکے چپکے دیکھ رہا تھا ۔

[4] ۔ جب عروہ نے آں حضرت کی ایسی عزت و تعظیم اور فرماں برداری، اخلاص اور

۵ ۔ عقیدت مندی صحابہ کرام کی طرف سے معلوم کی ۔

[6] ۔ تو اُسے اس طریقہ سے بہت تعجب و حیرانگی ہوئی ۔ کہ صحابہ میں کتنی جاں نثاری اور محبت ہے ۔ کیونکہ اس نے ایسی جاں نثاری اپنے بادشاہ کے متعلق اس سے پہلے کسی قوم سے بھی نہیں دیکھی تھی ۔

کہ من[۱] آنچہ دیدم زیاران او　　ازاں سربکف جاں نثاران او
در[۲] ایران ودر روم ودر زنگبار　　ندیدم زنیک وبدآں دیار
کہ[۳] دارند پاس سرِ خود چنیں　　بسایند برنقش پایش جبیں
محمد[۴] گر انداز د آبِ دہن　　براں آبِ خوں مے کنند انجمن
کہ[۵] گیرند و مالند برچشم ورو　　وزاں آب تازہ کنند آبرو
دگر[۶] ہر کرا بینی از مہتراں　　کند نقش او پاک چوں کہتراں
بر[۷] آبِ وضویش نزاعے کنند　　کہ خواہند سرہائے ہم بشکنند

۱ عروہ کہتے ہیں۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کا برتاؤ جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ آپ کے جاں نثار آپ کے لئے سربکف ہیں۔

۲ اس طرح میں نے ایران وروم اور حبش میں بھی نہیں دیکھا کہ وہاں کے بھلے بُرے۔

۳ لوگ اپنے بادشاہ کی ایسی عزت کرتے ہوں۔ اور اس کے نقش قدم پر اپنی پیشانیاں رگڑتے ہوں۔

۴ مگر صحابہ کا تو یہ حال ہے۔ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوکتے بھی ہیں۔ تو اس متبرک تھوک پر اہل مجلس مرنے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں۔

۵ کہ اس کو حاصل کرسکیں اور چہروں پر مل لیں۔ اور اس متبرک تھوک سے اپنے چہروں کی رونق کو دوبالا کریں۔

۶ اور جس بڑے سردار کو بھی تو دیکھے۔ آپ کے جوتے صاف کرتا ہوا ملے گا۔ یعنی وہ اس سے بھی عار نہیں کرتے۔

۷ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کے حاصل کرنے کی کوشش میں جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے۔ کہ اس کوشش میں ایک دوسرے کے سر پھوڑ دیں گے۔

غرض[1] اے دلیران با نام و ننگ | ندارد برائے شما حرفِ جنگ
کہ[2] ایشاں زما برنتابند رد | بجا ہائے نازک رسد گفتگو
ہماں[3] بہ کہ ایں قصہ کوتہ کنید | ازاں پیش کو رہ کنند رہ دہید

آخر کفار مکہ نے مجبور ہو کر صلح کی۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس جائیں۔ اور آئندہ سال پھر آکر کعبہ کا طواف کریں۔

اس صلح میں جو شرطیں کفار کی طرف سے پیش ہوئیں۔ ان میں بظاہر مسلمانوں کا پہلو نہایت مغلوب تھا۔ مثلاً ایک شرط یہ تھی۔ کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے۔ تو آپ اُس کو مکہ واپس کر دیں اور اگر کوئی مسلمان خدانخواستہ مرتد ہو کر مکہ میں آجائے۔ تو کفار مکہ اُس کو واپس نہ کریں گے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شرائط کو قبول فرما لیا۔ اور صلح ہو گئی۔

اس مغلوبانہ صلح سے تمام صحابہ کرام کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور سب سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (جو اول روز سے دینی غیرت وحمیت میں ضرب المثل تھے) ہوا۔ اور اُن سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے کہا۔ حضرت کیا آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کیا ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر انہوں نے کہا کہ پھر ہم کیوں مغلوبانہ صلح کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کر

---

[1] غرض اے غیرت مند دلیرو آں حضرت تمہارے ساتھ لڑائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔
[2] اگر انہوں نے لڑائی کا خیال ترک نہ کیا تو معاملہ نازک صورت اختیار کرے گا۔
[3] اس لئے یہی بہتر ہے۔ کہ اس قصہ کو صلح کر کے مختصر کر لو۔ اور اس سے پہلے کہ وہ زبردستی [illegible] پہنچ جائیں صلح کر کے تم خود بیت اللہ تک آنے کی اجازت دے دو ۱۲۔

سکتا۔ اور وہ میرا پروردگار ہے پھر یہی گفتگو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کی۔ اور انہوں نے بھی یہی جوابات دیئے۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو محض دین کی حمیت سے تھی۔ مگر پھر بھی ان کو بعد میں تنبہ ہوا۔ اور اس کے کفارہ میں نمازیں پڑھیں روزے رکھے۔ صدقہ دیا۔ غلام آزاد کیا۔

چند روز سے مخالفین نے اس موقع پر ایک طعن حضرت عمرؓ پر تصنیف کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہوگیا تھا۔ اور اس کی تائید میں ایک روایت میزان الاعتدال کی پیش کرتے ہیں۔ کہ خود حضرت عمرؓ نے اقرار کیا۔ کہ مجھے نبوت میں ایسا شک کبھی نہیں ہوا۔

جواب یہ ہے۔ کہ اوّل تو میزان الاعتدال کی یہ روایت صحیح نہیں۔ خود مصنف نے اس روایت کے ساتھ اس کا مجروح ہونا بھی بیان کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں نبوت کا لفظ نہیں ہے۔ یہ شیعوں کا خالص افترا ہے۔ صرف یہ مضمون ہے۔ کہ "مجھے ایسا شک کبھی نہیں ہوا"۔ اس شک سے مراد نبوت میں شک کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اسی روایت میں حضرت عمرؓ نے بجواب حضرت صدیقؓ فرمایا ہے کہ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ بلکہ اس صلح کے مفید ہونے میں اس کے مصالح میں شک مراد ہے۔ گویا اپنی ایک سیاسی غلطی کا اظہار فرمایا ہے (دیکھو فتح الباری جلد پنجم ص۲۵۵ مطبوعہ مصر)

واقعی صلح حدیبیہ میں کچھ ایسے پوشیدہ مصالح علم خداوندی میں تھے کہ کہ اس وقت کسی کو بھی ان کا احساس نہ ہوا۔ مگر بعد میں سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ کہ یہ منقادانہ صلح نہ تھی۔ بلکہ فتح مبین کا پیش خیمہ تھی۔

صلح نامہ لکھا جا رہا تھا۔ کہ ابوجندلؓ جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ مگر کسی طرح ان کو ہجرت کا موقع نہ ملتا تھا۔ کفار مکہ نے ان کو قید کر رکھا تھا۔ اور بڑے ظلم ان پر کئے تھے۔ اور یہ سب ظلم ان کے باپ سہیل کے ہاتھ سے ان پر ہوتے تھے۔

ایک روز موقع پاکر قید سے نکل آئے۔ اور حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ کفار نے مطالبہ کیا تو آپ نے اُن کو ان کے باپ کے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا کہ اے ابوجندل خدا تم کو ان کے شر سے بچائے گا۔ تم پریشان مت ہو۔ اس کے بعد پھر ابوبصیر مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی بوجہ معاہدہ کے واپس کیا۔ اثنائے راہ میں اُنہوں نے اس کافر کو جو اُن کے لینے کے لئے آیا تھا۔ قتل کر دیا۔ اور پھر مدینہ منورہ آئے۔ آپ نے پھر ان کو واپس کیا۔ ابوبصیر مدینہ منورہ سے تو چل دیئے۔ لیکن مکہ نہ گئے۔ بلکہ ساحل دریا کی طرف عیص نامی ایک مقام میں قیام کر لیا۔ اور مکہ معظمہ میں جو لوگ ابوجندل کی طرح مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ ستر آدمیوں کی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی۔ یہ مقام تجارتی قافلوں کا گذرگاہ تھا۔ اب ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا۔ کہ کفار قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا۔ اُس کو لوٹ لیتے۔ کئی قافلے اسی طرح تباہ و برباد ہوئے۔ لوگ بھی قتل کیے گئے اور مال بھی لٹا۔ آخر میں مجبور ہو کر خود کفار قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ یہ شرط صلح نامہ سے نکال دی جائے۔ اور آپ اُن لوگوں کو اپنے پاس بلا لیجئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبصیر کے نام خط بھیجا۔ کہ تم لوگ مع اپنی جماعت کے میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن یہ خط ایسے وقت پہنچا۔ کہ حضرت ابوبصیرؓ حالت نزع میں تھے۔ نامۂ مبارک کا مضمون انہوں نے سنا۔ اور آنکھوں سے لگایا۔ اور دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ مسلمانوں نے وہیں ان کی تجہیز و تکفین کی۔ اور اس کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ چلے گئے۔

یہ درخت جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک موجود تھا۔ لوگ وہاں جمع ہوتے تھے۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ یہ خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو ملی۔

کاٹ دیا جائے (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم ص۳۴۵)

حدیبیہ کا واقعہ باختصار بیان ہو چکا۔ اور آیت رضوان کی تفسیر بھی ہو چکی۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور ذریعۂ ہدایت بنائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دعوٰنا اَنِ الحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی النبی الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

تفسیر

آیتِ مُباہلہ

جس میں

سُورۂ آلِ عمران کی آیۃ کریمہ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم کی صحیح تفسیر بیان کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس زمانہ میں جب کہ ہر طرف سے نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہیں۔ اور نادانوں کی رہزنی کے لئے ہر قسم کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ایک نیا شگوفہ یہ کھلا کہ بمبئی کے بعض نادان بھائیوں نے صلح و آشتی کا لباس پہن کر سنیوں کو اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔ اور اس کی صورت یہ تجویز کی کہ جو مذہبی تقریبات فریقین میں مشترک ہیں ان کو دونوں فریق ایک جگہ جمع ہو کر ادا کریں۔ منجملہ ان مشترک تقریبات کے ایک عید مباہلہ کو بھی بیان کیا گیا۔ یہ عید مخالفین صحابہ کے یہاں ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوتی ہے کہا گیا کہ واقعہ مباہلہ کا ثبوت سنیوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ لہٰذا اس عید سے سنیوں کو بھی انکار نہ ہونا چاہیئے۔

اس دعوت اتفاق پر بڑے بڑے مضمون لکھے گئے۔ جن میں دکھلایا گیا کہ واقعہ مباہلہ عہد نبوت کا ایک عظیم الشان واقعہ اور معجزاتِ نبوی میں ایک عظیم معجزہ ہے لہٰذا اس دن کو ضرور عید منانا چاہیئے۔

مقصود یہ تھا کہ اہل سنت جو ہر وقت دعوت صلح پر لبیک کہنے کو تیار رہتے ہیں۔ اگر اس دعوت کو قبول کر لیں۔ تو ہر سال ایک مشترک جلسہ منعقد ہوا کرے۔ اور اس میں واقعہ مباہلہ کے پردہ میں مخالفین صحابہ کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا موقع ملتا رہے۔ حضرت علیؓ کا افضل الصحابہ اور خلیفہ بلا فصل ہونا سنیوں کے کان تک بھی پہنچا ئیں۔ اور عید ان کی خلافت بلا فصل کی یادگار ہیں سنیوں کے یہاں بھی رائج ہو جائے۔

مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ اہل سنت کی طرف سے اسی وقت جواب دیدیا گیا کہ ہمارے مذہب میں عید مباہلہ بالکل بے اصل چیز ہے۔ ہمارے یہاں سوا

ان دو عیدوں کے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی ہیں کوئی تیسری عید نہیں ہوتی۔ نہ ہم کو اپنی طرف سے کسی عید کے اضافہ کرنے کا حق ہے۔ اسی وجہ سے بڑی بڑی عظیم الشان فتوحات اسلام میں ہوئیں۔ مگر ہم نے کسی کی یادگار میں کوئی عید قائم نہیں کی اور یہ واقعہ مباہلہ تو کوئی ایسا بڑا واقعہ بھی نہیں۔ اگلے علماء بھی آیت مباہلہ سے خلافت بلا فصل ثابت کرنے میں بڑے زور لگا چکے ہیں۔ ان کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں بھی اس آیت کو بڑے شد و مد سے پیش کیا ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ آیت کی صحیح تفسیر اور اصلی واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کا فریب کارگر نہ ہوگا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

آیت مباہلہ

پارہ ۳۔ سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۶

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ	پھر جو شخص آپ سے جھگڑا کرے
بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	عیسٰیؑ کے بارہ میں بعد اس کے
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا	کہ آگیا آپ کے پاس علم تو کہہ
وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا	دیجئے کہ آؤ بلائیں ہم اپنے
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا	بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو
وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ	اور ہم اپنی
فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى	عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو
الْكٰذِبِيْنَ ۝	اور ہم اپنی

ذاتوں کو اور تم اپنی ذاتوں کو پھر گڑگڑا کر دعا مانگیں پھر کریں ہم اللہ کی لعنت جھوٹ بولنے والوں پر۔

اس آیت میں جس واقعہ کا بیان ہے۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے۔ کہ مدینہ منورہ کے قریب نجران نام کی ایک بستی تھی۔ جس میں عیسائی آباد تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت اور آپ کی فتوحات کی خبر ان کو پہنچی۔ تو ۹ھ ہجری میں اور بقول بعض ۳ھ ہجری میں ایک جماعت ان عیسائیوں کی حاضر خدمت ہوئی۔ مقصود ان لوگوں کا یہ تھا۔ کہ آپ سے صلح کی کوئی تجویز نکالیں اور آئندہ کے خطرات سے اپنی حفاظت کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا۔ کہ آپ کی نبوت کو جانچیں۔

ان لوگوں نے آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ جن کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اور ان کے حالات بذریعہ وحی الہٰی کے۔ آپ پر نازل ہوئے۔ چنانچہ آیت مبحوثہ کے اوپر مسلسل یہی بیان چلا آرہا ہے۔

ان باتوں کا جواب ان عیسائیوں سے نہ بن پڑا۔ مگر اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے۔ اور فضول باتوں میں آپ کا وقت عزیز ضائع کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت مباہلہ اتری۔ جس میں حکم دیا گیا کہ اے نبی وحی الہٰی کے نازل ہونے کے بعد بھی ان کی کج بحثی ختم نہیں ہوتی۔ تو آپ ان سے فرما دیجئے۔ کہ اچھا تم لوگ مجھ سے مباہلہ کرو۔ اور مباہلہ کی صورت یہ ارشاد فرمائی کہ آپ اور آپ کی ساری جماعت مع اپنے اپنے لڑکوں اور عورتوں کے وہاں آجائیں۔ اس کے بعد سب لوگ خدا کے سامنے تضرع وزاری کے ساتھ دعا مانگیں۔ کہ یا اللہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو۔ اس پر اپنی لعنت نازل کر۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم خداوندی ان عیسائیوں کو دیا ان لوگوں نے کہا۔ اچھا ہم آپس میں مشورہ کر کے اس کا جواب دیں گے۔ لیکن جب ان لوگوں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے مشورہ کیا۔ تو انہوں نے کہا تم دیکھو حماقت کرتے ہو۔ تم کو معلوم ہو چکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے نبی ہیں۔ دیکھو جب

کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کیا۔ تو نہ ان کا بوڑھا بچا نہ بچہ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ان کی ہمت پست ہو گئی۔ اور انہوں نے مباہلہ سے قطعی انکار کر دیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑے صفر کے مہینہ میں۔ اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں دینا انہوں نے منظور کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے تو سؤر اور بندر ہو جاتے۔ اور تمام میدان آگ سے بھڑکنے لگتا۔ اور نجران میں انسان تو انسان۔ درختوں کے اوپر چڑیاں بھی نہ بچتیں۔ ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس مباہلہ کے لئے بالکل تیار ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ قبل از وقت آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لئے بلا لیا تھا۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ بعض صحابہ کرام بھی اپنی اولاد کو لے کر آ گئے تھے۔ چنانچہ در منثور جلد دوم صفحہ ۳۸ اور روح المعانی جلد اول صفحہ ۴۰۶ میں ہے۔ کہ:

اخرج ابن عساکر عن	ابن عساکر نے امام جعفر صادق
جعفر ابن محمد عن	سے انہوں نے اپنے والد سے
ابیہ فی ھذہ الآیات	اس آیت یعنی تعالوا ندع
تعالوا ندع ابناءنا	ابناء کے متعلق روایت کیا ہے
الآیۃ قال فجاء بابی بکر	کہ آپ نے حضرت ابوبکر کو بھی
وولدہ وبعمر وولدہ	مع ان کی اولاد کے بلا لیا تھا۔
وبعثمان وولدہ وبعلی	اور حضرت عمر کو بھی مع ان کی
وولدہ	اولاد کے اور حضرت عثمان کو بھی

مع ان کی اولاد کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی مع ان کی اولاد کے۔

یہ قصہ مختصر اس واقعہ مباہلہ کا تھا۔ جس سے آیت مبحوثہ کو تعلق ہے۔ اب بتائیے۔ کہ اس واقعہ میں غیر معمولی اہمیت کیا ہے۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل سے اس آیت کو یا واقعہ کو کیا تعلق ہے۔ ہاں اگر مباہلہ ہوجاتا اور نجران کے عیسائیوں پر عذاب الٰہی نازل ہوجاتا۔ تو البتہ واقعہ میں غیر معمولی اہمیت پیدا ہوجاتی۔ مگر خلافت سے پھر بھی کوئی تعلق نہ ہوتا۔

بحالت موجودہ اس واقعہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل البتہ ظاہر ہوتی ہے۔ کہ مخالف اور منکر بھی دل میں آپ کی صداقت کا اعتراف رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ خوارج کے مقابلہ میں حضرات حسنینؓ و جناب سیّدہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے وہ بھی نہ آیت سے بلکہ شانِ نزول کی روایت سے

مخالفین صحابہ کہتے ہیں

کہ اس آیت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ و حضرت فاطمہ و حسنینؓ کو مباہلہ میں شریک کرنے کے لئے اپنے ساتھ لیا۔ اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لیا۔ جس سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ آپ کو جو کچھ تعلق تھا۔ وہ صرف انہیں حضرات سے تھا۔ پھر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ آیت میں لفظ انفسنا سے حضرت علیؓ اور ابناءنا سے حسنینؓ اور نساءنا سے حضرت فاطمہؓ مراد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نفس رسول تھے اور ظاہر ہے۔ کہ نفس رسول کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ نفس رسول ہونا ایک ایسی فضیلت ہے۔ کہ سوا حضرت

علیؓ کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ نفس رسول ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ رسولؐ کی ذات اور ان کی ذات ایک چیز ہے۔ اس سے حضرت علیؓ کا معصوم ہونا اور تمام ان صفات کے ساتھ موصوف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو رسولؐ کی ذات میں تھیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صحابہ سے افضل تھے۔ اور یہ کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلیفہ بنانا جائز نہ تھا۔

بعض تو اس آیت سے حضرت علیؓ کا انبیائے سابقین سے افضل ہونا ثابت کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک تقریر اس کے متعلق نقل کر کے بہت تعجب کیا ہے۔ غالباً امام ممدوح کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ عام طور پر تمام مخالفین کا عقیدہ ہے۔ کہ ائمہ کا رتبہ تمام انبیائے سابقین سے زیادہ ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں

کہ اس آیت سے حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کیا معنی مطلق خلافت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ نہ ان کا تمام صحابہ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے جو استدلال مخالفین نے کیا ہے۔ اس میں چند خرابیاں ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

پہلی خرابی یہ ہے۔ کہ مخالفین کے اس استدلال کی بنیاد آیت قرآنی پر نہ ہوئی۔ بلکہ ایک روایت پر ہوئی۔ اور روایت بھی حد تواتر کو نہیں پہنچی۔ کیونکہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کو ساتھ لینے کا مضمون روایت ہی میں ہے۔ اور اسی پر استدلال کی بنیاد ہے۔ لہٰذا مخالفین کا یہ کہنا کہ اس آیت سے خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے بالکل بے اصل رہا۔

ف۔ کچھ اس آیت کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مخالفین نے قرآن کی جس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ اس کے روایت احاد کا ضمیمہ لگایا گیا ہے۔ بغیر اس

ضمیمہ کے لگائے ہوئے ان کا کام ہی نہیں چلتا۔ چنانچہ اس آیت ولایت کی تفسیر میں اس کا نمونہ دکھایا جا چکا ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ جن روایات احاد کو آیت کے ساتھ ضمیمہ بنا کر استدلال کرتے ہیں۔ اکثر و بیشتر وہ روایات صحیح بھی نہیں ہوتیں۔ ان کے علماء خود بھی اپنے مقام پر لکھتے ہیں کہ اخبار احاد سے عقائد میں استدلال کرنا جائز نہیں۔ اور پھر خود ہی اپنے اتنے بڑے عقیدے کی بناء احاد پر رکھتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیبٌ۔

مخالفین بجائے اس کے کہ اپنی اس کاروائی پر نادم ہوتے۔ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ اگر روایات نہ ملائی جائیں۔ تو تفسیر بالرائے ہو جائے گی۔ اور تفسیر بالرائے فریقین کے یہاں ممنوع ہے۔ مقدمہ تفسیر آیات خلافت میں ہم تفسیر بالرائے کا مطلب بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی ایک عبارتیں ائمہ تفسیر و حدیث کی نقل کر چکے ہیں۔ جن سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ کہ قواعد عربیت کی پابندی کے ساتھ بغیر روایت ملائے ہوئے اگر قرآن کی تفسیر کی جائے۔ تو وہ ہرگز تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ اس وقت اسی مقصد کی تائید میں ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ جناب محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں۔

حدیث من قال فی کتاب اللہ برأیہ فاصاب فقد اخطاء لا یجوز ان یراد ان لا یتکلم احد فی القرآن الا بما سمعہ فان الصحابۃ رضی اللہ عنہم قد فسروہ و اختلفوا فیہ علی وجوہ	یہ حدیث کہ جس نے کتاب اللہ میں اپنی رائے سے کچھ بیان کیا اس نے صحیح بھی کہا تو خطا کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص قرآن کے متعلق سوائے سنے ہوئے کے کچھ نہ بیان کرے۔ اس لئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کی تفسیر بیان کی اور اس

وليس كلما قالوه سمعوه
منه ولانه لا يفيد
حينئذٍ دعاءه اللهم
فقهه في الدين وعلمه
التاويل والنهي لوجهين
احدهما يكون له
راى وَاليه ميل من
طبعه و

هواه فيتاول على و
فقه لتحتج على
تصحيح غرضه وَهذا
قد يكون مَعَ علمه
ان ليس المراد بالاية
ذلك ولكن يلبس
على خصمه وَقد
يكون مع جهله بان
يكون الاية محتملة له
لكن رجح لراية و
لولاه لما يترجح ذلك
الوجه له وَقد يكون
له غرض صحيح كمن
يدعو الى مجاهدة

ہیں باخودہا اختلاف بھی کیا اور
یہ بات نہیں ہے ۔ کہ جو کچھ انہوں
نے تفسیر بیان کی وہ سب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے
سن کر بیان کیا ۔ نیز اگر ایسا ہو
تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا بعض صحابہ کو یہ دعا دینا ۔ کہ
یا اللہ ان کو دین کی سمجھ دے اور
تفسیر کا علم دے بیکار ہو جائے گا۔
پس رائے سے تفسیر کرنے کی
ممانعت دو صورتوں میں ہے ۔
ایک یہ کہ اس شخص کی کوئی خاص
رائے قائم ہو ۔ اور اسی کی طرف
اس کا طبعی میلان ہو ۔ اور وہ
اپنی اسی رائے کے موافق اس
کی صحت ثابت کرنے کے لئے
تفسیر کرے ۔ لیکن اوقات ایسی
حالت میں یہ علم بھی ہو جاتا ہے
کہ آیت کی مراد یہ نہیں ہے مگر
اپنے حریف کو دھوکا دینے کے
لئے ایسا کرتا ہے ۔ اور کبھی یہ
ہوتا ہے کہ اس کو آیت کی مراد
معلوم نہیں ہوتی ۔ اور رائے کے

القلب القاسی ویستدل بقولہٖ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی و یشیر الیٰ قلبہٖ وَ یستعمل الوعاظ تحسینًا و ترغیبًا وھو ممنوع وقد یستعمل الباطنیۃ فی المقاصد الفاسدۃ لتعزیر الناس الیٰ ۔۔۔

کئی مطلب ہو سکتے ہیں مگر اپنی رائے کے موافق جو مطلب ہوتا ہے۔ اسی کو ترجیح دیتا ہے اگر اس کی وہ رائے نہ ہوتی تو ہرگز اس مطلب کو ترجیح نہ دیتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کوئی غرض صحیح اس شخص کی ہوتی ہے مثلاً مجاہدہ قلب کی ترغیب دینا چاہتا ہے۔ اور اس آیت سے استدلال کرتا ہے اذھب الی فرعون انہ طغی اور کہتا ہے فرعون سے مراد قلب قاسی ہے۔ اکثر واعظین ترغیب کے لئے ایسی تفسیرات کرتے ہیں۔

والثانی ان یتسارع الی التفسیر لظاھر العربیۃ من غیر استظھار بالسماع فی غرائبہٖ ومبھماتہٖ وفیما فیہ الحذف والتقدیم وما عدا ھما فلا وجہ للمنع فیہ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قواعد عربیہ کے مطابق کرے۔ اور اس کے غرائب ومبہمات ہیں اور جن میں حذف یا تقدیم وغیرہ ہے۔ ان میں منقولات سے مدد نہ لے۔ تو اس کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم کا بلانا تو بلا اختلاف صحیح روایات میں مذکور ہے۔ مگر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بلانا اکثر صحیح روایات میں نہیں ہے۔ تفسیر طبری جلد سوم صـ۱۹۲ میں ہے:۔

حدثنا ابن حمید قال۔ ہم سے ابن حمید نے بیان کیا۔

ثنا جریر قال فقلت للمغیرة ان الناس یرون فی حدیث نجران ان علیا کان معهم فقال اما الشعبی فلم یذکرہ فلا ادری لسوء رای بنی امیة فی علی اولم یکن فی الحدیث ۔	کہتے ہیں ہم سے جریر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں میں نے مغیرہ سے کہا کہ لوگ نجران کے قصہ میں روایت کرتے ہیں۔ کہ علیؓ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ شعبی نے علیؓ کا ذکر نہیں کیا۔ اب میں تمہیں نہیں جانتا۔ کہ بنی امیہ کا خیال چونکہ علیؓ کی

طرف سے خراب تھا۔ اس وجہ سے شعبی نے ان کا ذکر نہ کیا یا دراصل تھے ہی نہیں ۔

پھر اسی تفسیر میں ایک روایت قتادہ سے منقول ہے۔ اس میں بھی حضرت علیؓ کا ذکر نہیں ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ روایت سے اگر ثابت ہوتا ہے۔ تو زائد از زائد یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلایا۔ باقی رہا کہ انفسنا سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ اور فلاں لفظ سے فلاں اور فلاں سے فلاں مراد ہیں۔ یہ مضمون کسی روایت میں نہیں۔ ان الفاظ کی مراد جس نے بھی بیان کی ہے۔ اس نے اپنی رائے سے بیان کی ہے۔ اس کو حدیث کی طرف منسوب کرنا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کہنا قطعاً کذب و افترا ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے۔ کہ لفظ انفسنا سے حضرت علیؓ کے مراد ہونے پر مفسرین اہل سنت کا اجماع بیان کرنا بھی خالص بہتان ہے۔ بلکہ تمام محققین مفسرین اس کے خلاف ہیں۔

تفسیر طبری جلد سوم صـ۱۹۲ میں ہے۔

لانسلم ان المراد بانفسنا الامیر بل المراد نفسه الشریفة صلی اللہ علیه وسلم۔

ہم نہیں مانتے کہ انفسنا سے جناب امیر مراد ہیں۔ بلکہ اس سے مراد خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس مقدس ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

قیل ابناءنا اراد الحسن والحسین ونساءنا فاطمة وانفسنا عنی نفسه وعلیا رضی اللہ عنهم والعرب تسمی ابن عم الرجل نفسه کما قال اللہ تعالیٰ ولا تلمزوا انفسکم یرید اخوانکم وقیل هو علی العموم لجماعة اهل الدین۔

کہا گیا ہے کہ ابناءنا سے حسنؓ وحسینؓ اور نساءنا سے حضرت فاطمہؓ اور انفسنا سے خود آپؐ کی ذات اور حضرت علیؓ مراد ہیں۔ اہل عرب اپنے چچا کے بیٹے کو نفس کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ اپنے نفسوں کو طعنے نہ دو۔ یہاں مراد نفس سے بھائی ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ الفاظ اپنے عموم پر ہیں۔ تمام جماعت اہل دین مراد ہے۔

تفسیر جلالین میں لفظوں کی مراد کچھ بیان ہی نہیں کی۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ان کے نزدیک کہ ان الفاظ کے وہی معنے مراد ہیں۔ جو لغت سے سمجھے جاتے ہیں۔

تفسیر کشاف میں ہے :۔

ندع ابناءنا وابناءکم ای یدع کل منی ومنکم ابناءه ونساءه ونفسه

ندع ابناءنا وابناءکم کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے بیٹوں کو اور

الی المباھلۃ ۔ عورتوں کو اور اپنے نفس کو مباہلہ کی طرف بلائے ۔

تفسیر مدارک میں بالکل کشاف کا تتبع ہے ۔

تفسیر بیضاوی میں ہے ۔

ای یدع کل مناد منکم نفسہ واعزۃ اھلہ ۔	یعنی بلائے ہر شخص ہم میں سے اور تم میں سے اپنے نفس کو اور اپنے خاندان کے عزیز لوگوں کو ۔

پانچویں خرابی یہ ہے ۔ کہ ان الفاظ کی خاص خاص مراد جس شخص نے بیان کی ہیں ۔ اس کے اس خیال کی بنیاد صرف یہ ہے ۔ کہ اس نے دیکھا ۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صرف انہیں حضرات کو بلایا ۔ لہٰذا اس نے خیال کیا ۔ کہ ان سب الفاظ کا مصداق کسی نہ کسی طرح انہیں حضرات کو بنانا چاہیئے ۔ حالانکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے ۔ ہاں اگر اہل نجران مباہلہ منظور کر لیتے ۔ تو اس وقت دیکھا جاتا ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کن کن لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ۔ اگر اس وقت بھی سوا ان حضرات کے کسی کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے ۔ تو بے شک ان الفاظ کا مصداق انہیں حضرات کو ماننا ضروری ہوتا ۔ یقیناً اگر نوبت مباہلہ کی آتی ۔ تو آپ اپنی ازواج مطہرات کو ضرور ہمراہ لے جاتے ۔ کیونکہ نسائنا سے کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتا ۔

تفسیر بحر محیط جلد اوّل صفحہ ۴۷۹ میں ہے ۔

ولو عزم نصاری نجران علی المباھلۃ وجاء واو لھا لامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین ان یخرجوا باھالیھم	اور اگر نجران کے عیسائی مباہلہ کا ارادہ کرتے ۔ اور اس کیلئے آتے ۔ تو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو حکم دیتے کہ اپنے اپنے اہل وعیال کو لے کر مباہلہ

للمباھلتہ - کے لئے آئیں -

چھٹی خرابی یہ ہے - کہ انفسنا سے حضرت علیؓ کا مراد ہونا - اور نسا رنا سے حضرت فاطمہؓ کا اور ابناءنا سے حضرات حسنینؓ کا لغتِ عرب اور محاورہ قرآنی کے خلاف ہے -

لفظ انفس جمع نفس کی ہے - نفس ہر شخص کا اس کی ذات کو کہتے ہیں نہ کسی دوسرے کو پھر لفظ جمع سے شخص واحد کو مراد لینا بھی ناجائز ہے الا مجازاً - محاورہ قرآنی دیکھیئے - تو قرآن مجید میں کئی جگہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اہل مکہ اور تمام مسلمانوں کے انفس سے فرمایا -

قولہ تعالےٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم و قولہ تعالےٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم - لہٰذا صرف حضرت علیؓ کو لفظ انفس سے مراد لینا اور سب کو خارج کر دینا ان آیات کے خلاف ہوگا - لفظ ابناءنا جمع ابن کی ہے - لغت عرب میں اپنے بیٹے کو کہتے ہیں - نواسے کو ابن البنت کہتے ہیں - قرآن مجید میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا کہ آپ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں - ماکان محمد ابا احد من رجالکم - لہٰذا کسی مرد کو آپ کا بیٹا کہنا اس آیت کے خلاف ہوگا - احادیث میں بیشک وارد ہوا ہے - کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسینؓ کو بیٹا فرمایا - مگر یہ فرمانا بطور مجاز کے محض اظہار محبت کے لئے تھا - جیسا کہ ظاہر ہے -

لفظ نساء جمع ہے - اس کے معنے عورتوں کے ہیں - جب یہ لفظ کسی شخص کی طرف مضاف ہوتا ہے - تو اس سے اس شخص کی زوجہ مراد ہوتی ہے - قرآن مجید میں کئی جگہ یہ لفظ مضاف ہو کر مستعمل ہوا ہے - اور وہاں بالاتفاق زوجہ مراد ہے - سورہ احزاب میں یا نساء النبی سے بلا اختلاف آپ کی ازواج مطہرات مراد ہیں - لہٰذا اس لفظ سے حضرت فاطمہؓ کو مراد لینا کسی طرح

صحیح نہیں ہو سکتا۔ کسی زبان میں کسی کی بیٹی کو اس کی عورت کہنا درست نہیں ہے۔

ف۔ مباہلہ سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بلایا۔ ازواج مطہرات کو نہ بلایا۔ اس کی حکمت ہمارے بیان مذکورہ بالا سے ظاہر ہو گئی۔ جو حضرات الفاظ آیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے۔ ان کو آپ نے قبل از وقت اس لیے بلایا کہ ان کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ آں حضرت ہم کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے۔ اور ان کی دل شکنی نہ ہو اور جو حضرات الفاظ آیت سے مراد تھے۔ ان کے بلانے میں آپ نے عجلت نہ فرمائی۔ بلکہ انتظار فرمایا۔ کہ نصاریٰ کی منظوری معلوم ہو جائے تو ان کو بلایا جائے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہوا۔ کہ آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد نہ ہو سکتے تھے۔ ان کو کمل میں لے کر آپ نے دعا مانگی۔ اور جو لوگ لفظ اہل بیت سے مراد تھے۔ ان کو اس دعا میں شامل نہ کیا۔ حضرت ام سلمہ نے شامل ہونا چاہا تو آپ نے ان کو یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ انک علی خیر یعنی تم بہتر حالت میں ہو۔

ایک لطیفہ:۔ اس مقام میں یہ ہے۔ کہ آیت مباہلہ میں حق تعالیٰ نے ایک فریق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپ کے متبعین کو بنایا ہے اور دوسرا فریق نجران کے عیسائیوں کو۔ اور یہ لفظ ابنا اور نساء اور انفس کے دونوں فریق کے لئے علیحدہ علیحدہ استعمال فرمائے ہیں۔ حضرات مخالفین نے اپنی ساری ذہانت وطباعی جو ان الفاظ کے معانی تصنیف کرنے میں صرف کی ہے۔ وہ صرف ایک فریق یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ آپ کے ابناء سے حضرات حسنین رض اور آپ کی نساء سے حضرت فاطمہ رض اور آپ کی انفس سے حضرت علی رض مراد ہیں۔ لیکن دوسرے فریق کے لئے ان الفاظ کے کوئی معنی حضرات مخالفین نے بیان نہیں کیئے۔ حالانکہ اگر از روئے لغت یہ معنی صحیح ہیں۔ تو دوسرے فریق کے لئے بھی یہی معنے ہونے چاہئیں۔

کیا براہ عنایت مخالفین صحابہؓ سے کوئی صاحب بتا سکتے ہیں۔ کہ عیسائیوں کے ابناء اور انفس سے اسی طرح انہیں خاص تعلقات کے لوگ مراد ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً عیسائیوں کے لئے یہ الفاظ اپنے عموم پر قائم رکھے گئے ہیں۔ اور لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ دوسرے فریق کے لیے ان الفاظ کے معنی میں اس قدر تکلف سے کام لیا گیا۔

ایک عقلمند شخص کے لئے اس تمام کارروائی کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے یہی ایک لطیفہ کافی ہے۔

ساتویں خرابی یہ ہے۔ کہ بفرض محال مان لیا جائے کہ انفسنا سے حضرت علیؓ مراد ہیں۔ تو بھی خلافت بلافصل ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حضرت علیؓ کا نفس رسول ہونا حقیقی معنی میں تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ حضرت علیؓ کا نبی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ اور اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہوگی۔ کہ معاذاللہ معاذاللہ جناب سیدہ کا نکاح آپ کے ساتھ درست نہ ہوگا۔ لامحالہ مجازی طور پر حضرت علیؓ کو نفس رسول کہا جائے گا۔ تو اس صورت میں نہ ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگا نہ تمام صحابہ سے افضل ہونا۔ کیونکہ مجاز میں حقیقت کے تمام اوصاف کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس مجاز کا استعمال محض چچا زاد بھائی ہونے کی وجہ سے مانا جائے گا۔ جیسا کہ تفسیر معالم سے اوپر منقول ہُوا۔ کہ عرب چچا کے بیٹے کو نفس کہہ دیتے تھے اور اگر خواہ مخواہ نفس رسول ہونے سے استحقاق خلافت ثابت ہو۔ تو پھر یہ استحقاق تمام صحابہ بلکہ تمام اہل مکہ کے لئے ماننا پڑے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کے انفس سے فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر منقول ہُوا۔

آیت مباہلہ کی صحیح تفسیر اور مخالفین کا غلط استدلال، اور اس استدلال میں جو خرابیاں تھیں۔ ان کا بیان ہو چکا۔

اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا۔ کہ آیت سے بغیر اخبار احاد کا ضمیمہ

لگائے ہوئے خلافتِ بلافصل کیا معنی کوئی فضیلت بھی حضرت علی مرتضےؓ
کی ثابت نہیں ہوتی۔ اور اخبار احاد کے ملانے کے بعد خلافتِ بالفصل یا
بلا فصل تو ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ خوارج کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی
فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ جس میں اہل سنت کو کوئی نزاع نہیں۔ بلکہ
خود اہل سنت وجماعت نے جس قدر اہتمام اس کا کیا ہے۔ شیعوں کو اس
کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔

ت۔ قرن اول میں حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ
عنہما کی عظمت وجلالت کا کوئی منکر نہ تھا۔ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق
تھا۔ کہ وہ دونوں افضل الامت ہیں۔ اور مسلمانوں کی انتہائی معراج یہ ہے
کہ ان دونوں بزرگوں کے قدم بقدم چلیں۔ حضراتِ شیخین کی اس بے نظیر
مقبولیت کا اقرار کتب شیعہ میں نہایت صفائی کے ساتھ موجود ہے۔
احقاق الحق میں، لوارق میں۔ احتجاج طبرسی میں اور ان کے علاوہ بکثرت
کتب شیعہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ آخر میں
لوگوں نے ان پر اعتراضات کیے۔ ان کی مخالفت کی۔ مگر یہ مخالفت
ایک حد تک محدود ہو کر رہ گئی اور تھوڑے دنوں کے بعد زائل ہو گئی۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اتنی مقبولیت بھی حاصل نہ ہوئی۔
جتنی حضرت عثمانؓ کو حاصل تھی۔ ان کی مخالفت بہت زیادہ کی گئی۔ اور
نہ صرف ان کے استحقاق خلافت میں بلکہ ان کے ایمان واسلام میں
معاذ اللہ کلام لیا گیا۔ اور یہ مخالفت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک
کہ ایک مستقل مذہب بن گئی۔ اس مذہب کے لوگوں نے نہ صرف
حضرت علیؓ کی بلکہ ان کے ساتھ ان کے ماننے والوں کی تکفیر وتضلیل
میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ شیعوں کی کتاب نہج البلاغۃ

میں متعدد خطبات حضرت علی مرتضیٰ کے منقول ہیں۔ جن میں انہوں نے اپنے مخالفین کو نصیحت کی ہے۔ اور سمجھایا ہے کہ میری وجہ سے تم تمام اُمت کو کیوں گمراہ کہتے ہو۔ مسلمانوں کی کیوں تکفیر کرتے ہو۔

الغرض اہل سُنت وجماعت نے اس حالت کو دیکھ کر ضروری سمجھا کہ حضرت علیؓ کے مناقب وفضائل کی اشاعت کی جائے۔ جن احادیث میں ان کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ ان کی روایت خوب پھیلائی جائے۔ چنانچہ اس خدمت کو بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انجام دیا گیا۔ حتیٰ کہ بعض اکابر علمائے اہل سُنت نے مثل امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے اسی جرم میں کہ حضرت علیؓ کی فضیلت کیوں بیان کرتے ہیں۔ نواصب کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔ لیکن اس فریضہ کو نہ چھوڑا۔

نتیجہ اس مساعی جمیلہ کا یہ ہوا۔ کہ حضرت علیؓ کے فضائل کی احادیث کا خوب چرچا ہوا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کے فضائل میں جس قدر احادیث مروی ہیں اس قدر کسی صحابی کے متعلق نہیں ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی ہوئی۔ کہ ضعیف اور موضوع روایات بہت داخل ہو گئیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے۔ کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل تساھلنا اور کچھ اس وجہ سے کہ مخالفین کا ہاتھ بھی تھوڑے دنوں کے بعد اس میں شریک ہو گیا تھا۔ اور یہ لوگ سند کی تصنیف کرنے میں کچھ ایسے مشاق تھے کہ ان کی گھڑی ہوئی سند ان کی ڈھالی ہوئی حدیث کا اسی وقت پر لکھ لینا مشکل تھا۔ مخالفین کی بنائی ہوئی بعض بعض روایات کا جعلی اور موضوع ہونا صدیوں کے بعد ظاہر ہوا۔

ہمارے اس بیان سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ حضرت علیؓ کے فضائل میں

روایات بکثرت ہیں۔ اور ان میں بڑا حصہ موضوع وضعیف روایتوں کا ہے

ہمارے اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضائل میں روایات کی کثرت کیوں ہے۔ دوم یہ کہ ان روایات میں ضعیف اور موضوع روایتوں کا حصہ کیوں زائد ہے۔ ان دو باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو گئی۔ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضائل کی روایا سے استدلال کرنے کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ یا تو اس روایت کو کسی محدث ناقد وبصیر غیر متساہل نے صحیح کہا ہو۔ یا اس روایت کی پوری سند معلوم ہو اور اس سند کے تمام راویوں کو جانچا جائے۔ اور جانچنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ وہ راوی مجروح نہیں ہیں۔

ف :۔ مباہلہ کے متعلق علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا یہ قول ہے۔ کہ مباہلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کے بعد مسلمانوں کے لئے کسی سے مباہلہ کرنا جائز نہیں۔ اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ سب مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمان از خود اپنی طرف سے کسی کو مباہلہ کی دعوت نہ دیں۔ لیکن جب کوئی مخالف ان کو دعوت دے۔ اور عذاب کی بھی تعیین کرے۔ مدت بھی مقرر کر دے۔ تو ایسے مباہلہ کی دعوت منظور کر لیں ؎

تفسیر آیت تمکین

جس میں

سورۂ حج کی آیہ کریمہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ معروف بہ آیۃ تمکین کی تفسیر خالص قطعیات ویقینیات سے کرکے روز روشن کی طرح یہ بات دکھائی گئی ہے کہ جناب سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کے حق میں قرآن کریم حسب ذیل شہادت دیتا ہے۔

۱۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی بڑی عزت اور بڑی قدر ہے۔ (۲) ان میں سے ہر شخص امانت وخلافت کی قابلیت رکھتا ہے۔ (۳) ان میں سے جو لوگ مسند آرائے خلافت ہوئے ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے (۴) ان کے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ تعالےٰ کی لیے استحقاق بخشش ہے۔ کہ ہم کو زمرہ اہل سنت وجماعت میں منسلک فرمایا۔ اور اپنی کتاب پاک کی ہدایات وتعلیمات پر ہمارے عقائد واعمال کی بنیاد رکھی۔ اور اس کی تفسیر وتبلیغ کی ہمیں توفیق دی۔

فَلَہُ الحمد حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ سیّدنا محمّد واٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین ط

امابعد۔ تفسیر آیۂ استخلاف کی تکمیل کے بعد جب کہ اہل علم نے اس کو بہت پسند فرمایا۔ اور اس کو مسلمانوں کے لئے نہایت مفید قرار دیا۔ اس ناچیز کا عزم پہلے سے زیادہ قوی ہو گیا۔ اور اب خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے ایک اور آیت کی تفسیر ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

تیسری آیت

آیۂ تمکین۔ سورۂ حج۔ چھٹا رکوع۔ سترھواں پارہ

اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ	بہ تحقیق اللہ ہٹاتا ہے۔ ایمان
اٰمَنُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ	والوں سے ضرر کافروں کا۔ بہ تحقیق
کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ع اُذِنَ	اللہ نہیں پسند کرتا کسی دغاباز
لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ	ناشکر کو۔ اجازت دی گئی جہاد
ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی	کی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے
نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ن	ہیں بہ سبب اس کے کہ ان پر ظلم
الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ	کیا گیا۔ اور بہ تحقیق اللہ ان کی مدد
دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ	پر یقیناً قادر ہے۔ یعنی ان لوگوں
یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَوْلَا	کو اجازت جہاد کی دی گئی جو اپنے

دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ط وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ۝

گھروں سے بغیر کسی حق کے نکالے گئے ۔ سوا اس کے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر دفع نہ کرتا اللہ بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ سے تو یقیناً گرا دی جاتیں خانقاہیں اور یہود کے عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں جن میں لیا جاتا ہے نام اللہ کا بکثرت اور ضرور بضرور مدد کرے گا اللہ اس شخص کی جو مدد کرے اللہ کی ۔ بے تحقیق اللہ طاقتور اور غالب ہے ۔ یہ (مہاجرین) وہ لوگ ہیں کہ حکومت دیں ہم ان کو زمین میں تو قائم کریں گے نماز اور دیں گے زکوٰۃ اور (لوگوں کو) حکم دیں گے موافق شریعت کے اور منع کریں گے خلاف شرع کام سے اور اللہ ہی کے لئے ہے انجام سب کاموں کا ۔

اس آیت کی تفسیر بھی چار فصلوں پر تقسیم کی جاتی ہے

فصل اول ۔ میں آیت کے مطالب کی توضیح الفاظ کی تشریح سیاق وسباق سے ربط ۔

فصل دوم ۔ میں آیت سے حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال ۔

فصل سوم ۔ میں فریقین کی احادیث معتبرہ جو اس آیت کی تفسیر میں لائق ذکر ہیں ۔

فصل چہارم ۔ میں آیت استخلاف کا اور اس آیت کا اشتراک و امتیاز ۔

فصل اوّل

حق تعالےٰ کو اس آیت میں دو باتیں بیان فرمانا مقصود ہیں۔ اوّل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین یعنی کفار کو ان کی تباہی و ہلاکت کی خبر سنانا ۔ دوم آپ کے متبعین خصوصاً آپ کے اصحاب مہاجرین کو اس ربانی بادشاہت کی خوشخبری دینا ۔ جس کی پیشین گوئی توریت مقدس کے وقت سے تمام آسمانی کتابوں میں برابر ہوتی رہی ۔

اس آیت میں انذار و تبشیر دونوں جمع ہیں ۔ اور ضمن میں جو دوسرے مطالب استطراداً آ گئے ہیں ۔ وہ بہت زیادہ ہیں ۔

ان اللہ یدافع الایہ ۔ ایک زبردست قانون فطرت یا خدا کی لاتبدیل سُنت کا بیان ہے ۔ کہ جب کفار ایمان والوں پر ظلم کرتے ہیں ۔ تو خدا ان کو ہلاک و فنا کر دیتا ہے ۔ اور اس ہلاکت و فنا کے دو سبب ہوتے ہیں ۔ ایمان والوں کی حفاظت کافروں کے حرکات کی ناپسندیدگی اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ کافروں کی ہلاکت اور اہل ایمان کے غلبہ کا ظاہری سبب بیان ہو رہا ہے ۔ کیونکہ یہ دُنیا عالم اسباب ہے ۔ یہاں جو کچھ خدا کرتا ہے ۔ سبب و مسبب کے پردہ میں کرتا ہے ۔ اس لئے ظاہری سبب کو بھی ارشاد فرمایا ۔ کہ ایمان والوں کو ہم جہاد کی اجازت دیتے ہیں ۔ اور صرف اجازت نہیں ۔ بلکہ مدد کا وعدہ بھی بڑے بلیغ پیرایہ میں فرمایا یعنی صاف

صاف یہ نہ فرمایا کہ ہم ان کی مدد کریں گے۔ بلکہ یوں فرمایا۔ کہ ہم ان کے مدد کرنے پر قادر ہیں۔ والکنایۃ ابلغ من الصریح۔

اجازت جہاد کی سب سے پہلی آیت یہی ہے۔ اس سے پہلے حکم تھا کہ کفار کے مظالم برداشت کرو۔ اور ان پر ہاتھ نہ چلاؤ۔ کفوا ایدیکم و اقیمو الصلوٰۃ۔

الذین اخرجوا۔ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ اپنے محبوب کا ذکر جب آجاتا ہے۔ تو اس کو مختصر کرنا یا بغیر اندرونی جذبات کے اظہار کے اس کو چھوڑ دینا کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کا بالخصوص ان کی مظلومیت کا تذکرہ جو آگیا۔ تو حق تعالےٰ نے ان کے رتبہ عالی کے اظہار کے بغیر ان کا ذکر گوارا نہ کیا۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو محض میرے نام لینے کے جرم میں اپنے گھروں سے نکالے گئے چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ عزت و رفعت کسی بندے کی کیا ہو گی کہ خود مالک اس کی جاں نثاری اُس کے حسن خدمات کا اس طرح ذکر فرمائے۔ کسی عاشق کسی محب صادق کی اقبال مندی کی انتہائی معراج ہے۔ کہ معشوق و محبوب اس بات کا اعتراف کرے کہ اس شخص پر جو مصیبت آئی وہ میرے لیئے آئی۔ محبوب کے اس اعتراف میں کیا لذت محب کو ملتی ہے۔ اس کو اس کا دل ہی جانتا ہے۔ مگر یہ دولت آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت میرزا صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک و خون تپم و گوئی از برائے من است

قسمت اور اقبال ہے۔ حضرات صحابہ مہاجرین کا کہ بغیر مانگے یہ دولت ان کو ملتی ہے۔ ان کا محبوب حقیقی جل شانہٗ فرماتا ہے۔ کہ اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ یہ مضمون ان حضرات

کے لئے قرآن مجید میں جا بجا بہ کثرت وارد ہوا ہے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔ واوذوا فی سبیلی۔ یعنی یہ لوگ میری راہ میں ستائے گئے وغیرہ وغیرہ۔

ولولا دفع اللہ الناس۔ اجازت جہاد کا سبب بیان فرمایا جاتا ہے۔ آج کل مسئلہ جہاد پر جو اعتراض ہو رہا ہے۔ اس کا جواب اپنے علم ازلی سے پہلے ہی عطا فرمایا۔ دو سبب اجازت کے بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ مہاجرین پر ان کافروں نے ظلم کئے۔ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا دوم یہ کہ اگر خدا اجازت جہاد کی نہ دے۔ تو کفار کے ظلم وستم کی کوئی حد نہ رہے۔ نوبت یہاں تک پہنچے۔ کہ تمام مذاہب کے عبادت خانے منہدم کر دیئے جائیں۔ اور خدا پرستی کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔

جہاد کی دو صورتیں ہیں دفعاً اور ابتداءً۔ دونوں کی حکمت دونوں کے اسباب کو اس مقام میں بیان فرما دیا۔ جیسا کہ مسائل جہاد کے جاننے والوں سے مخفی نہیں۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ ایک عجیب راز قانون قدرت کا بیان فرمایا ہے۔ جس کے جان لینے سے بہت سے نکتے حل ہو جاتے ہیں۔ اوپر جو وعدہ ایمان والوں کی مدد کا فرمایا۔ اب اس وعدہ کی شرط کا بیان ہے۔ کہ خدا کی طرف سے جو مدد کا فرمایا اہل دین کے لئے نازل ہوتی ہے اس مدد کے ظہور کا آلہ ہر شخص نہیں بن سکتا۔ خدا کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آلہ وہی شخص بنایا جاتا ہے جو دین الٰہی کی خدمت کے لئے دل وجان سے مستعد ہوتا ہے۔ اور اللہ کی نصرت وحمایت کا داعیہ اس کے دل میں موجیں مارتا ہے۔ ایسا ایک شخص بھی ہوتا ہے۔ تو اس کے طفیل میں ساری جماعت خدا کے انعام سے فیض یاب ہوتی ہے۔ الذین ان مکنٰھم انہیں اصحابؓ مہاجرین کی رفعت وعزت کا بیان

ایک دوسرے طرز پر فرمایا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کی حکومت عطا فرمائیں۔ تو بھی یہ ہم کو نہ بھولیں گے۔ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

غور سے دیکھو تو بہت بڑی صفت بیان فرمائی گئی۔ جس کو کمال پختگی اور انتہائے رسوخ کا آخری درجہ کہنا چاہیئے۔ دولت و ثروت خصوصاً سلطنت و بادشاہت ایک عجیب چیز ہے۔ اس نشہ میں مست ہو کر لوگوں نے بڑی بڑی بغاوتیں کی ہیں۔ فرعون کا دعویٰ خدائی اسی مستی کا نتیجہ تھا کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ ع

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر کر دیا کہ وہ اور تھے جو اس نشہ میں بیہوش ہو گئے۔ ہمارے نبیؐ کے اصحابؓ مہاجرین ایسے نہیں ہیں۔ فرعون کی سلطنت سے دس گنی بھی ان کو مل جائے۔ تو وہ مدہوش نہ ہوں۔

چڑھائیں خم کے خم اور رہوں نہ مدہوش
کریں خم خانے خالی اور نہ ہوں جوش

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ کاملہ کی بات ہے۔ کہ جو رنگ اپنے اپنے شاگردوں پر چڑھا دیا۔ دنیا کا کوئی تیزاب اس رنگ کو ہلکا بھی نہ کر سکا۔ زائل کر دینا تو کیا معنی۔ خدا کا عشق، خدا کی عبادت کی محبت آپ نے اس طرح کوٹ کوٹ کر ان کے سینوں میں بھر دی کہ بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہتوں کے مالک بن کر بھی خدا کی عبادت خدا کے ذکر میں ان کی مشغولیت ویسی ہی رہی جیسی ایک گدائے گوشہ نشین سے توقع کی جا سکتی ہے۔ سچ ہے ؎

دلے کز دلبرے آرام گیرد — بہ فکرِ دیگرے کے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحاں پیشِ بلبل — نخواہد خاطرش جز نکہتِ گل
خوش آں دل کاندرو منزل کند عشق — ز کارِ عالمش غافل کند عشق

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ یہ مہاجرین اپنے تمکین کے زمانہ میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف و نہی منکر کریں گے اس بات کا اطمینان دلایا۔ کہ حضرات مہاجرینؓ میں سے جو خلیفہ مقرر ہوگا۔ زمانہ خلافت میں اس سے کوئی کام خلافِ شریعت صادر نہ ہوگا۔ اس کے تمام احکام مطابق شریعت ہوں گے۔ مخالفین صحابہ کرامؓ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ مگر عصمت کا ثبوت کرنا ان کے اوّلین و آخرین کے امکان سے باہر ہے۔ البتہ اس آیت سے حضراتِ مہاجرین کے لئے یہ بات ثابت ہوگئی۔ کہ ان میں سے جو شخص مسند آرائے خلافت ہوگا خلافت میں ایک نمونہ عصمت جو مہاجرین کے لئے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ مخالفین صحابہ کرامؓ کی مزعومی معصومین کی کروڑوں عصمتیں اس پر قربان ہیں۔

مکنٰھم کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ مہاجرین کے ہر فرد کو تمکین ملے کیونکہ تفسیر آیۂ استخلاف میں ہم اس کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں۔ کہ بعض نعمتیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ ہر فرد کو مل ہی نہیں سکتیں۔ جیسے سلطنت بادشاہت وغیرہ۔ ایسی نعمتیں جب کسی جماعت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو مراد پوری جماعت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس جماعت کا کوئی خاص شخص مراد ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ فائدہ اس نعمت کا اس پوری جماعت کو حاصل ہوتا ہے اس لئے وہ نعمت پوری جماعت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

قولہ تعالیٰ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین۔ حالانکہ ساری قوم بنی اسرائیل امام نہیں بنائی گئی۔ بلکہ یکے بعد دیگرے چند اشخاص ان میں سے امام بنائے گئے۔ وللہ عاقبۃ الامور حضرات مہاجرین کے آئندہ حالات کی شہادت دینے کے بعد اس شہادت کو قوی کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ سب کاموں کا انجام ہمارے لئے ہے۔ یعنی ہمارے اختیار میں ہے ہم جس

کو جیسا چاہتے ہیں بنا سکتے ہیں۔ یا ہمارے علم میں ہے۔ ہم کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کا بھی علم کامل حاصل ہے۔ اس آیت تمکین کے بعد حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اے نبیؐ اگر یہ کافر آپ کی بات پر اعتبار نہ کریں۔ آپ کی تکذیب کریں۔ یعنی ہلاکت و فنا کی جو خبر ان کو سنائی گئی اس پہ یقین نہ کریں۔ تو کچھ پروا نہیں۔ آپ سے پہلے اور رسولوں کی بھی تکذیب ہو چکی ہے۔ اور ہم اس تکذیب کی سزائیں بہت سی قومیں برباد کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں اگلی امتوں کے کئی قصے بیان فرمائے ہیں۔

تمام دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ جن لوگوں نے اس خبر الٰہی کی تصدیق نہ کی۔ وہ کس طرح غارت ہوئے۔ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹے کہ نام ونشان بھی ان کا باقی نہ رہا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین کو وہ تمکنت وحشمت ملی کہ کبھی چشم فلک نے نہ دیکھی تھی۔ کافروں نے تو اس خبر کی تکذیب اس وقت کی تھی جب وہ محض پیش گوئی کی شکل میں تھی۔ ان کفار سے بھی زیادہ عبرت انگیز اور تعجب خیز حال ان لوگوں کا ہے۔ جو ان تمام واقعات کے واقع ہونے کے بعد بھی اس خبر الٰہی کی تکذیب پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ ان سے اور تو کچھ ہو نہیں سکا۔ تو قرآن شریف کو محرف کہہ کر یا خدا کے لئے بدا تجویز کر کے یا کسی قسم کی تحریف معنوی کر کے اس پیش گوئی کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

فصل دوم

اس آیت تمکین کی دلالت حضرات خلفائے ثلثہ کی حقیقت پر ایسی واضح ہے۔ کہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ تاہم انضباط بیان کے لیے اس

قدر ذہن نشین رہنا چاہیئے، کہ آیت کا استدلال صرف دو باتوں پر موقوف ہے۔
اوّل ۔ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔
دوم ۔ یہ کہ ان تینوں بزرگوں کو تمکین فی الارض یعنی زمین کی حکومت ملی۔
یہ دونوں باتیں ایسی بدیہی ہیں کہ نہ آج تک کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے۔
اور جب یہ دونوں باتیں قطعی اور مسلم الکل ہیں تو تیسری بات خود بخود آیت سے ثابت ہوگی کہ ان تینوں بزرگوں نے اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ ادا کیا ۔ اور ایسا عمدہ ادا کیا کہ کتاب اللہ میں قابل ذکر قرار پایا ۔ ورنہ لازم آئے گا کہ خدا کا کلام غلط ہو جائے۔ خدا نے جس شرط کے ساتھ ان صفات کو مشروط کیا تھا ۔ وہ شرط تو پائی گئی۔ مگر وہ صفات نہ پائی گئیں ۔ معاذ اللہ من ذلک ان تینوں باتوں سے صاف نتیجہ نکل آیا کہ یہ تینوں بزرگوار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق تھے۔ کیونکہ خلافت پیغمبر اس بادشاہت یا ریاستِ عامہ کا نام ہے جو بہ نیابت پیغمبر اقامتِ دین و تنفیذ احکام شریعت کے لئے ہے ۔ اگر کوئی مخالف صحابہ کرام صاحب کہیں ۔ کہ حضرت علیؓ بھی مہاجرین میں سے تھے ۔ اور ان کو بھی تمکین فی الارض حاصل ہوئی اور انہوں نے فرائض مذکورہ کو بھی ادا کیا ۔ آیت کے صادق ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے ۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت کی صداقت صرف ایک شخص سے نہیں ہو سکتی ۔ بلکہ مہاجرین میں سے جس قدر لوگوں کو تمکین ملی ہو جب تک ان سب میں یہ صفات نہ پائی جائیں آیت کی صداقت ناممکن ہے ۔ بدیہی بات یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں کوئی چیز کسی شرط کے ساتھ مشروط کی گئی ہو۔ تو اس کلام کے صادق ہونے کی بھی صورت یہ ہے کہ اگر وہ شرط سو مرتبہ پائی جائے ۔ تو وہ چیز بھی سو مرتبہ پائی جانا چاہیئے ۔ اگر ایک مرتبہ بھی درصورت پائے جانے شرط کے وہ چیز نہ پائی جائے ۔ تو وہ کلام صادق نہیں کہا جا سکتا۔

ایک نفیس تحقیق

اگرچہ بہ ظاہر نظر آیت میں بطور شرط وجزاء کے فرمایا ہے۔ کہ ان مہاجرین کو ہم تمکین فی الارض عطا فرمائیں۔ تو فلاں فلاں خدمات ان سے سرانجام پائیں گی تمکین کا وعدہ صراحتہً مذکور نہیں۔ لیکن غائر نظر سے دیکھنے کے بعد صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ درحقیقت تمکین کا وعدہ ہے اور تمکین کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اوپر فرمایا ان اللہ یدافع یعنی اللہ تعالیٰ کی عادت و سنت ہے کہ کفار کے شر کو مومنین سے دفع کرتا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو امیدوار بناتا ہے۔ کہ تمہارے زمانہ کے کفار کے شر کو تم سے بھی دفع فرمائے گا اور اس دفع کرنے کی صورت یہی ہے۔ کہ مومنین کو غلبہ و تمکین عطا فرمایا جائے۔ بس اسی طرح امیدوار بنا کر بطور شرط و جزاء کے بھی ان کے لئے تمکین و غلبہ کا ذکر فرمانا حقیقتہً ان کی امیدواری کو موکد اور قوی کرنا ہے اور یقیناً صاف و صریح وعدہ کر لینے کے برابر بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہے لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ مہاجرین کو تمکین فی الارض دی جائے گی۔ اور وہ لوگ زمانہ تمکین میں ایسے ایسے عمدہ کام کریں گے۔

پس اب ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ مہاجرین میں سے کن کن حضرات کو تمکین ملی۔ جس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فلاں اشخاص کو تمکین ملی۔ اس وقت ہمیں بحکم قرآنی یہ ماننا پڑے گا۔ کہ ان لوگوں سے زمانہ تمکین میں اعمالِ صالحہ مذکورہ صادر ہوئے۔ اور یہی مفہوم خلافت راشدہ کا ہے۔

ظاہر ہے کہ جماعتِ مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے۔ کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں۔ اور زمانہ

خلافت میں جو کام انہوں نے کئے۔ ان کاموں کے پسندیدۂ خدا ہونے کا یقین رکھیں۔
اس آیت کے استدلال کی تقریر تمام ہو چکی۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ خداوند
کریم نے اس آیت میں بظاہر نظر تو مہاجرین میں خلافت و امامت کی قابلیت
و لیاقت بیان فرمائی ہے مگر درحقیقت ان کو خلیفہ بنانے کا وعدہ اور ان کی
خلافت کی پیشین گوئی کی ہے۔ درحقیقت عقل متحیر ہوتی ہے کہ ایسی صاف
وصریح آیت کے ہوتے ہوئے کوئی کلمہ گو کس طرح حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ
عنہم کے خلیفہ برحق ہونے کا انکار کرسکتا ہے۔ اس وقت تین راستہ ہیں۔ ایک
یہ کہ ان حضرات کے مہاجر ہونے کا انکار کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان کی تمکین
فی الارض سے انکار کیا جائے۔ تیسرے یہ کہ آیت قرآن کی تکذیب کی جائے
سوا ان تینوں راستوں کے کوئی چوتھا راستہ عقل تجویز نہیں کرتی۔ پہلی دونوں
باتوں کا انکار ان واقعات متواترہ کا انکار ہے جن کا انکار کسی صحیح الدماغ انسان
سے ممکن نہیں۔ اور یہ انکار بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص کہہ دے کہ
حضرت فاطمہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی نہ تھیں۔ تینوں
خلیفہ کا ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ آنا ان تینوں کو یکے بعد دیگرے حکومت و
تمکین فی الارض کا ملنا بلاشبہ اسی طرح متواتر ہے جس طرح وجود مکہ و بغداد
متواتر ہے۔ پس اب سوا تکذیب قرآن کے منکروں کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔
اگر حضرات مخالفین صحابہ کرام کہیں کہ ان تینوں خلیفہ میں شرائط ہجرت کے
نہیں پائے جاتے تھے۔ معاذ اللہ وہ مومن نہ تھے۔ اس لئے ان کا شمار مہاجرین
میں نہیں۔ تو قطع نظر اس سے کہ بار ثبوت ان پر ہے ان آیات کا کیا جواب ہوگا جن
میں اس زمانہ کے منافقین و مرتدین کے لئے دنیاوی سزا کا اور ان کی علامات
کا بیان ہے۔ نہ وہ سزا ان حضرات کے لئے وقوع میں آئی نہ ان علامات میں
سے کوئی علامت ان میں پائی گئی۔ دیکھو روئداد مباحثہ نگینہ باں۔ کہ اس میں
چالیس دلائل ان حضرات کے مومن کامل ہونے کے بیان میں دیئے گئے ہیں۔

اور اب تک کوئی جواب اس کا نہیں ہو سکا۔

فصل سوم

اب ہم چند روایات صحیحہ فریقین کی درج کرتے ہیں۔ جن سے اس آیت کے مقصود یعنی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی کامل توضیح ہوتی ہے۔

روایات اہل سنت

(۱) اخرج البیہقی و ابو نعیم عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سیکون فیکم اثنا عشر خلیفۃ ابوبکر الصدیق لا یلبث خلفی الا قلیلا و صاحب رحی العرب یعیش حمیداً و یموت شہیداً قال رجل و من ھو یا رسول اللہ قال عمر ابن الخطاب ثم التفت الی عثمان بن عفان فقال و انت یسألک

امام بیہقی اور حافظ ابونعیم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر صدیق تو میرے بعد تھوڑے دن رہیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائیگا اور شہید ہوکر مریگا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عرب کی چکی چلانے والا کون شخص ہے آپ نے فرمایا عمرؓ بن خطاب پھر آپ عثمانؓ بن عفان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم

الناس أن تخلع قميصًا کسالہ اللہ والذی بعثنی بالحق لئن خلعتہ لا تدخل الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ۔

سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیص جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے اتار دو۔ لیکن قسم اسکی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا کہ اگر تم اس کو اتارو گے تو جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل جائے۔

ف۔ حضرت عثمانؓ سے جو قمیص کے اتارنے کو آپ نے منع کیا۔ مراد اس سے قمیص خلافت ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جب باغیوں نے گھیرا اور چاہا کہ آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ تو آپ نے منظور نہ کیا۔ اور شہید ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کو عرب کی چکی چلانے والا فرمایا۔ چکی کی آواز میں ایک شور سا ہوتا ہے۔ دور دور تک لوگ سنتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عرب کا شور و غلغلہ تمام دنیا میں بلند ہوا۔ اور ان کی حکومت اطراف عالم میں پھیل گئی۔ کتب شیعہ میں بھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی زبان سے حضرت عمرؓ کی شان میں یہی کلمہ منقول ہے۔ اور غالباً وہ اسی حدیث سے ماخوذ ہو۔ نہج البلاغۃ قسم اول صـ ۲۸۲ میں ہے۔ کہ حضرت علی نے بوقت مشورہ غزوہ فارس فرمایا۔ فکن قطباً واستدر الرحی من العرب۔ یعنی اے امیر المومنین اے فاروق اعظمؓ آپ خود میدان جنگ میں نہ جائیے۔ بلکہ آپ چکی کی کیلی بن جائیے۔ اور عرب سے بیٹھے بٹھائے چکی چلا دیجئے۔

(۲) عن علی ما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا حتی عھد الی ان ابا بکر یلی الامر بعدہ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دے گئے

ثم عمر ثم عثمان ثم الی فلا یجتمع علی ریاض النظرہ ۔ غنیۃ الطالبین ۔

کہ ابوبکرؓ آپ کے بعد والی حکومت ہوں گے۔ ان کے بعد عمرؓ ان کے بعد عثمانؓ ان کے بعد ہیں۔ مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہ ہوگا۔ ریاض النظرہ ۔ غنیۃ الطالبین ۔

ف :۔ اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت سے مسلمانوں کی ایک جماعت مخالف رہی اہل شام سے ان سے جنگ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

(۳) عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قبیل عرضہ لقد هممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنہ فاعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المؤمنون او یدفع اللہ ویابی المؤمنون ۔ اخرجہ البخاری ومسلم معناہ وفیہ یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے فرمایا۔ کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد نامہ لکھ دوں تاکہ کہنے والے نہ کہیں اور تمنا کرنیوالے تمنا نہ کریں پھر میں نے دل میں کہا کہ اللہ انکار کریگا اور ایمان والے دفع کردیں گے یا فرمایا کہ اللہ دفع کردیگا اور ایمان والے انکار کریں گے۔ یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے۔ اور مسلم میں اتنی لفظ اور ہے کہ اللہ اور ایمان والے سوا ابوبکرؓ کے اور کسی کو منظور نہ کریں۔

ف ۔ یہ حدیث حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بہت واضح دلالت کرتی ہے۔ مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافحام میں حدیث پر یہ جرح کی ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو علمائے اہل سنت خلافت صدیقی کے منصوص ہونے سے کیوں انکار کرتے۔ حالانکہ علمائے اہل سنت جس نص کا انکار کرتے ہیں وہ اور چیز ہے۔ چنانچہ ہم تفسیر آیۂ استخلاف میں اس کو بیان کر چکے ہیں۔

(۲) اخرج الحاکم عن سفینة قال لما بنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسجد وضع حجرا ثم قال لیضع عمر حجرا الی جنب حجرابی بکر ثم قال لیضع عثمان حجرا الی جنب حجر عمر ثم قال ھؤلاء الخلفاء بعدی۔

حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی (بنیاد) میں) ایک پتھر آپ نے رکھا۔ پھر فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں، پھر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے بازو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک پتھر عمر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

ف :۔ رسالہ اصلاح کے ایک نامہ نگار نے اس حدیث پر بڑا تمسخر کیا ہے کہ خلافت کا فیصلہ اینٹ پتھر سے کیا گیا۔ لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے پتھر سے فیصلہ نہیں ہوا۔ بلکہ فیصلہ تو ارشاد رسول سے ہوا۔ البتہ پتھر سے فیصلہ امامت کا خود مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں ہوا ہے۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے۔ کہ جب محمد بن حنفیہ فرزند علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امامت کا دعویٰ کیا اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بحث کی تو امام زین العابدین کسی عقلی نقلی دلیل سے ان کو قائل نہ کر سکے۔ تو آخر حجر اسود سے اس کا فیصلہ کرایا۔ اینٹ پتھر سے فیصلہ یہ ہے نہ وہ۔

(۵) اخرج البزاز و
الطبرانی فی الاوسط
والبیهقی عن ابی ذر قال
کان النبیؐ صلی اللہ علیہ
وسلم جالسا وحدہ
فجئت حتی جلست
الیہ فجاء ابوبکر فسلم
ثم جاء عمر فسلم
ثم جاء عثمان وبین
یدی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سبع
حصیات فاخذھن
فوضعھن فی کفہ فسبحن
حتی سمعت لھن حنینا
کحنین النحل ثم وضعھن
فخرسن ثم اخذھن
فوضعھن فی ید ابی بکر
فسبحن حتی سمعت
لھن حنینا کحنین النحل
ثم وضعھن فخرسن ثم
تناولھن فوضعھن فی
ید عمر فسبحن حتی
سمعت لھنّ حنینا

بزاز اور طبرانی نے اپنی کتاب
اوسط میں اور بیہقی نے حضرت
ابوذر سے روایت کی ہے وہ
کہتے تھے ایک روز نبی صلی اللہ
علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے
کہ میں گیا اور آپ کے پاس
بیٹھ گیا اس کے بعد حضرت
ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے سلام
کیا۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور
انہوں نے سلام کیا اس کے
بعد حضرت عثمانؓ آئے۔ اور
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے
سامنے سات کنکریاں تھیں
پھر آپ نے ان کو اٹھایا اور
اپنی ہتھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں
تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک
میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی
کی سی سنی۔ پھر آپؐ نے وہ
کنکریاں زمین پر رکھ دیں۔ تو
وہ خاموش ہوگئیں پھر آپؐ نے
وہ کنکریاں زمین سے اٹھا کر
ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رکھیں تو ان
کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے

کحنین النحل ثم وضعهن فی ید عثمان فسبحن حتی سمعت لهن حنینا کحنین النحل ثم وضعهن فخرسن فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ خلافۃ نبوۃ و زاد ابن عساکر ثم صیرھن وضعاید بنا رجلا فما سبحت حصاۃ منھن۔

لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر اٹھا کر عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے ان کو اٹھا کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا۔ تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت کی ہے اور ابن عساکر نے اس قدر اور زیادہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھا مگر ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں تسبیح نہ پڑھی۔

روایات مخالفین صحابہ کرام

یوں تو کتب مخالفین صحابہ کرام میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ مگر اس وقت ان کی ایک طولانی حدیث پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جو ان کی سب سے بڑی

معتبر کتاب کافی میں ہے۔

فروعِ کافی جلد اول کتاب الجہاد ص۱۰۹ سے لے کر ص۱۱۲ تک اس حدیث کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ بڑی لمبی حدیث ہے۔ جو کئی صفحوں پر آئی ہے۔ کوئی بات فضائل و مناقب کی ایسی نہیں ہے۔ جو اس حدیث میں صحابہ کرام کے لئے ثابت نہ کی گئی ہو۔ اور کوئی عیب ایسا نہیں ہے جس سے صحابہ کا پاک دامن ہونا نہ بیان کیا گیا ہو۔ اور آیت تمکین کی تو خاص تفسیر اس میں ہے۔ اور اس کا مصداق بڑی تصریح کے ساتھ حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہ دین کی تائید مخالفین صحابہ کرام کی کتابوں سے کراتا ہے۔

پوری تجویز مع ترجمہ النجم کے مناظرہ حصہ سوم میں ہم درج کر چکے ہیں۔ سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے تشئید المبانی میں جو رکیک تاویلات اس حدیث کی لکھیں ان کا جواب بھی دے چکے ہیں لہذا اس وقت اس کے خلاصہ مضمون اور بعض ضروری فقرات کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ان سے ابو عمرو زبیری نے پوچھا کہ اللہ کی طرف بلانا اور راہ خدا میں جہاد کرنا ہر مسلمان کے لئے جائز ہے یا کسی مخصوص جماعت کے لئے یہ کام مخصوص ہے۔ اس سوال کے جواب میں یہ طویل حدیث ارشاد فرمائی جس کا ماحصل حسب ذیل ہے۔

(۱) دین اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنا انہیں لوگوں کے لئے جائز ہے۔ جو مظلوم ہوں۔ اور کوئی شخص مظلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان دس صفتوں کے ساتھ موصوف نہ ہو۔

غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا ہو۔ اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو کافروں پر سخت اور مسلمانوں پر مہربان ہو۔ اللہ کی رضا مندی کا طالب ہو۔

قتل ناحق کا مرتکب نہ ہو۔ زنا کار نہ ہو۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو۔ روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو۔ عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع کی کیفیت اس کو حاصل ہو۔

(۲) جس شخص میں دس اوصاف مذکورہ بالا پائے جائیں وہ مومن ہے اور مظلوم ہے۔ اور اس کے لئے آیۂ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت مذکور ہے۔

(۳) اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں۔ جہاد کر سکتے ہیں۔

(۴) یہ آیت دراصل مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ جب کہ کفار مکہ نے ان پر مظالم کیے۔ اور ان کو ان کے گھروں اور جائدادوں سے نکالا۔

(۵) مہاجرین نے اسی آیت کی رو سے بحکم خدا مکہ میں جہاد کیا اور آیت کی رو سے بحکم خدا انہوں نے کسریٰ و قیصر یعنی شاہِ ایران و شاہِ روم سے جہاد کیا۔

(۶) یہ آیت گو مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ مگر جو شخص ان دس اوصاف کے ساتھ موصوف ہو۔ جو اللہ نے اصحابؓ نبی کے بیان فرمائے ہیں اس کو بھی یہ آیت شامل ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے اصحابؓ نبی کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ ہم نے ان کی ناپاکی دور کر دی۔ اور ان کو خوب پاک کر دیا۔ اور ان کے یہ اوصاف بیان فرمائے۔ کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔ رکوع اور سجدہ میں رہتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی طلب کیا کرتے ہیں۔ یہ حالت ان کی توریت و انجیل میں مذکور ہے۔ نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا۔ کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے ہر چہار طرف محیط ہوگی۔ اور نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً وہ مومن کامیاب ہیں۔ جو نماز میں خشوع

کرتے ہیں ۔ اور لغو باتوں سے درگذر کرتے ہیں ۔ یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں ۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ۔ اور قتل ناحق نہیں کرتے ۔ اور زنا نہیں کرتے پھر خدا نے یہ بھی ان کے حق میں فرمایا کہ ہم نے ان کا جان و مال بعوض جنت کے مول لیا ہے ۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اپنے عہد کو پورا کر چکے پس جو شخص اصحابؓ نبی کے ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو وہ خدا کی طرف سے جہاد کا مجاز ہے ۔

(۸) جس شخص میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں اس کو چاہیئے کہ ان اوصاف کے حاصل کرنے کے بعد جہاد کا ارادہ کرے

(۹) جو شخص ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہ ہو ۔ اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے وہ اس حدیث کا مصداق ہے : کہ کبھی اللہ ان لوگوں سے اپنے دین کی مدد کرا دیتا ہے ۔ جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا ۔

(۱۰) ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد آخر حدیث میں امام جعفر صادقؑ نے یہ بھی فرما دیا ۔ کہ دیکھو ہم تمام باتیں بیان کر چکے ہیں ۔ پس اب ہر شخص کو چاہیئے کہ جھوٹی حدیثوں کے افترا کرنے سے ڈرے ۔ جن کی قرآن تکذیب کرتا ہے ۔ اور جن سے اور جن کے راویوں سے قرآن بیزاری ظاہر کرتا ہے ۔ مطلب یہ کہ دیکھو اصحابؓ نبی کے مناقب ہم بحوالہ آیاتِ قرآنی تم پر ظاہر کر چکے ۔ اب تم لوگ صحابہ کی مذمت کی حدیثیں جو گھڑا کرتے ہو ان سے باز آؤ ۔ وہ حدیثیں قرآن کی مخالف ہیں ۔ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے ۔ اور ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہے ۔ ایک فقرہ اس طولانی حدیث کا یہ ہے ۔

ولكن لما [illegible] من ظلموا	ولیکن جب حضرت پیغمبرؐ [illegible] کے
[illegible] اهل	انتقال ہو گئے اہل مکہ نے ان پر ظلم
[illegible] اخرجوهم من ديارهم	کیا کہ ان کو ان کے گھروں سے
واموالهم فقاتلوهم	اور ان کے مالوں سے نکالا ۔

باذن الله لهم فی ذلك
وظلمهم کسری وقیصر و
من کان دونهم من
قبائل العرب والعجم
بما کان فی ایدیهم فبما
کان المؤمنون احق به
منهم فقد قاتلوهم
باذن الله عزوجل لهم
فی ذلك وبحجة هذه
الآیة یقاتل المؤمنون
کل زمان وانما اذن الله
عزوجل للمؤمنین الذین
قاموا بما وصف الله
عزوجل من الشرائط
التی شرطها الله علی
المؤمنین فی الایمان
والجهاد ومن کان قائما
بتلك الشرائط فهو مؤمن
وهو مظلوم وماذون له
فی الجهاد وبذلك
المعنی۔

پس انہوں نے اللہ تعالےٰ کی
اجازت سے اہل مکہ سے جہاد
کیا۔ اور کسریٰ و قیصر اور نیز
اور قبائل عرب و عجم نے بھی مہاجرین
پر ظلم کیا۔ کیونکہ جس قدر اموال
ان کے قبضہ میں تھے۔ ان کے حق
دار مسلمان تھے نہ وہ پس انہوں
نے اللہ عزوجل کی اجازت سے
کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا اور
اسی آیت کی دلیل سے ہر زمانہ
کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں۔
اللہ عزوجل نے انہیں مومنوں کو
اس آیت میں اجازت جہاد کی
دی ہے۔ جو اللہ کے بیان کئے
ہوئے شرائط پر قائم ہوں۔ جو
اللہ نے مومن اور مجاہد ہونے کے
لئے بیان کئے ہیں۔ جو شخص ان
شرائط پر قائم ہو وہی مومن ہے۔
وہی مظلوم ہے۔ اور اسی کو جہاد
کی اجازت ہے۔

سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد تشئید المبانی میں لکھتے ہیں۔ کہ "نہایت
آنچہ ازیں حدیث مستفاد مے شود۔ ایں است کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ

دقیصر بودند وحقیقت خلافت خلفاء ازاں اسلام مستفاد نمے شود"۔ یعنی اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ مہاجرین کو جو جہاد کسریٰ وقیصر کی اجازت تھی۔ان کی خلافت کا برحق ہونا اس سے نہیں نکلتا۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔کہ اس جواب کو حدیث سے کیا تعلق ہے۔ اور آیا یہ جواب کسی ذی ہوش کے قلم سے نکل سکتا ہے۔حدیث میں صاف تصریح ہے۔کہ کوئی شخص جہاد کے لئے ماذون نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ مومن کامل صالح الاعمال نہ ہو۔

سلطان العلماء نے ایک جواب یہ بھی دیا ہے۔کہ خلیفہ ثانی بلکہ تینوں خلیفہ چونکہ جناب امیر سے مشورہ لے کر کام کرتے تھے۔اس سبب سے ان کو جہاد کی اجازت مل گئی تھی۔یہ جواب بھی مضمون حدیث سے کچھ ربط نہیں رکھتا۔حدیث میں تو صاف صاف یہ بیان ہے۔کہ جب تک یہ صفات کاملہ کسی میں نہ ہوں اس کو جہاد کی اجازت نہیں ملتی۔یہ کہیں نہیں ہے۔کہ کسی سے مشورہ کرلینے کے سبب سے بھی جہاد کی اجازت مل جاتی ہے۔

آخر میں سلطان العلماء صاحب لکھتے ہیں کہ وھٰذا کلہ بعد اغضاء النظر عن احتمال التقیۃ فی ذلک الحدیث "یعنی یہ جوابات بعد اس کے ہیں۔کہ اس حدیث میں احتمال تقیہ سے آنکھ بند کرلی جائے۔ مخالفین صحابہ کرام کی عجیب حالت ہے۔جب ان سے کہا جاتا ہے۔کہ قرآن سے فیصلہ کرلو۔تو قرآن کے محرف ہونے اور چیستان ہونے کا عذر پیش کرکے روایات کی طرف بھاگتے ہیں۔اور جب انہیں کی روایات سے ان کو الزام دیا جاتا ہے۔ تو تقیہ کا بہانہ کرکے ٹال دیتے ہیں۔

فصل چہارم

قرآن مجید میں جس طرح اور بہت سے معجزات ہیں۔اسی طرح ایک

معجزہ یہ بھی ہے کہ جو مضمون ایک آیت میں بیان فرمایا گیا ہے بالفاظ دیگر وہ مضمون دوسری کسی آیت میں ضرور ارشاد ہوا ہے۔ ایک آیت میں اگر کوئی بات مجمل ہے تو دوسری آیت میں مفصل ہو جاتی ہے۔

قولہٗ تعالیٰ کتابًا متشابہًا مثانی۔ آیہ استخلاف اور آیہ تمکین۔ بلکہ تمام آیات خلافت میں حق تعالیٰ نے ان حضرات کے خلیفہ بنانے کا حکم کہیں نہیں دیا کیونکہ حکم دینے میں بندوں کو فی الجملہ اختیار باقی رہتا ہے کہ اس حکم پر عمل کریں یا نہ کریں۔ بلکہ خداوند کریم نے ان کی خلافتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ پیشین گوئی کی ہے۔ اس کا امر تقدیری ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ جس کا وقوع ضروری اور لابدی ہے۔ اسی لیے شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔ "خلافت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم امرے نیست کہ بر آں عامہ را مکلف ساختہ باشند۔ فقط پس اگر بحسب امر عمل کردند مطیع شدند و اگر عصیاں ورزیدند مستوجب عقوبت گشتند۔ بلکہ وعدہ بود از فوق عرش نازل شدہ۔ کہ امکان تخلف نداشت۔ و دریں وعدہ تعلق بجرے و اختیار احدے نہ بود"

اب دونوں آیتوں کے الفاظ کا تطابق کر کے دیکھو۔ کہ کس طرح دونوں آیتیں ایک ہی مضمون کو بیان کر رہی ہیں۔

آیت استخلاف میں وعد اللّٰہ فرمایا۔ اور آیت تمکین میں اپنی سنت مومنین سے مدافعت کی اور مومنین کی مظلومیت بیان فرما کر شرط و جزا کے عنوان سے ان کی قابلیت خلافت کو ظاہر کیا۔ جس سے وعدہ مضمون پیدا ہو گیا۔

آیۂ استخلاف میں وقت نزول آیت مومنین صالحین کو موعود ہم قرار دیا اور آیۂ تمکین میں خاص کر دیا جرین کو معلوم ہوا کہ آیۂ استخلاف میں مومنین صالحین سے مہاجرین ہی مراد ہیں اور کونسا عمل صالح ہے جو ہجرت سے بڑھ کر ہو۔

آیہ استخلاف میں استخلاف اور تمکین دین و تبدیل خوف کا وعدہ کیا اور آیۂ تمکین میں خود ان کو تمکین دینے کا وعدہ کرکے فرمایا کہ یہ لوگ زمانہ تمکین میں دین کے کام کریں گے۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہوگیا۔ بلکہ ایک لطیف نکتہ یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرات سراپا دین ہو رہے۔ خود ان کو تمکین ملنا بعینہٖ دین کو تمکین ملنا ہے۔

آیۂ استخلاف میں فرمایا۔ کہ وہ لوگ زمانہ خلافت میں میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ شرک نہ کریں گے۔ آیہ تمکین میں عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کی تفصیل بیان کردی۔ فرمایا کہ وہ لوگ زمانہ تمکین میں نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ امر معروف نہی منکر کریں گے۔

آیۂ استخلاف میں نعمت خلافت کی ناشکری کرنے والوں یا اتنی بڑی بشارت سن کر تمردیہ قائم رہنے والوں کو فاسقون فرمایا۔ اور آیۂ تمکین میں ان کو فاسقون کی سزا یعنی عذاب و ہلاکت سے ڈرایا۔

المختصر دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے۔ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ ایک بات آیۂ تمکین میں البتہ زائد ہے۔ کہ مہاجرین کی محبوبیت اور ان کے علو مرتبت کا بیان عجیب دلکش پیرایہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ راہِ خدا میں ان کا اذیت پانا اپنے گھروں سے نکالا جانا خدا کے نام لینے میں ان کا شغف ان کی نماز اور ان کے تمام علوموں کا پسندیدہ ہونا ایسے بلند کلمات میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ کسی بڑے سے بڑے کی تمنا بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ فَضْلَہٗ مَنْ یَّشَاءُ وَھُوَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ؛

تفسیر آیت

میراثِ ارض

جس میں

سورۂ انبیاء کی آیہ کریمہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ کی تفسیر کی گئی ہے
اور بعونہ تعالےٰ روز روشن کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ
حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی خلافت قرآن شریف
کی اور کتب الٰہیہ کی موعودہ خلافت تھی اور یہ کہ ان حضرات
کی خلافت

بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
کے خصائص فاضلہ کی کامل ترین مظہر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

تفاسیر سابقہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ آیات قرآنیہ میں حق تعالےٰ نے خلفائے راشدین کی خلافت کو بصیغہ امر بیان نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص کو تم لوگ خلیفہ بنانا۔ بلکہ ان کی خلافت کو بصورت خبر بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا ہے۔ بصیغۂ امر اگر بیان ہوا ہوتا تو بندوں کو اختیار ہوتا۔ چاہتے تو ان اشخاص کو خلیفہ بنا کر مستحق ثواب بنتے اور چاہتے تو ان کو خلیفہ نہ بناتے۔ اور نافرمانی کر کے مستحق عذاب بنتے۔ لیکن پیشین گوئی کی صورت میں یہ خطرہ باقی نہ رہا۔ اور معلوم ہوا کہ ان حضرات کی خلافت تقدیر الٰہی میں مصمم ہو چکی ہے لہذا اس کا ظہور ضروری ولابدی ہے۔

اس وقت جس آیت کی تفسیر لکھنا منظور ہے۔ اس آیت میں بھی ایک زبردست پیشین گوئی ہے۔ جو شخص حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلیفہ برحق نہیں مانتا۔ یا تو اس آیت کی تکذیب کرنی پڑے گی یا کلام الٰہی میں فریب و دغا کا عیب ماننا پڑے گا۔ نعوذ باللہ عنہ

آیت

آیت میراث ارض۔ سورۂ انبیاء رکوع آخری۔ پارہ سترھواں

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ	اور بہ تحقیق ہم لکھ چکے ہیں زبور
مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ	میں بعد نصیحت کے کہ زمین
الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ	کے وارث ہوں گے میرے
الصَّالِحُونَ ٥	نیک بندے۔

اس آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے ایک بات کا سمجھ لینا مفید بصیرت معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن مجید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل ترین خصوصیات میں سے ایک چیز یہ ہے۔ کہ آپ پر ایمان لانے والوں آپ کی پیروی کرنے والوں کو دونوں جہاں کی اعلیٰ ترین نعمتوں کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

یہ خوشخبری قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی مذکور ہے۔ کہ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا غلغلہ قرون اولیٰ میں بھی بلند ہو چکا تھا۔ اور اگلی آسمانی کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ تھا۔ سورۂ اعراف میں ہے۔ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہی میں مناجات کی کہ اُكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ۔ یعنی اے پروردگار ہمارے لکھ دے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بہ تحقیق ہم راہ پا گئے ہیں تیری طرف تیرے دروازہ پر بھیک مانگنے کے لئے آگئے ہیں۔ بارگاہ الٰہی سے اس مناجات کا جواب جو کچھ ملا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی درخواست منظور نہیں کی گئی۔ اور ان کو خبر دی گئی۔ کہ یہ انعام یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی

ایک دوسری اُمت کے لئے میں لکھوں گا۔ جس کا ظہور آئندہ زمانہ میں ہونے والا ہے۔ اور اس اُمت کا بیان ان الفاظ میں کیا گیا کہ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو پیروی کریں گے اس رسول نبی امی کی جس کو وہ لوگ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس توریت وانجیل میں۔ یہ خصوصیت حضرت سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد آیات قرآنیہ میں بیان فرمائی گئی ہے اور احادیث میں تو ایک دفتر کا دفتر ہے۔ جو سنی شیعہ دونوں کی کتب میں منقول ہے۔ اہل سنت کی کتابوں میں بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں۔ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل ہجرت مکہ میں خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَفْتَحُنَّ کُنُوْزَ کِسْرٰی وَقَیْصَرَ ثُمَّ لَتُنْفِقُھُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ضرور ضرور تم لوگ ایران وروم کے خزانوں پر قبضہ پاؤ گے۔ اور تم ان کو راہ خدا میں صرف کرو گے اور کتب شیعہ میں حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۵۵ میں ہے۔

حق تعالیٰ امر فرمود آں حضرت را	حق تعالیٰ نے آں حضرت صلعم کو
باظہار دعوت خود۔ پس حضرت	حکم فرمایا کہ اپنی دعوت ظاہر
بمسجد آمد بر حجر اسمٰعیل ایستاد	کریں۔ پس آپ کعبہ میں آئے
وبصدائے بلند ندا کرد کہ اے گروہ	اور حجر اسمعیل پر کھڑے ہو کر اپنے
قریش واے طوائف عرب شمار	باآواز بلند پکارا کہ اے گروہ قریش
مے خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت	اور اے قبائل عرب میں تم کو بلاتا
خدا وایمان آوردن بر پیغمبری من	ہوں خدا کی وحدانیت اور
وامر مے کنم شمارا کہ ترک کنید	اپنی پیغمبری کی گواہی دینے کی
بت پرستی را واجابت نماید مرا۔	طرف اور تم کو حکم دیتا ہوں کہ

آنچہ شمارا باں میخوانم تا بادشاہان	بت پرستی چھوڑ دو اور میری بات
عرب گردید و گروہ عجم شمارا	مانو اس چیز میں جس کی طرف میں
فرماں بردار ایں گردند و در بہشت	تم کو بلاتا ہوں تاکہ تم عرب کے
بادشاہاں باشید۔	بادشاہ ہو جاؤ اور عجم کے لوگ
	تمہارے محکوم ہو جائیں۔ اور
	بہشت میں بھی تم بادشاہ ہو۔

المختصر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرنے والوں کو دونوں عالم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں کی خوش خبری سنائی گئی۔ آیاتِ قرآنیہ میں بھی اور احادیثِ صحیحہ میں بھی۔

پس اب واضح ہوا کہ اس آیت یعنی آیت میراثِ ارض میں حق تعالیٰ نے بھی خوش خبری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحابؓ کرام کو سنائی ہے سلسلۂ کلام کئی آیت اوپر سے شروع ہوا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى سے آیت مبحوثہ تک... اُخروی نعمتوں کی بشارت ہے۔ اور آیتِ مبحوثہ میں دُنیا کی نعمت یعنی بادشاہت کی خوشخبری ہے۔ اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس خوش خبری کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ دونوں قسم کی نعمتوں کی خوشخبری سنا کر آیت مبحوثہ کے بعد فرمایا۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ یعنی اس خوش خبری میں عبادت گزار لوگوں کے لئے بڑی کامیابی ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس سلسلۂ بیان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا مطلب خوب واضح ہو گیا۔ کہ چونکہ آپ نے اپنے متبعین کو دونوں جہان کے نعمتوں کی خوشخبری سنائی اس لئے آپ اس لقب کے مستحق ہوئے۔

اس تمہید کے بعد اب آیت کی تفسیر کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ جس کو تین فصلوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

فصل اوّل میں آیت کے الفاظ کی شرح کی جائے گی۔

فصل دوم میں حقیقتِ خلافت پر استدلال کیا جائے گا۔

فصل سوم میں کچھ روایتیں ذکر کی جائیں گی۔ جو اس آیت کی تفسیر سے تعلق رکھتی ہیں۔

BRARY

فصل اوّل

زبور لغت میں کتاب کو کہتے ہیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

ذکر۔ لغت میں بمعنی نصیحت ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت مقدس کا لقب بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں زبور سے اگر مطلق کتاب اور ذکر سے توریت مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے۔ کہ "ہم توریت کے بعد سب صحیفوں میں لکھ چکے ہیں"۔ اور اگر زبور سے خاص داؤد علیہ السلام کی کتاب اور ذکر سے نصیحت یا توریت مراد ہو۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ زبور میں نصیحت کے مضامین کے بعد ہم لکھ چکے ہیں یا توریت کے بعد زبور میں بھی ہم لکھ چکے ہیں۔ بہر صورت مطلب یہ ہوا کہ ہم اگلی کتب مقدسہ میں یہ پیشین گوئی بیان فرما چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

الارض۔ اس لفظ کے معنی زمین کے ہیں۔ مگر الف لام جو اس پر ہے وہ بتلا رہا ہے کہ کوئی خاص زمین مراد ہے۔ اور وہ زمین ملک شام کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایران بھی اس میں شامل کیا جائے۔ تحقیق اس کی انشاء اللہ تعالیٰ فصل دوم میں ہوگی۔

یرثھا اصل میں میراث اس کو کہتے ہیں، کہ اگاوں کا متروکہ پچھلوں کو بوجہ رشتہ قرابت کے ملے۔ چونکہ زمین موعود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مملوک تھی اور اہل عرب ان کی اولاد میں تھے۔ اس وجہ سے میراث کا اطلاق ہوا۔ اور کبھی مطلق ملکیت کو بھی میراث کہہ دیتے ہیں۔

عبادی الصالحون۔ لفظی معنی نیک بندے اور مراد اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس لئے کہ انہیں کو خوش خبری سنانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب خصائص سے ازالۃ الخفا میں منقول ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ سبحانہ نے توریت اور زبور میں اپنے علم ازلی سے جو اس کو آسمان و زمین کی پیدائش سے بھی پہلے حاصل تھا۔ فرمایا کہ امتِ محمدیہ کو میں زمین میں وارث بناؤں گا۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ وہ نیک بندے ہمیں لوگ ہیں۔ پھر سیوطی نے لکھا ہے۔ کہ میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا۔ اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں۔ چوتھی سورت میں یہ مضمون تھا۔ کہ اے داؤد جو کچھ میں کہتا ہوں سنو اور سلیمان کو حکم دو کہ تمہارے بعد لوگوں سے بیان کر دیں۔ کہ زمین میری ہے۔ میں اس کا وارث محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو بناؤں گا۔

یہ ناچیز کہتا ہے۔ کہ زبور کا جو نسخہ آج کل ہندوستان میں ملتا ہے۔ اس میں بھی ایک سو پچاس سورتیں ہیں۔ اور ہر سورت کا نام زبور ہے یوں لکھا ہے کہ زبور ۱ زبور ۲ زبور ۳۔ مگر چوتھے زبور میں یہ مضمون نہیں ہے جو علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ علامہ کو کوئی قدیم غیر محرف نسخہ مل گیا تھا۔ لیکن اب بھی موجودہ زبور میں آیت مبحوثہ کا مضمون

موجود ہے۔ چنانچہ زبور ۳۷ کی چند آیتیں حسب ذیل ہیں۔
لیکن وے جو خدا کے منتظر ہیں۔ زمین کو میراث میں لیں گے۔ لیکن وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے۔ جن پر اس کی برکت ہے۔ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور ابد تک اس پر بسیں گے" مجموعہ بائیبل عہد نامہ قدیم مطبوعہ لدھیانہ صفحہ ۶۹۱۔

توریت میں صاف صاف تصریح اس زمین کی بھی ہے۔ چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۷ اکی آٹھویں آیت بخطاب حضرت ابراہیم یہ ہے۔ میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں۔ کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو۔ اور میں ان کا خدا ہوں"۔ کنعان کے تمام ملک سے مراد ملک شام ہے۔ کیوں کہ کنعان سرزمین شام میں ہے۔

فصل دوم

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے خلیفہ برحق ہونے پر استدلال نہایت واضح ہے۔ کیونکہ الفاظ آیت سے بغیر کسی روایت کے ملائے ہوئے یہ بات ظاہر ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے کچھ لوگوں کے وارث زمین یعنی بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ اور ان متبعین کو اپنا نیک بندہ فرما کر ان کے جامع اوصاف حمیدہ ہونے کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور ایسی ہی بادشاہت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ پیشین گوئی صحابہ کرام ہی کے زمانہ میں پوری ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کریم کے تمام خطابات کے اول مخاطب وہی حضرات ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں جو خوشخبری ہے۔ اور جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ سننے والے خوش ہوں۔ ان میں استقامت فی الدین ترقی کرے مصائب موجودہ ان کے اطمینان میں

خلل انداز نہ ہوں۔ دوسرے لوگوں کو اسلام کی رغبت پیدا ہو۔ اس خوشخبری کے بھی پہلے مخاطب صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔ اور ظاہر کہ کسی ایسی جماعت کو کوئی ایسی خوشخبری سنا کر خوش کرنا جس میں اس جماعت کے کسی فرد کا کچھ حصہ نہ ہو۔ سوا دغا و فریب کے اور کسی نام سے نہیں یاد کیا جاسکتا۔ نعوذ باللہ منہ۔

ان دونوں باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد یعنی یہ کہ آیت میں مومنین صالحین کو بادشاہت ملنے کی پیشین گوئی کی ہے۔ اور یہ کہ اس پیشین گوئی کا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پورا ہونا ضروری ہے۔ اب ہمیں صرف اس بات کا معلوم کرنا باقی ہے۔ کہ صحابہ کرام میں سے کس کے ہاتھ پر یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ تاکہ جس کے ہاتھ پر پوری ہوئی اس کو ہم خلیفہ برحق سمجھیں۔ یعنی اس کی خلافت کو ہم اس آیت کی موعودہ خلافت یقین کریں اور اس شخص کو ہم خدا کے عباد صالحین میں شمار کریں۔

اس بات کے معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس کی تحقیق کرنا چاہیئے۔ کہ اس آیت میں زمین سے کیا مراد ہے۔ تو واضح ہو کہ زمین سے تمام زمین یعنی پورا ربع مسکون تو مراد ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اب تک پورے ربع مسکون پر مومنین صالحین کی بادشاہت نہیں ہوئی۔ لامحالہ کوئی خاص زمین مراد ہے اس تخصیص کی تائید ارض کے معرف باللام ہونے سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں۔

قول اول :۔ یہ کہ زمین سے مراد ملک شام کی زمین ہے۔

قول دوم :۔ یہ کہ زمین سے مراد روم و ایران کی زمین ہے۔

قول سوم :۔ یہ کہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے۔

تیسرا قول بالکل بے دلیل اور نہایت بعید از فہم ہے۔ نہ قرآن شریف میں کوئی نظیر اس کی مل سکتی ہے۔ نہ حدیث میں۔ کہ زمین بول کر جنت مراد لی گئی ہو۔ نہ کوئی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ نہ کوئی قرینہ ایسا ہے۔ جس

کے یہ معنی مفہوم ہو سکیں۔

اب رہا پہلا قول اور دوسرا قول۔ یہ البتہ صحیح ہیں۔ اور قطعاً و یقیناً مراد الٰہی ان دونوں سے باہر نہیں ہے۔

پہلا قول مراد ہونے کی ایک دلیل یہ ہے۔ کہ جن کتب سابقہ الٰہیہ کا حوالہ آیت میں ہے۔ وہ انبیائے بنی اسرائیل کی کتابیں ہیں۔ جن کا مسکن ملک شام تھا۔ لہذا یہ بہت بڑا قرینہ زمین سے زمین شام مراد لینے کے لئے ہے۔ اس کی مزید تائید توریت کے دیکھنے سے ہوتی ہے۔ کہ اس میں کنعان کی تصریح موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں ملک شام کی زمین کو ارض مقدس اور ارض مبارک فرمایا ہے۔ لہذا مطلق زمین بول کر فردِ کامل ہونے کی وجہ سے زمین شام مراد لینا قرین قیاس ہے۔

دوسرا قول مراد ہونے کے لئے بھی متعدد دلائل ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا میں یہی دو زمینیں ایران و روم کی مستقل سلطنت تھیں۔ کوئی تیسری سلطنت اس وقت روئے زمین پر نہ تھی۔ پس جب زمین کی بادشاہت کا وعدہ فرمایا گیا۔ تو ذہن ان ہی دونوں زمینوں کی طرف سبقت کرتا ہے۔ یہ دوسرا قول پہلے قول کو شامل ہے۔ کیونکہ زمین شام روم کی سلطنت میں داخل تھی۔

شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء مقاصدِ اول ص۱۲۱ میں فرماتے ہیں۔

فقیر گوید در معنی آیت جمع زمین جنت مراد داشتہ اند۔ و ہیچ جا شاہد آں نخواہی یافت کہ در قرآن یا سنت لفظ ارض گفتہ باشند و جنت عدن ارادہ کردہ۔

یہ فقیر کہتا ہے۔ کہ کچھ لوگوں نے اس آیت کے معنی میں جنت کی زمین مراد لی ہے مگر اس کی نظیر تم کہیں نہ پاؤ گے کہ قرآن یا حدیث میں زمین کا لفظ فرمایا

بلکہ معنی صحیح آں است کہ از ارض اراضی معتدلہ صالحہ برائے نشاء اشخاص معتدلۃ الاخلاق ارادہ کردہ آید یا ارض شام تنہا بسبب آنکہ انبیائے بنی اسرائیل در شام بودند و ذکر وقائع ارض شام پیش ایشاں مہم بود و ایں سخن بداں مے ماند کہ تاجر از لفظِ مال سرمایہ خود را مے خواہد و راعی مواشی و زارع زراعت خود مراد مے گیرد و چندیں آثار بریں معنی دلالت مے کند۔

ہو اور جنت مراد لی ہو۔ بلکہ صحیح معنی یہ ہیں کہ زمین سے وہ زمینیں مراد ہیں جو معتدل ہوں جہاں معتدل اخلاق کے انسان پیدا ہوتے ہوں یا صرف زمین شام مراد ہے۔ اس لئے کہ انبیائے بنی اسرائیل شام میں تھے اور شام کے واقعات کا ذکر ان کا بڑا مقصود ہے۔ یہ بات ویسی ہی ہے کہ تاجر جب مال کا لفظ بولے گا۔ تو اپنا سرمایہ مراد لے گا۔ اور چرواہا مال سے مویشی اور کسان مال سے کھیتی مراد لیتا ہے۔ اور بہت سی روایات بھی اس مراد پر دلالت کرتی ہیں۔

پس جب متحقق ہو گیا کہ زمین سے مراد یا ملک شام ہے یا ملک روم و ایران اور تاریخ کے واقعات متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ زمینیں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قبضہ میں آئیں۔ انہیں کے حسن تدبیر سے مفتوح ہوئیں بیت المقدس خاص حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں بغیر لڑائی کے ایک عجیب طریقہ سے محض اگلی پیشین گوئیوں کی بنا پر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ھذا مہر نیم روز کی طرح ظاہر ہو گیا کہ یہ دونوں بزرگوار خدا کے اس وعدہ کے مطابق خلیفہ ہوئے اور ان ہی کو خدا نے اس آیت میں عباد صالحین فرمایا ہے۔

ف :- بیت المقدس کا واقعہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے ۔ جو بجائے خود بھی ایک مستقل دلیل حضرت فاروق اعظمؓ کے خلیفہ موعود ہونے کی کہا جا سکتا ہے ۔ لہٰذا بالاختصار وہ واقعہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے ۔

فتح بیت المقدس کا واقعہ

حضرت عمروؓ بن عاص نے جب ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا ۔ تو علمائے نصاریٰ نے کہا کہ تم لوگ بے فائدہ تکلیف اٹھاتے ہو ۔ تم بیت المقدس کو فتح نہیں کر سکتے ۔ فاتح بیت المقدس کا حلیہ اس کی علامات ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہیں ۔ اگر تمہارے امام میں وہ سب باتیں موجود ہیں تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس ان کے حوالہ کر دیں گے ۔ اس واقعہ کی خبر حضرت فاروق اعظمؓ کو دی گئی ۔ اور آپ بیت المقدس تشریف لے گئے ۔

یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ زریں حروف میں چمکتا رہے گا ۔ کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا زادِ راہ اس سفر میں جو اور چھوہارے کے سوا کچھ نہ تھا ایک اونٹ آپ کے پاس تھا ۔ جس پر آپ اور آپ کا غلام نوبت بنوبت سوار ہوتے تھے ۔ آپ کے کرتہ میں پیوند لگے ہوئے تھے ۔ مسلمان جب آپ کی پیشوائی کو آئے اور آپ کو اس حال میں دیکھا ۔ تو سب نے اصرار کر کے آپ کو عمدہ لباس پہنایا ۔ اور ایک گھوڑے پر سوار کیا ۔ چند قدم چلنے کے بعد آپ نے فرمایا میرے نفس پر اس کا برا اثر پڑتا ہے ۔ پھر وہی پیوند لگا ہوا کرتہ پہن لیا ۔ اور گھوڑے سے اتر پڑے ۔ رومیوں نے اس عرب و عجم کے فرمانروا اس روحانی بادشاہ کو جس کے نام سے تمام عالم میں زلزلہ پڑا ہوا تھا ۔ دیکھا تو کہا کہ بے شک فاتح بیت المقدس یہی ہیں ۔ اور دروازہ آپ کے لئے کھول دیا ۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ٦٠ میں تاریخ یافعی سے نقل کرتے ہیں۔

نزل عمر رضی اللہ عنہ علی بیت المقدس وکان المسلمون قد حاصروا تلک المدینۃ المقدسۃ المبارکۃ وطال حصارھم فقال لھم اھلھا لا تتعبوا فلن یفتحھا الا رجل نعرفہ علامتہ عندنا فان کان امامکم بہ تلک العلامۃ سلمناھا لہ من غیر قتال فارسل المسلمون الی عمر یخبرونہ بذلک فرکب رضی اللہ عنہ راحلتہ وتوجہ الی بیت المقدس وکان معہ غلام لہ یعاقبہ فی الرکوب نوبۃ بنوبۃ وقد تزود شعیرا وتمرا وزیتا و علیہ مرقعۃ لم یزل یطوی القفار واللیل و

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں نے اس شہر مقدس مبارک کا محاصرہ کیا۔ اور محاصرہ کو بہت طول ہوا۔ تو وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ مت تکلیف اٹھاؤ۔ بیت المقدس کو سوا اس شخص کے جس کو ہم پہچانتے ہیں۔ اس کی پہچان ہمارے پاس ہے۔ کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے امام میں وہ علامت موجود ہو تو ہم ان کو بغیر لڑائی کے بیت المقدس حوالہ کر دیں گے مسلمانو نے یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ پس آں جناب اپنے اونٹ پر سوار ہوئے۔ اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جو نوبت بنوبت آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا تھا زاد راہ

النهار الى ان قرب من بيت المقدس فتلقاه المسلمون وقالوا له ما ينبغي ان يرى المشركون امير المؤمنين في هذه الهيئة ولم يزالوا به حتى البسوه لباسا غيرها واركبوه فرسا فلما ركب وجد به الفرس داخله شئ من العجب فنزل عن الفرس نزع اللباس ولبس الموقعة وقال اقيلوني ثم سار في هذه الهيئة الى ان وصل فلما راه المشركون من اهل الكتاب كبروا وقالوا هذا هو فتحوا له الباب۔

آپ کا جوا در چھوہارے اور روغن زیتون تھا۔ لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ رات دن جنگلوں کو طے کرتے ہوئے آپ چلے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ زیبا نہیں ہے کہ کفار امیر المؤمنین کو اس حالت میں دیکھیں۔ اور بہت اصرار کیا۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک دوسرا لباس پہنایا اور ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کیا۔ جب آپ سوار ہوئے اور گھوڑے نے خوش خرامی کی تو آپ کے دل میں کچھ عجب داخل ہوا۔ لہذا آپ گھوڑے سے اتر پڑے اور وہ لباس بھی اتار دیا۔ اور فرمایا کہ مجھے میرا لباس واپس دو۔ چنانچہ وہی پیوند لگا ہوا لباس پہن لیا اور اسی ہیئت میں چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے۔ جب کفار اہل کتاب نے آپ کو دیکھا تو کہا ہاں یہ وہی شخص ہیں اور آپ کے لیئے دروازہ کھول دیا۔

اس واقعہ فتح بیت المقدس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کتب سابقہ میں

حضرت فاروق اعظمؓ کا فاتح بیت المقدس ہونا موعود تھا۔ اور آپ کے اوصاف وعلامات مذکور تھے۔ اور اس قدر مکمل ومفصل تھے کہ علمائے اہل کتاب نے شکل مبارک دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت فاروقؓ اعظم کو بھی اپنی بابت پورا علم اس امر کا تھا۔ ورنہ اطلاع ملتے ہی سفر کے لئے تیار ہو جانا اور تشریف لے جانا ہرگز نہ ہوتا۔ ایران و روم کی لڑائیوں میں خود آپ کو اپنے جانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور صحابۂ کرام سے مشورہ لیں۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ آپ کا دشمن کے مقابلہ میں خلافِ مصلحت قرار دے کر آپ کو اصرار کے ساتھ روکیں۔ اور آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں۔ لیکن سفر بیت المقدس کیلئے آپ اس طرح آمادہ ہو جائیں۔ اور کوئی بھی نہ روکے ضرور ہے کہ آپ کو معلوم تھا۔ اور دوسرے صحابہ بھی جانتے تھے۔ کہ یقیناً بیت المقدس آپ کے جانے سے فتح ہو جائے گا۔ اور لوگ آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ کہ یہی وہ خلیفہ موعود ہیں۔ جن کے ہاتھ پر فتح بیت المقدس مقدر ہے۔

مخالفین صحابہ کرام کہتے ہیں

کہ اس آیت میں ارض سے مراد تمام روئے زمین ہے۔ اور یہ پیشین گوئی امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہوگی۔ علامہ محسن کاشی تفسیر صافی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یرثہا عبادی الصالحون	یرثہا عبادی الصالحون کے متعلق
قال رای القمی، القائم و	قمی نے کہا ہے کہ قائم یعنی امام
أصحابہ وفی المجمع عن	مہدی اور ان کے اصحاب مراد
الباقر فی قولہ أن الارض	ہیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں
یرثہا عبادی الصالحون	امام باقر سے ان الارض یرثہا

قال اصحاب المہدی فی آخرالزمان ۔ عبادی الصالحون کے متعلق منقول ہے کہ اس سے امام مہدی کے اصحاب ہیں جو آخر زمانے میں ہوں گے۔

اس کے سوا اس آیت میں ان صاحبان کے پاس اور کچھ جواب نہیں ہے۔

اہل سُنت کہتے ہیں !

کہ اس آیت میں کوئی لفظ یا کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے۔ جس سے یہ مفہوم ہو سکے کہ یہ وعدہ آخر زمانے میں پورا ہوگا۔ بلکہ آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے۔ کہ یہ آیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو خوشخبری دینے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی ایسی چیز کی خوشخبری لوگوں کو سنانا جو ان میں سے کسی کو ملنے والی نہیں بلکہ صدیوں بعد اس کا ظہور مقرر ہے۔ سخت فریب و دغا ہے جس سے کلام الٰہی پاک ہے۔

یہ خرابی اس وجہ سے پیش آئی کہ لفظ ارض سے پوری زمین مراد لی گئی حالانکہ یہ مراد قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ ایسے مواقع پر لفظ ارض آیا ہے۔ اور اس سے مراد تمام زمین نہیں ہے۔ بلکہ بقرینہ مقام خاص زمینیں مراد ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔ سورۃ یوسف میں ہے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ ۔ یعنی ہم نے یوسف کو زمین میں تمکین دی۔ یہاں

ۓ تفسیر امام ابن جریر طبری میں امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ وہ فرماتے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ ارض سے تمام زمین جن لوگوں نے مراد لی ان کو آیت میں بے جا تاویلات کرنی پڑیں۔ ۱۲

تمام زمین کسی طرح مراد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بالاتفاق بقرینہ مقام مصر کی زمین مراد ہے۔

سورہ قصص میں ہے۔ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ زمین میں کمزور سمجھے گئے ہیں ان پر احسان کریں۔ اور ان کو امام بنائیں۔ اور ان کو وارث بنائیں۔ اور زمین میں ان کو جگہ دیں۔ اس آیت میں زمین سے مراد زمین مصر ہے۔ کیونکہ قرینہ مقام اسی کو چاہتا ہے۔

سورہ اعراف میں ہے۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا یعنی ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی (یعنی بنی اسرائیل کو) زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا وارث بنا دیا۔ جس میں ہم نے برکت دی تھی۔ یہاں بھی زمین سے مراد مصر کی زمین ہے۔

آیہ استخلاف اور آیہ تمکین میں بھی ارض کا لفظ ہے۔ اور وہاں زمین سے مراد ایران و روم کی زمین ہے۔ جیسا کہ آیہ استخلاف میں ہم تفاسیر شیعہ سے نقل کر چکے ہیں۔ پس اسی طرح آیت مبحوثہ میں بقرینہ مقام لفظ ارض سے ملک شام کی زمین مراد ہونی ضروری ہے۔ اور وہ قرینہ یہ ہے کہ زبور اور توریت جس سرزمین میں نازل ہوئی تھیں۔ وہاں کے لوگ زمین کے لفظ سے اپنی ہی زمین سمجھ سکتے تھے۔

اچھا ہم اس سبب سے درگذر کرتے ہیں۔ اور مخالفین کو اختیار دیتے ہیں۔ کہ لفظ ارض سے جو زمین چاہیں مراد لیں۔ مگر کلام الٰہی کو فریب کے عیب سے محفوظ رکھ کر کوئی ایسا مطلب آیت بیان کر دیں۔ جس سے حضرات خلفائے ثلثہ میں سے کوئی مصداق اس آیت کا نہ بنے۔ مگر یہ بات حضرات

مخالفین کے امکان سے باہر ہے ۔ چاہے کلام الٰہی کی تکذیب ہو جائے چاہے کیسا ہی اعتراض کلام الٰہی پر آ جائے ۔ مگر حضراتِ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت ثابت نہ ہو ۔ معاذ اللہ من ذلک العنادالی ۔

یہ آیت میراث ارض آیت معیت یعنی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی ہم مضمون ہے ۔ اس آیت میں بھی حق تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ توریت و انجیل میں کیا ہے ۔

فصل سوم

روایات جو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی جا سکتی ہیں ۔ بہت ہیں ، جن کا ایک بڑا ذخیرہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں ذکر فرمایا ہے ۔ اسی سے منتخب کر کے چند روایات یہاں لکھی جائیں گی ۔ پہلے ایک تاریخی واقعہ لکھا جاتا ہے ۔

ایک تاریخی واقعہ

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے تو ایک عیسائی عالم آپ کے پاس آیا اور آپ کو ایک تحریر دی ۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ مال نہ عمر رضی اللہ عنہ کا ہے نہ عمر کے بیٹے کا ۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ جواب نہیں آیا اور نہ آ سکتا تھا ۔ لہٰذا حضرتِ ممدوح نے پورا واقعہ ان کو سنایا ۔ فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک تجارتی قافلہ کے کے ہمراہ میں ملکِ شام گیا تھا ۔ میں اپنی کوئی چیز بھول گیا ۔ اس کے لینے کے لئے واپس ہوا ۔ پھر جو گیا تو قافلہ کو نہ پایا ۔ ایک پادری نے مجھے

ایک پھاوڑا دیا۔ اور ایک ٹوکری دی۔ اور کہا کہ اس مٹی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں ڈال دو۔ یہ کہہ کر گرجا کا دروازہ باہر سے بند کر کے چلا گیا۔ مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ جب وہ دوپہر کو آیا اور اس نے مجھے دیکھا کہ میں نے کچھ کام نہیں کیا۔ تو اس نے ایک گھونسہ میرے سر میں مار دیا۔ میں نے بھی اٹھ کر پھاوڑا اس کے سر پر دے مارا۔ جس سے اس کا بھیجا نکل آیا۔ اور میں وہاں سے چل دیا۔ بقیہ دن چلتا رہا اور رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو ایک گرجا کے سامنے میں اس کے سایہ میں آرام لینے کے لئے بیٹھ گیا۔ یہ شخص اس گرجا سے باہر نکلا اور مجھ سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا ہوں۔ پھر یہ شخص میرے لئے کھانا اور پانی لایا۔ اور سر سے پیر تک خوب غور سے مجھے دیکھا۔ اور کہا کہ تمام اہل کتاب جانتے ہیں کہ آج مجھ سے بڑا کوئی عالم کتب سابقہ کا روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس وقت یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ وہی شخص معلوم ہوتے ہیں جو اس گرجا سے ہمیں نکالے گا۔ اور اس شہر پہ قابض ہو گا۔ میں نے کہا کہ اے شخص تیرا خیال نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ میں نے کہا عمرؓ بن خطاب تو یہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم آپ ہی وہ شخص ہیں اس میں کچھ شک نہیں۔ لہذا آپ مجھے ایک تحریر لکھ دیجئے۔ اس گرجا کو میرے نام واگذار کر دیجئے۔ میں نے کہا اے شخص تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس کو مسخرا پن کر کے ضائع مت کر۔ مگر اس نے نہ مانا۔ آخر میں نے اس کو ایک تحریر لکھ دی۔ اور مہر کر دی آج یہ اسی تحریر کو لے کر میرے پاس آیا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ مال نہ میرا ہے نہ میرے بیٹے کا میں کیسے دے سکتا ہوں (ازالۃ الخفاء بحوالہ دینوری و ابن عساکر) اب دو ایک روایات دیکھئے۔

(۱) اخرج ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن کعب قال کان اسلام ابی بکر الصدیق سببہ بوحی من السماء وذلک انہ کان تاجرا بالشام فرای رؤیا فقصہا علی بحیراء الراھب فقال لہ من این انت قال من مکۃ قال من ایہا قال من قریش قال فایش انت قال تاجر قال صدق اللہ رؤیاک فانہ یبعث نبی من قومک تکون وزیرہ فی حیاتہ وخلیفتہ بعد موتہ فاسرھا ابوبکر حتی بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءہ فقال یا محمد ما الدلیل علی ما تدعی قال الرؤیا التی رأیت بالشام فعانقہ وقبل ما بین عینیہ

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کعب احبار سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کا سبب ایک وحی آسمانی تھی۔ وہ ملک شام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک خواب دیکھا۔ جس کو بحیرا راہب سے بیان کیا اس نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا مکہ۔ اس نے پوچھا کس قبیلہ کے ہو؟ آپ نے فرمایا قریش اس نے پیشہ پوچھا آپ نے فرمایا تاجر تو اس نے کہا اللہ تعالٰی نے آپ کو سچا خواب دکھلایا۔ آپ کی قوم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے۔ ان کی زندگی میں آپ ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد آپ ان کے خلیفہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو پوشیدہ

وقال اشهد انك رسول الله ط

رکھا یہاں تک کہ نبی صلی علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو ابوبکرؓ آپ کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ آپکے دعویٰ کی کیا دلیل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ خواب جو تم نے ملک شام میں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے معانقہ کیا۔ اور آپکی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔

اسی مضمون کو شیعہ راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ صرف اسقدر تصرف کیا ہے۔ کہ راہب کے بجائے ان لوگوں نے کاہن کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ باذل شیعی اپنی کتاب حملۂ حیدری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کے بیان میں لکھتے ہیں:-

ابا بکر ازاں پس برہ پا گزاشت — کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
باد کاہنے وادہ بود ایں خبر — کہ مبعوث گردد یکے نامورا
زبطحا زمین درہمیں چند گاہ — بود خاتم انبیائے الٰہ
تو با خاتم انبیاء بگروی — چو او بگذرد جانشینش شوی
زکاہن چو بودش بیاد ایں نوید — بیاورد ایمان نشاں چوں بدید
وزاں پس بتدریج چند دگر — نبی را بفرماں نہاد ند سر

(۳۶۶) اخرج ابن یعلی والطبرانی فی الاوسط وابن العساکر والحسن بن عرفة فی جزئته المشهورة عن ابی هريرة قال قال رسول الله علیہ وسلم

ابو یعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ابن عساکر اور حسن بن عرفہ نے اپنے جزء مشہور میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شب

ليلة عرج بي الى السماء ما مررت بسماء الا وجدت اسمي فيها مكتوبا محمد رسول الله وابوبكر الصديق خلفي ـ

کو مجھے معراج ہوئی۔ جس آسمان پر میرا گذر ہوا۔ میں نے اس میں اپنا نام لکھا ہوا پایا۔ محمد رسول اللہ اور اپنے نام کے پیچھے ابوبکر صدیقؓ کا نام دیکھا۔

(۱۳) اخرج الدارقطني في الافراد والخطيب و ابن العساكر عن ابي الدرداء عن النبي صلى الله عليه وسلم قال رايت ليلة اسري بي في العرش فرندة خضراء فيها مكتوب بنور ابيض لا اله الا الله محمد رسول الله ابوبكر الصديق عمر الفاروق ـ

دارقطنی نے افراد میں اور خطیب اور ابن عساکر نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شب مجھے معراج ہوئی میں نے عرش میں ایک سبز جواہر دیکھا جس میں سفید نور سے لکھا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق عمر الفاروق ـ

(۱۴) اخرج الحاكم عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اللهم اعز الاسلام بعمر ـ

حاکم نے ابن عساکر سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ یا اللہ اسلام کو عمر رضی اللہ عنہ سے عزت دے۔

یہ دعا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروایات مختلفہ متعدد صحابہؓ سے منقول ہے۔ ازاں جملہ حضرت عائشہؓ سے ابن ماجہ میں اور حضرت ابن عمرؓ سے ترمذی میں اور حضرت ابن مسعودؓ سے مستدرک حاکم میں مروی ہے۔

(۵) عن ابن مسعود مازلنا اعزة منذ اسلم عمرؓ فی روایته واللہ ما استطعنا ان نصلی عند الکعبة ظاهرین حتی اسلم عمر (مستدرک حاکم)	ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم لوگوں کی عزت بڑھی جب سے عمرؓ اسلام لائے۔ اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس علانیہ نماز بھی نہ پڑھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ عمرؓ اسلام لائے (مستدرک حاکم)
(۶) اخرج ابن ماجة من حدیث عوام بن جوشب عن ابن عباس قال لما اسلم عمر نزل جبریل فقال یا محمد لقد استبشر اهل السماء باسلام عمر۔	ابن ماجہ نے عوام بن جوشب سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب عمرؓ اسلام لائے۔ تو جبرئیل نازل ہوئے۔ اور انہوں نے کہا اے محمدؐ آسمان والے عمرؓ کے مسلمان ہونے سے خوش ہوئے
(۷) عن ابن عمر وابی هریرة قالا قال رسول اللہ علیه وسلم بینا انا نائم رأیتنی علی قلیب علیها دلو فنزعت منها	حضرت ابن عمر اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں اپنے کو ایک کنوئیں پر دیکھا۔ اور اس میں سے جس

ماشآء الله ثم اخذها ابوبكر فنزع ذنوبا او ذنوبين و في نزعه ضعف والله يغفر له ثم جاء عمر فاستقى فاستحالت غربا فلم ار عبقريا من الناس يفري فريه حتى ضرب الناس وضربوا العطن (صحيحين)

قدر ڈول خدا کو منظور تھے بھرے پھر اس ڈول کو ابوبکرؓ نے لے لیا اور ایک ڈول یا دو ڈول انہوں نے بھرے ان کے بھرنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ اس کو معاف کرے۔ پھر عمرؓ آئے۔ اور بھرنے لگے۔ وہ ڈول ان کے ہاتھ میں جاکر پر بن گیا۔ میں نے کسی طاقتور کو نہیں دیکھا کہ ان کے مثل طاقت سے کام کرتا ہو۔ یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

یہ حدیث خلافت کی پیشین گوئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی کمزوری سے اشارہ ان کی نرم دلی کی طرف ہے۔ (واللہ اعلم)

(۸) عن سعد بن ابي وقاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابن الخطاب والذي نفسي بيده مالقيك الشيطان سالكا فجا الا سلك فجا غير فجك (صحيحين)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب تم کو شیطان کسی راہ میں جاتا ہوا دیکھتا ہے۔ تو اس رستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں چلنے لگتا ہے۔

(۹) عن عقبة بن عمر

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر (اخرجہ الترمذی والحاکم)

ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے (ترمذی حاکم)

ISLAMIC RESEARCH INSTITUTE
LIBRARY

تفسیر

آیتِ معیّت

جس میں

سورۂ فتح کی آیتِ معیّت یعنی مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کا خلیفۂ برحق اور محبوبِ پروردگار ہونا اور ان کی خلافتوں کا قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہونا ثابت کرکے منکرین پر حجت قائم کی گئی ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

گیارھویں آیت آیتِ معیت سورۂ فتح چھبیسواں پارہ ٢٦

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَ
الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ
لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں کافروں پر سخت ہیں۔ اور اپنے آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے۔ چاہتے ہیں وہ بخشش اللہ کی طرف سے اور اس کی خوشنودی (نشانی ان کے مقبول ہونے کی) ان کے چہروں میں نمودار ہے توریت میں اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے۔ کہ وہ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے اپنا اکھوا نکالا۔ پھر اسکو مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹا ہوا اور اپنی ڈنڈی کے بل کھڑا ہوگیا۔ خوش کرتا ہے کسانوں

عَظِیۡمًا ۔ کو رہے مثال بیان کی تاکہ غصہ
دلائے بسبب ان کے کافروں
کو وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے
اور اچھے کام کیئے بخشش اور بڑے ثواب کا۔

توضیح

یہ آیت قرآن مجید کی اس صفائی و صراحت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب بیان کر رہی ہے کہ جس کا قرآن مجید پر ایمان ہو۔ جو قرآن مجید کو کلام خدا کا جانتا ہو۔ اس کو صحابہ کرامؓ کے عظمت و فضیلت میں ذرہ برابر شک نہیں ہو سکتا۔ اور یقیناً اس آیت کے سُننے کے بعد ان کے تقدس کا انکار کرنے کو وہ بدترین کفر سمجھے گا۔

اگر یوں اعتبار نہ ہو تو کسی ایسے غیر مسلم کو جو مخالفین کے وجود اور ان کے اختلافات سے واقف نہ ہو۔ اس آیت کا ترجمہ سُنا دو۔ پھر اس سے کہو کہ کلمہ گویان اسلام میں ایک فرقہ ایسا ہے۔ جو ہمراہیان پیغمبرؐ کے فضائل کا منکر ہے۔ بلکہ ان کو بدترین خلق جانتا ہے۔ پھر دیکھو کہ وہ غیر مسلم کس قدر متحیر ہوتا ہے۔ یقیناً وہ کبھی اس کو باور نہ کرے گا۔ وہ صاف کہہ دیگا کہ قرآن مجید پر مسلمانوں کے دین و ایمان کی بنیاد ہے۔ میں اس کو نہیں مان سکتا۔ کہ جو بات قرآن مجید میں اس قدر صاف بیان کی گئی ہو۔ اس کے خلاف کسی مسلمان کا عقیدہ ہو سکتا ہے۔

یہ آیت اسی سورۂ فتح کی آخری آیت ہے۔ جس کی ایک آیت (دعوت اعراب) کی تفسیر پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں مفصل بیان کر چکا

ہوں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ صلح حدیبیہ کی مغلوبانہ صلح ہے چونکہ صحابہ کرامؓ کے دل بے چین ہو گئے تھے۔ لہٰذا اس پوری سورت میں شروع سے آخر تک عجیب طریقہ سے ان کی دلداری اور دلاری کی گئی ہے۔ کہیں ان کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ کہیں ان کو فتح و نصرت کے وعدے دیئے گئے۔ ان کے دشمنوں کو ان کے ہاتھوں سے ذلیل کرنے کی خوش خبری سنائی گئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان بدوؤں کو تہدید و تنبیہہ بھی کی گئی۔ جو سفر حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب نہ گئے تھے۔

آیت دعوتِ اعراب کی تفسیر میں جو تفصیل اس مضمون کی بیان کی گئی ہے اور جو آیتیں اس سورت کی فضائل صحابہؓ کے متعلق نقل کی گئی ہیں ان کو اس موقع پر پھر دوبارہ ذکر کرنا بے ضرورت ہے۔ لیکن ناظرین کو چاہیئے کہ پہلے اس کو دیکھ لیں۔ اس کے بعد تفسیر مذا مطالعہ کریں۔

تفسیر

اس آیت میں حق تعالیٰ نے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک لے کر آپ کی صفت رسالت کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد آپ کے صحابہ کرامؓ کے فضائل بیان فرمائے۔ شانِ نزول سے جو اوپر مذکور ہے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فضائل ان صحابہ کرامؓ کے ہیں جو سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں اختصار سے کام لیا گیا۔ اور صحابہ کرامؓ کے فضائل میں خوب طول دیا گیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ لفظ رسول اللہ اگرچہ مختصر ہے

مگر تمام فضائل و کمالات کے دریا اس کوزہ میں بند ہیں۔ کوئی تطویل بھی اس اختصار کو نہیں پا سکتی اور یا یہ وجہ ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ کہ جس استاد کے شاگردوں کے یہ فضائل ہیں۔ بھلا اس استاد کے تفضیل تم کیا سمجھ سکتے ہو۔

یا یوں سمجھو کہ اصل مقصود تو صحابہؓ کرام کی تعریف ہے۔ مگر مقتدیوں کی تعریف سے پہلے ان کے امام کی تعریف کر دی گئی۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ ان مقتدیوں کے کمالات اس امام کے طفیل ہیں۔

ایک لطف اس آیت میں یہ بھی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی بڑی بھاری زبردست دلیل عجیب حسن بیان کے ساتھ ظاہر فرمائی۔ گویا محمد رسول اللہ ایک دعویٰ اور الذین معہ سے لے کر آخیر تک اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قرآن مجید میں چار قسم کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ اگلی پیشین گوئیاں آپ کے معجزات آپ کی پاکیزہ تعلیمات آپ کے شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ کے کمالات اس آیت میں یہی چوتھی قسم کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔

درحقیقت ایک پیغمبرؐ کے اصحاب کا باکمال ہونا بڑی زبردست دلیل اس پیغمبر کی پیغمبری کی ہے۔ ہر خاص و عام اس دلیل سے یکساں نتیجہ نکال سکتا ہے۔ عامی سے عامی شخص کسی استاذ کو کسی علم و فن کی کتابیں پڑھاتے ہوئے کسی امر کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھے۔ اور جو لوگ اس کے زیر تعلیم ہوں ان میں کمال محسوس کرے۔ تو اس کو بلا تردد یقین ہو جاتا ہے۔ کہ یہ استاد اپنے فن میں کامل ہے۔

یا پیغمبر کو ایک روحانی طبیب سمجھو ایک گنوار سا گنوار بھی کسی شخص کو مریضوں کا علاج کرتے ہوئے دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ جتنے مریض اس کے زیر علاج آئے۔ سب شفا پاگئے۔ یقین کر لیتا ہے۔ کہ بلاشک یہ علاج کرنے والا طبیب حاذق اور اپنے فن کا بڑا باکمال اور دست شفا رکھتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے فضائل اس آیت میں دونوں قسم کے بیان فرمائے۔ ان کے معاملات جو اپنے بنی نوع کے ساتھ ہیں۔ پھر وہ معاملات جو خدا کے ساتھ ہیں پہلے قسم کے معاملات میں فرمایا کہ کافروں پر سخت ہیں۔

اور ایمان والوں پر مہربان ہیں ۔ بظاہر دو جزئی فضیلتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان میں بھی کچھ زیادہ اہمیت نظر نہیں آتی ۔ لیکن غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جزئی فضیلت نہیں ہے ۔ بہت بڑی بات ہے جو بیان فرمائی گئی ۔ انسان میں دو قوتیں ہیں ۔ ایک قوت غضبیہ دوسری قوت شہوانیہ۔ جتنے حرکات و سکنات انسان سے صادر ہوتے ہیں وہ انہیں دو قوتوں میں سے کسی قوت کے ماتحت ہوتے ہیں اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ صحابہ کرام رضی کی یہ دونوں قوتیں شریعت کے قبضہ میں ہیں ۔ خدا کا حکم ہے کہ قوتِ غضبیہ سے کافروں کے مقابلہ میں کام لیا جائے یہ حضرات ایسا ہی کرتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی انسان کی دونوں قوتیں شریعت کی محکوم ہوگئی ہوں تو ان سے پھر خلاف شریعت کسی کام کا صادر ہونا مشکل ہے ۔

بتقریر دیگر یوں سمجھو کہ دو چیزیں ہیں غصہ اور محبت جو کم کسی انسان کے قبضہ میں آتی ہیں ۔ بلکہ بڑے سے بڑا طاقتور انسان ان دونوں سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ ہر امر ناکردنی کر گزرتا ہے ۔ غصہ کی تعریف میں سعدی کہتے ہیں ؎

ندیدم چنیں دیو زیر فلک کہ از وے گریزند چندیں ملک

اور محبت کی طاقت و فرماں روائی کو تمام دُنیا جانتی ہے ۔ بہت بڑی بات ہے کہ کوئی شخص ان دونوں چیزوں پر قابو پا جائے اپنے باپ یا اپنے پیارے بیٹے کے قاتل کو پائے اور اس پر غصہ نہ کرے ۔ اس لئے کہ یہ اب مسلمان ہو گیا ہے ۔ اپنے بھائی یا بیٹے سے نفرت و شدت کا برتاؤ کرے ۔ محض اس لئے کہ وہ کافر ہیں ۔ اور اگر کوئی انسان ان دونوں چیزوں پر حاوی ہو جائے ۔ غصہ اور محبت کی حالت میں بھی اس سے خلاف شریعت فعل صادر نہ ہو ۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ دوسری حالتوں میں بدرجۂ اولٰے پیروی شریعت کرے گا ۔

ان دونوں صفتوں کی تخصیص اس لئے بھی فرمائی ۔ کہ ان کے استحقاق

خلافت کا بھی اظہار ہو جائے۔ خلافت کا بڑا مقصد اقامت جہاد ہے۔ اور جہاد کا انتظام اور اس کی کامیابی انہیں دو صفتوں پر موقوف ہے کہ دشمنوں کو مرعوب و مقہور کرے۔ اور اپنوں کے دلوں میں اپنی محبت و الفت قائم۔

دوسرے قسم کے معاملات جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کو اصطلاحِ شریعت میں عبادات کہتے ہیں۔ ان میں جو سب سے بڑی چیز ہے اس کو منتخب فرمایا۔ یعنی ان کی نمازِ کی کثرت اور اس عبادت میں ان کی مشغولیت بیان فرمائی۔ کہ جب یہ عبادت ان کی ایسی پسندیدہ ہے تو دوسری عبادات ان کی بدرجہ اولی کامل و مکمل ہوں گی۔ نماز کے اجزا میں دو رکن اعظم یعنی رکوع اور سجود کو ان کے تذکرہ میں مخصوص فرمایا۔ کہ جس کا رکوع و سجود عمدہ ہوگا۔ اس کے باقی ارکان کا کیا پوچھنا۔

ذرا دیکھو تو یہ قسمت کس بندے کی ہو سکتی ہے۔ کہ مالک اس کے رکوع و سجود کو پسند فرمائے۔ اور پسند بھی اس درجہ کہ اپنی کتاب پاک میں اس کا ذکر فرمائے۔ جو رات دن تلاوت کی جائے۔ اور تمام کائنات میں اس کا اعلان ہوتا رہے۔ کہ کچھ بندے خدا کے اس زمین پر ایسے بھی تھے۔ جن کی عبادت مالک کو اس قدر پسند تھی۔ اب یہ دولت کس کو نصیب ہو سکتی ہے۔ اے اصحاب نبی یہ خدا داد انعام آپ کو مبارک۔ طوبیٰ لکم ثم طوبیٰ لکم۔

دونوں قسم کے فضائل جو کہ اعمال سے تعلق رکھتے ہیں بیان فرما کر ان کے خلوص نیت کی بھی گواہی دی ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ بغیر خلوص نیت کے بے کار ہے۔ لہذا فرمایا کہ ان کی نیت سوا ہماری بخشش اور خوشنودی حاصل کرنے کے کچھ نہیں ہے۔

اب بیان فضائل کا تو کامل ہو چکا۔ کوئی بات اب باقی نہیں ہے۔ لیکن طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے محاسن اور کمالات کے بیان

کرتے سے حضرت متکلم جل شانہ کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی۔ لہذا ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ان کے محبوب الٰہی اور مقرب بارگاہِ ایزدی ہونے کی علامت ان کے چہروں میں نمودار ہے۔ گویا فرمایا کہ صورت بیں حالت مپرس۔

مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی صحابی کسی مجمع میں بیٹھے۔ دور سے پہچان لیے جاتے اپنے چہرہ کے نور سے۔

پھر ایک نفیس بات یہ ہے۔ کہ ان کے چہروں کے نورانی ہونے کا سبب ان کی صحابیت یا ہجرت یا قتال فی سبیل اللہ یا کسی اور فضیلت کو قرار نہ دیا گیا۔ بلکہ ان کے مخلصانہ سجدہ کو اس کا نورانی منشا قرار دیا۔ ان کی پیشانی میں دروازہ نور کا کھول دیا۔ کہ آج بھی جس کا جی چاہے اپنے چہرہ کو نورانی بنائے مگر جیسا سجدہ ہوگا۔ ویسا ہی نور چہرہ میں پیدا ہوگا۔ نہ صحابۂ کرام کا جیسا مخلصانہ سجدہ اب کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ نہ وہ نور مل سکتا ہے۔ جیسی دوا ہوگی۔ ویسا اثر ہوگا۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے۔ کہ سجدہ سے یا خدا کے ذکر اور عبادت سے جو نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ باطن میں ہوتا ہے۔ اس کو چہرہ سے کیا تعلق۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ بیشک یہ بات سچ ہے۔ نور عبادت کا تعلق باطن ہی سے ہے۔ مگر انتہائی حالت میں جب کہ باطن انوار عبادت سے لبریز ہو چکتا ہے۔ تو پھر کچھ حصہ ان انوار کا موج زن ہو کر ظاہر پر بھی آجاتا ہے۔ جب کوئی خدا کا مخلص بندہ اس رتبہ پر پہنچتا ہے۔ تو اس کو اپنے حق میں یہ کہنا زیبا ہے کہ ع

ظاہر و باطن ہمہ نذر و نیاز عشق شد

اس کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ہم نے ان برگزیدہ بندوں کے فضائل توریت و انجیل میں بیان کیئے ہیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ یہ لوگ آج سے ہمارے محبوب نہیں ہوئے۔ بلکہ روز ازل سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ ہم ان کے دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے توریت و انجیل

درد بت زازل آمد تا عمر آید باید   کس شکر گزار و چوں ایں دولت سرمدار

حدیث شریف ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے (روزِ ازل میں) تمام بندوں کے دلوں پر نظر ثانی فرمائی ۔ تو سب سے اچھا پایا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو ۔ لہٰذا ان کو چن لیا ۔ اور اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا ۔ پھر دوبارہ خدا نے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو سب دلوں سے بہتر آپ کے صحابہؓ کے دلوں کو پایا ۔ لہٰذا ان کو اپنے نبی کا وزیر بنایا ۔ تاکہ وہ آپ کے دین کی طرف سے قتال کریں ۔ (ازالۃ الخفاء)

ان سب باتوں کے بعد صحابہ کرامؓ کے بتدریج ترقی کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی ۔ کھیتی کی چار حالتیں بیان فرمائیں ۔

پہلی حالت دانہ سے اکھوے کا نکلنا ۔ یہ حالت آغاز وجود کی ہے ۔ اور نہایت کمزوری کی حالت ہے ۔ یہی حالت صحابہ کرامؓ قبل ہجرت تھی ۔

دوسری حالت اس اکھوے کا مضبوط ہونا جس سے امید پیدا ہو کہ یہ اکھوا ضائع نہ ہوگا ۔ بلکہ درخت بنے گا ۔ یہ حالت بعد ہجرت پیدا ہوئی ۔ ہجرت کرنے سے ظالموں کے ظلم سے رہائی ملی اور آئندہ امیدوں کے اسباب پیدا ہوئے ۔

تیسری حالت ۔ اس درخت کا موٹا ہونا ، یہ حالت شیخینؓ کی خلافت میں حاصل ہوئی ۔ کہ کسریٰ اور قیصر کی سلطنت اور بڑے بڑے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے ۔

چوتھی حالت اس درخت کا اپنی ڈنڈی پر کھڑا ہونا ۔ یہ انتہائی کمال کی حالت ہے ۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاصل ہوا ۔ کہ اطراف و جوانب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر بھی اسلام کا قبضہ ہو گیا ۔ اور ہر جگہ باقاعدہ معلم اور قاضی مقرر ہو گئے ۔ مساجد بھی حسب ضرورت بن گئیں ۔ غرضکہ کوئی حالت منتظرہ کمال کی باقی نہ رہ گئی ۔ کھیتی کی مثال بیان

فرمانے سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

اوّل :۔ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ترقی بتدریج ہو گی۔

دوم :۔ یہ کہ ترقی منتہائے کمال تک پہنچنے کے بغیر نہ رکے گی۔ اس مثال کے بعد فرمایا۔ کہ کسان اپنی کھیتی کو اس طرح ترقی کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کھیتی (یعنی) اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم، کا کسان حق تعالے ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں۔ پھر فرمایا کہ کفار کو غیظ و غصہ دلانا مقصود ہے۔ کیونکہ اس مثال کو سن کر وہ سمجھ لیں گے۔ کہ اہل اسلام کی ترقی کوئی معمولی ترقی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ ترقی ہوگی۔ جو ترقی کا آخری درجہ ہے۔

یہ ترقی چونکہ دنیاوی ترقی تھی۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ ان کے اخروی انعامات بھی بیان فرما دیئے جائیں۔ لہٰذا ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے دو چیزوں کا وعدہ کیا ہے۔

اوّل :۔ مغفرت کا۔ یعنی اگر ان سے کوئی خطا سرزد ہو جائے گی۔ تو وعدہ ہے۔ کہ ہم اس کو بخش دیں گے۔

دوم :۔ اجر عظیم کا۔ کہ آخرت میں بڑے بلند مراتب عطا کریں گے۔ گناہ معاف، نیکیاں مقبول۔ یہ وعدہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں صحابہ کرامؓ سے کیا گیا ہے۔ مہاجرین و انصار دونوں مخاطب بنائے گئے ہیں اور کہیں صرف مہاجرین مثلاً ایک جگہ فرمایا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۔ ترجمہ: ضرور ضرور معاف کروں گا میں ان سے خطائیں ان کی۔ اور ضرور ضرور داخل کروں گا میں ان کو باغوں میں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

شرح الفاظ

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ : اس لفظ کے معنی تو بالکل ظاہر ہیں۔ صرف

یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ معیت کے حقیقی معنی ہیں دو شخصوں یا کئی اشخاص کا ایک جگہ میں ہونا۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ اس آیت میں کوئی جگہ مراد لی جائے کہ اس جگہ میں یہ لوگ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اب خواہ بوجہ شان نزول کے یا بقرینہ سباق مقام حدیبیہ کی ہمراہی مراد لی جائے اور خواہ عام رکھا جائے۔ کوئی تخصیص حدیبیہ کی نہ کی جائے۔ بعض مخالفین کا یہ کہنا کہ یہاں مراد معیت سے معیت دینی ہے۔ یعنی جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دین میں متفق ہوں۔ تاکہ اس آیت کا مصداق حضرت امام مہدی کو قرار دیں بالکل لغو ہے۔ یہ معنی معیت کے مجازی ہیں۔ اور جب تک حقیقی معنی ممکن ہوں۔ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں کھیتی کی مثال بھی اس قول کو رد کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بعض مفسرین نے والذین معہ کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ کو اور اشداء کی تفسیر میں حضرت عمرؓ کو اور رحماء کی تفسیر میں حضرت عثمانؓ کو اور رکعاً سے حضرت علیؓ یبتغون فضلاً کی تفسیر میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو ذکر کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ الفاظ انہیں حضرات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ایک ایک لفظ سے ایک ایک بزرگ مراد ہیں۔ بلکہ اس قسم کی تفسیریں محض بطور مثال کے ہوتی ہیں۔ جس میں جو صفت غالب دیکھی۔ اس صفت کے تحت میں اس بزرگ کا تذکرہ کر دیا۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ کافروں پر ظلم کرتے ہیں۔ بلکہ شدت سے مراد یہ ہے۔ کہ ان کو مرعوب و مقہور رکھتے ہیں یا بقرینہ مقام کفار سے حربی کافر مراد ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ بعض مفسرین نے تورات پر وقف کیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اوپر والا مضمون توریت میں ہے۔ اور کھیتی والی مثال انجیل میں ہے۔ آج بائیبل کے موجودہ نسخے اسی کی تائید کرتے ہیں۔ اور

بعض مفسرین نے انجیل پر وقف کیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ کھیتی والی مثال توریت و انجیل دونوں میں ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ یہ ضمیر منہم کی الذین معہٗ کی طرف نہیں پھر سکتی۔ ورنہ معاذ اللہ کلام میں تعارض ہو جائے گا۔ کیونکہ الذین معہٗ کے جو اوصاف اوپر بیان فرمائے ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ وہ سب کے سب مومن صالح تھے۔ یہ غیر ممکن ہے۔ کہ ان میں کچھ لوگ صالح ہوں۔ کچھ غیر صالح۔ بلکہ یہ ضمیر اس جماعت کی طرف پھر رہی ہے۔ جس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں داخل اسلام ہوئے۔ کھیتی کی مثال سے اسلام کی ترقی اور نئے لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

اِستدلال

اس آیت سے ہمارا استدلال خلافت پر دو طرح سے ہے۔

استدلال اوّل :۔ ان اوصاف سے جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں ظاہر ہے کہ جن کے یہ اوصاف ہوں وہ ظالم و غاصب نہیں ہو سکتے۔ ان کی خلافت ضرور خلافتِ حقہ ہوگی۔ جن کو خدا فرمائے کہ وہ آپس میں مہربان تھے۔ ناممکن ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا حق غصب کریں۔ خلافت کا مستحق کوئی ہو۔ اور خلیفہ بن بیٹھے کوئی۔ اب رہا یہ کہ کیوں کر معلوم ہو۔ کہ یہ اوصاف حضرات خلفائے ثلثہ کو بھی شامل ہیں۔ اس کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے۔ کہ تینوں خلیفہ کا سفر حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونا اور اس معرکہ میں اول سے آخر تک شریک رہنا قطعی و یقینی ہے۔ مخالف موافق سب کو بلا اختلاف تسلیم ہے۔

اس استدلال سے نہایت سہولت کے ساتھ تینوں خلافتوں کا حق

ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ان کی خلافت موعودہ ہونا البتہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بھی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے

استدلال دوم۔ کھیتی کی مثال سے ہے۔ اور اس استدلال سے نہ صرف حق ہونا خلافت کا بلکہ موعودہ ہونا اور نہ صرف موعودہ قرآن بلکہ موعودہ توریت وانجیل ہونا بھی ثابت ہے۔ فیہا لہا من شرف۔

تقریر استدلال کی تین مقدمات پر موقوف ہے۔

پہلا مقدمہ :۔ یہ کہ کھیتی کی مثال سے تین باتیں سمجھی جاتی ہیں۔

(۱) اصحاب پیغمبر کی یا دین اسلام کی ترقی بتدریج ہوگی۔ جس طرح کھیتی کی ترقی بتدریج ہوتی ہے۔

(۲) یہ ترقی انتہائے کمال کو پہنچے گی۔ جس طرح کھیتی میں جب درخت کو استوار کی صفت حاصل ہوجاتی ہے۔ تو نمو کامل ہوجاتا ہے۔ اور اس کے بعد نمو نہیں ہوتا۔

(۳) یہ ترقیات علی الاتصال ہوں گی۔ درمیان میں سکون یا تنزیل کا زمانہ نہ ہوگا۔ جس طرح کھیتی کی ترقی کی حالت ہوتی ہے۔

دوسرا مقدمہ۔ یہ کہ ترقی کے یہ سب مدارج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل نہیں ہوئے۔ آپ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اسلام نے جزیرۃ العرب سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ دو بڑی پرشوکت سلطنتیں کفر کی قائم تھیں۔ ایک ایران کی اور ایک روم کی۔ دنیا میں کفر کی قوت ایسی تھی کہ قرآن مجید کی اسی سورت میں اسکو اولی باس شدید فرمایا۔ ہاں ترقی کا آغاز بے شک آپ کے عہد مبارک میں ہوچکا تھا۔ پس ضروری ہوا کہ ترقی کے باقی مدارج آپ کے زمانے کے بعد پورے ہوں۔ اور اس طور پر پورے ہوں کہ ترقی کا سلسلہ رکنے نہ پائے۔

تیسرا مقدمہ :۔ یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

علی الاتصال یہ تین خلافتیں قائم ہوئیں۔ اور تینوں میں اسلام و مسلمین کا غلبہ ترقی کرتا گیا۔ روم و ایران کی سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ کوئی طاقت کفر کی ایسی باقی نہ رہی جو اسلام کی شوکت کے سامنے سرنگوں نہ ہوئی ہو۔ اور تیسری خلافت کے اختتام پر وہ ترقی رُک گئی۔

ان تینوں مقدمات سے جن میں پہلا مقدمہ تو آیت مبحوثہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور آخری دونوں مقدمات "تاریخ" کے واقعات مسلمۃ الکل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ نتیجہ صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ آیت اور اس کی پیشین گوئی جو کھیتی کے مثال کے ضمن میں ہے۔ جبھی صادق ہوسکتی ہے۔ کہ ان تینوں خلافتوں کو خلافت حقہ مانا جائے۔ اور ان کے زمانے میں جو ترقی اسلام کو ہوئی اس کو موعودہ ترقی تسلیم کیا جائے۔

اعتراضاتِ مخالفین

مخالفین نے جو اعتراضات اس استدلال پر کئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وہ اس آیت کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔
کہتے ہیں۔ کہ ہم اس بات کو نہیں تسلیم کرتے۔ کہ اہل حدیبیہ میں یہ اوصاف موجود تھے۔ جو آیت میں مذکور ہیں۔ ان میں باہم خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ قتل و قتال کا بازار گرم ہوا۔ پھر وہ کیوں کر رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کے مصداق کہے جاسکتے ہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں دو جنگیں جمل اور صفین کی پیش آئیں۔ جن میں دونوں طرف صحابہ کرامؓ خصوصاً اہل حدیبیہ موجود تھے۔

جواب:۔ اس کا اولاً یہ کہ اگر مخالفین کو قرآن مجید کی تکذیب منظور نہ تھی تو چاہیئے تھا۔ کہ اس آیت کا مصداق وہ خود بتاتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں کسی اور جماعت کا نام لیتے۔ جو ان اوصاف

کی مصداق ہوتی۔ اور پھر اس کو ترقی و غلبہ بھی حاصل ہُوا ہوتا۔ جو کھیتی کی مثال میں مذکور ہے۔

ثانیاً یہ کہ اہل حدیبیہ کے باہم لڑائی کے واقعات صحیح بھی ہوں۔ تو ان میں اتنی طاقت کہاں۔ کہ قرآن شریف کا مقابلہ کر سکیں۔ ایک سچے ایماندار کو مشاہدات تو خود قرآن کریم سے ہٹا نہیں سکتے۔ روایات کا ذکر کیا۔

ثالثاً ۔ یہ کہ اہل حدیبیہ کی باہم لڑائی کا صرف ایک ہی واقعہ ہے۔ (جنگ جمل کا) جنگ صفین میں باہم اہل حدیبیہ کا مقابلہ نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل حدیبیہ میں نہیں ہیں۔ جنگ جمل کے متعلق تاریخی کتابوں میں دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ لڑائی دھوکہ دھوکہ میں شروع ہو گئی تھی۔ لڑنے کا ارادہ طرفین میں سے کسی کا بھی نہ تھا۔ پھر اس اتفاقی لڑائی سے ان کی صحبتوں میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ حضرت علیؓ کا حضرت زبیرؓ کے قاتل ابن جرموز کو دوزخ کی بشارت سنانا اور یہ کہنا کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اے علیؓ زبیر کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دینا۔ نیز حضرت علیؓ کا حضرت طلحہؓ کی لاش مبارک پر پہنچ کر یہ فرمانا کہ اے کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا اور حضرت طلحہؓ کے ہاتھ کو چومنا اور یہ فرمانا کہ یہ وہ ہاتھ ہے۔ جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے مصائب کو دفع کیا ہے۔ غرضکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ اس اتفاقی لڑائی نے ان کی باہمی محبتوں میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ سچ یہ ہے کہ ان دو لڑنے والوں میں جو محبت و اُلفت تھی۔ آج دو حقیقی بھائیوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ کیا سچ کہا ہے۔ کہ:

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا ۔ خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا

مخالفین اس آیت میں بہت حیران ہیں کہ کیا کریں۔ ان کے مذہب کی ساری بنیاد اسی پر ہے۔ کہ اہل حدیبیہ میں باہم بغض وعداوت ثابت ہو۔ حضرت علی اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں دشمنی اور سخت دشمنی تسلیم کی جائے لیکن یہ آیت اس بنیاد کو نیست و نابود کئے دیتی ہے۔ عجب مذہب ہے۔ جس کی بنیاد دوسروں کی عداوت پر ہے۔ عجب ملت ہے۔ جس کی بھلائی دوسروں کی برائی پر موقوف ہے۔

آیت کی تفسیر ختم ہو چکی۔ اب ہم چاہتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس تفسیر کے متعلق ہدیۂ ناظرین کر دیں۔ ممدوح ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔

اللّٰهُ تعالیٰ فِیْ سُوْرَۃِ الْفَتْحِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ

(چھٹی آیت) اللہ تعالیٰ نے (اسی) سورۂ فتح (چھبیسویں پارہ) میں فرمایا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر خدا ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں سخت ہیں کافروں پر مہربان ہیں باہم (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے ان کو رکوع کرنیوالا اور سجدہ کرنیوالا طلب کرتے ہیں بخشش کو خدا سے اور خوشنودی کو علامت ان (کے نیک ہونے) کی ان کے چہروں میں (ظاہر) ہے سجدوں کے نشان سے یہ (جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے) ان کی

الْكُفَّارَ ۚ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۔

(وہ) حالت ہے جو توریت میں (بیان ہوئی) اور (ان کی (وہ حالت ہے (جو) انجیل میں (بیان ہوئی ہے، یہ لوگ مثل اس کھیتی کے ہیں جس نے نکالا اپنا انکھوا پھر اس کو قوی کیا اس نے پھر وہ فربہ ہو گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا اپنی ڈنڈی پہ۔ کاشت کاروں کو خوش کرتا ہے (غلبۂ اسلام کی حالت) کا انجام یہ ہے کہ غصہ میں لائے خدا بسبب ان کے کافروں کو۔ وعدہ دیا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک کام کیئے۔ اُمت محمدیہ سے بخشش کا۔

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغامبر خدا است۔ و آنکہ ہمراہ اویند سخت اند بر کافراں و مہربان اند در میان خود ہا مے بینی اے بیننده ایشاں را رکوع کننده و سجده نمائنده مے طلبند بخشائش از خدا و خوشنودی را علامت صلاح ایشاں است از اثر سجده آنچہ مذکور میشود داستان ایشان است در توریت۔ و داستان ایشاں است در انجیل۔ ایشان مانند زراعتی ہستند کہ برآورده است

یہ کلام خاص انہیں مخلصوں کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے ہے جو سفر حدیبیہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور ان کے تمام فرقوں پر غالب آجانیکی بشارت بھی ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ۔ جب اس گروہ کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو اس گروہ کے سردار کا ذکر بھی ضروری ہے۔ (لہذا ابتداء آں حضرت صلعم سے کی گئی۔ اور آپ کی تعریف

گیاہ سبز خود را پس قوت داد آں را پس بالیستاد بر ساقہائے خود بشگفت مے آرد زراعت کنندگان را اعانت حال غلبۂ اسلام آنست کہ بخشم آرد خدائے تعالیٰ بسبب ایشاں کافراں را وعدہ دادہ است خدا تعالیٰ آناں را کہ ایمان آوردہ اند و کار ہائے شائستہ کردند۔ ازیں اُمت آمرزش بزرگ سوق کلام برائے تشریف آں مخلصاں است۔ کہ سفر حدیبیہ ہمراہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند لبشارت بغلبہ ایشاں بر جمیع امم قولہ تعالیٰ محمد رسول اللہ۔ چوں سخن در رسالت ایں قوم افتاد لازم شد اولاً ذکر امام ایشاں و در ستودن پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کلمہ اکتفا کردہ شد کہ محمد رسول اللہ یعنی کدام فضیلت است کہ در ضمن رسول اللہ نیامدہ و کل الصید فی جوف الفرا قولہ والذین معہ مراد

میں صرف اسی ایک کلمہ رسول اللہ پر قناعت کی گئی جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ کوئی فضیلت ایسی نہیں ہے۔ جو (لفظ) رسول اللہ کے ضمن میں نہ آ گئی ہو (مثل ہے کہ) جتنے شکار ہیں سب گورخر کے پیٹ میں ہیں۔ اسی طرح وصفِ رسالت کے مقابلہ میں باقی اوصاف کی حالت) وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ مراد اس سے وہی لوگ ہیں جو سفر حدیبیہ میں آں جناب کے ہمراہ تھے کیونکہ (اوّل) تو اوپر سے کلام انہیں لوگوں کی تعریف میں چلا آ رہا ہے (دوسرے) معیت کے معنی حقیقی کسی مقام میں ساتھ ہونے یا کسی سفر میں ساتھ ہونے کے ہیں (اس کے علاوہ دوسرے قسم کی معیت) مثلاً معیت دینیہ معنی مجازی ہیں۔ اور جب تک حقیقی معنی بن سکیں۔ مجازی معنی مراد نہیں لئے جاتے (تیسرے) حدیث مستفیض میں اہل حدیبیہ کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ آشدّاء

ازیں جماعت آنانند کہ سفر حدیبیہ
ہمراہ آں جناب بودند صلی اللہ
علیہ وسلم۔ زیرا کہ سوق کلام
برائے تشریف ایں جماعت
است۔ وحقیقت معیت معیت
در جائے است یا در سفرے
ومعیت دینیہ مثلاً مجاز است۔
ویلتفت الیہ ما دام
للحقیقۃ مساغ در حدیث
مستفیض فضیلت اہل حدیبیہ
آمدہ قولہ اَشِدَّآءُ فضائل
مجموع اند در دو نوع حسن معاملہ
کہ درمیان ابنائے جنس خود
باشد وحسن معاملہ کہ در تہذیب
نفس خود بود۔ خدا تعالیٰ ہر دو
قسم را برائے ایشاں جمع مے
فرمایند درمیان ابنا جنس خود
بایں وضع معاملہ مے کنند۔ کہ
قوت غضبیہ را مقتدای لغضب
الٰہی ساختہ اند ورحمت ورافت
راموفق رحمت الٰہیہ گردانیدہ
اند ہر کہ مردود او ست شدت
غضب ایشاں بر دست وہر کہ

(یہاں سے ان لوگوں کے فضائل
کا آغاز ہے، فضائل دو قسم کے
ہوتے ہیں ۱۔اوّل) اس معاملہ
کا اچھا ہونا جو باہم بنی نوع میں
ہوتا ہے ۲۔اور دوسرے) اس
معاملہ کا اچھا ہونا جو اپنی تہذیب
نفس کے لئے ہو۔ خدا تعالیٰ نے
دونوں قسم کے فضائل ان حضرات
کے لئے جمع کر دیئے ہیں (اَشِدَّآءُ
اور رُحَمَآءُ) میں قسم اوّل کے
فضائل کی طرف اشارہ ہے) یہ
اپنے ہم جنسوں سے اس طرح
معاملہ کرتے ہیں۔ کہ اپنے غصہ
کو بھی انہوں نے غضب الٰہی کا
تابع کر دیا ہے اور اپنی مہربانی
اور نرمی کو بھی انہوں نے رحمتِ
الٰہی کا تابع کر دیا ہے۔ جو اس کا
مردود ہے۔ اس پر ان کا بھی
غصہ رہتا ہے۔ اور جو اس کا
مقبول ہے۔ اس پر ان کی بھی
مہربانی رہتی ہے۔ یہ اخلاق
الٰہی سے متصف ہونے کا اعلیٰ
درجہ ہے۔ اور تَرٰهُمْ

مقبول اوست رافت و رحمت ایشاں برائے اوست وھذا کمال التخلق باخلاق اللہ تعالے و برائے تہذیب فیما بینھم وبین اللہ باکثار صلوات مشغول اند کہ الصلوٰۃ معراج المومنین یبتغون فضلا بیان کمال اخلاص ایشاں است باطن ایشان موافق باظاہر است سیماھم فی وجوھھم یعنی خشوع و نیایش ایشاں در بارگاہ الٰہی نہ خطرہ ایست کہ از یک طرف مے آید و طرف دیگر میرود بلکہ ملکہ ایست راسخہ کہ در عمرے در تحصیل این صفت صرف کردہ اند۔ و دلہائے ایشا حظ وافر گرفتہ در رنگ مناجات محیط بواطن ایشان شدہ تا آنکہ بر چہرہ ایشاں طفاحۂ از دل ایشاں جو شیدہ پرتوے از انوار باطن ایشاں بر ظاہر افتادہ کہ کل اناء

رُکَّعًا سُجَّدًا سے قسم دوم کے فضائل کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اپنے خدا کے درمیاں ہیں جو معاملات ہیں ان کی درستی کے لئے نمازوں کی کثرت میں مشغول ہیں کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ یبتغون فضلا من ان کے کمال اخلاص کا بیان ہے۔ کہ ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے سیماھم فی وجوھھم یعنی ان (اصحاب حدیبیہ) کا خشوع اور خضوع بارگاہ الٰہی میں ایسا نہیں ہے۔ کہ عارضی طور پر ایک وقت ہو جائے۔ اور دوسرے وقت باقی نہ رہے۔ بلکہ وہ ایک مضبوط ملکہ ہے۔ جسکے حاصل کرنے میں انہوں نے عمریں خرچ کردی ہیں۔ ان کے دلوں نے ان کی نمازوں سے حظ کامل اٹھایا ہے اور ان کی مناجات کے رنگ نے ان کے باطن کو ایسا گھیر لیا ہے۔ کہ اس کا کچھ حصہ ان کے دل سے جوش زن

یتر شحر بما فیہ قولہ
تعالیٰ ذٰلک مثلھم
فی التوراۃ ومثلھم
فی الانجیل کزرع وذٰلک
اینجا اشارہ است بکلمہ کزرع
کقولہ تعالیٰ وقضینا الیہ
ذٰلک الامر ان دابر ھٰؤلاء
مقطوع مصبحین قولہ
تعالیٰ کزرع اخرج شطاہ
اینجا چہار کلمہ گفتہ شد اول دلالت
میکند بر ابتدائے وآخر دلالت
مے نماید بر کمال نمو او کہ بعد
ازاں نموئے نیست وشک
نیست کہ انتقال آنحضرت
علیہ السلام از حالے بحالے
تدریجًا بوقوع آمد بوجہے کہ چار
مرتبہ ضبط آں عدد کثیر نمی نماید
لامحالہ مراد اینجا انتقالات
کلیہ چہار عددی نماید ہم اول
آں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
در مکہ مبعوث شدند واہل مکہ
ہمہ مشرک بودند بتحریفات
آبائی خود مطمئن گشتہ بانکار و

ہوکر ان کے چہروں پر آ گیا ہے۔
اور ان کے باطن کا پرتو انکے
ظاہر میں بھی آشکار ہے (مثل
ہے) کہ ہر طرف سے وہی ٹپکتا
ہے۔ جو اس میں ہوتا ہے۔
ذٰلک مثلھم ذٰلک
(اسم) اشارہ وکلمہ کزرع
جو اس کے بعد مذکور ہے۔
اس کا مشار الیہ ہے اسم
اشارہ کا مشار الیہ سے پہلے
آنا برابر رائج ہے۔ حتیٰ کہ خود
کلام پاک میں ہے) مثل قول
حق تعالیٰ کے وقضینا الیہ
ذٰلک الامر ان دابر ھٰؤلاء
مقطوع مصبحین یہاں
بھی ذٰلک کا مشار الیہ ان
دابر ھٰؤلاء الخ ہے جو بعد
اس کے ہے۔ کزرع شطاہ
یہاں چار باتیں بیان کی گئی ہیں
سب سے پہلے بات یعنی کھیتی
کو آنکھوا ، کام کے آغاز
پر دلالت کرتی ہے۔ اور آخر
بات (یعنی درخت کا ڈنڈھی

اصرار برنماستند. اینجا بالہام
نو پیدا شد بر اظہار آں قادر
بودند. دوم آنکہ از دستِ
مشرکین خلاص شدہ بمدینہ
ہجرت کردند. جہاد اعدائے
اللہ مشغول شدند بقتال
قریش قصداً و بقتال غیر ایشاں
تبعاً تا آنکہ فتح مکہ نمودند و تمام
حجاز در اطاعت آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم راست گشت
اینجا صورتِ پادشاہی
ناحیہ از نواحی زمین پیدا شد در
انتہار ایں حال آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم از دارِ دنیا
برفیق اعلیٰ انتقال فرمودند.
حرکتِ سوم آں بود کہ شیخین
باد و بادشاہ ذو شوکت کہ
بر تمام عالم غالب بودند کسریٰ
و قیصر قصد جہاد نمودند تا آنکہ
ہر دو دولت پامال شوکت
اسلام گشتند. دارا آنہا نامے
و نشانے نماند حرکت چہارم
خرد کاریہا کہ ملوک نواحی اکہ

پہ کھڑا ہو جانا، اس کام کی
انتہائی ترقی پہ دلالت کرتی ہے۔
جسکے بعد پھر کوئی زینہ ترقی کا باقی
نہیں رہتا۔ اور اس میں شک
نہیں کہ آں حضرت علیہ السلام
کی ترقیاں بتدریج اس قدر
ہیں کہ صرف چار درجے ان کے
لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ لامحالہ
یہاں بڑی بڑی ترقیاں مراد
ہیں۔ اور بڑی ترقیوں کے چار
درجے نکلتے ہیں۔ جس طرح کھیتی
کی ترقی کے بیشمار مدارج ہیں
ہر آن میں اس کو نئی ترقی حاصل
ہوتی ہے مگر بڑی بڑی ترقیاں
اس کی یہی چار ہیں جو آیت میں
بیان ہوئیں۔ یہ تو الفاظ کے
معنی تھے۔ اب جو ہم مصداق
اس کلام کا تلاش کرتے ہیں۔ تو
بڑی بڑی تبدیلیوں کے چار
درجے پاتے ہیں۔ اوّل حالت
یہ تھی۔ کہ آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے
تمام اہل مکہ مشرک تھے اور

دراصل باج دہ کسریٰ
وقیصر بودند - در حد ذات خود
نیز قوتے شوکتے بہم رسانیدہ
بودند برانداختہ شود و رواج
اسلام در بلاد مفتوحہ پدید
آید و در ہر شہرے مساجد
بنا شوند و قضات منصوب
گردند و رواتِ حدیث
ومفتیانِ فقہ مسکن گیرند -
چون خبر را با مخبر عنہ در
انتقالاتِ کلیہ مطابقت
یافتیم معلوم شد - کہ مطمح اشارات
قرآن ہمیں انتقالات بودہ
است چوں ایں مقدمہ
واضح شد - بہ باید دانست
کہ خلفاء از جملہ والذین
معہٗ بودند بالقطع - پس
اشداء علی الکفار
رحماء بینھم الخ
وصف ایشاں باشد و ایں یکے
از لوازمِ خلافت خاصہ است
ومطمح اشارت فاستغلظ
خلافت شیخین است ومرمی

اپنے باپ دادا کی تحریفات پر قناعت
کئے تھے - وہ سب لوگ مخالفت
اور ضرر رسانی پر آمادہ ہو گئے - اس
وقت گویا اسلام نیا پیدا ہوا اور
اخرج شطاہ کا مرتبہ ظہور میں آیا
حضرت اس کے ظاہر کرنے پر بھی
قادر نہ تھے - دوسری وہ حالت تھی
کہ مشرکوں کے ہاتھ سے رہائی پاکر آپ
نے مدینہ کی طرف ہجرت کی - اور دشمنانِ
خدا سے جہاد کرنے میں مشغول ہوئے -
قریش سے قصداً اور غیر قریش سے
تبعاً آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی -
فتح کر لیا - اور تمام حجاز آپ کی اطاعت
میں اچھی طرح آ گیا - اس وقت ایک
چھوٹی سی ریاست کی صورت پیدا
ہو گئی اور فاٰزرہٗ کا درجہ حاصل
ہوا - مگر اسی حالت کے آخر میں آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے
رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرمایا -
تیسری حالت وہ تھی کہ شیخین نے
دو پر شوکت بادشاہوں سے تمام
دنیا پر غالب تھے - یعنی کسریٰ وقیصر
سے قصد جہاد کیا - یہاں تک کہ یہ

بعد از فاستوی علیٰ سوقہٖ
خرد کار بہا است کہ در زمان
حضرت عثمان بوقوع آمدہ - و
نیز آں چہ بعد ذہاب فرقہ
مسلمین در وجود اجتماع کلمہ
ایشاں بقصد خلیفہ وقت
یا بغیر قصد او و بمجرد تدبیر
الٰہی صورت گرفتہ است ۔ ایں
جا معلوم شد فخامت
شان خلفاء و رسوخ قدم
ایشاں در تائید اسلام و
آں کہ بدست ایشاں جہاد
اعداء اللہ و اعلائے کلمۃ اللہ
بوجہے واقع شد ۔ کہ مقبول
جناب ربوبیت باشد و
موجب ثنائے جمیل گردد
قولہ تعالٰی یعجب الزراع
اشارہ بکمال رضا است
زیرا کہ در قصبہ مسلمین
زارع حضرت الوہیت
است ۔ قولہ تعالٰی
وعد اللہ الذین امنوا
وعملوا الصلحت منہم

دونوں سلطنتیں شوکتِ اسلام
سے پامال ہوگئیں ۔ اور ان کا
نام و نشان باقی نہ رہا ۔ (فاستغلظ
کا درجہ حاصل ہوا) چوتھی حالت وہ
تھی کہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی فتح ہو
گئیں اطراف و جوانب کے بادشاہ جو
دراصل کسریٰ و قیصر کے باجگذار
تھے ۔ اور اپنی جگہ پر خود انہوں نے
قوت و شوکت حاصل کرلی تھی درہم
برہم کر دیئے گئے ۔ اور اسلام کا رواج
مفتوحہ شہروں میں پیدا ہوگیا ۔
اور ہر شہر میں مسجدیں بن گئیں
اور قاضی مقرر ہوگئے ۔ اور حدیث
کے راوی اور فقہ کے مفتی سکونت
پذیر ہوئے ۔ اور فاستویٰ
علیٰ سوقہٖ کا درجہ حاصل ہو
گیا) پس جب ہم نے اس مثال
کو جو آیت میں مذکور ہے اسلام
کے ساتھ بڑی بڑی تبدیلیوں
میں مطابق پایا ۔ تو معلوم ہوگیا
کہ قرآن کے اشارات انہیں
تبدیلیوں کی طرف تھے ۔ جب یہ
بات واضح ہوگئی تو اب جاننا چاہیئے

ضمیر منہم راجع است باآنچہ از فآزرہ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہٖ مفہوم گشت. یعنی اسلام غالب خواہد آمد وجمعے کثیر در اسلام داخل خواہند شد۔ وعدہ کردہ است خدائے مرجمعے را کہ ازیں جماعۃ ایمان آوردند وعمل صالح نمودند اجرعظیم کہ نعیم مقیم است ؛

کہ خلفاء کا لَّذِینَ مَعَہٗ یعنی ہمراہیان حدیبیہ) سے ہونا قطعی ہے۔ لہٰذا اشداء علی الکفار ورحماء بینھم بھی ان کا وصف ہوگا۔ اور یہ بات (یعنی کافروں پر سخت اور مومنوں پر نرم ہونا) خلافت خاصہ کے لوازم سے ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ) خلافت شیخین کی طرف اشارہ ہے اور فاستوی علیٰ سُوقہٖ کا اشارہ ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کی طرف ہے۔ جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں واقع ہوئیں۔ نیز ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ جو مسلمانوں کے کسی مقام پر جانے اور اُن کے باہمی اتفاق سے حاصل ہوئیں۔ بقصد خلیفہ وقت یا بغیر قصد خلیفۂ وقت محض فضل الٰہی ہے۔ اس آیت سے خلفاء کی شان کی عظمت اور تائید اسلام ان کا راسخ القدم ہونا بھی معلوم ہوا۔ اور یہ کہ ان کے ہاتھ سے دشمنان خدا پر جہاد اور کلمۂ خدا کی بلندی اس طرح واقع ہوگی کہ جناب پروردگار میں مقبول ہوگی۔ اور عمدہ تعریف کی مستحق قرار پائیگی۔

یعجب الزراع کا لفظ (اللہ کی کمال خوشنودی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی کھیتی کا کاشتکار وہی معبود برحق ہے۔ وعد اللہ الذین

۲ امنوا وعملوا الصلحت منهم منهم کی ضمیر (مجرور متصل) اس جماعت کی طرف پھرتی ہے۔ جو فازرہ اور فاستغظ اور فاستوی سے سمجھی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام جب غالب ہو جائے گا۔ اور بہت بڑی جماعت اسلام میں داخل ہو جائے گی۔ تو خدا تعالےٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اس بڑی جماعت میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف ہوں گے ان کو بڑا اچھا بدلہ یعنی ہمیشگی کی نعمت عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیت

اظہارِ دین

جس میں

قرآن کریم کی آیہ مبارکہ لیظہرہ علی الدین کلہ کی مدلل و مفصل تفسیر بیان کرکے روز روشن کی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت قرآن شریف کی موعودہ خلافت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقصد بعثت کا تتمہ و تکملہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

سورہ توبہ

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ط

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک کر بجھا دیں۔ اور اللہ انکار کرتا ہے مگر اس بات سے کہ اپنے نور کو کامل کرے۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں وہی اللہ ہے۔ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے۔ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

یہ مضمون قرآن میں تین جگہ بیان ہوا ہے۔ جس سے اس کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک تو یہی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے۔

دوسری جگہ سورہ فتح میں ہے۔ جس کے الفاظ کریمہ یہ ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ گواہی کے لئے کافی ہے۔

تیسری جگہ سورہ صف میں ہے۔ جس کے الفاظ کریمہ یہ ہیں:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے۔ اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

ان تینوں مقامات میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی مضمون بیان ہو رہا ہے۔ اور جن الفاظ پر ہمارے استدلال کی بنیاد ہے۔ ان میں کچھ تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالےٰ کے مقصود دو ہیں۔ اول یہ ظاہر فرمانا کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سارے جہان کو شامل ہے۔ تمام مذاہب آپ کے مبعوث ہوتے ہی منسوخ ہو گئے۔ انبیائے سابقین علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت کسی بستی یا کسی قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یہ مقصود کل ادیان کو ذکر کر کے ظاہر فرما دیا۔

دوم۔ یہ بتلانا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد کیا ہے پیغمبروں کے بھیجنے سے خدا کے مقاصد مختلف تھے۔ کسی کو بھیجنے سے مقصود یہ تھا۔ کہ کسی سرکش قوم پر خدا کی حجت قائم ہو جائے۔ اور اس قوم پر

عذاب نازل ہو۔ کسی کے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ کسی خاص قوم کو یا چند افراد قوم کو ہدایت حاصل ہو جائے۔ کسی نبی کے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ کسی نبی سابق کی تقویت و تائید ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے کارناموں کے دیکھنے سے ہر ایک کی بعثت کا مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ ہر نبی کی کوشش سے وہی نتائج حاصل ہوئے جو مراد الٰہی تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ نے نتائج کے ظہور سے پہلے اپنی مراد ظاہر فرما دی۔ تاکہ وہ پیشین گوئی کی صورت میں ایک معجزہ قاہرہ آپ کی نبوت کا ہو۔ اور تاکہ آپ کے اصحاب کرام کے لئے جو اس وقت نہایت کمزوری کی حالت میں تھے۔ خوش خبری[1] اور تسلی کا سبب بنے۔

ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے مراد کیا ہے۔ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دلیل میں غالب کیا جائے۔ یعنی دین برحق کی حقانیت پر اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے جس کا رد نہ ہو سکے۔ دوسرے یہ کہ تیغ و سنان کے ذریعہ سے غالب کیا جائے۔ یعنی دین برحق کی شوکت و سطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔ پہلے قسم کا ہونا تو ظاہر ہے۔ اس لئے کہ دین برحق

---

[1] چنانچہ صحابہ کرام جب ان خوش خبریوں پر خوش ہوتے تھے۔ تو کفار مکہ تمسخر و استہزا کرتے تھے۔ کہ یہ عجیب لوگ ہیں۔ کہ باوجود اس بے سروسامانی و کمزوری ان کو فتح روم و ایران کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ اور یہ اس کو مان لیتے ہیں۔ احد میں جب شکست ہوئی تو منافقوں نے بھی کہا کہ جو وعدے خدا اور رسول نے ہم سے کئے تھے۔ وہ سب دھوکے کے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک ۱۲۔

کا دلائل میں غالب ہونا بدیہیات میں سے ہے۔ رہا دوسرے قسم کا غلبہ تو اس کے مراد ہونے پر حسب ذیل دلائل ہمارے پاس ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ کہ کس قسم کا غلبہ مراد ہے۔ اور جب تخصیص نہیں فرمائی۔ تو غلبہ کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سب مراد لی جائیں گی۔

(۲) دلیل و برہان سے غالب ہونا دین حق کے لئے لازمی دائمی ہے۔ اس میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت۔

(۳) غلبہ کی نمایاں قسم دوسری ہی قسم ہے۔ اور غلبہ کے نتائج پورے طور پر دوسری ہی قسم سے حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا اس کا مراد نہ ہونا خلاف ظاہر ہے جو بغیر دلیل کے مقبول نہیں ہو سکتا۔

(۴) دوسری آیات اور احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے۔

بے شمار آیات قرآنیہ ہیں۔ جن میں حق تعالے نے کافروں کے مغلوب و مقہور ہونے اور مسلمانوں کے مظفر و منصور ہونے کے وعدے فرمائے ہیں۔ فتوحات اور غنائم کی خوشخبریاں سنائی ہیں۔ اور احادیث تو دفتر کی دفتر ہیں۔ یہ سب آیات و احادیث دلیل اس بات کی ہیں۔ کہ اس آیت میں اظہار سے مراد وہ غلبہ ہے۔ جو سیف و سنان سے حاصل ہو۔

(۵) ہر نبی وہی کرتا ہے۔ جس کے لئے اس کی بعثت ہوئی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف و سنان کے ساتھ بھی کفار سے جہاد فرمایا۔ اور فتوحات حاصل کیں۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ سیف و سنان سے کفار کا مغلوب کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ہے۔ جن انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے خدا کا مقصود اس

قسم کا غلبہ نہ تھا۔ انہوں نے کبھی تلوار نہیں اٹھائی ان پر طرح طرح کے ظلم ہوئے۔ لیکن انہوں نے مدافعانہ کاروائی بھی نہیں کی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

(۶) خود اس آیت کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ غلبہ کی دوسری قسم مراد ہو۔

سورہ توبہ میں یہ آیت اس موقع پر ہے۔ کہ اس سے پہلے مسلسل احکام جہاد کے بیان ہو رہے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الایہ۔ ترجمہ: پوری آیت کا یہ ہے۔ کہ وہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور خدا اور رسول کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام نہیں کہتے۔ اور دین برحق کو قبول نہیں کرتے۔ ان سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینا قبول کریں۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی شرارتوں کا مختصر بیان ہے۔ پھر یہ آیت ہے جس کی تفسیر ہم لکھ رہے ہیں۔ یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے۔ کہ غلبہ سے مراد وہ غلبہ ہے۔ جو جہاد میں حاصل ہوتا ہے۔ حکم جہاد کے بعد یہ آیت گویا وعدہ ہے۔ کہ جہاد میں تم غالب رہو گے۔ کیونکہ ہمارا مقصود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے یہی ہے۔ کہ دین برحق کو تمام دینوں پر غالب کیا جائے۔ اور سورہ فتح میں اس آیت سے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول نے جو خواب دیکھا ہے۔ وہ سچا ہے۔ تم ضرور امن و اطمینان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گے۔ اور اس کے بعد تمہارے لئے فتح قریب خدا نے رکھی ہے اس کے بعد آیت مبحوثہ ہے۔ امن اور فتح کا وعدہ ہے کر غلبہ کا ذکر فرمانا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے۔ ورنہ امن و فتح سے پہلے قسم کے غلبہ

کا کچھ ربط نہیں ۔

اور سورہ صف میں اس آیت سے پہلے بھی قتال کا تذکرہ ہے ۔ اور اس آیت کے بعد بھی یہی ذکر ہے ۔ اور مسلمانوں کو فتوحات کی خوش خبری سنائی ہے کہ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ یہ سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے ۔ کہ غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے ۔

ابھی اور دلائل بھی اس کی تائید میں ہیں ۔ لیکن اب زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں ۔

پس اب مطلب آیت کا بالکل ظاہر ہو گیا ۔ کہ کافر چاہتے ہیں کہ نور الٰہی کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں ۔ یعنی دین اسلام کو اپنی انسانی تدبیروں سے نیست و نابود کر دیں ۔ مگر یہ ناممکن ہے ۔ کیوں کہ خدا اپنے دین کے کامل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے ۔ اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے مبعوث فرمایا ہے ۔ کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر ہر قسم کا غلبہ دیا جائے ۔ دلیل و برہان سے بھی اور سیف و سنان سے بھی دین اسلام کا ظہور کامل ہو گا ۔ اور اس کی شوکت و قوت کے سامنے تمام ادیان موجودہ کی قوتیں سرنگوں کر دی جائیں گی ۔

یہ ایک بڑی زبردست پیشین گوئی ہے ۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے ۔ کہ روئے زمین کی تمام سلطنتوں کے جھنڈے اسلام کے علم کے سامنے جھک جائیں گے ۔ اور ایک عظیم الشان بادشاہت کی باگ اسلام کے ہاتھ میں ہو گی ۔ یہ وہ پیشین گوئی ہے ۔ جو اسباب ظاہر سے بالکل تعلق نہیں رکھتی ۔ بلکہ اسباب ظاہری اس کے خلاف تھے ۔ کافر اس قسم کی پیشین گوئیوں پر تمسخر کرتے تھے ۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا ایمان ظاہر ہے کہ کیسا تھا ۔ سبحان اللہ ۔

استدلال

اس آیت سے بھی حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقتِ خلافت پر استدلال نہایت سہل الحصول ہے۔ صرف دو امر کی تحقیق پر استدلال کی بنیاد ہے۔ اول یہ کہ آیت میں جو پیشین گوئی ہے۔ یعنی جس چیز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود فرمایا ہے۔ اس کے پورے ہونے کی کیا صورت ہے۔ دوم یہ کہ یہ پیشین گوئی کس کے زمانہ میں پوری ہوئی۔

امر اول کی تحقیق یہ ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو مذاہب دُنیا میں موجود تھے۔ ان میں دو مذہب صاحب تخت و تاج تھے۔ ایک عیسائیوں کا، دوسرا آتش پرستوں کا۔ روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی۔ اور ایران میں آتش پرستوں کی۔

حضرت مولانا شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں۔ کہ اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں تھیں۔ ایک ایران کی اور دوسری روم کی۔ ان دونوں بادشاہوں کی سطوت و جبروت نے ساری دنیا کو گھیر رکھا تھا۔ اور دوسرے مذاہب سب ان کی قوت کے سامنے مضمحل ہو رہے تھے۔ روم، روس، فرنگستان، جرمنی، افریقہ، شام، مصر اور بعض بلاد مغرب اور زنجبار میں عیسائیت کا دور دورہ تھا اور خراسان اور ترکستان اور ازبکستان اور باختر وغیرہ میں آتش پرستی کا زور تھا۔

ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا۔ اور کچھ قدر قلیل عیسائی اور یہودی تھے۔ مگر عرب بھی ایک طرح سے ایران کے ماتحت تھا۔ ان حالات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ کہ دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی صورت سوا اس کے نہیں ہو سکتی۔ کہ روم و ایران

کی سلطنت درہم برہم ہو جائے۔ اور یہ دونوں پُرشوکت سلطنتیں اسلام کے قبضہ میں آجائیں۔ بغیر ان دونوں سلطنتوں کے مفتوح و مغلوب کئے ہوئے کوئی صورت اسلام کی تمام دینوں پر غالب آنے کی نہیں ہوسکتی۔ امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی قطعًا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پوری نہیں ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا۔ کہ دینِ اسلام کو بت پرستوں پر غلبہ حاصل ہُوا۔ اور بس۔ لہٰذا ضروری ہُوا کہ آپ کے بعد کسی ایسے شخص یا اشخاص کے ہاتھ پر پیشین گوئی پوری ہو۔ جن کا ہاتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کہا جا سکے۔ اور جن کے ہاتھ پر اس پیشین گوئی کا پورا ہونا مقصدِ نبوت کا پورا ہونا کہا جاسکے۔ اور یہ صفت جس میں پائی جائے گی۔ یقینًا وہ آپ کا نائب و خلیفہ ہوگا۔

اب اس کے بعد تاریخ عالم تم کو بتائے گی۔ کہ یہ پیشین گوئی حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر ہوئی۔ انہیں کے زمانہ میں انہیں کی کوششوں سے سلطنت روم و ایران زیر و زبر ہوئی۔ اور اسلام کا فاتحانہ قبضہ ان دونوں ملکوں پر ہُوا۔

حضرت ابوبکر صدیق نے ۱۲ھ میں مثنّٰی بن حارثہ شیبانی کو بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید کو ملک ایران کی طرف بھیجا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں اور بہت مالِ غنیمت مسلمانوں کو ملا۔ مگر کوئی شہر ایران کا مفتوح نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ قیصر روم کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ یرموک کی وہ عظیم الشان لڑائی پیش آئی۔ جس کے کارناموں نے رستم و اسفندیار کی لڑائیوں کو بازیچۂ طفلاں بنا دیا ؎

مگر جنگ یرموک حشرے دگر
لگو جنگ یل یک جہاں کینہ ور

یرموک کی لڑائی میں مسلمانوں کو بڑی نمایاں فتح ملی۔ اور دمشق بھی آپ کے

وقت میں فتح ہوا۔
ان لڑائیوں میں ایک بڑی کرامت کا بھی ظہور ہوا۔ ایک مرتبہ مسلمانوں نے قیصر روم کے محل کے قریب کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ جس کے پڑھنے سے محل میں جنبش پیدا ہو گئی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی فتوحات تو حد شمار سے باہر ہیں۔ ملک روم وایران ومصر وغیرہ وغیرہ ان کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ ازالۃ الخفاء میں ہے کہ ایک ہزار چھتیس ۳۶ شہر مع ان کے مضافات کے مفتوح ہوئے۔ اور چار ہزار مسجدیں بنیں۔ اور چار ہزار گرجے ویران ہوئے۔ اور نو سو منبر مسجدوں میں بنائے گئے۔ یعنی نو سو جامع مسجدیں بنیں۔ فتوحات اسلامیہ کا ایک دریا تھا جو موجیں لے رہا تھا ؎

بلا کی نبرد اور غضب کے فتوح
نہاں اس کے خنجر میں طوفان نوح

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض ملک جو باغی ہو گئے تھے۔ پھر از سر نو فتح کئے گئے۔ مثلاً ہمدان، رے، اسکندریہ، فارس، خراسان، آذربائیجان اور کچھ ممالک جدید مفتوح ہوئے۔ مثلاً افریقہ جو بڑی عظیم الشان لڑائی کے بعد فتح ہوا۔ اور جزیرہ قبرص اور اس کے مضافات جو بڑی معرکہ خیز بحری جنگ کے بعد فتح ہوئے۔ قسطنطنیہ بھی انہیں کے زمانہ میں فتح ہوا۔ اور ہرقل انہی کے زمانہ میں فی النار ہوا۔ اور حدیث کی یہ پیشین گوئی کہ لیھلکن قیصر فلا قیصر بعدہٗ انہیں کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔

لہٰذا ثابت ہو گیا۔ کہ وہ تینوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق تھے۔ خدا کے وعدے ان کے ہاتھوں پر پورے ہوئے۔ اور مقصد نبوت تکمیل کو پہنچا۔ اگر وہ تینوں خلیفہ برحق نہ مانے جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے کارنامے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ اور

ان کے فتوحات وعدۂ الٰہی کے مصداق نہیں کہے جا سکتے۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوگا۔ کہ اس آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہوئی اور خدا نے جو مقصد اپنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں قرار دیا تھا خدا اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہُوا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

مخالفین صحابہؓ

اس آیت سے بہت حیران ہیں۔ اور اس آیت پر کیا موقوف قرآن کریم نے اُن کو ہر ہر قدم میں مبہوت و متحیر کر دیا۔ اسی وجہ سے وہ تحریف قرآن کے قائل ہو کر یہود و نصاریٰ سے سبقت لے گئے۔

اس آیت میں کبھی تو کہتے ہیں۔ کہ اظہار سے مراد سیف و سنان کا غلبہ نہیں ہے۔ بلکہ حجت و برہان کا غلبہ ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کی پیشین گوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہو گئی۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ کیوں کر ممکن ہے۔ کہ جو وعدے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے گئے ہوں۔ وہ آپ کی حیات میں پورے نہ ہوں کہتے ہیں کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔ فتح مکہ سے مشرکین عرب پر غلبہ ظاہر ہے۔ کہ نجران کے عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ فتح خیبر وغیرہ سے یہودیوں پر غلبہ بھی واضح ہے۔ لہذا تمام دینوں پر غلبہ ہو گیا۔ اور کبھی کہتے ہیں۔ کہ امام مہدی کے زمانہ میں اس آیت کی پیشین گوئی پوری ہو گی۔ ان کے زمانہ میں تمام کفار نیست و نابود کر دیے جائیں گے۔ اور تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا۔

جواب ان اقوال فاسدہ کا

حسب ذیل ہے۔ قول اول یعنی اظہار سے مراد غلبہ بالسیف نہیں بلکہ غلبہ بالدلیل ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ آیت میں دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے لیکن اس سے قطع نظر مخالفین کے لئے یہ قول کیا مفید ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ان کے اصول موضوعہ کی بنا پر تو قرن اول میں اصلی دین عام طور پر ظاہر بھی نہیں کیا گیا۔ غالب اور مغلوب ہونا تو پیچھے کی بات ہے۔ ان کے مذہب میں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اصحاب سے تقیہ کرتے رہے۔ اصحاب کا خوف اس قدر غالب تھا۔ کہ بہت سی آیات قرآنیہ کی تبلیغ آپ نے نہ کی (دیکھو مولوی دلدار علی صاحب کی کتاب عماد الاسلام) حضرت علیؓ بھی اپنے زمانہ خلافت میں تقیہ کرتے رہے۔ انتہا ہو گئی کہ تراویح جیسی بڑی چیز عام طور پر رائج ہو گئی۔ اور اس کو وہ نہ روک سکے۔ متعہ جیسی عمدہ عبادت حرام کر دی گئی تھی۔ اس کے حلال ہونے کا لفظ زبان سے نہ نکال سکے۔

آیت نے صاف بتلا دیا۔ کہ جو دین قرن اول میں عام طور پر ظاہر ہوا۔ وہی دین برحق تھا۔ اور اسی دین کے ساتھ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ اور جو دین اس زمانہ میں مخفی و مستور تھا۔ وہ باطل محض ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دین کے ساتھ ہرگز مبعوث نہیں ہوئے۔

مخالفین اگر سمجھیں تو یہیں سے ان کے مذہب کا بطلان خود انہیں کے اقرار کے مطابق واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن سمجھنے کا قصد ہی نہ کریں۔ تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔

قول دوم:۔ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس پیشین گوئی کا پورا ہو جانا یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ واقعات سے کبھی اس کی تائید نہیں ہو سکتی۔ مشرکین پر غلبہ تو بلاشبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن نصاریٰ اور مجوس پر ہرگز نہیں۔ چند نصرانیوں یا چند مجوسیوں کا مغلوب ہو جانا درصورتیکہ ان کی مغلوبیت کا کوئی اثر ان دونوں کی زبردست سلطنت پر کچھ نہ تھا۔ اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔ آیت میں یہ ہے۔ کہ تمام دینوں پر دینِ اسلام غالب ہو جائے گا۔ نصاریٰ و مجوس کی سلطنتیں جب تک مغلوب نہ ہوں۔ یہ وعدہ پورا نہیں کہا جا سکتا۔

اب رہا یہ کہ وعدہ تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پورا ہو آپ کے بعد تو یہ چیز بلاشبہ قابل اعتراض ہو سکتی تھی۔ اگر قرآن مجید میں اس کی تصریح نہ کر دی گئی ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، کہ قرآن مجید میں یہ آیت تین جگہ ہے۔ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یعنی جو وعدے حق تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ وہ سب کے سب آپ کے سامنے پورے نہ ہوں گے۔ بعضے وعدے آپ کو دکھلائے جائیں گے۔ اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہوں گے۔

قول سوم یعنی یہ کہ یہ پیشین گوئی حضرت امام مہدی کے زمانہ میں پوری ہو گی۔ بچند وجہ یہ قول ضعیف ہے اوّل یہ کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اب تک باوجود زائد از ہزار برس گزر جانے کے پورا نہ ہوا۔ معاذ اللہ من ذلک۔ کسی فعل کا کوئی مقصد بیان کیا جائے۔ تو یقیناً اس مقصد کو اس فعل

ف کہ کچھ وعدے آپ کے بعد پورے ہوں گے

کے بعد علی الاتصال پایا جانا چاہیئے۔ اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو وہ فاصلہ نہایت قلیل ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی طبیب کہے۔ کہ میں نے فلاں دوا اس لئے دی ہے کہ مواد فاسدہ کا تنقیہ ہو جائے۔ تو یقیناً اس دوا کے پینے کے بعد اسہال شروع ہو جانا چاہیئے۔ اگر علی الفور نہ شروع ہو۔ تو دو چار گھنٹہ بعد سہی۔ لیکن اگر دوا پینے کے دس بیس برس بعد اسہال ہو تو کون کہے گا۔ کہ وہ طبیب اپنے قول میں سچا یا اپنے مقصد میں کامیاب تھا۔

اگر مخالفین کہیں کہ تمہارے قول کے مطابق بھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد آپ کے سامنے پورا نہ ہوا۔ آپ کے بعد پورا ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ اولاً تو ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت کے سامنے ہی سلسلہ اس مقصد کے حصول کا شروع ہو گیا تھا۔ تکمیل بعد آپ کے ہوئی اور جب سے سلسلہ شروع ہوا منقطع نہیں ہوا۔ بخلاف مخالفین کے کہ وہ کہتے ہیں کہ سلسلہ شروع ہی نہیں ہوا یا شروع ہو کر منقطع ہو گیا۔ اور اب تک منقطع ہے۔ ثانیاً آپ کے بعد علی الاتصال مقصد بعثت کے پورا ہو جانے میں اور ہزاروں برس کے بعد پورا ہو جانے میں بڑا فرق ہے۔ دونوں کو یکساں کہنا صریح مکابرہ ہے۔

دوسری خرابی اس قول سوم میں یہ ہے۔ کہ اس آیت میں مسلمانوں کو خوش خبری سنائی گئی ہے۔ اور ان کو تسلی دی گئی۔ کہ دشمنوں کا غلبہ زائل ہو جائے گا۔ تم کو امن کامل ملے گا۔ جیسا کہ سورہ فتح کی آیت کا سیاق بتا رہا ہے۔ پس اگر یہ پیشین گوئی صحابہ کرام کے زمانہ میں پوری نہ ہو۔ بلکہ ہزاروں برس کے بعد پوری ہو تو یقیناً بڑی فریب دہی کا الزام خدا کے ذمہ عائد ہو گا۔ کسی جماعت کو ایسی خوش خبری سنانا جوان کے بعد ہزاروں برس تک پوری ہونے والی نہ ہو۔ فریب نہیں تو کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

خلاصۃ الکلام

یہ کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ دین برحق کو تمام ادیان پر ہر قسم کا غلبہ ملے گا۔ اور یہی مقصود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ہے۔ اور یہ وعدہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورا ہُوا۔ لہٰذا ضروری ہُوا کہ وہ تینوں حضرات آپ کے نائب اور خلیفہ برحق ہوں۔ اور ان کی خلافت تکملۂ مقاصد نبوت ہو۔ وہو المطلوب۔

فریقین کی چند حدیثیں!

(۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زُوِیَ لِیَ الْاَرْضُ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا وَاُعْطِیْتُ الْکَنْزَ الْاَحْمَرَ وَالْاَبْیَضَ۔ (مسلم)

حضرت ثوبان سے روایت ہے وہ کہتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہ تحقیق اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا۔ میں نے زمین کی مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا اور بہ تحقیق میری اُمت کی بادشاہت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لئے سمیٹی گئی اور مجھے سونے چاندی کے خزانے دیئے گئے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرٰی ثُمَّ لَا یَكُوْنُ كِسْرٰی بَعْدَهٗ وَقَیْصَرُ لَیَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا یَكُوْنُ قَیْصَرُ بَعْدَهٗ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو جائیگا، پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ اور قیصر بھی ہلاک ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور ضرور ضرور تم لوگ ان کے خزانوں کو راہ خدا میں صرف کروگے۔

(۳) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحْفِرُوا الْخَنْدَقَ قَالَ عَرَضَ لَنَا صَخْرَةٌ لَا یَاْخُذُ فِیْهِ الْمَعَاوِلُ فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاَخَذَ الْمِعْوَلَ قَالَ وَاَحْسِبُ قَالَ وَضَعَ ثَوْبَهٗ فَضَرَبَ ضَرْبَةً وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَكَسَرَ ثُلُثَ الصَّخْرَةِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے (غزوہ احزاب میں) خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اس خندق میں ایک پتھر ایسا نکل آیا جس میں کدالیں کچھ اثر نہ کرتی تھیں۔ اس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ تو آپ نے کدال لی۔ اور میرا خیال ہے کہ براء نے کہا کہ آپ نے اپنی چادر بھی اتاری۔ پھر بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب آپ نے ماری تو ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ پس آپ نے کہا

الشَّامِ اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی
قُصُوْرِهَا الْحُمْرِ مِنْ
مَّکَانِیْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ
بِسْمِ اللّٰهِ وَضَرَبَ
اُخْرٰی فَکَسَرَ ثُلُثَیْهَا وَقَالَ
اَللّٰهُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ
مَفَاتِیْحَ فَارِسَ وَاللّٰهِ
اِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَی الْمَدَائِنِ
وَقُصُوْرِهَا الْاَبْیَضِ مِنْ
مَّکَانِیْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ
بِسْمِ اللّٰهِ وَضَرَبَ اُخْرٰی
وَکَسَرَ بَقِیَّةَ الْحَجَرِ وَقَالَ
اَللّٰهُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ
الْیَمَنِ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ اِلٰی
مَفَاتِیْحِ صَنْعَاءَ مِنْ مَّکَانِیْ
هٰذَا (مسند ابو یعلی)

اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں دی
گئیں میں وہاں کے سرخ محل
اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔
پھر آپ نے بسم اللہ کہہ کر دوسری
ضرب ماری تو دو تہائیاں اس
پتھر کی ٹوٹ گئیں۔ اور آپ نے
فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک فارس
کی کنجیاں دی گئیں اللہ کی قسم
میں مدائن اور اس کے سفید
محلوں کو اپنی اس جگہ سے دیکھ
رہا ہوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ
کہہ کر تیسری ضرب لگائی۔ تو
بقیہ پتھر بھی ٹوٹ گیا۔ اور آپ
نے فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی
کنجیاں دی گئیں اللہ کی قسم!
میں صنعا کے دروازوں کو یہاں
سے دیکھ رہا ہوں۔

یہ تینوں روایتیں اہل سنت کی تھیں۔ اب ایک روایت کتب شیعہ کی بھی دیکھئے۔ تیسری روایت جو کتب اہل سنت سے منقول ہوئی کتب شیعہ میں بھی ہے۔ روضہ کافی ص۱۴ میں امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ:-

لَمَّا حَفَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ الْخَنْدَقَ
مَرُّوْا بِکُدْیَةٍ فَتَنَاوَلَ

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم نے خندق کھدوائی۔
اور ایک پتھر سخت نکل آیا۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الْمِعْوَلَ مِنْ یَدِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَوْمِنْ یَدِ سَلْمَانَ فَضَرَبَ بِھَا فَتَفَرَّقَتْ بِثَلٰثِ فِرَقٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ لَقَدْ فُتِحَتْ عَلَیَّ فِیْ ضَرْبَتِیْ ھٰذِہٖ کُنُوْزُ کِسْرٰی وَقَیْصَرَ۔

تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال امیرالمومنین کے ہاتھ سے یا سلمانؓ کے ہاتھ سے لے لی۔ اور اس پتھر پہ مارا۔ تو اس کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہ تحقیق اس ضرب میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے میرے اوپر کھول دیئے گئے۔

اسی حدیث کے مضمون کو علامہ باذل ایرانی نے حملہ حیدری میں اس طرح نظم کیا ہے۔

چنیں گفت راوی کہ در عین کار ... زخندق یکے سنگ شد آشکار
چناں سخت کز وے نمیگشت دور ... بصد ضرب یک ذرہ چوں چشم مور
زعنا راشکن تیشہا دم ریخت ... زبس ضرب بازوی مرداں گسیخت
نمی شد چو ایمن براں کارگر ... نمودند خیر البشر را خبر
بیامد بدولت خود آنجا بنی ... یکے تیشہ بستند زدست یکے
چنیں گفت دانندۂ ایں خبر ... کہ قحطے دراں سال سہ بیشتر
سہ روز و سہ شب بد کہ خیرالانام ... نہ نوشیدہ بود از رغیف وطعام
بروی شکم لیک زیر قبا ... یکے سنگ بستہ بد آں مقتدا
براں فاقہ وضعف سالار دین ... ستد تیشہ از دست انصار دین
چو برداشت فولاد خارا شگاف ... در آمد بر نہا ازاں کوہ قاف
بنام خدائے جہاں آفرین ... بزد تیشہ را سید المرسلین
کہ یک گوشہ سنگ از ہم شکست ... دراں وقت برقے ازاں سنگ جست

بفرمود تکبیر بار دوم — بزد لیس براں سنگ ضرب سوم
دریں بار ہم جست برقے چناں — نبی شد بہ تکبیر رطب اللساں
شد ایں بار آں سنگ زیر و زبر — نماند احتیاجش بضرب دگر
دراں دم باو گفت سلماں چنیں — کہ اے خاک راہت سپہر بریں
ندیدم ہر گز کہ گردد پدید — بدیں گونہ برقے ز سنگ و حدید
چہ بد ایں و باشد چہ تعبیر آں — بہ تکبیر چوں بر کشودی زباں
بپاسخ چنیں گفت خیر البشر — کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوان کسرے یمن! — دوم قصر روم و سوم از یمن
سبب را چنیں گفت روح الامین — کہ بعد از من اعوان و انصار دین
براں مملکتہا مسلط شوند! — باٰئین من اہل آں بگروند
بدیں مژدہ و شکر لطف خدا — بہر بار تکبیر کردم ادا
شنیدند آں مژدہ چوں مومناں — کشیدند تکبیر شادی کناں

مخالفین کی ان روایتوں کو دیکھو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس خوشی کے ساتھ کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا اپنے قبضہ میں آنا بیان فرمارہے ہیں اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں کسریٰ اور قیصر کے خزانے آئے وہ کوئی ایسا تعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے۔ کہ ان کا قبضہ آپ کا قبضہ تھا۔ اور تعلق سوا خلافت کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح روم و ایران آپ کے بعثت کے مقاصد ونتائج میں سے تھا۔

حملہ حیدری کی روایت میں فاتحان روم و ایران کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دین کا ناصر و مددگار فرماکر ان کا خلیفہ برحق ہونا اور زیادہ واضح کردیا۔

چند نفیس نکتے

۱۔ جتنی آیتوں کی تفسیر اس سلسلہ میں لکھی جا چکی ہے۔ اس کے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی۔ کہ حق تعالےٰ نے قرآن مجید میں خلافت راشدہ کا ذکر پیشین گوئی کی صورت میں کیا ہے۔ احکام شرعیہ کے طور پر کہیں نہیں فرمایا کہ۔ اے مسلمانو فلاں فلاں اشخاص کو خلیفہ بناؤ۔ اس میں ایک حکمت تو وہ ہے۔ جو ہم سابقہ تفسیرات میں بیان کر چکے ہیں کہ حکم شرعی اگر ہوتا تو بندوں کو اختیار رہتا۔ چاہتے اس پر عمل کرتے یا نہ کرتے لہذا حق تعالےٰ نے اس کو اوامر شرعیہ کی حد سے نکال کر امور تقدیریہ میں داخل کر دیا جو ٹل نہ سکے۔

دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ امر شرعی اگر ہوتا تو لوگوں کو یہ وہم پیدا ہوتا کہ خلیفہ کا تقرر منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اور اس میں بڑا حرج لازم آتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں جتنی پیشین گوئیاں خلفائے راشدہ کے متعلق ہیں ان میں ان فتوحات و فرمان روائی کے ساتھ دینداری اور اقامت دین کا ذکر ضروری فرمایا گیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہدیٰ اور دین حق کا ذکر ہے۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے۔ کہ ان کے فتوحات اور ان کی فرماں روائی بادشاہانہ رنگ میں نہ ہو گی۔ بلکہ خلافت پیغمبر کے رنگ میں ہو گی۔ اصل مقصود ان کا اقامت دین ہو گا۔

۳۔ قرآن مجید کی انہیں پیشین گوئی کی وجہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانشین کا انتظام اس طور پر نہ کیا۔ کہ کسی کو نامزد کر دیتے۔ اور لوگوں میں اعلان کر دیتے کہ فلاں شخص میرا جانشین ہے۔

ورنہ ممکن نہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس شفقت و رافت کے جو امت پر آپ کو تھی۔ سفرِ آخرت کے وقت امت کو فراموش کر دیتے۔ اور ان کو بے والی چھوڑ دیتے۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے سفر آپ کو پیش آتے ہیں۔ غزوات میں آپ تشریف لے جاتے تھے۔ تو مدینہ میں کسی نہ کسی کو آپ اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے۔ مگر خداوندی پیشین گوئیوں نے آپ کو مطمئن کر دیا۔ اور اس آخری سفر میں آپ نے اس تصریح کی ضرورت نہ سمجھی۔ حضرت ابوبکر صدّیق کو امام نماز بنا دینا۔ گو خلیفہ بنانے ہی کے برابر تھا۔ مگر پھر بھی تصریح میں جو بات ہوتی ہے۔ وہ کہاں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی عادت ہوتی ہے۔ کہ جب کسی معاملہ میں وحی الٰہی سے ان کو تقدیر خداوندی کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر اس معاملہ میں اسباب ظاہری بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ اگر سیرت قدسیہ پر کوئی نظر ڈالے۔ تو بیسیوں مثالیں اس کی ملیں گی۔ مثلاً جس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ واللہ یعصمک من الناس اس وقت سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے اسباب ظاہری کو بالکل موقوف کر دیا دروازہ سے دربان وغیرہ ہٹا دیئے۔

ایک اعتراض اور اسکا جواب

آج کل یورپ کی سیاست نے یہ اعتراض پیدا کیا ہے۔ کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ ہماری اس تفسیر کو دیکھ کر شاید کسی کے خیال میں یہ بات آئے۔ کہ اس اعتراض کی اس سے تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہ قرار پایا کہ دین برحق

کو تلوار کے زور سے پھیلایا جائے۔

جواب اس اعتراض کا یہ ہے۔ کہ دین اسلام کا بذریعہ تلوار کے غالب کیا جانا اور چیز ہے۔ اور بذریعہ تلوار پھیلانا اور چیز ہے۔ دونوں میں بیّن فرق ہے۔ بذریعہ تلوار کے غالب کیے جانے کا تو مطلب یہ ہے۔ کہ اسلام کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے کے درپے تھیں۔ جس کو آیہ کریمہ میں فرمایا کہ خدا کے نور کو منہ سے پھونک کر بجھانا چاہتے ہیں۔ ان طاقتوں کو مغلوب کر دیا جائے۔ تاکہ اسلام کے مٹانے پر ان کو قدرت نہ رہے۔ اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کا یہ مطلب ہے۔ کہ لوگوں سے یہ کہا جائے۔ کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔ تو یہ بات کبھی نہیں ہوئی۔ نہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ آپ کے خلفائے راشدین کے زمانہ میں۔ قرآن شریف میں صاف فرمایا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ یعنی زبردستی کرنا دین میں جائز نہیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے۔ کہ دنیا میں ہر بادشاہ اپنے باغیوں کو فنا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کوئی اس کو معیوب نہیں سمجھتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خداوند عالم جل شانہ جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے باغیوں کو انبیاء علیہم السلام تہ تیغ کریں۔ اس پر اعتراض کیا جائے۔ خصوصًا جبکہ وہ باغی اس قدر آمادہ شرارت ہو گئے ہوں۔ کہ فرماں برداروں کی زندگی تلخ کر دیں۔ اور ان کی عافیت کو خطرہ میں ڈال دیں۔

الحمد للہ کہ تفسیر اظہار دین تمام ہو گئی۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

تفسیر

آیت دعوتِ اعراب

یعنی

خلافت راشدہ اور قرآن

جس میں

سورۂ فتح کی آیت دعوتِ اعراب یعنی آیت کریمہ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سے حضرات خلفائے ثلاثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہم کا خلیفہ برحق ہونا اور ان کی خلافتوں کا قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہونا ثابت کر کے منکرین پر حجت خدا کا قائم ہونا روز روشن کی طرح واضح کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامداً و مصلیاً و مسلماً

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (سورہ فتح پارہ ۲۶)

اے نبی! کہہ دیجئے پیچھے کئے ہوئے اعراب (یعنی بدوؤں) سے کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم ایک سخت جنگ آور قوم کی طرف۔ تم ان سے قتال کرو گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ پس اگر تم اس بلانے والے کی اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو اچھا ثواب دے گا۔ اور اگر تم منہ پھیر و گے۔ جیسا کہ تم نے پہلے منہ پھیرا تھا۔ تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا۔

تفسیر

اس آیت کا مطلب جیسا کہ اس کے الفاظ کریمہ سے ظاہر ہے۔ وہ یہ ہے کہ بدوؤں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی کی تھی۔ اور آپ کے ہمراہ کسی سفر یا جہاد میں نہ گئے تھے۔ ان سے فرمایا جاتا ہے۔ کہ ایک موقع تم کو اور دیا جائے گا۔ آئندہ عنقریب تم کو ایک بڑی جنگجو قوم سے لڑنے کے لئے دعوت دی جائے گی۔ اور اس دعوت دینے والے کا یہ رتبہ ہوگا۔ کہ اس کی اطاعت سے بڑا اچھا ثواب عنایت ہوگا۔ اور اس کی اطاعت سے انحراف کرنے پر سخت عذاب تم پر

آئے گا۔ ہمارے استدلال کے لئے نہ اس قصہ کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ وہ اعراب کون تھے۔ نہ اس کے معلوم کرنے کی حاجت۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس سفر یا کس جہاد کی دعوت دی تھی۔ اور انہوں نے کیوں انحراف کیا تھا۔

مگر اتمام بصیرت اور ازدیاد وضاحت کے لئے مختصر طور پر اس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا اکثر حصہ تو قرآن مجید کی اس سورت میں مذکور ہے۔ اور اس کے بعض اجزاء اگرچہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ مگر بلا خلاف واختلاف بین الفریقین مسلم ہیں۔ وھوھذا۔

۶ھ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بارادہ حج یا بہ نیت عمرہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ضرورت تھی۔ کہ ایک بڑی جماعت آپ کے ہم رکاب ہو۔ کیوں کہ بظاہر اسباب قوی اندیشہ تھا۔ کہ کفار مکہ مزاحمت کریں گے۔ اور شاید نوبت جہاد وقتال کی آجائے لہذا آپ نے تمام کلمہ گویان اسلام کو اس سفر کی دعوت عام دی۔ تمام صحابہ مخلصین جن کے ایمان واخلاص کا تقاضا یہ تھا۔ کہ ہر وقت جاں نثاری کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ جن کی ہر گھڑی اس انتظار میں کٹتی تھی۔ کہ کب وہ وقت ہم کو ملے گا۔ کہ ہماری نذر پوری ہو گی۔ اور رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جان دینے کا شرف ہم کو حاصل ہوگا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ شَانِہِمْ فَمِنْہُمْ[1] مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْہُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ ایسے تمام لوگ بے تردد وتامل جان نثاری کے لئے اس سفر میں آپ کے

---

[1] ترجمہ:- ان میں بعضے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعضے وہ ہیں۔ جو انتظار میں ہیں اور اپنے عہد میں، بالکل تبدیلی نہیں کی ۱۲؂

ساتھ ہو گئے۔ مگر بدوؤں کی ایک جماعت جن میں نہ وہ خلوص تھا۔ نہ
داعیۂ جان نثاری۔ ان کی قسمت میں کاتب ازل نے یہ سعادت نہ لکھی
تھی۔ وہ آپ کے ہمراہ نہ گئے۔ ان بدوؤں کے متعلق قرآن شریف میں
ارشاد ہوا ہے کہ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ.
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ تک پہنچنے پائے تھے۔ جو مکہ اور
مدینہ کے درمیان میں ایک مقام ہے۔ مکہ معظمہ سے اس قدر قریب کہ
اکثر حصہ حدیبیہ کا حرم میں شمار کیا گیا ہے۔ کہ کفار قریش نے مزاحمت
کی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک مغلوبانہ صلح ہوئی۔

اور احصار کی قربانی کرنے کے بعد سب لوگوں نے احرام کھول ڈالے۔
اس صلح میں یہ طے پایا کہ آیندہ سال اس عمرہ کی قضا کے لئے پھر رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائیں گے۔

اس سفر میں چودہ سو دو پندرہ سو کے درمیان میں رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں کا شمار کیا گیا ہے۔ اس سفر میں بمقام حدیبیہ
ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے
موت کی بیعت لی۔ یعنی یہ معاہدہ ان سے لیا کہ یا تو حضرت عثمان رضؓ کا
انتقام مکہ والوں سے لیں گے۔ یا سب اسی وادی میں جان دے دیں
گے۔ حضرت عثمان رضؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیر بنا کر مکہ والوں
کی تفہیم کے لئے بھیجا تھا۔ کفار مکہ نے ان کو قید کر لیا تھا۔ اور آنحضرتؐ

---

۱ ترجمہ: مدینہ کے گرد و پیش کی بستیوں میں بعضے اعراب منافق ہیں۔
۲ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے۔ اس کے بعد کوئی مانع آئے جسکے
باعث سے وہ حج یا عمرہ نہ کر سکے۔ تو اس کو حکم ہے کہ حرم کعبہ میں قربانی بھیج کر احرام
سے باہر ہو جائے۔ اس قربانی کو احصار کی قربانی کہتے ہیں۔ ۱۲

کسی مخبر نے یہ غلط خبر پہنچائی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اسی پر بیعت آپ نے لی۔ اثنائے بیعت میں جب یہ پتہ مل گیا کہ حضرت عثمانؓ زندہ ہیں۔ مگر قید میں ہیں۔ تو آپ نے خود اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لی۔

یہ بیعت اسلام میں بڑی عظیم الشان پیرائی گئی ہے۔ نام اس بیعت کا بیعۃ الرضوان ہے۔ قرآن مجید میں حق تعالےٰ نے اس بیعت کے کرنے والوں سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی بڑی خوش خبریاں ان کو سنائیں۔ اور خوب ان کی عزت افزائی کی۔ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا اَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ۔ یعنی تم آج تمام زمین کے لوگوں سے بہتر ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ حضورؐ نے فرمایا لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَۃِ۔ یعنی جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے گا۔ غزوہ بدر کے بعد اسلام میں اس بیعت کا رتبہ تسلیم کیا گیا ہے۔

سفر حدیبیہ سے واپسی کے وقت اثنائے راہ میں یہ مبارک سورت نازل

لے حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کا ذکر کتب شیعہ میں بھی ہے۔ چنانچہ ان کی سب سے زیادہ معتبر کتاب کافی کی کتاب الروضہ ص۱۱۰ میں ہے۔ وبایع رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وآلہ المسلمین وضرب باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان اور حیات القلوب جلد دوم ص۴۱۰ میں ہے "بروایت شیخ طبرسی چوں مشرکان عثمان را حبس کردند۔ خبر بحضرت رسید کہ او را کشتند حضرت فرمود کہ ازیں جا حرکت نمے کنم تا بایشاں قتال کنم۔ ومردم را بسوئے بیعت دعوت نمایم وبرخاست ولپشت مبارک بدرخت داد وتکیہ کرد وصحابہ باآں حضرت بیعت کردند۔ کہ با مشرکاں جہاد کنند ونگریزند وبروایت کلینی حضرت دست خود را بدست دیگر زد وبرائے عثمان بیعت گرفت ۱۲۔"

ہوئی۔ جس کا مبارک نام سورۃ الفتح ہے۔ جس کی ایک آیت کی تفسیر اس وقت کی جا رہی ہے۔ اس سورت میں تمام تر اس واقعہ حدیبیہ کا بیان ہے۔

ف :- اس سورۂ فتح کو شروع سے آخر تک پڑھو۔ عربی زبان نہ جانتے ہو۔ تو کسی ترجمہ کے ساتھ پڑھو۔ تو صاف نظر آئے گا
۔ کہ اس سورت میں حق

تعالیٰ کے بڑے بڑے مقصود دو ہیں۔ ایک یہ کہ جو صحابہ کرامؓ اس سفر میں ہم رکاب تھے۔ ان کی جان نثاری کی قدر افزائی کی جائے۔ اور مغلوبانہ صلح کے سبب جو اُن کے دل زخمی ہو رہے تھے اُن زخموں پر مرہم رکھا جائے۔ دوسرا یہ کہ ان اعراب کو تہدید کی جائے جو اس مبارک سفر میں ساتھ نہ گئے تھے۔

مقصود اول یعنی اصحاب حدیبیہ کی قدر افزائی اور ان کی دلداری اور دل دہی کے لئے طرح طرح کے عنوان اس سورت میں اختیار فرمائے ہیں۔ کہیں ان کو فتح و نصرت کے وعدے دیئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس وعدے کا نام ہی فتح مبین رکھا گیا۔ اور یہ سورت بھی سورہ فتح کے نام سے موسوم کی گئی۔ اور فرمایا گیا۔ کہ اب جو جماعت کافروں کی تمہارے مقابلہ میں آئے گی شکست خوردہ ہو کر راہ فرار اختیار کرے گی۔ کہیں اس بیعت کے فضائل بیان فرمائے گئے۔ اور ان کو اپنی رضامندی کی خوشخبری سنائی۔ کہیں ان کے اخلاص کی شہادت دی گئی۔ کہیں ان کو عظیم الشان غنیمتوں کا مژدہ سنایا گیا۔ اور غزوۂ خیبر کی غنیمتوں کو جو مسلمانوں کے لئے آسودگی کا عمدہ سبب بنیں۔ اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ کہیں ان کو نزول سکینہ کے رتبہ سے سرفراز فرمایا۔ کہیں ان کے اوصاف پسندیدہ اور ان کی عبادات و طاعات کو سراہا گیا۔ وغیرہ وغیرہ چنانچہ چند آیات کا اقتباس درج ذیل ہے

هُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا	وہی ہے جس نے نازل کیا سکینہ ایمان والوں کے دلوں میں تاکہ

إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ ۔
لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔

ان میں ایمان پر ایمان بڑھ جائے۔
تاکہ داخل کرے اللہ ایمان
والے مردوں اور ایمان والی
عورتوں کو ایسے باغوں میں جن
کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان
میں ہمیشہ رہیں گے ۔

وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ
فَوْزًا عَظِيْمًا ط

اور تاکہ مٹادے خدا ان کے
گناہوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک
بڑی کامیابی ہے ۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ
إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ
فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ ط

بہ تحقیق جو لوگ آپ کے ہاتھ پر
بیعت کرتے ہیں ۔ وہ اللہ ہی کے
ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ۔ اللہ
کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا
فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ
فَتْحًا قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً
يَّأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ
عَزِيْزًا حَكِيْمًا ه وَعَدَكُمُ
اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً فَعَجَّلَ
لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ

بہ تحقیق راضی ہوا اللہ ایمان والوں
سے ۔ جب وہ بیعت کر رہے تھے.
آپ سے درخت کے نیچے۔ پس جان
لیا اللہ نے جو کچھ ان کے دلوں میں
تھا۔ لہذا سکینہ ان پر نازل کیا.
اور ان کو انعام میں دی ایک فتح
قریب (یعنی فتح خیبر) اور غنیمتیں
بہت جن کو وہ لیں گے ۔ اور
اللہ غالب حکمت والا ہے (یہ صلح
مغلوبیت کے باعث نہیں ہوئی

النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ
اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرًا ۝

بلکہ اس میں حکمتیں ہیں) اللہ نے تم
سے بہت غنیمتوں کا وعدہ کیا
ہے۔ لہذا اس (غنیمت خیبر) کو
تو جلد دے دیا اور لوگوں کے ہاتھ
تم سے روک دیئے اور تاکہ (یہ
فتح خیبر) ایمان والوں کے لئے
ایک نشانی بنے۔ اور تاکہ اللہ تم
کو سیدھی راہ پر چلائے۔ اور کچھ اور غنیمتیں ہیں۔ جن پر تم کبھی قادر نہیں
ہوئے۔ مگر اللہ نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ
ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ
لَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ
الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ
التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ
بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

اور اگر کفار تم سے لڑتے تو پیٹھ
پھیر کر بھاگ جاتے۔ پھر اپنا کوئی
دوست اور مددگار نہ پاتے یہ اللہ
کا قانون ہے۔ جو پہلے سے مقرر
ہو چکا ہے (کہ انبیاء کے متبعین
کو انجام کار فتح ملتی ہے) اور
ہر گز خدا کے قانون میں تبدیلی نہ
پاؤ گے۔ پھر اللہ نے اپنا سکینہ اپنے
رسول پر اور ایمان والوں پر نازل
کیا اور لازم کر دی ان کے لئے
بات تقویٰ کی اور وہ اس نعمت
کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار
تھے۔ اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے (کہ کون کس انعام کا مستحق ہے۔
خاتمہ سورت میں وہ مشہور آیت ہے۔ جس کا نام آیت معیت ہے۔

یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الآیۃ ان آیات کریمہ میں علاوہ وعدہ فتوحات وغنائم کے اور علاوہ اصحاب حدیبیہ کے دوسرے فضائل کے تین باتیں بڑی زبردست بیان فرمائی ہیں کہ اعدائے قرآن کریم جس قدر مطاعن اصحاب حدیبیہ کے بیان کرتے ہیں۔ سب کے خاکستر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ وکفی اللّٰہ المؤمنین القتال۔

(۱) یہ کہ خدا نے اپنی رضامندی ان سے بیان فرمائی۔ اور وہ بھی اس کلمہ کے ساتھ۔ کہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ اس کا ہمیں علم ہے۔ یعنی ہماری رضامندی صرف ظاہری اعمال کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اخلاص قلبی کے علم کی وجہ سے ہے۔

(۲) اصحاب حدیبیہ کے لیئے صفت تقوٰی کو لازم کر دیا۔ لازم اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کا جدا ہونا محال ہو۔ تو مطلب یہ ہُوا کہ صفت تقوٰی کا ان سے جُدا ہونا محال ہے۔ پھر دیکھو تو کس لطف کے ساتھ۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ اس انعام کے سب سے زیادہ مستحق وسزاوار تھے۔ گویا یہ سوال ہوتا تھا کہ اتنا بڑا انعام ان کو کیوں دیا گیا تو جواب دیا کہ وہ اسی انعام کے لائق بلکہ سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اس پر کوئی شخص پوچھتا۔ کہ ان کا سب سے زیادہ مستحق اور لائق ہونا کیسے معلوم ہُوا تو فرمایا کہ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ ہم کو ہر چیز کا علم ہے۔ یہ ویسا ہی ہُوا کہ کفار مکہ نے ایک مرتبہ کہا کہ خدا کو اگر رسول بنانا ہی تھا۔ تو فلاں کو بنا تا یتیم ابوطالب میں کیا خصوصیت تھی۔ کہ ان کو نبی بنایا۔ اس کا جواب قرآن عظیم میں یہ دیا کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ اپنا رسول کس کو بنائے۔ کون اس نعمت کے قابل ہے۔

مخالفین اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ جس کی کوئی سند مکڑی کے جالے کی سی بھی نہیں پیش کر سکتے۔ البتہ اس آیت نے

اصحاب حدیبیہ کے لئے وہ مرتبہ ثابت کردیا۔ کہ اگر اس کی بنا پر تمام اہل حدیبیہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا جاتا تو بڑی گنجایش تھی۔ جب صفت تقویٰ ان کے لئے لازم کردی گئی تو اب عصمت میں کیا کسر باقی رہ گئی ؟ کروڑوں خود ساختہ عصمتیں قرآن کریم کے اس لفظ پر قربان کردی جائیں لئے اصحاب حدیبیہ یہ خدا داد دوست آپ کو مبارک رہیے۔ طُوْبٰی لَکُمْ ثُمَّ طُوْبٰی لَکُمْ۔

مقصود دوم :۔ یعنی ساتھ نہ جانے والے اعراب کی تہدید بھی اس سورت میں بحد کمال فرمائی گئی۔ ان کے دلی خیالات ظاہر فرما کر ان کو شرمندہ کیا گیا۔ پھر سب سے بڑی سزا یہ دی گئی۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جہاد و قتال سے ہمیشہ کے لئے اور موافق ایک قول کے صرف غزوہ خیبر کی شرکت سے ممنوع قرار دیئے گئے۔ اس مقصود کے متعلق چند آیات حسب ذیل ہیں:

سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	عنقریب اے نبی پیچھے کئے ہوئے اعراب آپ سے کہیں گے کہ ہمیں ہمارے مال نے اور بال بچوں نے مشغول کر رکھا تھا (اس سبب سے ہم آپ کے ساتھ نہ جا سکے) لہذا آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہ تھی۔ آپ کہیے کہ تمہیں خدا سے کون بچا سکتا ہے۔ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا

إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَّزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا بُورًا ○

تمہیں نفع پہنچانا چاہے ۔ بلکہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے بلکہ دراصل سبب ساتھ نہ جانے کا یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا تھا کہ اب رسول اور ایمان والے اپنے گھر کبھی لوٹ کر نہیں آسکتے ۔ اور یہ خیال تمہارے دلوں میں بس گیا تھا ۔ حالانکہ تمہارا یہ خیال بُرا خیال تھا ۔ اور تم ہلاک ہونے والی قوم ہو ۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ

عنقریب پیچھے کئے ہوئے لوگ کہیں گے جب تم مال غنیمت لینے کے لئے چلو گے کہ (اے مسلمانو!) ہمیں نہ روکو ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں ۔ یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی بات بدل دیں ۔ اے نبی فرما دیجئے ۔ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جا سکو گے ۔ تمہارے متعلق اللہ نے پہلے[لہ] ہی سے ایسا فرما دیا ہے ۔

لہ اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے ۔ کہ یہ بدو ہمیشہ کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے روک دیئے گئے تھے یا صرف غزوۂ خیبر سے اس اختلاف کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہوا ۔ جو لوگ ہمیشہ کی ممانعت بیان کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے ۔ اس سے اشارہ سورۃ توبہ کی اس آیت کی طرف ہے ۔ فان رجعك الله إلى طائفة منهم فاستأذنوك للخروج فقل لن تخرجوا معي ابدا ولن تقاتلوا معي عدوا ۔ ترجمہ : جب اللہ آپ کو ان میں سے کچھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶۶ پر

اسی سلسلہ میں آیت بھی ہے۔ جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں۔ یعنی آیت دعوت اعراب کو دیکھو۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان بدوؤں کی حالت زار پر رحم فرمایا۔ اور ان کو پھر ایک موقع تلافی مافات کا دیا اور فرمایا کہ آئندہ تم کو ایک بڑی جنگ آور قوم سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا اس بلانے والے کی اطاعت کرو گے تو ثواب پاؤ گے۔ اور اگر انحراف کرو گے۔ تو تم پر سخت عذاب ہوگا۔

ان بدوؤں میں دو قسم کے لوگ تھے۔ کچھ لوگ مومن تھے۔ مگر ان میں وہ قوت ایمان نہ تھی۔ اور کچھ لوگ منافق تھے۔ چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا وجاء المعذرون من الاعراب وقعد الذین کذبوا اللّٰہ و رسولہٗ یعنی عذر کرنے والے بدو تو آگئے۔ اور جنہوں نے اللہ سے اور

(بقیہ حاشیہ ص٥٦٥ کا) لوگوں کی طرف واپس کرے۔ پھر یہ لوگ آپ کے ساتھ جانے کی اجازت مانگیں۔ تو آپ کہہ دیجئے گا۔ کہ تم کبھی میرے ساتھ ہرگز نہ جاؤ گے۔ اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے ہرگز نہ لڑو گے۔ یہ قول بدو وجہ مدلل ہے۔ اول یہ کہ آیت زیر بحث کے الفاظ عام ہیں۔ غزوہ خیبر کی تخصیص نہیں۔ دوم۔ یہ کہ سورہ توبہ کی آیتوں میں بھی بدوؤں کا بیان ہے اور عنوان کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس قصہ حدیبیہ سے اس کا تعلق ہے۔ اور اللہ کے فرمانے کا مطلب بھی بظاہر یہی ہونا چاہیئے۔ کہ قرآن مجید میں وہ فرمان موجود ہو۔ اور جو لوگ صرف خیبر میں ممانعت بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن کے علاوہ جو وحی آئی تھی اس میں فرمایا یہ لوگ سورہ توبہ کی آیتوں کو غزوہ تبوک سے متعلق کرتے ہیں۔ بہر صورت نتیجہ ایک ہے۔ ان بدوؤں کو اگر سورہ فتح میں ہمیشہ کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ تو سورہ توبہ میں ہمیشہ کی ممانعت ہوگئی ١٢-

اس کے رسول سے دروغ گوئی کی تھی وہ (اپنے گھروں میں) بیٹھ رہے۔ غالباً یہ موقع تلافی مافات کا صرف ان بدوؤں کو دیا گیا تھا۔ جو نفاق سے پاک تھے۔ اور سفر حدیبیہ میں شریک نہ ہونے پر نادم و متاسف تھے۔ اور بار بار عذر خواہی کے لئے آتے تھے۔ گو بالآخر دوسرے قسم کے بدوؤں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے پہلے جتنے منافق تھے یا تو مر چکے تھے۔ یا نفاق سے تائب ہو کر مومن کامل بن گئے تھے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت[1] بتلا رہی ہے۔ یہ آیت ہم مکیریاں ضلع ہوشیارپور کے مباحثہ میں پیش کر چکے ہیں۔ اور اس مباحثہ کی روئیداد میں درج ہے۔

---

[1] وہ آیت یہ ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۖ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ط سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ط۔ ترجمہ: اگر باز نہ آئیں گے منافق (اپنے نفاق سے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور بری خبر مشہور کرنے والے مدینہ میں۔ تو ضرور ضرور آپ کو ہم ان پر برانگیختہ کریں گے۔ پھر وہ مدینہ میں آپ کے پڑوسی نہ ہو سکیں گے۔ مگر تھوڑے دن۔ ان پر لعنت ہوگی۔ جہاں کہیں جا کر ٹھہریں گے۔ وہیں پکڑے جائیں گے۔ اور خوب قتل کئے جائیں گے یہ اللہ کی سنت ہے (جو) ان لوگوں میں رہی تھی جو کہ تم سے پہلے تھے۔ اور ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کی سنت میں تبدیلی۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے۔ کہ منافقوں کو چند روز کی مہلت ہے۔ اگر وہ اس مدت میں اپنے نفاق سے تائب نہ ہو جائیں گے تو نبی کو ان پر جہاد کا حکم ملے گا۔ اور وہ مدینہ میں نہ رہ سکیں گے۔ اور جہاں جائیں گے۔ وہیں پکڑے جائیں گے۔

بقیہ صفحہ ۵۶۸ پر

ISLAMIC RESEARCH ... LIBRARY

شرح الفاظ

مُخَلَّفِیْنَ ۔ گو بظاہر نظر یہ اعراب یعنی بدو خود ہی سفر حدیبیہ میں ساتھ نہ گئے تھے۔ یہ بات نہیں ہوئی کہ ان کو ساتھ نہیں لیا گیا۔ اور پیچھے کر دیا گیا۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ ایسے نیک مواقع میں جو شخص شریک نہ ہو۔ حقیقۃً وہ راندہ درگاہ ہے۔ خدا نے خود اس کو شریک کرنا نہیں چاہا۔ یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ۔ وہ جس کو چاہتا ہے۔ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ درباریوں میں کسی کا نام نہ ہو۔ اور دربار میں وہ بلایا جائے۔ تو ہو نہیں سکتا کہ نہ جائے جو نہ گیا معلوم ہوا کہ درباریوں میں اس کا نام ہی نہ تھا۔

ہمیں ست معنی کہ در بارگاہ ٭ نہ شاید شدن جز بفرمان شاہ

خود انہیں اعراب کے متعلق سورۂ توبہ میں فرمایا کہ وَلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ انْۢبِعَاثَہُمْ فَثَبَّطَہُمْ (ترجمہ) ولیکن ناپسند کیا اللہ نے ان کا

(بقیہ صفحہ ۵۶۷ کا) اور مارے جائیں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ چند روزہ کی مہلت رسول کی زندگی ہی میں ختم ہو جائے۔ اور بعد اسکے ان پر جہاد ہو۔ اور وہ مدینہ سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ وہاں بھی لعنتی موت سے مارے جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ پس قطعاً معلوم ہوا کہ رسول ہی کے زمانہ میں جو منافق مرتے مرتے بچ رہے تھے۔ وہ تائب ہو گئے تھے۔ شیعہ مفسروں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں منافقوں کا نفاق سے باز آجانا ہی مراد لیا ہے۔ علامہ فتح اللہ کاشانی خلاصۃ المنہاج میں لکھتے ہیں۔ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ اگر باز نہ ایستند منافقاں از نفاق و آزار پیغمبر و کید نمودن۔ پھر سُنَّۃَ اللّٰہِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یعنی مقرر کردہ در امم ماضیہ کہ انبیاء بکشتند منافقون عہد خود را ۱۲ منہ۔

آپ کے ہمراہ جانا - لہذا ان کو سست کر دیا - المختصر اسی سبب سے ان اعراب کو مخلفین فرمایا - جس کے معنے پیچھے کیئے ہوئے مُتَخَلِّفِيْنَ نہ فرمایا جس کے معنے پیچھے رہ جانے والے سَتُدْعَوْنَ یعنی عنقریب تم بلائے جاؤ گے - اس خاص عنوان میں بہت سے نکات ہیں - ازاں جملہ یہ کہ اگر یوں فرمایا جاتا کہ عنقریب ایک بلانے والا تم کو بلائے گا - تو یہ بلانے کا فعل اس بلانے والے کی طرف منسوب ہوتا - اور فعل مجہول میں کسی کی طرف نسبت فعل کی نہ ہوئی - اور یہ بلانا خدا کا بلانا قرار پایا - بلانے والے کا وجود ضمناً سمجھ لیا گیا - یہ بھی نہ فرمایا کہ بلانے والا بعد پیغمبر کے ہوگا - اس لئے کہ ایسا فرمانے سے اس بلانے کی اہمیت گھٹ جاتی - اور در حقیقت شیخین کا زمانہ بقیہ ایام نبوت تھا - یہ مقصد بھی فوت ہو جاتا -

قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ - یعنی سخت لڑائی والی قوم - اس لفظ سے معلوم ہوا - کہ یہ قوم عرب کی نہیں ہے - کیونکہ کفار عرب سے تو بہت لڑائیاں مسلمانوں کی ہو چکی تھیں - اگر وہ مراد ہوتے تو صرف اِلَيْهِمْ فرمانا کافی تھا - پھر شدید کا لفظ بتلا رہا ہے - کہ اب تک جتنی لڑائیاں جن جن لوگوں سے ہو چکی ہیں - ان سب سے زیادہ سخت قوم ہوگی - جس کی قوت و جلاوت مشہور آفاق ہے - اور یہ بات اس زمانہ میں صرف رومیوں اور ایرانیوں میں تھی - کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تمام روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں تھیں - ایک روم کی جس کا مذہب عیسائی تھا - اور ایک ایران کی جس کا مذہب مجوسی تھا - ان دو کے سوا اگر کوئی بادشاہ تھا - تو یا انہیں دو میں سے کسی کا باج گزار تھا - یا اس کی بادشاہت برائے نام تھی - بہر کیف یہ بات قطعی ہے - کہ قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ سے ایرانی اور رومی مراد ہیں - کوئی اور قوم مراد نہیں ہو سکتی - احادیث کے دیکھنے سے تاریخ کے مطالعہ سے

خصوصاً روم و ایران کی لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

کَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ اس بلانے والے کا مرتبہ اس تشبیہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس تشبیہ سے معلوم ہوا کہ اس بلانے والے کے حکم سے انحراف کرنا رسول کے حکم سے انحراف کرنے کے مثل ہے اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو ضرور اس آیت کی پیشین گوئی کا مصداق کوئی نبی ہوتا۔ لیکن اب نبی نہیں تو سید الانبیاء کا خلیفہ خاص ہے۔ اس آیت دعوت اعراب سے حضرات شیخین کی حقیقت خلافت نہایت وضاحت سے ثابت ہوتی ہے۔ اور اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی خلافت قرآن شریف کی موعودہ خلافت تھی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں خلافت راشدہ کا بیان بطور پیشین گوئی فرمایا۔ اس کی حکمت ہم سابقہ تفسیروں میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر بطور حکم شرعی کے فرمایا جاتا کہ فلاں شخص یا فلاں اشخاص کو خلیفہ بناؤ۔ تو جس طرح تمام احکام شرعیہ میں بندوں کو اختیار عمل کرنے نہ کرنے کا ہوتا ہے۔ اس حکم میں بھی ہوتا۔ گو صحابہ کرام کے زمانہ میں ضرور اس پر عمل ہوتا۔ مگر پھر بھی عنوان بیان سے عمل نہ ہونے کا احتمال مترشح ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے پیشین گوئی کا عنوان اختیار فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت راشدہ ایک امر تقدیری ہے جس کا وقوع لابدی اور ضروری ہے۔ بندوں کے اختیار کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ زور قضا نے اپنی مراد کیلئے لوگوں کو آلہ کار بنایا اب دیکھو آیت دعوت اعراب میں پیشین گوئی ہے۔ اس میں پانچ باتیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) کوئی بلانے والا ان بدوؤں کو جو سفر حدیبیہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے تھے۔ جہاد کے لئے بلائے گا۔

(۲) یہ بدو جس قوم سے جہاد کے لئے بلائے جائیں گے۔ وہ سخت

جنگ جو قوم ہوگی۔

(۳) وہ قوم عرب کے ماسوا ہوگی۔

(۴) یہ جہاد دو باتوں میں سے ایک بات پر ختم ہوگا یا قتال یا اسلام یعنی یا تو حریف مقابل مسلمان ہو جائے گا یا اس سے قتال ہوگا۔

(۵) جو اس جہاد کی طرف بلائے گا۔ وہ اس رتبہ کا شخص ہوگا۔ کہ اس کی فرماں برداری سے ثواب اور اس کی نافرمانی سے عذاب ہوگا۔

پس اب ہم کو تاریخ کے واقعات قطعیہ سے یہ تلاش کرنا چاہیئے۔ کہ یہ بلانے والا کون تھا۔ احتمال عقلی کے طور پر یہ بلانے والے یا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہوسکتے ہیں۔ یا تینوں خلیفوں میں سے کوئی یا حضرت علیؑ یا خلفائے نبی امیہ۔ خلافت اموی کے بعد اس آیت کی پیشین گوئی کو تلاش کرنا عبث ہے۔ اس لئے کہ ان بدوؤں کی زندگی ہی اسوقت تک، نہیں رہ سکتی۔ تو پھر پیشین گوئی کا پورا ہونا کیا۔

ان احتمالات میں سے ایک ایک کو اچھی طرح جانچو۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس پیشین گوئی کا پورا کرنا بالکل ظاہر ہے

اوّل :۔ اس وجہ سے کہ ان بدؤں کو آپ کی معیت سفر سے ہمیشہ کے لئے ممنوع کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

دوم : اس وجہ سے کہ حدیبیہ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف چار جہاد ہوئے۔ خیبر۔ فتح مکہ، حنین۔ تبوک۔ ان چاروں میں کسی پر پیشین گوئی کے اجزاء صادق نہیں آتے۔ تبوک کے سوا تینوں جہاد عربوں ہی کی قوم سے تھے۔ قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ۔ اُن پر صادق نہیں آتا۔ علاوہ اس کے خیبر میں تو باجماع مفسرین و بدلالت آیات قرآنیہ ان بدؤں کو شرکت کی ممانعت تھی۔ باقی رہا غزوہ تبوک۔ اس میں البتہ رومیوں سے مقابلہ تھا۔ یعنی اس غزوہ

میں قتال کی نوبت نہیں آئی نہ حریف مسلمان ہُوا۔ حریف میدان جنگ میں آیا ہی نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ تک مقام تبوک میں ٹھہرے رہے۔ قیصر روم کو آپ نے اطلاع بھیجی۔ کہ ہم تجھ سے قتال کرنے کے لئے آئے ہیں۔ قیصر پر اس قدر رعب غالب ہُوا۔ کہ اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ بالآخر حضور پرنور واپس تشریف لے آئے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کا زمانہ مبارک بھی اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ بچند وجوہ۔ اوّل۔ یہ کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں تین لڑائیاں ہوئیں جمل، صفین، نہروان۔ یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان اسلام سے تھیں (ولیسلمون) اس پر صادق نہیں آتا۔ یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لئے تھیں۔

دوم۔ یہ کہ یہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔

سوم۔ یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ملتا۔ کہ ان بدوؤں کو حضرت علی مرتضیٰؓ نے دعوت جہاد دی۔

بنی امیہ نے بھی کبھی حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت جہاد نہیں دی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں۔

باقی رہے حضرات خلفائے ثلاثہؓ۔ تو واقعات تاریخیہ بتلا رہے ہیں کہ ان کے عہد میں دُنیا کی دو بڑی سلطنتوں یعنی روم و ایران سے لڑائی ہوئی۔ اور رومیوں اور ایرانیوں کا قومِ اُولِیْ بَأْسٍ شَدِیْدٍ ہونا یقیناً ناقابل انکار ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہے۔ کہ ان تینوں خلفاء نے ان لڑائیوں میں حجاز و یمن کے بدوؤں کو دعوت دی۔ لہٰذا وہ بلانے والے قطعاً یہ تینوں خلفاء خصوصاً حضرات شیخینؓ ہیں۔ پیشین گوئی کے تمام اجزاء ان پر منطبق ہیں اور جب ان کا داعی جہاد ہونا اور ان کی دعوت کا فرض ہونا ثابت ہو گیا تو ان کے

خلیفہ برحق ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اگر باوجود اس پیشین گوئی کے تمام اجزاء کے منطبق ہوجانے کے کوئی شخص ان تینوں خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ مانے۔ تو اس کا لازم نتیجہ یہ ہے۔ کہ آیت کی پیشین گوئی پوری نہ ہو۔ اور کلام الٰہی کی تکذیب ہو جائے۔ نعوذ باللہ منہ۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت خلافت بیان فرمائی ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بھی اس آیت کی عمدہ تقریر تحفہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے مگر حضرت مولٰنا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں جو تقریر اس آیت کی لکھی ہے۔ وہ انہیں کا حصہ تھی۔ میں اس موقع پر ازالۃ الخفاء کی وہ پوری تقریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ اور اسی کو خاتمہ بیان بناتا ہوں۔ میں نے جو کچھ لکھا۔ سب انہیں کا فیض ہے۔

شکر لطف تو چہ کند اے ابر بہار
کہ اگر خار دگر گل ہمہ آوردہ تست

ازالۃ الخفاء مقصد اول کی تیسری فصل میں فرماتے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي سُوْرَةِ الْفَتْحِ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ	اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح (چھبیسواں پارہ) میں فرمایا ہے۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ

مِن قَبلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَاباً
اَلِیْماً ہ
بگو یا محمدؐ پس گذاشتہ گان را
از بادیہ نشینان کہ عنقریب خواندہ
خواہید شد۔ بسوئے جنگ
قومی خداوند کار زار سخت کہ
جنگ کیند با ایشاں یا آں کہ
ایشاں مسلماں شوند۔ پس
اگر فرمانبرداری کردید بدہد خدا
تعالےٰ شمارا مزد نیک و اگر
روی گردانید۔ چنانچہ روی
گردانیدہ بودہ۔ پیش ازاں
دعوت عقوبت کند شمارا
عقوبت دارد دہندہ۔ سبب
نزول آیہ بروفق اجماع مفسرین
و دلالت سیاق و سباق
آیات و بر طبق مضمون احادیث
صحیحہ آں است۔ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سال حدیبیہ
ارادہ نمودند کہ عمرہ بجا آرند۔
پس دعوت فرمودند اعراب
واہل بوادی را تا دریں سفر
برکاب آں جناب صلی اللہ

مِنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَاباً
اَلِیْماً ہ
کہہ دو اے محمدؐ پیچھے چھوڑے
ہوؤں کو جو بادیہ نشینوں سے ہیں)
کہ عنقریب بلائے جاؤ گے تم
ایسی قوم (کی لڑائی) کی طرف
(جو) سخت لڑنے والی (ہوگی)
تم ان سے لڑوگے یا وہ مسلمان
ہو جائیں گے۔ پس اگر اطاعت
کروگے تم تو دے گا خدا تم کو
اچھا بدلا اور
اگر منہ پھیروگے تم جیسے منہ پھیرا
تھا اس بلانے سے پہلے تو
عذاب کرے گا تم پر درد دینے
والا عذاب۔ اس آیت کا
سبب نزول باجماع مفسرین
اور بدلالت سیاق و سباق
آیات اور موافق مضمون احادیث
صحیحہ کے یہ ہے کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ
کے سال ارادہ کیا کہ عمرہ بجا
لائیں۔ لہذا آپ نے اعراب

الله علیه وسلم سعادت اندوز
باشند زیرا که احتمال قوی بود
که قریش از دخول مکه مانع
آیند بسبب کینهائے که از
جهت قتلی بدر واحد واحزاب
در قلوب ایشان متمکن بود۔
متعرض بحرب شوند ودرین هنگام
بحسب تدبیر عقل لابد ست۔
از استجاب جمیع کثیر تا از شر قریش
ایمنی حاصل شود بسیارے از
اعراب دعوت آں حضرت صلی
الله علیه وسلم گوش نکرده ازیں
سفر تخلف نمودند وبعض باشتغال
ضروریه در اہل ومال تعلل کردند
ومخلصین مسلمین که سر تا پا بشاشت
ایمان ممتلی بودند مرافقت و
موافقت را سعادت دانسته
صحبت اختیار نمودند چوں نزدیک
بحدیبیه رسیده شد۔ قریش
بحمیت جاہلیت مبتلا گشته۔
مستعد قتال وجدال شدند
بعد اللتیا واللتی صلح معلو بانه
دراں جا اتفاق افتاد۔ وبیروں

(یعنی) بادیہ نشینوں کو بلایا تاکہ
وہ بھی اس سفر میں آں جناب
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کی
سعادت حاصل کریں۔ کیونکہ
قوی احتمال تھا کہ قریش مکہ کے
اندر داخل ہونے سے روکیں
گے۔ اور بدر واحد واحزاب
میں جو ان کے عزیز اقارب
مارے گئے تھے۔ اس کا کینہ
ان کے دلوں میں بھرا ہوا تھا۔
لہذا آمادہ جنگ ہو جائیں گے۔
اس وقت بمقتضائے تدبیر
عقل ایک بڑی جماعت کا
ساتھ لے جانا ضروری تھا۔
تاکہ قریش کے شر وفساد کا
خوف نہ رہے۔ بہت سے
اعراب نے آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بلانے کا کچھ خیال
نہ کیا اور اس سفر (مقدس) سے
پیچھے بیٹھ رہے۔

ان
اور بعض اپنے خانگی اور مالی کاموں

مکہ دم احصار ادا کردند۔ و باز
گشتند۔ چوں دریں سفر
اخلاص مخلصاں مبرہن گشت
در خواطر ایشاں کرب عظیم
مستولی شدہ بود بہ سبب
فوت عمرہ و از جہت صلح
مغلوبانہ حکمت الٰہی تقاضا
فرمود کہ جبر قلوب ایشاں
نماید بمغانم خیبر کہ عنقریب
بدست ایشاں افتد و آں مغانم
را خاص بحاضرین حدیبیہ
گرداند۔ غیر ایشاں را اذن
خروج نداد۔ و در آں مغانم
شریک نہ گرداند قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی
سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ
إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ
مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا
ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ
يُرِيدُونَ أَن
يُبَدِّلُوا كَلَامَ
اللَّهِ قُل لَّن
تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ
قَالَ
اللَّهُ

کا بہانہ کرکے ہٹ گئے۔ صرف
ان با اخلاص مسلمانوں نے جو سر سے
پیر تک بشاشت ایمان سے لبریز
تھے۔ آپکی ہم رکابی و معیت کو سعادت
سمجھ کر رفاقت اختیار کی۔ جب یہ
حضرات مقام حدیبیہ میں پہنچے۔ تو قریش
اپنی حمیت جاہلیت میں مبتلا ہو کر آمادہ
جنگ ہو گئے۔ بعد بہت کچھ جد و جہد
کے مسلمانوں کو مغلوبانہ صلح وہاں
کرنی پڑی۔ اور انجام یہ ہوا کہ مکہ
سے باہر احصار کی قربانی دے کر
لوٹ آئے۔ چونکہ اس سفر میں
مخلصوں کا اخلاص بالکل کھل گیا اور
ان کے دلوں پر بے چینی بھی بہت
غالب تھی عمرہ کے فوت ہو جانے
کی وجہ سے اور صلح مغلوبانہ کے
سبب سے لہذا حکمت الٰہی نے
چاہا۔ کہ ان کے دلوں پر مرہم
رکھے۔ غنائم خیبر سے جو عنقریب
ان کے ہاتھ میں آئیں گی۔ اور
ان غنیمتوں کو حاضرین حدیبیہ
کے ساتھ خاص کر دے لہذا
حق تعالے نے غزوہ خیبر میں جانے

مِنْ قَبْلُ ج و باخبار رضائے
خود از آں جماعت کہ در حدیبیہ
بیعت نمودند ۔
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَقَدْ
رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ
الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ
یُبَایِعُوْنَكَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ
الآیۃ و ہیچ کس از
حاضران حدیبیہ
ازیں بیعت تخلف نہ کرد
الا جد بن قیس منافق
تنہا وَاَخْرَجَ
الْبَغَوِیُّ وَغَیْرُہٗ
عَنْ جَابِرٍ اَنَّ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لَا یَدْخُلُ النَّارَ
اَحَدٌ مِمَّنْ بَایَعَ
تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔
و ایں مشہد یکے از مشاہد
خیر است کہ صحابہ کرام
دراں مشہد بمقامات عالیہ فائز گشتند و

اجازت حاضران حدیبیہ کے سوا کسی کا
نہ دی۔ اور خیبر کی غنیمت میں کسی کو
حصہ نہ دیا۔ چنانچہ (اس سے پہلے)
فرمایا۔ سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ (ترجمہ
عنقریب (اے نبی) کہیں گے پیچھے چھوڑے
ہوئے اعراب مسلمانوں سے، جب
چلو گے تم مال غنیمت کی طرف تا کہ
لو اس کو ہمیں بھی اجازت دو ہم
بھی تمہارے ساتھ چلیں۔ یہ لوگ
چاہتے ہیں کہ اللہ کی بات کو بدل
دیں (اے نبی) کہہ دو کہ تم ہمارے ساتھ
ہرگز نہ آؤ۔ اللہ نے پہلے سے ایسا
فرما دیا ہے۔ اور حکمت الٰہی نے
چاہا کہ ان کے دلوں پر مرہم رکھے)
اپنی خوشنودی بیان کر کے ان لوگوں
سے جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت
کی۔ چنانچہ (اس سورت میں ہے)
لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ
اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
بیشک اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے
جبکہ وہ بیعت کر رہے تھے (اے نبی)
تم سے درخت کے نیچے حاضران
حدیبیہ میں سے اس بیعت سے

بمغانمے کہ بعد مہلتے بدست ایشاں
افتد مانند غنائم حنین و بمغانم
اُخرے کہ گاہے عرب برآں قادر
نشدہ بودند وآں مغانم
فارس وروم است کہ
بسبب قوت وشوکت وکثرت
عَدَدِ وعُدَدِ ایشاں اصلاً غلبہ
براں جماعۃ واخذ مغانم ازایشاں
درخیال عرب نمے گذشت
قال اللہ تعالےٰ وَعَدَكُمُ
اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
مغانم عرب است حنین و مانند
آں فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ
مغانم خیبر است کہ متصل حدیبیہ
بدست ایشاں آمدہ۔ وَاُخْرٰى
لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا.
مغانم فارس وروم است
ونیز حکمت الٰہیہ تقاضا نمودند
کہ تشدید متخلفین و تفضیح حال
ایشاں کردہ شود قال اللہ تعالیٰ
قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ الآیۃ و
ازآئندہ کہ دعوت ایشاں است
برائے قتال اولی باس شدید

کسی نے تخلف نہ کیا سوا جد بن قیس
منافق کے فقط اور بغوی وغیرہ نے
حضرت جابر سے روایت کی ہے۔
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا نہ داخل ہوگا دوزخ میں۔ ان
لوگوں میں سے کوئی جنہوں نے
درخت کے نیچے بیعت کی یہ واقعہ
حدیبیہ ایک عظیم الشان مشہد ہے۔
مشاہد خیر سے کہ صحابہ کرام اس
مشہد میں اعلیٰ درجہ کے مراتب
پر پہنچ گئے اور حکمت الٰہی نے
چاہا کہ ان کے دلوں پر مرہم رکھے
ان غنیمتوں میں سے جو کچھ دیر کے
بعد ان کو حاصل ہونگی۔ مثل
غنائم حنین کے اور نیز مرہم
رکھے ان غنیمتوں سے جن پر
پر اہل عرب کو کبھی قدرت نہ ملی
تھی اور وہ غنائم فارس وروم
ہیں۔ کہ اہل فارس وروم کی قوت
وشوکت وکثرت افواج وآلات
حرب کی وجہ سے اُن پر غالب آ
جانے کا خیال بھی اہل عرب کو نہ
ہوتا تھا۔ چنانچہ اس سورت میں ہے

اعلام کردہ آمد۔ تا پیش از وقوع
واقعہ تامل دانی در واجب
قبول دعوت و عدم قبول آں
کردہ باشند۔ و چوں
ردئے دہر بہ بصیرت
باشند۔ واحتمالات عقلیہ
مشوش حال ایشاں نگردد
نَسَّ الیکَ قولہ تعالیٰ
سَتُدْعَوْنَ بطریق اقتضاء
ازیں کلمہ مفہوم شد کہ در
زمان مستقبل داعیے خواہد
بود۔ اعراب را بسوئے
جہاد کفار وازیں دعوت
تکلیف شرعی مستحق خواہد
شد۔ اگر قبول دعوت کنند
ثواب آں بیابند واگر رد
کنند معاقب شوند۔ واین
لازم بیّن خلیفہ راشد ست
ودعوت بسوئے جہاد اعظم
صفات خلیفہ است۔ پس
ازیں آیت وعدہ وجود داعی
بسوئے جہاد واثبات خلافت
او مفہوم شد۔ در تفتیش آنم

وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ
کَثِیْرَۃً (یعنی اللہ نے تم سے بہت
غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے) اس سے
غنائم خیبر ہیں۔ جو حدیبیہ کے بعد
علی الاتصال اُن کو ملیں۔ وَ
اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْہَا
(یعنی کچھ غنیمتیں ہیں جن پر تمہیں
دادا پردادا کے وقت سے آج
تک کبھی قابو نہیں ملا) مراد اس
سے فارس وروم کی غنیمتیں
ہیں، نیز حکمت الٰہیہ نے چاہا
کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک
نہیں ہوئے۔ ان کی تہدید کی
جائے۔ اور ان کی حالت کی خرابی
بیان کی جائے۔ لہٰذا فرمایا۔
قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ الخ (یہی اس
آیت کا سبب نزول ہے)
اس آیت میں) آگے چل کر سخت
لڑنے والی قوم سے لڑنے کے
لئے ان کو بلائے جانے کا ذکر
اس لئے کر دیا گیا۔ کہ اس واقعہ
کے ظہور سے پہلے بلانے کے
منظور کرنے یا نہ کرنے کے انجام

کہ این واعیان کہ بودند و
این اوصاف بر کدام شخص
منطبق شد۔ یکے ازاں اوصاف
ایں است۔ کہ دعوت برائے
اعراب باشد۔ کہ بادیہ نشینان
اند۔ گو اہل شہر را نیز دعوت
کنند۔ دوم آنکہ دعوت بقتال
کفار اولی باس شدید باشد
و معنی اولی باس شدید آں
است کہ از جماعتہ کہ مستعد
قتال شدہ اند۔ داعیان و
مدعوان ہمہ شدت باس
بیشتر داشتہ باشند و الاشدت
وضعف امر نسبتی است
ہر ضعیفے شدید ست بہ نسبت
اضعف ازاو ولیکن عرف عام
با مستعد قتال مے سنجد۔ اگر
بہ نسبت این مستعد آں اکثر
واقوی و با اسباب تر باشند
اولی باس شدید گویند۔
والانہ۔ معنی اولی باس
شدید آں ست کہ بمقتضائے
قیاس و بحکم عقول مفطورہ در بنی

پر غور کر رکھیں۔ تاکہ جب وہ
واقعہ پیش آئے (اور وہ بلائے
جائیں) تو نا واقف نہ رہیں۔ اور
احتمالات عقلیہ ان کے دل کو پریشان
نہ کریں۔ یہی مضمون سَتُدْعَوْنَ
سے بیان ہو رہا ہے۔ سَتُدْعَوْنَ
سے بطور اقتضاء النص، کے یہ
بھی سمجھا گیا۔ کہ زمانہ آیندہ میں
کوئی بلانے والا اعراب کو جہاد
کفار کی طرف بلائے گا۔ اور
اس کے بلانے سے تکلیف شرعی
قائم ہو جائے گی۔ یعنی اگر وہ لوگ
اس کے بلانے کو مان جائیں گے۔
تو ثواب پائیں گے ورنہ عذاب
کیا جائے گا۔ یہ (وصف) خلیفہ
راشد کا لازم بیّن ہے۔ اور
جہاد کی طرف بلانا خلیفہ کے اعظم
صفات سے ہے۔ لہذا اس آیت
سے جہاد کی طرف بلانے والے
کے ظہور کا وعدہ ہے۔ اور اس
سے بلانے والے کی خلافت کا
ثبوت مفہوم ہوتا ہے۔ اب ہم
یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بلانے والے

آدم اقرب بغلبہ دیدہ شود۔
اگرچہ بفضل الٰہی بخرق
عادت آں جموع مجموعہ را
بدست اولین برہم زند
سویم آں کہ دعوت برائے
غیر قریش باشد۔ زیراکہ
تنکیر قوم مے فہماند کہ ھُمْ
غَیْرُ الْاَوَّلِیْنَ الَّذِیْنَ
دَعَا اِلَیْھِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
فِی الْحُدَیْبِیَۃِ ورنہ
کہ مدعوالیہم قریش باشند
نظم کلام چنیں باید ساخت
سَتُدْعَوْنَ اِلَیْھِمْ مَرَّۃً
اُخْرٰی ا وگفتہ نشود
سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ۔
چہارم۔ آں کہ ایں دعوت
برائے قتالے باشد کہ منتہی
نہ گردد الا بہ اسلام یا قتال
ایں قول اولی باس شدید
نہ دعوت برائے احکام خلافت
خلیفہ وشکست بغاۃ مسلمین
چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ اکرم

کون تھے۔ اور یہ (چاروں) اوصاف
کس میں پائے گئے۔ ایک وصف
یہ کہ اعراب (جہاد کے لئے ضرور)
بلائے گئے ہوں (یا نہیں) دوسرا
وصف یہ کہ جن کفار سے لڑنے
کے لئے بلائے جائیں۔ وہ
اولی باس شدید ہوں اولی باس
شدید کا مطلب یہ ہے کہ جس
قدر لڑائیاں اس سے پہلے
ہو چکی ہیں۔ ان لڑائیاں کے
فریقین سے قوت وشوکت
زیادہ رکھتے ہوں اگر یہ مطلب
نہ لیا جائے تو (اولی باس
شدید کی کوئی ایک حد نہ ہوگی
کیونکہ) قوت وضعف امر نسبتی
ہے۔ کمزور آدمی بھی بہ نسبت
اپنے سے کمزور کے قوی کہا جا
سکتا ہے۔ لیکن عرف عام
یہی ہے۔ کہ جس قدر لڑائیاں
اب تک ہو چکی ہیں۔ ان کے
فریقین کی بہ نسبت جمعیت
میں زیادہ اور قوی ہوں اور
آلات حرب زیادہ رکھتے ہوں

اللہ وجہہ دعوت فرمود اہل
مدینہ را یا دعوت برائے
ترسانیدن دشمن و چوں
ہیبت افتاد گردند - بدروں
قتال چناں کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم در تبوک
دعوت فرمودند بر خروج
بسوئے روم وچوں قیصر از جائے
خود حرکت نہ کرد باز گشتند
ودر آں جا قتالے واقع نہ
شد - چوں ایں مقدمہ دانستہ
شد - باید دانست کہ ایں
داعی صادق ست بر خلفائے
ثلثہ لا غیر زیرا کہ
بحسب احتمالات عقلیہ ایں
داعی یا جناب مقدس نبوی
است - صلی اللہ علیہ وسلم
یا خلفائے ثلثہ یا حضرت
مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم یا بنی
امیہ یا بنی عباس یا اتراک
کہ بعد دولت عرب سر برآور
دند - لا یتجاوز الاحد
عن ذالک - از آں

تو اولی باس شدید کہا جائیگا۔
ورنہ نہیں - اولی باس شدید
کو پہچان یہ نہیں ہے کہ بزدلی
کی وجہ سے کسی قوم کی دہشت
غالب ہو جائے - اور اس کو
اولی باس شدید کہہ دیا جائے۔
بلکہ اولی باس شدید) وہ قوم
ہے - کہ بمقتضائے قیاس
اور بحکم عقل خالص جو بنی آدم
میں پیدا کی گئی ہے (میدان جنگ
میں) اس قوم کے غالب ہو
جانے کے قرائن زیادہ ہوں یہ
دوسری بات ہے - کہ (انجام کار)
فضل الٰہی بطور خرق عادت کے
اس پر شوکت قوم کو ان کمزوروں
کے ہاتھ سے درہم برہم کردے۔
تیسرا وصف یہ کہ وہ کافر جن
سے لڑنے کے لئے اعراب بلائے
جائیں قریش کے علاوہ ہوں۔
کیونکہ قوم کا (بقاعدہ علم نحو)
نکرہ لانا بتلا رہا ہے - کہ یہ
قوم علاوہ ان لوگوں کے ہے۔
جن کی لڑائی کی طرف رسول خدا ﷺ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوت
کذا واقع نشد۔ زیراکہ
نزول آیت در قصہ حدیبیہ
است وغزوات آں
حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم بعد حدیبیہ محصور
ومعلوم است بر ہیچ
یک دعوت کذا صادق
نمے آید۔ متصل حدیبیہ
غزوہ خیبر واقع شدو
ہیچ کس را از اعراب دراں
غزوہ دعوت نہ فرمودند۔
بلکہ غیر حاضرین حدیبیہ
ممنوع بودند۔ از حضور دراں
مشہد۔ کَمَا قَالَ
قُل لَّن تَتَّبِعُونَا
كَذَٰلِكُمْ قَالَ
اللَّهُ مِن قَبْلُ
وبعد ازاں غزوہ
الفتح پیش آمد۔ فے
الجملہ دعوتے واقع شد
اما نہ برائے قتال قوم اولے
باس شدید۔ زیراکہ ایشاں

نے حدیبیہ میں بلایا تھا۔ اگر
اس قوم سے جسکی طرف بلائے
جانے کا ذکر اس آیت میں
ہے قریش مراد ہوتے۔ تو عبارت
یوں ہونی چاہیئے تھی۔ سَتُدْعَوْنَ
إِلَيْهِمْ أُخْرَىٰ۔ یعنی تم پھر
دوبارہ ان کی لڑائی) کی طرف
بلائے جاؤ گے یہ نہ کہا جاتا کہ
سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ
(یعنی تم کسی ایسی قوم کی طرف
بلائے جاؤ گے) چوتھا وصف یہ
ہے۔ کہ یہ بلانا ایسے جہاد کیلئے
ہوگا۔ جو بغیر اسلام لائے یا بغیر
قوم اولی باس شدید سے جنگ
ہوئے ختم نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت
علی کرم اللہ وجہہ نے اہل مدینہ کو
(اپنی خلافت مضبوط کرنے کیلئے
اور جمل اور صفین والوں کو شکست
دینے کے لئے) بلایا تھا نیز اس
بلانے کا انجام یہ نہ ہوگا کہ دشمن
ہیبت سے ڈر جائے۔ اور پھر
نوبت جنگ نہ آنے پائے۔ اور
مسلمان لوٹ آئیں۔ جیسے اں

همان بودند۔ که دعوت حدیبیه برائے ایشان بود ونظم کلام دلالت بر تغایر این دو قوم مے نماید۔ و غزوه حنین نیز مراد نیست زیراکه هوازن اقل واذل بودند۔ ازاں که بہ نسبت دوازده هزار مرد جنگی که در رکاب شریف حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم از مهاجرین وانصار واعراب و مسلمۃ الفتح نهضت کرده بودند ایشاں را اولی باس شدید گفته شود هر چند حکمت الهی در مقاتله اُعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ جولتے درکار ایشان کرده باشد وغزوه تبوک مراد نیست زیراکه تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ دراں جا متحقق نشد۔ غرض آں جا القاع هیبت بود در قلوب شام وروم چوں

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں اہل روم سے لڑنے کے لئے بلایا تھا۔ مگر انجام یہ ہوا کہ (قیصر روم) نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی اور مسلمان لوٹ آئے۔ اور لڑائی نہ ہوئی جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب جاننا چاہئے کہ بلانے والے خلفائے ثلثہ تھے۔ ان کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالات عقلیہ کے یہ بلانے والے یا جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے یا خلفائے ثلثہ یا حضرت علی مرتضیٰ یا بنی امیہ یا بنی عباس یا ترک جنہوں نے سلطنت عرب کے ختم ہو جانے کے بعد سر اٹھایا تھا ان (چھ احتمالوں) سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا (اب دیکھو خلفائے ثلثہ کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا بلانا کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اس لئے یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے بعد آں حضرت

هرقل جنبش ہم نکرد ۔ وفوجے نفرستاد بازمراجعت فرمودند ۔ و بنوامیہ و بنوعباس ومن بعد ایشان گاہے اعراب حجاز و یمن را بقتال کفار نخواندہ اند کما ھو معلوم من التاریخ قطعًا این دعوت مقیدہ درین آیت متطاول غیر از خلفائے ثلثہ متحقق نگشت ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات گنتی کے ہیں ۔ اور معلوم ہے۔ کہ ان میں سے کسی میں اس قسم کا بلانا سوا حدیبیہ کے بعد ہی علی الاتصال غزوہ خیبر نہیں ہوا اس غزوہ میں اعراب کے کسی متنفس کو آپ نے نہیں بلایا۔ بلکہ اس غزوہ میں تو سوا ان لوگوں کے جو حدیبیہ میں شریک تھے کسی اور کا شریک کرنا منع تھا ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ (یعنی اے نبی (اعراب سے) کہہ دو کہ تم (خیبر میں) ہمارے ساتھ نہ آؤ تمہارے متعلق پہلے ہی اللہ نے ایسا فرما دیا ہے) خیبر کے بعد غزوہ فتح مکہ پیش آیا۔ اس غزوہ میں کچھ اعراب بلائے گئے۔ مگر اہل مکہ قوم اولی باس شدید نہ تھے ۔ کیونکہ یہ وہی لوگ تھے ۔ جن سے لڑنے کے لئے حدیبیہ میں بلائے جا چکے تھے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ قوم اولی باس شدید سے اہل مکہ کے علاوہ کوئی دوسری قوم مراد ہے ۔ غزوہ حنین بھی مراد نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ اہل ہوازن (جن سے اس غزوہ میں لڑائی تھی) اس سے بہت ہی قلیل و ذلیل تھے۔ کہ ان کو بارہ ہزار مردان جنگی کے مقابلہ میں جو (حنین میں) ہمرکاب حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔ یعنی مہاجرین وانصار ومسلمین فتح مکہ اولی باس شدید کہا جائے ۔ یہ دوسری بات ہے۔

کہ حکمت الٰہی نے میدانِ جنگ میں بوجہ اس کے کہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ ناز پیدا ہو گیا تھا۔ دوسرا رنگ دکھا دیا۔ غزوہ تبوک بھی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہاں تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ نہیں پایا جاتا یعنی اس غزوہ کا انجام یہ نہیں ہوا کہ حریف اسلام لاتا یا اس سے جنگ کی نوبت آتی) مقصودِ الٰہی اس غزوہ سے صرف اہل شام و روم کے دلوں میں ہیبت کا پیدا کر دینا تھا۔ جب ہرقل نے جنبش نہ کی۔ اور فوج نہ بھیجی تو مسلمان لوٹ آئے (باقی رہے حضرت مرتضیٰؓ اور بنی امیہ اور بنی عباس اور ان کے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لئے بلایا ہی نہیں۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔ یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا (جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفائے ثلثہ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا۔

قَالَ الْوَاقِدِيُّ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقُتِلَ فِيْ خِلَافَتِهٖ مُسَيْلَمَةُ الْكَذَّابُ ابْنُ قَيْسٍ الَّذِيْ ادَّعَى وَقَاتَلَ بَنِيْ حَنِيْفَةَ وَقُتِلَ اَيْضًا سَجَاحُ وَالْاَسْوَدُ الْعَنْسِيُّ وَهَرَبَ طُلَيْحَةُ اِلَى الشَّامِ وَفُتِحَ الْيَمَامَةُ وَاَطَاعَتِ الْعَرَبُ لِاَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ

واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابوبکرؓ خلیفہ بنا لیے گئے ان کے عہد میں مسیلمہ ابن قیس مارا گیا۔ جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ اور انہیں نے بنو حنیفہ سے قتال کیا۔ نیز انہیں کے زمانہ میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے۔ اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا۔ اس وقت انہوں نے

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَحَوَّلَ
عِنْدَ ذٰلِكَ اَنْ يَبْعَثَ
جُيُوْشَهٗ اِلَى الشَّامِ
وَصَرَفَ وَجْهَهٗ اِلٰى
قِتَالِ الرُّوْمِ فَجَمَعَ الصَّحَابَةَ
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فِي الْمَسْجِدِ
وَقَامَ فِيْهِمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ
وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَذَكَرَ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ
اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى
قَدْ فَضَّلَكُمْ بِالْاِسْلَامِ
وَجَعَلَكُمْ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ
عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
وَزَادَكُمْ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا
وَنَصَرَكُمْ نَصْرًا مُّبِيْنًا
فَقَالَ فِيْكُمُ الْيَوْمَ
اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ
دِيْنًا ط وَاعْلَمُوْا اَنَّ
الرَّسُوْلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ كَانَ يُوَجِّهُ وَ

ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر
کشی کریں اور ان کی توجہ غزوہ
روم کی طرف مائل ہوئی چنانچہ
انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو
مسجد (نبوی) میں جمع کیا۔ اور
منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و
ثنا بیان کی۔ اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو یاد کیا۔ اس کے بعد
فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کہ
اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے
سبب سے فضیلت دی ہے۔
اور تم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی اُمت میں کیا ہے۔ اور تمہارے
ایمان و یقین کو ترقی دی ہے۔
اور کھلم کھلا تمہاری مدد کی ہے۔
اور تمہارے ہی حق میں فرمایا
ہے۔ کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ یعنی
آج میں نے کامل کر دیا۔ تمہارے
لئے دین تمہارا اور پوری کر دی
تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا
میں نے اسلام کو تمہارے لئے
دین اور یہ بھی واضح رہے۔ کہ
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
توجہ اور ہمت ملک شام کی

هِمَّتِهٖ اِلَى الشَّامِ فَقَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاخْتَارَ لَهٗ مَا لَدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا وَاِنِّيْ عَازِمٌ اِنْ اُوَجِّهَ الْمُسْلِمِيْنَ بِاَهَالِيْهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ اِلَى الشَّامِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِيْ بِذٰلِكَ قَبْلَ مَوْتِهٖ فَقَالَ زُوِيَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَشَارِقُهَا وَمَغَارِبُهَا وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ اُمَّتِيْ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا فَمَا قَوْلُكُمْ فِيْ ذٰلِكَ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْا يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْنَا بِاَمْرِكَ وَوَجِّهْنَا حَيْثُ شِئْتَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَضَ طَاعَتَكَ عَلَيْنَا فَقَالَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ قَالَ فَفَرِحَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِقَوْلِهِمْ

طرف تھی۔ مگر اللہ نے ان کو اٹھا لیا اور ان کے لئے اپنا قرب پسند کیا صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا حکم دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق و مغرب سب میرے لئے لپیٹ دی گئی ہے۔ اور جس قدر حصہ زمین کا میرے لئے لپیٹا گیا۔ وہاں تک میری اُمت کی سلطنت پہنچے گی۔ پس اب تم لوگ (اس بارہ میں) کیا کہتے ہو۔ اللہ تم پر رحم کرے ان لوگوں نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ ہمارا کہنا آپ کے سامنے کیا مناسب ہے، آپ اپنے حکم سے ہمیں اطلاع دیں۔ اور جہاں چاہیں ہمیں بھیج دیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنی اطاعت ہم پر فرض کی ہے۔ چنانچہ فرمایا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

وَسُرَّ سُرُوْرًا عَظِيْمًا وَنَزَلَ
عَنِ الْمِنْبَرِ فَكَتَبَ الْكِتَابَ
إِلَى مُلُوْكِ الْيَمَنِ وَأُمَرَاءِ
الْعَرَبِ وَإِلَى أَهْلِ مَكَّةَ
وَكَانَتِ الْكُتُبُ كُلُّهَا
يَوْمَئِذٍ نُسْخَةً وَّاحِدَةً
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ
الْعَتِيْقِ ابْنِ أَبِي قُحَافَةَ
إِلَى سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ سَلَامٌ
عَلَيْكُمْ فَإِنِّي أَحْمَدُ اللّٰهَ
الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَ
نُصَلِّي عَلَى نَبِيِّهٖ مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي قَدْ
عَزَمْتُ عَلَى أَنْ أُوَجِّهَكُمْ
إِلَى الشَّامِ لِتَأْخُذُوْهَا
مِنْ أَيْدِي الْكُفَّارِ فَمَنْ
عَوَّلَ مِنْكُمْ عَلَى الْجِهَادِ
فَلْيُبَادِرْ عَلَى طَاعَةِ اللّٰهِ وَ
طَاعَةِ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ كَتَبَ
انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا
الْآيَةَ ثُمَّ بَعَثَ الْكِتَابَ
إِلَيْهِمْ وَأَقَامَ مُنْتَظِرًا

وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی
الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ یہ سن کر
حضرت ابوبکرؓ خوش ہوئے اور
بہت مسرور (ہوئے) بادشاہان یمن اور
سرداران عرب اور اہل مکہ کے
نام خطوط لکھے ۔ ان تمام خطوط کا
مضمون یہ تھا ۔ بسم اللہ الرحمٰن
الرحیم ۔ عبداللہ (ملقب بہ) عتیق
ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام
مسلمانوں کے نام ۔ سلام ہو تم
پر میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے
سوا کوئی معبود نہیں ۔ اور درود
پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد صلی
اللہ علیہ وسلم پر میں نے ارادہ کیا
ہے ۔ کہ تم کو ملک شام کی طرف
بھیجوں ۔ تاکہ تم لوگ اس کو فتح
کرو ۔ پس جو شخص تم میں سے جہاد
کا ارادہ کرے چاہیئے کہ سبقت
کرے اطاعت خدا و اطاعت
رسول پر ۔ خط کے آخر میں یہ آیت
لکھی تھی ۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ
ثِقَالًا اس کے بعد یہ خط سب کے
پاس بھیج دیئے اور اس کے جواب

جَزَائِهِمْ وَقُلُوْبُهُمْ فَكَانَ أَوَّلُ مَنْ بَعَثَ إِلَى الْيَمَنِ أَنَسَ ابْنِ مَالِكٍ خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (انتہی کلامہ دبرھان)	کا انتظار کیا۔ سب سے پہلے جو شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انس بن مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ واقدی کا کلام ختم ہوا۔
دربرہان بر بودن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کالجارحہ دریں دعوت وظہور مرحدیث قدسی کہ در مخاطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع است اِبْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهُ۔ دریں واقعہ ظاہر و باہر بود۔ ایں نامہ در دل مردم کارے کرد کہ از میزان عقل معاشی بیرون ست تا آنکہ در غزوہ یرموک چہل ہزار کس مجتمع شد و کوشش عجیب از دست ایشاں بروئے کار آمد و فتح کہ ہیچ گاہ از زمانِ حضرت آدم تا ایں دم واقع نشدہ بود ظہور نمود۔ کشود کار اضعافاً مضاعف از کوشش واہتمام ظاہر گردید و ایں فعل حضرت صدیق دستور العمل فاروق اعظم شد رضی اللہ عنہما۔	حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا اس بلانے میں مثل جارحہ کے ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اُس حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے بخطاب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائی کہ تم ایک لشکر بھیجو۔ تو ہم ویسے پانچ لشکر بھیج دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے (چنانچہ ان کے) اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کیا۔ جو دنیاوی عقل سے بالاتر ہے۔ یہاں تک کہ غزوہ یرموک میں چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی۔ اور ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اس وقت تک کبھی نہ ہوئی تھی بمقابلہ کوشش اور اہتمام کے دوگنا

بهاں اسلاف در واقعه قادسیه دعوت اعراب فرمود فی کتاب روضة الاحباب عند ذکر غزوة القادسیة چوں خبر رسید که عجم یزدگرد را به بادشاہی برداشتند و امور خود مہیا ساختند امیر المؤمنین عمرؓ بہر یک از عمال خود نامه نوشت بدیں مضمون که باید دراں ناصیه ہر کرا داند کہ اسپ و سلاح دارد و از اہل نجدت و شجاعت و مقاتله بود ساختگی نموده بتعجیل تمام بجانب مدینه رواں سازد - و ہم چنیں دعوت امیر المومنین عثمانؓ برائے کمک عبداللہ بنؓ ابی سرح چوں در افریقیه ملک آں جا مقاتله در نه پیش کرد - مشہور است چوں ثابت شد - که ایں خلفائے داعی بودند - بدعوت موصوف فی القرآن ثابت شد - که خلفاء راشدین بودند - دعوت الیشاں موجب تکلیف ناس شد بقول آں مستحق ثواب و به عدم قبول

چوگنا نتیجہ حاصل ہوا۔ حضرت صدیقؓ کا یہی کام فاروق اعظمؓ کے لئے دستور العمل بن گیا۔ انہوں نے اس طریقہ سے غزوہ قادسیہ میں اعراب کو دعوت دی روضۃ الاحباب میں ذکر غزوہ قادسیہ میں لکھا ہے۔ کہ جب یہ خبر ملی کہ اہل عجم نے یزدگرد کو بادشاہ بنایا ہے۔ تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ ان اطراف میں جن کو تم جانتے ہو۔ کہ اس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت اور شجاعت بھی رکھتا ہے۔ اور فن حرب سے بھی واقف ہے۔ اس کو فوراً سامان درست کر کے مدینہ بھیج دو۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی عبداللہؓ بن ابی سرح کی کمک کے لئے جب کہ وہاں کے بادشاہ نے جنگ چھیڑی۔ اعراب کو بلایا اور یہ واقعہ مشہور ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ وہ بلانا جس کا

مستوجب عذاب گشتند ۔

ذکر قرآن میں ہے ۔ انہیں خلفاء ثلاثہ سے ظاہر ہوا ۔ تو ثابت ہو گیا ۔ کہ وہ خلیفہ راشد تھے اور

ان کا (لوگوں کو) بلانا موجب تکلیف شرعی تھا ۔ یعنی ان کا حکم ماننے سے مستحق ثواب اور ان کا حکم نہ ماننے سے مستوجب عذاب ہوئے ۔

ازالۃ الخفار کی پاکیزہ عبارت تمام ہوئی ۔ اب تحفہ اثنا عشریہ کی عبارت دیکھو ۔

تحفہ اثنا عشریہ کے ساتویں باب میں جہاں آیات سے حقیقت خلافت کا ثبوت پیش فرمایا ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَھُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝

اور آیت قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ الخ جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ کہ کہہ دیجئے اے نبی پیچھے چھوڑے ہوئے اعراب سے کہ عنقریب تم کو بلایا جائیگا ۔ ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف ۔ تم اس قوم سے قتال کرو گے یا وہ مسلمان ہو جائے گی پس اگر تم اطاعت کرو گے تو خدا تم کو اچھا ثواب دے گا ۔ اور اگر پھر جاؤ گے ۔ جیسا کہ پہلے پھر گئے تھے تو خدا تم کو دردناک عذاب دیگا ۔

ترجمہ :۔ بگو پس ماندگان را از اعراب عنقریب خوانده شود شمارا بسوئے قومے صاحب جنگ قوی قتال خواہید کرد با ایشان یا مسلمان شوند پس اگر اطاعت خواہید کرد ۔ با ایشان بدہد خدا ثواب نیک و اگر خواہید برگشت

چنانکہ برگشتید پیشتر عذاب کند شمارا عذاب دردناک ۔

مخاطب درین آیہ بعضے قبائل اعراب اند ۔ مثل اسلم وجہینہ ومزینہ وغفار واشجع کہ در سفر حدیبیہ رفاقت پیغمبر نہ کردند واجماع مورخین طرفین ست کہ بعد از نزول این آیت قتالے در زمان آں سرور علیہ السلام واقع نہ شد ۔ کہ دراں اعراب را دعوت کردہ باشند مگر غزوہ تبوک واں غزوہ برین آیت منطبق نیست ۔ زیراکہ فرمودہ ست ۔ کہ قتال خواہید کرد ۔ باحریفاں خود یا اسلام خواہند آورد ۔ پس معلوم شد کہ آں غزوہ دیگر ست زیراکہ در تبوک یکے ازیں دو چیز واقع نہ شد نہ قتال و نہ اسلام مخالفین ۔ پس لابد ایں داعی خلیفہ ایست از خلفائے ثلثہ کہ در وقت ایشاں اعراب را دعوت بہ قتال مرتدین واقع شد

اس آیت میں اعراب کے بعض قبیلوں سے خطاب ہے ۔ مثل قبیلہ اسلم اور جہینہ اور مزینہ اور غفار اور اشجع کے جنہوں نے سفر حدیبیہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نہ کی تھی ۔ اور فریقین کے مورخوں کا اس بات پر اتفاق ہے ۔ کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی قتال ایسا نہیں ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو ۔ فقط غزوہ تبوک ہوا مگر وہ غزوہ اس آیت پر منطبق نہیں ہے ۔ کیونکہ فرمایا ہے ۔ کہ اس غزوہ میں اپنے حریفوں سے قتال کرو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے ۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ غزوہ (جس کا آیت اعراب میں ذکر ہے ۔ غزوہ تبوک کے سوا) کوئی اور غزوہ ہے کیونکہ تبوک میں ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوئی ۔ نہ قتال ہوا

درزمان خلیفہ اول ۔ و بہ قتال
اہل فارس و روم درزمان او
و درزمان خلیفہ ثانی و بہر تقدیر
خلافت خلیفہ اول صحیح شد
زیرا کہ بر اطاعت و قبول دعوت
او وعدہ اجر نیک و بر عدم
اطاعت او وعید عذاب الیم
مرتب کردہ اند ۔ و ہر کہ واجب
الاطاعت بود امام است ۔

— — — —
— — — —
— — — —
— — — —
— — — —
— — — —
— — — —
— — — —
— — — —
— — — —

دریں آیہ شیخ ابن مطہر حلی
دست و پائے زدہ جوابے برآوردہ
است ۔ کہ داعی آں حضرت است
و جائز است کہ آں حضرت در

نہ مخالفین اسلام لائے یا پس
ضروری ہے ۔ کہ موعودہ دعوت
کا دینے والا حضرات خلفائے
ثلثہ میں سے کوئی خلیفہ ہو ۔
کیونکہ انہیں کے وقت میں اعراب
کو دعوت دی گئی ۔ چنانچہ حضرت
صدیق رضؓ کے زمانہ میں قتال مرتدین
اور صدیق رضؓ اور فاروق رضؓ دونوں
کے زمانہ میں قتال اہل فارس
و روم کی دعوت دی گئی ۔ بہر تقدیر
خلیفہ اول کی خلافت کا صحیح
ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ ان کی
اطاعت اور ان کی دعوت کے
قبول کرنے پر اچھے ثواب کا وعدہ
اور عدم اطاعت پر سخت عذاب
کی وعید مرتب فرمائی ہے ۔ اور
جو شخص (شرعاً) واجب
الاطاعت ہو (اور نبی نہ ہو) وہ
امام (برحق) ہے ۔

اس آیت میں شیخ ابن مطہر
نے ہاتھ پیر مار کر ایک جواب
دیا ہے ۔ کہ اس دعوت موعودہ
کے دینے والے آں حضرت ﷺ

غزوات دیگر کہ دراں قتال ہم
واقع شدہ ۔ دعوت نمودہ باشد
اما منقول نہ شدہ و رکاکت
ایں جواب پوشیدہ نیست ۔
زیراکہ در باب اخبار و سیر و تواریخ
بہ مجرد احتمالات تمسک کردن
شان عقلا نیست والا در ہر
مقدمہ احتمالے توان برآورد چنانکہ
گوئیم کہ جائز ست کہ بعد از غدیر
خم آں حضرت امامت علی را
موقوف کردہ نص بر امامت
صدیق نمودہ باشد ۔ و مردم را
بریں امر تاکید و اہتمام فرمودہ
اما منقول نہ شدہ وعلیٰ ھذا
القیاس و بعضے از شیعہ
گویند کہ داعی حضرت امیر است
بسوئے قتال ناکثین و
قاسطین و مارقین و دریں جواب
ہم آں چہ ہست پوشیدہ نیست ۔
زیراکہ قتال حضرت امیر برائے
طلب اسلام نہ بود ۔ بلکہ محض
برائے انتظام امامت بود ۔ و در
عرف قدیم و جدید ہرگز منقول نشدہ

تھے ۔ اور ہو سکتا ہے ۔ کہ آں
حضرتؐ نے کسی اور غزوہ میں
جس میں قتال بھی ہوا ہو (ان
اعراب) کو دعوت دی ہو ۔ مگر
(کتابوں میں) منقول نہیں ہوئی ۔
اس جواب کا رکیک ہونا پوشیدہ
نہیں ہے ۔ کیونکہ سیر اور تاریخ
کی خبروں میں محض احتمال سے
کام لینا عقلمند کا کام نہیں ہے ۔
ورنہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی احتمال نکالا
جا سکتا ہے ۔ مثلاً ہم کہیں کہ
(اچھا بالفرض خم غدیر میں حضرت
علیؓ کا خلیفہ بنایا جانا ہم تسلیم
بھی کر لیں تو) ہو سکتا ہے کہ
اس کے بعد آں حضرتؐ نے حضرت
علیؓ کی امامت موقوف کر کے
حضرت صدیقؓ کی امامت معین
فرمادی ہو ۔ اور لوگوں کو اس
کی تاکید اور اس کا اہتمام کے ساتھ
حکم فرمایا ہو ۔ لیکن کتابوں میں منقول
نہیں ہوا ۔ وعلیٰ ہذا القیاس ۔
اور بعضے شیعہ کہتے ہیں کہ اس
دعوت کے دینے والے جناب

کہ اطاعت امام را اسلام و مخالفت او را کفر گویند و معہذا خود شیعہ بروایات صحیحہ نقل کردہ اند۔ کہ پیغمبر در حق امیر فرمود۔

امیرؓ ہیں۔ انہوں نے اپنی بیعت کے توڑنے والوں اور فاسقوں اور عہد سے نکل جانے والوں کے قتال کے لئے (اعراب کو بلایا) اس جواب میں بھی جو کچھ (کمزوری) ہے۔ پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اوّل تو حضرت امیرؓ نے ان اعراب کو ان لڑائیوں میں نہیں بلایا دوسرے جناب امیر کی لڑائیاں مسلمان بنانے کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ محض اپنی خلافت کے مضبوط کرنے کے لئے تھیں اور کسی زمانے کا یہ محاورہ نہیں ہے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت کو اسلام اور اس کی مخالفت کو کفر کہا جائے باایں ہمہ شیعوں نے خود بھی بروایات صحیحہ نقل کیا ہے۔ کہ جناب پیغمبر علیہ السلام نے جناب امیر کے حق میں فرمایا

اَنْتَ یَا عَلِیُّ تُقَاتِلُ عَلٰی تَاوِیْلِ الْقُرْاٰنِ کَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ

ترجمہ: ہر آئینہ تو اے علیؓ قتال خواہی کرد۔ بر تاویل قرآن۔ چنانچہ قتال کردہ ام بر تنزیل او و ظاہر ست کہ مقاتلہ بر تاویل قرآن بعد از قبول تنزیل قرآن است۔ از مخالفین و قبول تنزیل قرآن بدون

کہ اے علیؓ تم قرآن کی تاویل کے لئے قتال کرو گے۔ جیسا کہ میں نے اس کی تنزیل کے نہ ماننے پر قتال کیا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ تاویل کے لئے قتال اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب اس کی تنزیل کو مخالفین قبول کر چکے ہوں اور قرآن کی تنزیل کا قبول کرنا بغیر اسلام کے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہی عین اسلام ہے (پس ظاہر ہو

اسلام مقبول نیست ۔ بلکہ عین اسلام است ۔ پس مقاتلہ بر تاویل قرآن بامقاتلہ براسلام جمع نمی تواند شد و ہو ظاہر جداً۔

گیا) کہ تاویل قرآن کے لئے لڑنا تبلیغ اسلام کے لئے لڑنے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ بات کھلی ہوئی ہے ۔

تفسیر آیات

★

حفاظتِ قرآن

★

(جس میں)

قرآنِ عزیز کی آیات انا نحن نزلنا الزکر اور ان علینا جمعہ وقرانہ اور انہ لکتاب عزیزٌ یاتیہ الباطل سے یہ بات ثابت کی گئی ہے۔ کہ قرآن مجید ہر قسم تحریف لفظی ومعنوی سے پاک ہے۔ نیز یہ امر روز روشن کی طرح واضح کردیا گیا ہے۔ کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی بھی تحریف ناممکن ہے۔ جو قرآن کا ایک زندہ معجزہ ہے۔

پہلی آیت

سورہ حجر آغاز پارہ (۱۵) رکوع اوّل میں ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ	بلاشک وشبہ (یہاں) ہم نے
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝	نازل کیا اس ذکر کو اور یقیناً ضرور
	ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

ف ۔ یہ آیت نص صریح ہے قرآن شریف کے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ رہنے پر ہر قسم کی تحریف سے اور تمام نقائص سے اور تمام ان چیزوں سے جو اس کے ثبوت یا اُس کی دلالت مقصودہ کی نوعیت میں خلل انداز ہوں۔ کیونکہ خداوند قادر قوی نے اس کی حفاظت بصیغہ استمرار اپنے ذمہ لی ہے ۔ اور خدا کی ذمہ داری میں تخلف محال ہے ۔ لہذا تحریف کا ناممکن اور محال ہونا ثابت ہوگیا۔

چونکہ یہ آیت اس مبحث میں اصل عظیم ہے ۔ لہذا اس کی مفصل ومبسوط بحث تیسری آیت کے بعد مستقل طور پر انشاء اللہ آئے گی ۔

دوسری آیت

سورہ حٰمٓ سجدہ پارہ ۲۴ ۔ رکوع ۴ میں ہے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِا	یقیناً جن لوگوں نے اس ذکر کے
لذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ	ساتھ کفر کیا (وہ سخت سزا
لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ	پائیں گے) اور یقیناً وہ ذکر
الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ	بلاشبہ ایک عزت والی کتاب ہے۔
وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط	جس کے پاس باطل نہیں آسکتا نہ

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ؕ

اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے اتاری ہوئی ہے حکمت والے تعریف والے کی طرف سے۔

ف:۔ یہ آیت بھی مثل آیت سابقہ کے ہر قسم کی تحریف کے ناممکن اور محال ہونے پر صراحتہً دلالت کرتی ہے۔ ذرا لطف بیان تو دیکھو۔ آیت کو ایک مرتبہ غور سے پڑھ جاؤ۔ دیکھو کہ دل قابو میں رہ سکتا ہے۔ سچ ہے ؎

مخدرات سرا پردہ ہائے قرآنی
چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

دیکھو! پہلے قرآن کے منکران کو بلیغ تہدید فرمائی۔ اور قرآن کو ذکر کے نام سے یاد کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ قرآن مجید کا اصلی مقصد ذکر ہے اور جو لوگ قرآن کے منکر ہیں۔ وہ ذکر کا انکار کر رہے ہیں۔ ذکر کے معنی اللہ کی یاد بندوں کے دلوں میں ہونا۔ ذکر ضد ہے غفلت کا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی شان اعجازی کو بیان فرمایا۔ تاکہ قرآن کی حقانیت کا یقین راسخ ہو۔ اور انکار کی قباحت روشن ہو جائے اور وہ شانِ اعجازی یہ ہے۔ کہ وہ عزت والی کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔ قرآن مجید کا باعزت ہونا بیان کر کے باطل کے قریب نہ جا سکنے کو بیان فرمانا قصناباقیاما تھا۔ معہا۔ یعنی دعوے مع الدلیل کا عجیب لطف پیدا کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن کا باعزت ہونا ہی کافی ضمانت اس بات کی ہے۔ کہ باطل (جو ایک ذلیل شے ہے) اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ عزت والوں کے قریب ذلیل چیزوں کی رسائی کہاں۔

پھر یہ جو فرمایا کہ باطل اس کے سامنے سے بھی نہیں آسکتا۔ اور نہ پیچھے سے بھی نہیں آسکتا۔ سامنے سے بھی نہیں آسکتا میں مفسرین نے متعدد

اقوال لکھے ہیں۔ مگر ؎

"آنچہ ساقی ازل بجام ماریخت"

کہنے[1] والے کے نورانی انعکاس نے جو خاص بات ذہن میں ڈالی وہ یہ ہے۔ کہ سامنے سے مراد عالم قدس ہے۔ جہاں سے وہ کتاب آئی ہے۔ اور پیچھے سے مراد یہ عالم کون وفساد ہے۔ جہاں وہ کتاب پہنچی۔ پس سامنے کا مطلب یہ ہوا۔ کہ دربار الٰہی سے حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم تک جن واسطوں سے یہ کتاب پہنچی۔ وہ واسطے نہایت معتبر ہیں۔ سہو ونسیان اور ہر قسم کے تصرفات سے مامون ومحفوظ ہیں۔ کیونکہ وہ خدا کے فرشتے ہیں۔ اور پیچھے کا مطلب یہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمت کی آئندہ نسلوں تک جن واسطوں سے یہ کتاب پہنچی۔ اور قیامت تک پہنچتی رہے گی۔ وہ واسطے بھی نہایت معتبر اور نہایت امین ومامون ہیں۔ کیونکہ سلسلہ کے آغاز میں بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کاتبان وحی ہیں۔ جن نے تقدس اور نیکوکاری پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد کامل ہے۔ اور صحابہ کے بعد تواتر نے سلسلہ کو واجب الاعتماد بنا دیا ہے۔

یہ مطلب سامنے اور پیچھے کا جو بیان کیا گیا۔ اس کی روشن تائید دوسری آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ تکویر میں عالم قدس کے واسطوں کا معتبر ہونا اس عنوان سے بیان فرمایا گیا کہ:۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝	پس قسم کھاتا ہوں میں پیچھے
الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَالَّيْلِ	پلیٹ جانے والے چلنے والے
اِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ	چھپ جانے والے تاروں[2] کی
اِذَا تَنَفَّسَ ۝	اور رات کی جب وہ شروع ہو کہ

[1] یہ کہنے والے حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ روح اللہ روحہ وفتوح الینا فتوحہ ۱۲۔

[2] پانچ تارے ہیں۔ عطارد۔ زہرہ۔ مشتری۔ زحل۔ مریخ۔ کہ یہ جاتے جاتے پیچھے (باقی حاشیہ صفحہ ۶۰۲ پر)

اِنَّہٗ	یقیناً وہ قرآن بلاشبہ نقل کیا ہوا
لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۙ	ہے۔ایک عزت والے قاصد
ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی	(یعنی جبرئیل) کا ہے۔جو قوت
الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۙ	والا ہے (بہت فرشتوں کا) افسر
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ؕ	ہے۔اور اس دربار میں امانت
	پانے والا ہے۔

اور مثلاً سورہ عبس میں عالم کون و فساد کے واسطے کا معتبر ہونا اس عنوان سے بیان فرمایا گیا کہ :-

فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ۘ فِیْ	پس جو چاہے اس نصیحت کو یاد
صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ	کرے عزت دیئے ہوئے بلند
مُّطَھَّرَۃٍ ۙ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ	رتبہ پاکیزہ صحیفوں میں جو ہاتھ میں
کِرَامٍ بَرَرَۃٍ ؕ	ہیں نیکوکار لکھنے والوں کے۔

یہ قرآن مجید کا اہتمام شان ہے۔کہ وہ جن جن واسطوں سے بندوں تک پہنچا۔ خواہ وہ واسطے عالم قدس کے ہوں یا اس عالم دنیا کے ان تمام واسطوں کا تزکیہ اور ان کی تقدیس خود قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے۔کہ پیران نمے پرند و مریداں مے پرانند۔

سامنے اور پیچھے کا دوسرا مطلب۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔کہ سامنے سے

(بقیہ حاشیہ) پلٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔پھر آگے چلنے لگتے ہیں۔پھر نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔اس وجہ سے علم ہیئات والے ان کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں ۱۲

ہے رات کا آخری حصہ اور صبح کا ابتدائی حصہ بہت مقبول ہے۔اس وجہ سے ان دونوں وقتوں میں دو نمازیں رکھی گئی ہیں۔اول میں تہجد اور دوسرے میں نماز فجر اس مقبولیت کے باعث ان دونوں کی قسم ارشاد ہوئی ۱۲۔

مراد زمانہ موجود لیا جاوے۔ یعنی نزول قرآن کا زمانہ اور پیچھے سے مراد زمانہ بعد نزول یعنی قرآن صحابہ سے لے کر قیامت تک کا زمانہ۔ حاصل یہ ہوا کہ وقت نزول (یعنی عہد نبوی) میں بھی باطل قرآن مجید کے پاس نہیں آسکتا۔ اور وقت مابعد نزول یعنی رحلت نبوی کے بعد سے قیامت تک بھی باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔

باطل خلاف حق کو کہتے ہیں۔ لہذا جو چیزیں خلاف حق کہی جاسکتی ہیں وہ بھی قرآن مجید کے قریب نہیں جاسکتیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ تحریف بھی خلاف حق ایک چیز ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ تحریف قرآن مجید کے قریب نہیں جاسکتی۔ خداوند قادر قوی کے اس فرمانے کے بعد تحریف کا نقلاً محال ہونا محل کلام نہ رہا۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا۔ کہ یہ کتاب ہماری طرف سے نازل ہوئی ہے اور اپنی ذات اقدس کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف فرمایا۔ حکیم اور حمید یہ دونوں صفتیں اس مقام پر عجیب تناسب رکھتی ہیں۔ مضمون سابق کے لئے دلیل کا فائدہ دے رہی ہیں۔ حکیم کا دلیل ہونا۔ اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء اور قرآن مجید کو خاتم الکتب قرار دیا گیا تو قرآن ہر زمانہ میں تاقیامت موجود اور محفوظ رکھا جائے۔ اور حمید کا دلیل ہونا اس لئے کہ حمید اس کو کہتے ہیں۔ جس کی ذات میں کوئی صفت ذم نہ پائی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ختم نبوت کے بعد قرآن مجید کی حفاظت نہ کرنا خصوصاً جب کہ حفاظت کا وعدہ بھی ہو چکا۔ اور وعدہ بھی پیشین گوئی کی شکل میں اعلیٰ درجہ کا نقص اور ذم ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک ؛

لطف بیان ظاہر کرنے میں کچھ طول ہوگیا۔ مگر پھر بھی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ وجدانی اور ذوقی حالت بیان میں نہ آسکی ؎

گر مصور صورت آں دل ستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

تیسری آیت

سورۂ قیامت پارہ (۲۹) میں ہے

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ	نہ جنبش دیجئے اے نبیؐ اپنی
لِتَعْجَلَ بِهٖؕ اِنَّ عَلَيْنَا	زبان کو اس لئے کہ جلد یاد کرلیں
جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا	قرآن کو بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے
قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ	اس کا جمع کرادینا (مصاحف میں)،
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗؕ	اور اس کا پڑھانا۔ لہذا جب ہم
	اس کو پڑھیں (یعنی وحی نازل

کریں) تو اس کے پڑھنے کا اتباع کیجئے (کریں) تو سنتے وقت خود تلاوت نہ کیا کیجئے) پھر بہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا واضح کرنا۔

ف :۔ جب وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔ اور خدا کا فرشتہ قرآن مجید لیکر آتا تھا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ یاد کرنے سے نہ رہ جائے۔ فرشتہ کی تلاوت کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے بیک وقت دو کام آپ کو کرنا پڑتے تھے۔ ایک فرشتہ کی تلاوت کا سننا، دوسرے خود اپنی تلاوت کو ادا کرنا ظاہر ہے اس میں بڑی مشقت آپ کو ہوتی تھی۔ حق تعالیٰ کو آپ کی تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ اور کئی آیتوں میں آپ کو روکا گیا۔ ایک آیت میں فرمایا۔ ولا تعجل بالقراٰن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ[1]۔ اور ایک آیت میں فرمایا۔ سنقرئک فلا تنسیٰ[2]، یہی مضمون آیت مبحوثہ میں

[1] ترجمہ: نہ عجلت کیجئے قرآن کے ساتھ (یعنی اس کے یاد کرنے میں) قبل اس کے کہ اس کی وحی ختم ہو ۱۲

[2] ہم آپ کو پڑھا دیں گے (یعنی ہمارا فرشتہ تلاوت کر دے گا) تو آپ نہ بھولیں گے۔

بھی بیان فرمایا گیا۔ مگر بڑے اہتمام کے ساتھ کہ اے نبیؐ آپ مذکورہ بالا مشقت نہ اٹھائیے قرآن مجید کے متعلق تو قیامت تک کی ضروریات کا اہتمام ہم اپنے ذمہ[1] لے چکے۔ اس کا مصحف میں جمع کرا دینا ہمارے ذمہ اس کے درس و تدریس[2] کا دنیا میں قائم رکھنا ہمارے ذمہ اس کے مطالب کی توضیح[3] و تفسیر کا قائم رکھنا ہمارے ذمہ۔ مطلب یہ کہ جس کتاب کے وہ وہ اہتمامات ہم اپنے ذمہ لے چکے۔ جن کی ضرورت مستقبل قریب و بعید میں پیش آنے والی ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے آپ کو اس قدر پریشان ہونے کی حاجت نہیں۔ اس آیت سے بھی قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور تحریف کی رسائی قرآن تک محال و ناممکن ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب قرآن کا مصحف

---

[1] ذرا ایک عبرت آموز نظر اس بات پر ڈالو کہ خداوند قادر قوی نے اپنی ذمہ داری کو کس شکل میں پورا کیا تو عجیب در عجیب نظارے قدرت کاملہ کے تمہارے سامنے آجائیں گے۔ ع۔
جلوہ مفت است اگر دیدۂ بینائے ہست ؛ انشاء اللہ کچھ بیان اس کا پہلی آیت کی بحث میں آئے گا۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین ۱۲ ؛

[2] یہ ایک بڑی چیز ہے۔ قرآن مجید کے تواتر کا بے مثال حصن حصین اس درس تدریس کی بدولت قائم ہے۔ اور اس درس تدریس کے قائم رکھنے کے لئے حق تعالےٰ نے اپنی مراد کا سب سے بڑا آلہ و جارحہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو قرار دیا۔ کما سیجئی انشاء اللہ تعالےٰ ۔ ۱۲

[3] اسکی بھی بڑی ضرورت تھی۔ اور اس کام کو سوائے خدا کے کوئی کر بھی نہ سکتا تھا۔ اس عالم کون و فساد کا خاصہ لازمہ ہے۔ کہ کوئی زبان اور اس کے محاورات دنیا میں ہمیشہ قائم نہیں رہتے۔ اور جس وقت وہ زبان رخصت ہوتی ہے۔ اس زبان کی کتابیں معمیٰ اور چیستان بن جاتی ہیں۔ مگر ایک قرآن اور صرف ایک قرآن ہے۔ کہ اسی کی زبان اور اس کے محاورات تیرہ سو برس گزرنے پر بھی زندہ ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ فنعم القادر اللہ ۱۲ ؛

میں جمع کرانا اور اس کے درس کا دنیا میں قائم رکھنا خدا نے اپنے ذمہ لیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب ذمہ داریاں اصل قرآن کے لئے ہیں۔ لہذا ناممکن ہے۔ کہ وہ محرف صورت میں جمع ہو محرف درس قائم رہے۔ ورنہ خلف وعدم لازم آئیگا۔

اس آیت کی بہترین تفسیر مسند الوقت حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم المثال کتاب ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل سوم میں ہے جو ہدیہ قارئین کی جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الحجر انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ہر آئینہ ما فرد آوردیم قرآن را وہر آئینہ ما نگاہ دارندہ اویم وقال فی سورۃ القیامۃ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ۔	اللہ تعالیٰ نے سورہ حجر میں فرمایا کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون تحقیق ہم نے اتارا ہے۔ قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس کی نگہبانی کرنیوالے ہیں۔ اور سورۂ قیامت میں فرمایا کہ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ۔
یعنے مجنبان بقرآن زبان خود را تا شتابی کنی۔ بحفظ آں ہر آئینہ وعدہ است برما ہم آوردن وخواندن آں پس چوں بخوانیم قرآن را یعنے نازل گردانیم آں را پس در پے رو قرأت	یعنی مت جنبش دیجئے قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو تاکہ جلدی کریں آپ اس کے یاد کرنے میں بہ تحقیق وعدہ ہے ہمارے ذمہ اسکے جمع کرا دینے اور پڑھانے کا پس جب پڑھیں ہم قرآن کو۔

اورا یعنی استماع آن کن باز
برآئینہ برما وعدہ است واضح
ساختن اورا ۔

یعنی نازل کریں اس کو تو اس کی
قرأت کی پیروی کیجیئے ۔ یعنی اس
کو سُنیئے پھر ہم کہتے ہیں کہ ، بہ
تحقیق ہمارے ذمہ وعدہ ہے ۔
اس کے واضح کرنے کا ۔

اخرج مسلم فی حدیث
عیاض بن حمار عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
عن ربہ تبارک وتعالیٰ
وانزلت علیک قرآنا
لا یغسلہ الماء ۔

مسلم نے عیاض بن حمار کی حدیث
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کیا ہے ۔ آپ اپنے
پروردگار تبارک وتعالےٰ سے روایت
کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا اے
نبیؐ ! میں نے تم پر ایک قرآن
اتارا ہے ۔ جس کو پانی دھو نہیں سکتا ۔

این کنایہ است ازانکہ
اگر مساعی بنی آدم صرف شود در
محو قرآن قادر نہ شوند برآن
وایں تفسیر حفظ قرآن است ۔
باز در آید دیگر صورت حفظ
بیان فرمود ۔

اس کا مطلب یہ ہے ۔ کہ اگر
تمام بنی آدم کوششیں قرآن
کے فنا کرنے میں صرف ہوجائیں
تو بھی لوگ اس پر قادر نہ ہونگے
یہ حدیث حفظ قرآن (یعنی آیۂ
انا لہٗ لحافظون) کی تفسیر ہے ۔
پھر دوسری آیت یعنی (انا علینا
جمعہٗ میں حفاظت (موعودہ) کی
صورت بیان فرمائی (اگر کوئی کہے

اخرج البخاری عن
ابن عباس فی قولہ عزوجل
لا تحرک بہ لسانک
الآیۃ قال کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

کہ بخاری نے ابن عباس سے اللہ
عزوجل کے قول لا تحرک
بہ لسانک الآیۃ کی

يعالج من التنزيل شدة و وكان مما يحرك شفتيه فانزل الله عزوجل لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و قرانه قال جمعه في صدرك و نقرأه۔

تفسیر میں روایت کیا ہے۔ کہ ابن عباس کہتے تھے۔ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے وقت بہت مشقت کرتے تھے۔ اثناں جملہ یہ کہ آپ جلدی جلدی اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ اپنی زبان کو جلدی یاد کرنے کے لئے حرکت نہ دیجئے۔ بتحقیق ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع اور اس کا قرآن جمع سے مراد حضرت کے سینہ میں جمع کر دینا اور قرآن سے مراد آپ کو پڑھا دینا۔

فاذا قرأنا فاتبع قرانه قال فاستمع له و انصت ثم ان علينا بيانه ثم ان علينا ان نقرئه فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك اذا اتا جبرئيل استمع فاذا انطلق جبرئيل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما قرأ۔

پھر جب ہم اس کو پڑھیں تو اس پڑھنے کی آپ پیروی کیجئے یعنی سنئے اور چپ رہئے۔ اس کے بعد بتحقیق ہمارے ذمہ ہے اسکا بیان۔ یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ آپ کو پڑھا دیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ ہوگیا کہ اس کے بعد جبرئیل آپ کے پاس آتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور جب جبرئیل چلے جاتے تو ان کے پڑھنے کے مطابق آپ پڑھتے۔

مرفوع دریں حدیث قصہ آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم فقط و تفسیر جمعہ ای جمعہ فی صدرک فقہ ابن عباس است۔

اس روایت میں مرفوع صرف اتنا حصہ ہے۔ جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے۔ اور جمعہ کی تفسیر سینہ میں جمع کرنا یہ ابن عباس کی[1] اپنی سمجھ کی بات ہے

فقیر مے گوید در ایں تفسیر نظر ست۔ زیرا کہ سہ کلمہ را بر معانی متقارب حمل کردن بعید مے نماید۔ آرے در تفسیر سنقرئک فلا تنسی ایں را تقریر کردن گنجایش میدارد باز فرو آوردن ثم ان علینا بیانہ بر معنی کہ بغیر تراخی معتد بہ واقع شدہ باشد بعدے دارد۔

فقیر کہتا ہے۔ کہ اس تفسیر میں اعتراض ہے۔ کیونکہ تین لفظوں (یعنی جمع اور قرآن اور بیان) سے یکدم ایک ہی معنی مراد لینا بعید از بلاغت معلوم ہوتا ہے۔ ہاں سنقرئک فلا تنسی کی تفسیر میں اس مضمون کے بیان کرنے کی گنجائش ہے۔ پھر ثم ان علینا بیانہ کے ایسے معنی لینا جو پہلے دو لفظوں کے معنی کے ساتھ بغیر معتد بہ تاخیر کے پاس جائیں۔ جیسا کہ حضرت عباسؓ کی تفسیر میں ہو رہا ہے، اور زیادہ بعید ہے

او جہ در تفسیر آیت آں مے نماید

زیادہ مدلول قول آیت کی تفسیر

---

[1] اس سے یہ اصول تفسیر کا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مفسرین جو تفسیر بیان کرتے ہیں۔ اگر وہ حقیقتاً یا حکماً مرفوع نہ ہو۔ تو اس کا اتباع لازم نہیں۔ بلکہ قوت دلیل کو دیکھنا چاہیئے ۱۲

کہ معنی ان علینا جمعہ آں ست کہ لازم است وعدہ جمع کردن۔ قرآن برما در مصاحف وقراتہ یعنی توفیق دہیم قرای امت آں حضرت را صلی اللہ علیہ وسلم وعوام ایشاں را بر تلاوت آں تا سلسلہ تواتر از ہم گسستہ نشود۔

میں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان علینا جمعہ کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے ذمہ قرآن کو مصاحف میں جمع کرا دینے کا وعدہ ہے۔ اور قرآنہ کے معنی یہ ہیں، کہ ہم توفیق دیں گے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے قرا اور ان کے عوام کو اس کی تلاوت کی۔ تاکہ تواتر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے

خدا تعالے می فرماید کہ در فکر آں مباش۔ کہ قرآن از دل تو فراموش شود۔ و مشقت تکرار آں مکش دیکے از خرق عوائد است کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صعوبت تکرار کہ جمہور مسلمین در حفظ قرآن مے کشند۔ نمے کشیدند بمجرد تبلیغ جبرئیل بخاطر مبارک متمکن میشد) چہ جائے این فکر کہ بار خود لازم گردانیدہ ایم۔ آنچہ بمراتب از تبلیغ تو بتافرست وآں جمع قرآن است در مصاحف و خواندن امت است۔

خدا تعالے فرمایا ہے کہ اے نبی آپ اس فکر میں نہ رہیئے۔ کہ قرآن آپکے دل سے فراموش نہ ہونے پائے۔ اور اس کے تکرار کی مشقت نہ اٹھائیے (یہ بھی منجملہ معجزات کے تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تکرار کی محنت جیسا کہ جمہور اہل اسلام قرآن کے حفظ میں کرتے ہیں نہ کرتے تھے۔ جبریل سے سنتے ہی آپ کے دل میں جاگزیں ہو جاتا تھا۔ اس فکر کی کیا ضرورت ہے ہم نے ان چیزوں کو اپنے ذمہ لے لیا ہے جو آپ کی تبلیغ سے بھی کئی درجہ پیچھے کی ہیں۔ اور وہ قرآن کا

مصاحف میں جمع کرا دیا اور اُمت کے خاص وعام سب کا اس کو پڑھنا ۔

آں اچہ خواص وچہ عام پس خاطر خود را مشغول مشقت حفظ آں مگرداں ۔ بلکہ چوں ما بر زبان جبرئیل تلاوت کنیم ورپے استماع آں باش باز بر ماست توضیح قرآں در ہر عصرے جمع را موفق بشرح غریب قرآں وبیان سبب نزول آں فرمائیم ۔ تا ماصدق حکم آں بیان کنند واین ہمہ بمراتب متاخر ست از حفظ تو وتبلیغ تو آں را ؛

لہٰذا آپ اپنے دل کو اسکے حفظ کی مشقت میں مشغول نہ کیجئے ۔ بلکہ جب ہم جبرئیل کی زبان سے تلاوت کریں تو اس کے سننے کے درپے رہیئے ۔ پھر ہمارے ذمہ قرآن کی توضیح بھی ہے ہر زمانے میں ایک جماعت کو ہم لغات قرآنیہ کی شرح اور نزول آیات کے اسباب بیان کرنے کی توفیق دیتے رہیں گے ۔ تاکہ اس حکم کا مصداق بیان کریں ۔ یہ سب کام آپ کے حفظ اور آپ کی تبلیغ سے کئی درجہ بعد کے ہیں ۔

چوں آیات قرآں متشابہ اند ۔ بعض آں مصدق بعض است و آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبین قرآں عظیم است ۔ حفظ قرآں کہ موعود حق است بایں صورت ظاہر شد ۔ کہ جمع آں در مصاحف کنند ۔ و مسلمانان توفیق تلاوت آں شرقاً وغرباً

چونکہ تمام آیات قرآنیہ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ۔ یعنی ایک آیت دوسری آیت کی مصداق ہے ۔ اور اصلی مفسر قرآن عظیم کے آں حضرتؐ ہیں ۔ لہٰذا ہر آیت کا وہ مطلب مراد لینا چاہیئے ۔ جس کی تائید دوسری آیات اور سنت سے ہوتی ہے ۔ چنانچہ ہمارا بیان کیا ہوا مطلب ایسا ہی ہے ۔ قرآن

ولیلاً و نہاراً پاینده ہمیں است ۔ معنی لا یغسله الماء۔

کی حفاظت جس کا وعدہ خدا نے (انا لہ لحافظون) میں کیا ہے وہ اس شکل میں پورا ہوا۔ (جس کو آیہ ان علینا جمعہ الخ بیان کر رہی ہے۔ کہ مصاحف میں لوگ اس کو جمع کریں۔ اور مسلمانان مشرق و مغرب دن رات اسکے تلاوت کی توفیق پائیں حدیث لا یغسله الماء (جو بحوالہ صحیح مسلم نقل ہو چکی۔ اس کی معنی بھی یہی ہیں (لہذا کتاب اور سنت دونوں سے ہماری تفسیر مطابق ہو گئی۔

ISLAMIC RESEA... LIBRA...

باز جمعہ و قرآنہ یک جا ایراد فرمودن و در وعدہ بیان کلمہ ثم کہ برائے تراخی ست ذکر نمودن مے فہماند کہ در وقت جمع قرآن در مصاحف اشتغال بہ تلاوت آں شایع شدہ و تفسیر آں من بعد بظہور آمد و در خارج ہم چنیں متحقق شد۔ اول شروع حفظ آں از جانب ابی بن کعب و عبداللہ بن مسعود بودہ ست۔ در زمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ و اول اشتغال بتفسیر از ابن عباس واقع شد بعد المقتضائی ایام خلافت ۔

پھر جمعہ و قرآنہ (کو) او عطف کیے ساتھ) ایک جا ذکر فرمانا اور بیان کے وعدہ میں لفظ ثم جو تاخیر کیلئے آتا ہے۔ ارشاد فرمانا یہ بتا رہا ہے۔ کہ جس وقت قرآن مصاحف میں جمع ہوا۔ اسی وقت سے اسکی تلاوت کا شغل بھی جاری ہو گیا۔ مگر تفسیر قرآن کا مشغلہ اس وقت کے بعد شروع ہوا۔ اور واقعہ بھی اسی طرح ہے۔ کہ سب سے پہلے حفظ قرآن کا درس ابی ابن کعب اور عبداللہ بن مسعودؓ سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شروع ہوا۔ اور درس تفسیر کا آغاز حضرت ابن عباسؓ سے ہوا۔ بعد گزر جانے خلافت راشدہ کے۔

پہلی آیت انالہ لحافظون کی مکمل بحث

اس آیت کو اللہ تعالیٰ کا بابرکت نام لے کر چار مباحث پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور انہیں معرکۃ الآرا مباحث کو پیش نظر رکھ کر اس رسالہ کو بھی تفاسیر آیات خلافت کے سلسلہ کا ایک نمبر قرار دے لیا گیا۔

مبحث اول:۔ میں آیت کی صحیح تفسیر اور مراد الٰہی کی توضیح سیاق وسباق سے اور دوسری آیات واحادیث سے اور آیت کے کلمات کے فوائد ولطائف۔

مبحث دوم:۔ میں اس آیت کے متعلق موجودہ تفاسیر کی عبارتیں۔

مبحث سوم:۔ میں اس آیت کے متعلق مخالفین کی حیرانی وسرگردانی کا ایک عجیب منظر۔

مبحث چہارم:۔ میں آیت مذکورہ کے وعدہ کے پورے ہونے کی صورتیں جو بجائے خود حق تعالےٰ کی قدرت کاملہ کا بے نظیر کرشمہ اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے۔

مبحث اول

کسی آیت کی صحیح تفسیر کے لئے اس کے سیاق وسباق کا دیکھنا اہم المہمات میں سے ہے۔ اس لئے ہماری آیت مبحوثہ جس رکوع میں ہے۔ وہ پورا رکوع نقل کیا جاتا ہے۔ اور یہ رکوع سورہ حجر کا پہلا رکوع ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ	یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور
وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا	قرآن واضح کی۔ کبھی آرزو کریں
يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ	گے۔ وہ لوگ جنہوں نے (اس

كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○

کتاب کا انکار کیا کہ کاش مسلمان ہو گئے ہوتے۔ چھوڑ دیجئے ان کو اے نبیؐ تاکہ کھالیں۔ اور فائدہ اٹھائیں اور غافل ان کو اُمیدیں[1] عنقریب اس کا نتیجہ معلوم کرینگے

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ○ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ○

اور نہیں ہلاک کی ہم نے کوئی بستی مگر اس حال میں کہ اس کے (ہلاکت کے) لئے ایک وقت لکھا ہوا مقرر تھا۔ نہیں آگے بڑھ سکتی کوئی اُمت اپنی (ہلاکت کے) مقرر وقت سے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے[2]۔ اور ان کافروں نے (ہمارے رسول کو) یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (یعنی قرآن) اتارا گیا ہے۔ یقیناً وہ ضرور مجنون ہے کیوں نہیں لے آتا تو ہمارے پاس[3] فرشتوں کو۔ اگر تو ہے سچوں میں سے (جواب یہ ہے کہ) نہیں اتارتے ہم فرشتوں کو مگر کام[4] سے اور نہ ہوں گے یہ لوگ اس وقت مہلت[5] دیئے ہوئے۔

---

[1] انسان امیدوں کے بہلاوے میں غافل ہو کر بہت ڈھٹائی کرتا ہے۔ اگر یہ بہلاوا نہ ہو تو ہرگز اتنی ڈھٹائی نہ کرے۔ امیدیں اس بات کی کہ ابھی تو ہماری عمر بہت ہے۔ جب موت کا وقت قریب آئے گا تو اچھے کام کر لیں گے۔ [2] مطلب یہ کہ کفار مکہ کی ہلاکت کا بھی ایک وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۵ پر)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا	بہ تحقیق ہم نے (ہاں) ہم نے
الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ	اتارا ہے اس ذکر کو اور بہ تحقیق
لَحٰفِظُونَ ۝ وَلَقَدْ	ہم اس کی حفاظت کرنے والے
أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ	ہیں۔ اور بہ تحقیق بھیجا ہم نے
فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝	(پیغمبروں کو) آپ سے پہلے اگلے
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ	شیعوں (یعنی فرقوں) میں اور
رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ	نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی
يَسْتَهْزِءُونَ ۝ كَذٰلِكَ	رسول مگر وہ لوگ اس کے ساتھ
نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ	مسخرا پن کرتے تھے۔ اسی طرح
الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ	ہم ڈال دیتے ہیں شرارت
بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ	دلوں میں مجرموں کے نہ ایمان
الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا	لائیں گے اس کا ذکر (یعنی قرآن)
عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ	پر اور بہ تحقیق گزر چکا ہے
فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝	

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۴) کا لکھا ہوا مقرر ہے۔ وہ وقت آنے دو جلدی کیوں کرتے ہیں
ے کفار مکہ کا ایک شریرانہ قول یہ بھی تھا۔ جو دوسری مقام کی آیتوں میں منقول ہے۔ کہ
فرشتے ہم کو کیوں دکھائی نہیں دیتے۔ فرشتے خود ہم سے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دیں۔ قرآن
ہمارے پاس خود ہی لے آیا کریں۔ اسی قول کو یہاں ذکر فرما کر جواب ارشاد فرمایا ہے ۱۲ سے یعنی
فرشتے بیکار تو بھیجے نہیں جاتے۔ نبیوں کے پاس وحی لے کر جاتے ہیں۔ ایمان والوں کو بشارت
سنانے کے لئے جاتے ہیں۔ کتاب اعمال کے لئے جاتے ہیں اور کافروں کے پاس عذاب
لے کر جاتے ہیں ۱۲ سے مطلب یہ کہ تمہارے پاس فرشتوں کے جانے کا مقصد سوا عذاب
کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور عذاب آ گیا تو پھر اتنی مہلت بھی نہیں مل سکتی کہ تم ایمان لاؤ ۱۲

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

طریقہ اگلوں کا۔
اور اگر ہم (ان کا کہنا مان کر) کھول دیں ان پر ایک دروازہ آسمان سے۔ پھر یہ لوگ سارے دن اس میں چڑھتے رہیں۔ تو بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اور یقیناً کہیں گے کہ سوا اس کے کچھ نہیں ہے۔ باندھ دی گئی ہیں ہماری نگاہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اس پورے رکوع کو پڑھ جانے کے بعد مطلب خود بخود واضح ہو جاتا ہے یہی شان اس کتاب کی ہے۔ اسی لئے اس کو قرآن مبین فرمایا۔ اور اس لئے فرمایا لا ریب فیہ اور اسی لئے فرمایا قرآنا عربیا غیر ذی عوج پورے رکوع کو پڑھ جاؤ تو اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا کہ شروع سے آخر تک صرف ایک مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ مضمون کیا ہے؟ قرآن مجید کی

لے یہ ترجمہ ہے سُنت الاولین کا۔ اس کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ اول سُنت کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اگلے کافروں نے جو طریقے کفر و شرارت کے اختیار کئے تھے۔ وہی یہ بھی کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سُنت کی اضافت مفعول کی طرف ہو۔ یعنی اگلوں کے ساتھ جو طریقہ عذاب کا ہم نے اختیار کیا تھا وہ ان لوگوں کو معلوم ہے پھر بھی نہیں ڈرتے ۱۲
کفار مکہ کا ایک تمسخر آمیز مقولہ یہ بھی تھا جو دوسرے مقام کی آیات میں مذکور ہے کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیئے۔ اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب ہم پر اتار دیجئے۔ اسی بیہودہ مقولہ کا یہاں جواب ہے۔ کہ بجائے نبی کے ہم تمہارے لئے آسمان پر چڑھنے اترنے کی سبیل پیدا کر دیں۔ اور تم دن بھر چڑھو اترو تب بھی نہ مانو گے ۱۲

عظمت وحقانیت ! مگر یہ مضمون کچھ ایسے حکیمانہ اور معجزانہ انداز سے بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ پڑھنے والے کے دل میں بے اختیار قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ دو متضاد ولولے دل میں موجزن ہو جاتے ہیں۔ ایک اس کے جلال وجبروت کے سامنے خوف وخشیت کے ساتھ سر جھکانے کا دوسرے اس کے حسن وکمال اور اس کی دلبری نہیں دل وہی کے سامنے فدائیانہ محبت وجاں نثاری کا اور ان دونوں ولولوں کے آثار بھی بڑی قوت کے ساتھ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

دیکھو! شروع فرمایا قرآن مجید کی تعریف سے پھر فرمایا کہ کفار ایک دن پچھتائیں گے کہ قرآن مجید پر ایمان کیوں نہ لائے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی ان کافروں کو تھوڑے دن کی مہلت دیجئے۔ ابھی ان کی ہلاکت کا وقت جو ہم نے مقرر کر رکھا ہے۔ نہیں آیا۔ مطلب یہ کہ انکارِ قرآن موجب ہلاکت ہے۔ مگر ہلاکت فی الفور نہیں آتی۔ وقت مقرر کا انتظار ہوتا ہے۔ اس کے بعد کفار جن گستاخانہ الفاظ میں قرآن کی تکذیب کرتے تھے۔ اس کو بیان فرمایا اور دو شبہ ان کے ذکر فرمائے۔ ایک یہ کہ (معاذاللہ) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے خود ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ اس کے بعد کس بلاغت وحکمت سے کام لیا۔ کہ دوسرے شبہ کا جواب دیا اور پہلے شبہ کو بظاہر بے جواب چھوڑ کر ناقابل توجہ قرار دیا۔ اور حقیقت میں وہ ایسا ہی بدیہی البطلان ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کون ہے۔ جو آپ کو مجنون کہہ سکے۔ پھر ایک حیثیت سے تو جواب ہو بھی گیا۔ جس عنوان سے حضرت کو مخاطب کیا گیا (یعنی اے وہ شخص کہ جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے) یہ عنوان ہی اس شبہ کے ابطال کے لئے برابر ہزار ہا دلائل کے ہے۔ بھلا کسی مجنون کی زبان سے ایسی پاکیزہ اور ایسی جامع اور ایسی مفید اور ایسی سریع التاثیر نصیحتیں ادا ہو سکتی ہیں۔ حاشا ثم حاشا۔

اس کے بعد وہ آیت مبحوثہ ہے۔ جس کی تفسیر مقصود ہے۔ اس آیت میں حق تعالےٰ

نے فرمایا۔ کہ یہ ذکر ہمارا نازل کیا ہوا ہے۔ اور ہم ضرور ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس کا ربط ماقبل کے ساتھ ظاہر ہے کفار نے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا تھا۔ لہذا اس انکار کے مقابلہ میں اس کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح فرمائی۔ اور قرآن کی حفاظت کا تذکرہ اس مقام میں عجیب لطف دے رہا ہے۔ ایک زبردست پیشین گوئی پر شامل ہونے کے سبب سے اس کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ اور ان کے مجنون کہنے کا رد بھی ہے۔ کیونکہ مجنون کی زبان سے ایسی زبردست پیش گوئی کا ظاہر ہونا۔ جو اس عالم کون و فساد کی فطرت کے خلاف ہو اور پھر اس طرح علی الرغم پورا ہونا ممکن نہیں اور مجنون کے کلام کا اس طرح محفوظ رہنا بھی ناممکن ہے۔

اس آیت مبحوثہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور کافروں کی تہدید کے لئے وسالات سابقہ کی تکذیب اور مکذبین کی تعذیب بیان فرمائی گئی۔ اور سب کے آخر میں یہ ظاہر فرمایا۔ کہ کیسے ہی زبردست معجزات ان کافروں کو دکھائے جائیں مگر ان سے ایمان کی اُمید نہ رکھنا چاہیئے۔ یہ اس لئے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ قرآن میں جس جاں فشانی کے ساتھ کوشش فرماتے تھے۔ اس کی مشقت کیا کم تھی۔ کہ اس پر یہ اضافہ ہوتا تھا۔ کہ آپ کی امید پوری نہ ہوتی تھی۔ اور وہ لوگ ہدایت پر نہ آتے تھے۔ جس سے آپ کی دل شکستگی ناقابل برداشت ہوتی تھی حق تعالےٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اور اس اُمید کا سدّ باب کر دیا۔

یہ آٹھ مضمون ہیں۔ جو بڑے تسلسل کے ساتھ اس رکوع میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ اب آیت مبحوثہ پر پھر ایک نظر ڈالو۔ تین باتیں ضروری سمجھنے کی ہیں۔

پہلی بات : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا یہ وعدہ کس چیز سے حفاظت کا ہے۔ اور وہ چیز بیان کیوں نہ فرمائی۔

سنو! اول تو قرینہ سے یہ بات سمجھ لی جاتی ہے۔ کہ تمام ان چیزوں سے حفاظت مراد ہے۔ جو قرآن مجید کی شان کے لائق نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ان نالائق چیزوں

میں ایک چیز تحریف بھی ہے ۔ دوسرے یہ کہ سورہ حم سجدہ کی آیت وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل اس کو صاف ظاہر کر رہی ہے ۔ کہ ہر قسم کے باطل سے حفاظت مراد ہے ۔ اور تحریف کا از قسم باطل ہونا اظہر من الشمس ہے ۔

دوسری بات ۔ قرآن مجید کی محفوظیت کو حق تعالےٰ نے دو حرف تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا ۔ ایک اِنَّ دوسرا لام ۔ اور علم بلاغت میں یہ ثابت ہو چکی ہے ۔ کہ تاکید بلحاظ انکار کے مقابلہ میں ہوتی ہے ۔ اور جس درجہ کا انکار ہو ۔ اسی درجہ کی تاکید ہوتی ہے ۔ پس یہاں چونکہ انکار دو درجہ کا تھا ۔ لہذا تاکید کے بھی دو حرف لائے گئے ۔ ایک درجہ تو کفار مکہ کے انکار کا تھا ۔ جو پیش آچکا تھا ۔ اور دوسرا درجہ ابن سبا کی ذریت کے انکار کا ہے ۔ جو علم الٰہی میں پیش آنے والا تھا ۔ بلکہ انصاف یہ ہے ۔ کہ ذریت ابن سبا کا انکار کفار مکہ کے انکار سے زیادہ شدید ہے ۔ کیونکہ کفار مکہ کا قبل ہجرت مسلمانوں کی قلت اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے یہ خیال تھا ۔ کہ قرآن زمانہ مستقبل میں چند روز کے بعد خود بخود فنا ہو جائے گا ۔ یا یہ خیال تھا ۔ کہ ہم جب چاہیں گے فنا کر دیں گے ۔ جس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ دیا ۔ کہ فنا ہو جانا یا فنا کر دینا تو بڑی بات ہے ۔ ہم قرآن کے نگہبان ہیں ۔ کوئی باطل اس کے قریب نہیں آسکتا ۔ مگر ابن سبا کا فرقہ اس بات کا معتقد ہے ۔ کہ زمانہ مستقبل ہی نہیں ۔ بلکہ زمانہ ماضی میں قرآن[1] فنا ہو چکا ۔ اور فنا بھی کسی غیر کے ہاتھ سے نہیں ۔ بلکہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں کے ہاتھ سے ۔

دوسرا فرق یہ ہے ۔ کہ کفار مکہ ہجرت کے بعد اپنے خیال کی غلطی محسوس کر کے اچھی طرح سمجھ گئے تھے ۔ کہ قرآن کو کوئی فنا نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ انہوں

[1] عنقریب اسی فصل دوم میں جہاں مخالفین کا عقیدہ قرآن مجید کے متعلق بیان ہوگا ۔ اور ان کی کتابوں کی عبارتیں نقل کی جائیں گی یہ بات واضح ہو جائیگی ۔ کہ ان کے نزدیک اصلی قرآن فنا ہو گیا ۔ آج دنیا میں کہیں اصلی قرآن کا وجود نہیں ۔ صرف ایک نسخہ اصلی قرآن کا امام غائب کے پاس ہے ۱۲ ۔

نے کھلے لفظوں میں اس کا اقرار کیا۔ اور اپنے قصائدؔ میں اس اقرار کو نظم کیا۔ مگر ابن سبا کا فرقہ صدیاں گزر جانے پر بھی آج تک اپنے اس اعتقاد پر قائم ہے۔ کہ قرآن فنا ہو گیا۔

تیسری بات :۔ یہ کہ قرآن کی محفوظیت کو حق تعالیٰ نے جملہ اسمیہ کے ساتھ بیان فرمایا۔ جملہ فعلیہ کے ساتھ بیان نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم بلاغت میں طے ہو چکا ہے۔ کہ جملہ اسمیہ استمرار کے لئے ہوتا ہے لہذا مطلب یہ ہوا۔ کہ ہم قرآن کی ہمیشہ ہمیشہ حفاظت کرتے رہیں گے۔ ہماری حفاظت کبھی قرآن سے جدا نہ ہو گی۔

بعونہ تعالیٰ آیت کی صحیح تفسیر بیان ہو چکی۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی۔ کہ یہ آیت قرآنی باوازِ بلند بڑی تاکید کے ساتھ اعلان کر رہی ہے۔ کہ قرآن مجید ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے۔ اور تا قیام قیامت محفوظ رہے گا۔ کیا طاقت کسی کی کہ اس میں ایک حرف گھٹا سکے یا بڑھا سکے یا اس کے کسی حرف کو بدل سکے۔ یا اس کی ترتیب کلام کو الٹ پلٹ کر سکے۔

امنا باللہ وکلماتہ التامات

اس مقام پر دل چاہتا تھا۔ کہ سورہ حجر کی جو آیتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان سے جو فوائدؔ حاصل ہو رہے ہیں۔ کچھ بیان کئے جائیں۔ مگر چونکہ اس مبحث سے چنداں تعلق نہیں رکھتے۔ اور ان کے بیان میں طول بھی ہو گا۔ اس لئے اس بحث کو یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

ؔ مثال کے طور پر دیکھو سراقہ کا وہ قصیدہ جس میں اس نے ابوجہل کو مخاطب کیا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ۔ اباحکم واللہ لوکنت شاھدًا ۔ لامر جوادی اذ تسیخ قوائمہ اس قصیدہ میں صاف اقرار موجود ہے ۱۲ ؔ مثلاً شیع الاولین کے تحت میں لفظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲۱ پر)

مبحث دوم

تفاسیر موجودہ میں سب سے قدیم اور اقوال ائمہ تفسیر کو مع الاسناد لکھنے میں سب سے فائق تفسیر طبری ہے۔ اس کے مصنف امام محمد بن جریر کی وفات سنہ ۳۱۰ھ میں ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے انہیں کی عبارت لکھی جاتی ہے۔ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:-

یقول تعالیٰ ذکرہٗ انا نحن　　　اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہ تحقیق

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲۰) شیعہ پر لکھا جاتا۔ کیونکہ شیعہ بڑے ناز و افتخار سے کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہبی نام قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ قولہ تعالیٰ وان من شیعتہ لابراہیم :- ترجمہ بہ تحقیق نوح کے شیعہ یعنی گروہ میں سے ابراہیم تھا اور ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے مذہبی نام "اہل سنت والجماعت" کا کہیں سے ثبوت نہیں ملتا۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ نام اہل سنت و جماعت" کا ثبوت کتب اہل سنت میں احادیث نبویہ سے اور کتب شیعہ میں مثلاً نہج البلاغہ اور احتجاج طبرسی میں ارشادات علویہ سے ہوتا ہے (دیکھو ہماری کتاب الوا الائمہ کی تعلیم) باقی ان کا استدلال آیہ وان من شیعتہ لابراہیم سے یہ بالکل غلط استدلال ہے۔ حضرت ابراہیم کا مذہبی نام شیعہ نہ تھا۔ انہوں نے خود اپنا یہ نام رکھا نہ خدا نے انکا یہ نام بتایا۔ بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انکا مذہبی نام مسلم حنیف رکھا ہے۔ قولہ تعالیٰ ولکن کان حنیفا مسلما۔ اور انہوں نے اپنے متبعین کا نام مسلم رکھا تھا قولہ تعالیٰ ھو سمٰکم المسلمین من قبل قرآن مجید صاف طور پر ظاہر ہے کہ دین میں تفرق و تشیع خدا کو نہایت ناپسند ہے قولہ تعالیٰ ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شیء یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا شیعہ ہو گئے۔ یعنی فرقہ فرقہ بن گئے۔ اے نبی ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں اس آیت کے بعد لفظ شیعہ کو مذہبی نام کے طور پر استعمال کرنا مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا ۱۲

نزلنا الذكر وهو
القرآن وانا له لحافظون
من ان يزاد فيه باطل ما
ليس منه وينقص
عنه مما هو منه من
احكامه وحدوده
وفرائضه والهاء في
قوله من ذكر الذكر
ومنجوا الذي قلنا
في ذلك قال اهل
التاويل -

ہم نے نازل کیا ذکر کو اور وہ ذکر
قرآن ہے اور بتحقیق ہم اس کی
حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اس بات
سے کہ اس میں کوئی خلاف حق
بات جو اس میں نہیں ہے بڑھا
دی جائے اور جو چیز اس میں ہے۔
وہ گھٹائی جائے یعنی اس کے احکام
اور اسکے حدود اور اس کے فرائض
اور لہٗ کی ضمیر ذکر کی طرف پھرتی ہے۔
جو کچھ ہم نے اس بارے میں کہا
مفسرین نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

ذکر قال من ذلك

ان لوگوں کا نام جنہوں نے اس کو بیان کیا

حدثني محمد بن عمرو
قال بنا ابو عاصم قال
بنا عيسى وحدثني
الحارث قال بنا الحسن
قال بنا ابو رقاء وحدثني
الحسن قال بنا شبابة
قال بنا ورقاء وحدثني
المثنى قال بنا ابو حذيفة
قال بنا شبل عن ابي

مجھ سے محمد بن عمرو نے بیان کیا
وہ کہتے تھے۔ ہم سے ابو عاصم نے
بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے عیسیٰ
نے بیان کیا نیز مجھ سے حارث
نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے
حسن نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم
سے سبابہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے
ہم سے ورقاء نے بیان کیا نیز
مجھ سے مثنیٰ نے بیان کیا۔ وہ

نجیح عن مجاهد فی — کہتے تھے ہم سے ابوحذیفہ نے بیان
نجیح عن مجاهد فی — کیا کہ وہ کہتے تھے ہم سے شبل نے
قولہٖ وانا لہ — ابونجیح سے انہوں نے مجاہد سے
لحافظون قال عندنا۔ — نقل کیا کہ انہوں نے اس آیت
کی تفسیر میں کہا کہ مطلب یہ ہے کہ ہم[1] اپنے پاس حفاظت کریں گے۔

حدثنا القاسم — ہم سے قاسم نے بیان کیا وہ کہتے
قال ثنا الحسین — تھے مجھ سے حجاج نے ابن جریج
قال حدثنی حجاج — سے انہوں نے مجاہد سے اسی
ابن جریج عن مجاهد — کے مثل نقل کیا۔
مثلہ۔

حدثنا بشیر قال ثنا — ہم سے بشیر نے بیان کیا وہ کہتے
یزید قال ثنا سعید — تھے ہم سے یزید نے بیان کیا وہ
عن قتادة قولہ انا — کہتے تھے ہم سے سعید نے قتادہ سے
نحن نزلنا الذکر — روایت کر کے بیان کیا کہ انا
وانا لہ لحافظون — لہ لحافظون کا وہی مطلب
قال فی آیة اخری — ہے۔ جو دوسری آیت یعنی لا
لا یاتیہ الباطل — یاتیہ الباطل کا ہے، اور باطل
والباطل ابلیس من — سے مراد ابلیس ہے۔ اللہ نے قرآن

---

[1] اپنے پاس حفاظت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ لوح محفوظ میں قرآن کی حفاظت کی جاوے گی۔ لوح محفوظ میں تو توریت وانجیل اور تمام کتابیں محفوظ ہیں۔ لوح محفوظ میں تو انسانوں کی بنائی ہوئی کتابیں بھی محفوظ ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ ہم نے اپنے پاس سے یعنی غیب سے قرآن کی حفاظت کا سامان مہیا کریں گے ۱۲

بين يديه ولا من خلفه فانزل الله ثم حفظه فلا يستطيع ابليس ان يزيد فيه باطلا ولا ينقص منه حقا حفظه الله من ذلك۔

کو نازل کیا۔ پھر اسکی حفاظت کی پس ابلیس کی یہ طاقت نہیں ہے۔ کہ قرآن میں کوئی غلط بات بڑھادے۔ اور نہ یہ طاقت ہے کہ اس سے کوئی حق بات کم کر دے اللہ نے اس سے قرآن کی حفاظت کی ہے۔

حدثنی محمد بن عبد الاعلى قال ثنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادة وانا له لحفظون قال حفظه الله من ان يزيد فيه الشيطان باطلا او ينقص منه

مجھ سے محمد بن عبد الاعلےٰ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہم سے محمد بن ثور نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے روایت کرکے بیان کیا کہ إنا له لحافظون کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی حفاظت اس بات سے کی ہے کہ شیطان اس میں کوئی خلاف حق بات بڑھادے یا کوئی حق بات اس سے کم کردے۔

وقيل الهاء فی قوله وانا له لحفظون من ذكر محمد صلى الله عليه وسلم بمعنى وانا لمحمد لحفظون ممن اراده بسوء من اعدائه

اور کہا گیا ہے کہ لہ کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ اور معنی یہ ہیں ہم محمدؐ کی حفاظت کرنیوالے ہیں ان دشمنوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہیں۔

ف ۔ لہ کی ضمیر کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا اور بجائے

قرآن کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد لینا ابن جریر طبری کے نزدیک اس قدر لغو ہے۔ کہ اس کو آخر میں ذکر کیا۔ اور قائل کا نام بھی نہ بتایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ یہ ایک مجہول قول ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ قول کسی شیعہ راوی کا ہو۔

(۲) تفسیر جلالین میں جو ایک ملتزم الصحۃ تفسیر ہے۔ اس آیت کے تحت میں ہے۔

انا نحن تاکید لاسم ان او فصل نزلنا الذکر القرآن وانا له لحفظون من التبدیل والتحریف والزیادۃ والنقص۔	انا نحن یہ لفظ یا تو ان کے اسم کی تاکید ہے۔ یا ضمیر فصل ہے۔ نزلنا الذکر ذکر سے مراد قرآن ہے۔ انا له لحافظون یعنی ہم قرآن کی تبدیل وتحریف اور بیشی اور کمی سے حفاظت کرنے والے ہیں۔

(۳) تفسیر مدارک التنزیل میں ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر القرآن وانا له لحافظون وهو رد لانکارهم واستهزاءهم في قولهم یایها الذی نزل علیه الذکر ولذلک قال انا نحن فاکد علیهم انه هو المنزل علی القطع وانه هو الذی نزله	بتحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو یعنی قرآن کو اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہ رد ہے کافروں کے انکار اور تمسخر کا جو انہوں نے کہا تھا۔ کہ اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا (تو مجنون ہے) اس لئے انا نحن فرمایا یعنی تاکید کے طور پر فرمایا۔ کہ یقیناً وہی اللہ اس کتاب کا نازل کرنیوالا ہے اور

محفوظا من الشياطين و
هو حافظ في كل وقت
من الزيادة والنقصان
والتحريف والتبديل ۔

وہی اللہ جس نے قرآن کو شیاطین
سے محفوظ کر کے نازل کیا۔ اور
وہی اس قرآن کا ہر وقت میں
محافظ ہے۔ زیادہ اور کمی اور
تحریف اور تبدیلی سے

بخلاف الكتب المقدمة
فانه لم يتول حفظها
وانما استحفظها الربانيين
والاحبار فاختلفوا فيما
بينهم بغيا فوقع التحريف
ولم يكل القرآن الى غير
حفظه وقد جعل قوله
وانا له لحافظون دليلا
على انه منزل من
عنده آية اذ لو كان
من قول البشر وغير آية
لتطرق عليه الزيادة و
النقصان كما يتطرق
على كل كلام سواه او
الضمير في له لرسول الله

بخلاف اگلی کتابوں کے کہ اللہ
تعالٰے نے ان کی حفاظت اپنے
ذمہ نہیں لی تھی۔ بلکہ ربانیین
اور احبار کو ان کی حفاظت [1]
کا ذمہ دار بنایا تھا۔ لہذا ان میں
باہم بغاوت سے اختلاف پیدا
ہوا اور تحریف ہوگئی۔ مگر قرآن
کو خدا نے سوا اپنی حفاظت کے
کسی کے سپرد نہ کیا۔ اور اللہ نے
اس حفاظت کی پیشین گوئی کو اسکے
منزل من اللہ اور معجزہ ہونے کی
دلیل قرار دیا۔ کیونکہ اگر وہ بشر کا
کلام یا کلام اللہ ہوتا مگر معجزہ نہ
ہوتا تو ضرور اس میں کمی بیشی ہو
جاتی۔ جیسا کہ دوسرے کلاموں

[1] قرآن مجید کی کئی آیتوں میں اس کا بیان ہے۔ کہ ہم نے توریت نازل کی اور علمائے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس کتاب کو حفاظت سے رکھو ۱۲ ؎

صلی اللہ علیہ وسلم	میں ہوتی رہتی ہے۔ یا ضمیر لہٗ کی
کقولہ واللہ یعصمک	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

پھرتی ہے۔ اس صورت میں اس آیت کا مضمون واللہ یعصمک من الناس کے مثل ہو جائے گا۔

ف: صاحب جلالین نے تو اس قول ضعیف کو لہٗ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ ذکر ہی نہ کیا۔ کیونکہ وہ اپنے دیباچہ میں اپنا التزام ظاہر کر چکے ہیں۔ کہ اقوال ناپسندیدہ کو ذکر نہ کروں گا۔ مگر صاحب مدارک نے بوجہ عدم التزام مذکور کے اس قول کو ذکر تو کیا۔ مگر اس کو مؤخر اور آیت سے غیر مرتبط کر کے اس کی مرجوحیت ظاہر کر دی۔

(۴) تفسیر رحمانی جلد اول ص۳۹۵ میں علامہ مہائمی لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا من مقام	بہ تحقیق ہم نے اپنے مقام عظمت
عظمتنا الذکر المعجز	سے اس ذکر کو جو جن وانس سب
للجن والانس ونزل	کو عاجز کر دینے والا ہے نازل
علیہ امتناع تبدیلہ	کیا ہے اور اس کے منزل من اللہ
انالہ لحافظون اذ یظھر	ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں
تبدیلہ لکل ذکی۔	تبدیلی محال ہے۔ کیونکہ ہم اس کی

حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر کوئی اس میں تبدیلی کرے۔ تو ہر سمجھ دار پر ظاہر ہو جائے گی۔

(۵) تفسیر معالم التنزیل میں امام محی السنۃ بغوی محدث لکھتے ہیں:۔

انا نحن نزلنا الذکر	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو
یعنی القرآن وانالہ	یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اس
لحفظون ای تحفظ	کی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی
القرآن من الشیاطین	ہم قرآن کی حفاظت کریں گے۔

ان یزید وافیه او ینقضوا ویبدلوا بغیرِ قال اللہ تعالیٰ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه والباطل هو ابلیس لا یقدر ان یزید فیه مالیس منه ولا ان ینقص منه ما هو منه۔	شیاطین (جن وانس) سے کر وہ اس میں بڑھا دیں یا گھٹا دیں یا اس کے الفاظ و حروف کو بدل دیں (یہ آیت مثل دوسری آیت کے ہے کہ) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ باطل قرآن کے پاس نہیں آسکتا نہ اسکے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ اور باطل سے مراد ابلیس ہے وہ اس کی طاقت

نہیں رکھتا کہ قرآن میں وہ بات بڑھا دے۔ جو قرآن میں نہیں ہے۔ اور نہ یہ کہ قرآن کے کسی لفظ کو کم کر دے۔

وقیل الهاء فی له راجعة الی محمد ای انا لمحمد لحافظون ممن اراد له بسوء کما قال ذکره و اللہ یعصمك من الناس۔	اور کہا گیا ہے۔ کہ لہٗ کی ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔ یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔ ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ نے

ذکر فرمایا کہ واللہ یعصمك من الناس یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

(۶) حافظ ابن کثیر محدث اپنی تفسیر مشہور بہ تفسیر ابن کثیر میں لکھتے ہیں:۔

ثم قرأ تعالیٰ انه هو الذی انزل علیه الذکر وهو القرآن وهو الحافظ	پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہی اللہ ہے۔ جس نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ذکر یعنی قرآن

له من التغير والتبديل -
ومنهم من اعاد الضمير
في قوله تعالى له لحافظون
على النبي صلى الله عليه
وسلم كقوله والله
يعصمك من الناس و
المعنى الاول اولى وهو
ظاهر السياق -

نازل فرمایا۔ اور وہی اس ذکر کے
تغیر وتبدل (یعنی ہر قسم کی تحریف)
کا محافظ ہے اور بعض اشخاص
نے له کی ضمیر نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کی طرف پھیری ہے۔ اور
اس آیت کو مثل واللہ
یعصمك من الناس
کے قرار دیا ہے۔ مگر پہلے معنی زیادہ
بہتر ہیں اور ظاہر سیاق کے مناسب ہیں۔

ف - حافظ ابن کثیر نے تو اس قول مجہول وضعیف کا مرجوح ہونا عبارت میں ظاہر کر دیا۔

(۷) علامہ زمخشری جو لغت عرب کے مسلم الکل امام ہیں۔ تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں:-

ولذلك قال انا نحن
ذلك عليهم انه هو
المنزل على القطع و
الثبات وانه هو الذي
بعث به جبريل الى
محمد صلى الله عليه وسلم
وبين يديه ومن
خلفه رصدا حتى نزل
بلغ محفوظا من الشياطين
وهو حافظه في كل وقت

اور اس لئے فرمایا کہ انا نحن یعنی
بتاکید فرمایا کہ اللہ ہی قرآن کا نازل
کرنیوالا ہے قطعاً ویقیناً۔ اور
وہی ہے جس نے جبریل کو محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔
اور ان کے سامنے اور ان کے
پیچھے نگہبان مقرر کئے۔ یہاں تک
کہ وہ نازل ہوئے۔ اور انہوں
نے قرآن کو شیاطین سے محفوظ
ہونے کی حالت میں پہنچا دیا اور

من كل زيادة ونقصان و
تحريف وتبديل بخلاف
الكتب المتقدمة فانه
لم يتول حفظها وانما
استحفظها الربانيين
والاحبار فاختلفوا فيما
بينهم بغيا وكان التحريف
ولم يكل القرآن الى غير
حفظه فان قلت فحين
كان قوله انا نحن نزلنا
الذكر ردا لانكارهم و
استهزائهم فكيف اتصل
به قوله وانا له لحفظون
قلت قد جعل ذلك
دليلا على انه منزل
من عنده اٰية لانه
لو كان من قول البشر
او غير اٰية لتطرق
عليه الزيادة والنقصان
كما تطرق على كل
كلام سواه وقيل
الضمير في له لرسول الله
صلى الله عليه وسلم

وہی اللہ ہر وقت قرآن کا محافظ
ہے۔ ہر زیادتی اور کمی اور تحریف
و تبدیل سے بخلاف اگلی کتابوں
کے کہ اللہ نے ان کی حفاظت کی
ذمہ داری نہیں لی اور صرف
ربانیوں اور احبار سے اس کی حفاظت
کرائی تھی۔ تو ان میں باہم سرکشی
سے اختلاف ہوا۔ اور اسی اختلاف
کی وجہ سے کتاب اللہ میں تحریف
ہوگئی مگر قرآن کو اللہ نے سوا اپنے
حفظ کے کسی کے سپرد نہ کیا۔ اگر
تم کہو کہ انا نحن نزلنا
الذکر کفار کے انکار اور استہزاء
کے جواب میں ہے۔ لہذا اس
کے ساتھ قرآن کی حفاظت بیان
کرنے کا کیا جوڑ ہے۔ تو میں
جواب دوں گا۔ اللہ نے قرآن
کی حفاظت کی پیشین گوئی اس
کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل
قرار دیا۔ کیونکہ اگر یہ انسان کا کلام
ہوتا۔ یا معجزہ نہ ہوتا۔ تو یقیناً
اس میں بیشی اور کمی ہو جاتی۔
جیسا کہ قرآن کے سوا دوسرے

ہر کلام میں ہوتی رہتی ہے اور کہا گیا ہے۔ کہ لہ کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔

(۸) تفسیر بیضاوی میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے :-

انا لہ لحافظون ای من التحریف والزیادۃ والنقص بان جعلناہ معجزۃ مباینا لکلام البشر بحیث لا یخفی تغیر نظمہ علی اہل اللسان او نص تطرق الخلل الیہ فی الدوام الضمان الحفظ لہ کما نص ان یطعن فیہ بانہ المنزل لہ وقیل الضمیر فی لہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	بہ تحقیق ہم قرآن کے محافظ ہیں تحریف سے اور بیشی اور کمی سے۔ اس طور پر کہ ہم نے اس کو معجزہ قرار دیا ہے۔ انسانی کلام سے بالکل جدا ہے۔ کہ اگر اس کی عبارت میں ذرا بھی تغیر کر دیا جائے تو اہل دین سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یا مطلب یہ ہے کہ کوئی خلل قرآن میں کبھی نہیں آ سکتا کیونکہ ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں جیسے کہ قرآن پر اعتراض کرنے کی نفی فرمائی۔ یہ کہہ کر کہ ہم اس کے نازل کرنے والے ہیں

اور کہا گیا ہے کہ لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے۔

(۹) تفسیر خازن میں اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہے :-

وانا لہ لحفظون یعنی من الزیادۃ فیہ والنقص منہ والتغیر والتبدیل والتحریف فی القرآن العظیم محفوظ من ہذہ	یقیناً ہم قرآن کے محافظ ہیں۔ یعنی بیشی اور کمی اور تغیر و تبدل اور (ہر قسم کی) تحریف سے پس قرآن عظیم ان تمام چیزوں سے محفوظ ہے۔ تمام مخلوقات میں

الاشیاء کلها لا یقدروا
احد من جمیع الخلق
من الانس والجن ان یزیدوا
فیه او ینقصوا حرفا واحدا
او کلمة واحدة وهذا
مختص بالکتاب العزیز
بخلاف سائر الکتب المنزل
وانه دخل علی بعضها تلک
الاشیاء ولما تولی اللّٰہ
عزوجل حفظ ذلک
الکتب بقی مصونا علی
الابد محروسا من الزیادة
والنقصان ۔

ثم قال بعد بیان القول
بان الضمیر فی له یعود الی
النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم
الا ان القول الاول اصح
واشهر وهو قول الاکثرین
لانه اشبه بظاهر
التنزیل ورد الکنایة الی
اقرب من کور اولی وهو
الذکر واذا قلنا ان الکنایة
عائدة الی القرآن وهو

کوئی شخص خواہ انسان ہو یا جن
نہ قرآن میں ایک حرف یا کلمہ بڑھا
سکتا ہے اور نہ گھٹا سکتا ہے ۔
اور یہ بات صرف اسی عزت
والی کتاب کے ساتھ مخصوص ہے
بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے
کہ ان میں سے بعض میں یہ سب
باتیں ہوئیں اور چونکہ اللہ عزوجل
نے اس کتاب کی حفاظت اپنے
ذمہ لے لی ہے ۔ اس لئے یہ کتاب
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیشی اور کمی
سے محفوظ اور محروس ہے ۔

(پھر صاحب تفسیر خازن نے اس
قول مردود کو کہ لہ کی ضمیر نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے بیان
کرکے لکھا ہے) مگر پہلا قول زیادہ
صحیح اور زیادہ مشہور ہے ۔ اور
اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں ۔
کیونکہ ظاہر عبارت قرآنی کے
مناسب وہی ہے ۔ اور ضمیر
کا پھیرنا قریب سے قریب ذکر کی ہوئی
چیز کی طرف اولیٰ ہے اور وہ قریب

الا صمّ فاختلفوا فی کیفیۃ حفظ اللہ عزوجل للقرآن فقال بعضهم حفظہ بان جعلہ معجزا باقیا مبائنا لکلام البشر فعجز الخلق عن الزیادۃ فیہ والنقصان منہ لانهم لو ارادوا الزیادۃ فیہ والنقصان منہ لتغیر نظمہ وظہر لکل عالم عاقل وعلموا ضرورۃ ان ذلک لیس بقرآن ۔

قریب چیز ذکر ہے ۔ اور بعد اس بات کے طے ہو جانے کے کہ ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے ۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے ۔ اس بات میں اختلاف ہوا ہے ۔ کہ اللہ عزوجل قرآن کی حفاظت کس طرح کرتا ہے ۔ بعض کا قول ہے ۔ کہ حفاظت کی صورت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو باقی رہنے والا معجزہ بنا دیا ۔ جو بشر کے کلام سے جدا ہے ۔ لہذا مخلوق اس میں بڑھانے گھٹانے سے عاجز ہو گئی ۔ کیونکہ اگر کوئی اس میں بڑھانے گھٹانے کا ارادہ کرے ۔ تو اس کا نظم متغیر ہو جاتا ہے ۔ اور ہر عقلمند علم والے پر اس کا اظہار ہو جاتا ہے ۔ اور سب لوگ یقیناً جان لیتے ہیں کہ یہ قرآن نہیں ہے ۔

(۱۰) امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :۔

الضمیر فی قولہ لہ لحافظون ایضا یعود فیہ قولان الاول انہ عائد الی الذکر یعنی وانا نحفظ ذلک الذکر من التحریف والزیادۃ و النقصان ونظیرہ قولہ تعالی فی صفۃ القرآن لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ

لہ لحافظون کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے ۔ اس میں دو قول ہیں ۔ پہلا قول یہ ہے کہ ذکر کی طرف پھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم اس ذکر کی حفاظت کریں گے تحریف سے اور بیشی اور کمی سے ۔ اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے ۔ جو قرآن کی تعریف میں بیان فرمایا ہے ۔ کہ باطل

ولامن خلفه فان قيل لم اشتغلت الصحابة بجمع القرآن في المصحف وقد وعد الله تعالى بحفظه وما حفظه الله فلا خوف عليه والجواب ان جمعهم القرآن كان من اسباب حفظ الله تعالى اياه فانه تعالى لما ان قيضهم لذلك

اس کے پاس نہیں آسکتا۔ نہ اسکے سامنے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ قرآن مصحف میں جمع کرنے میں کیوں مشغول ہوئے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا۔ جس چیز کی حفاظت خدا کرے۔ اس کے لئے کیا خوف ہوسکتا ہے۔ تو جواب یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کا قرآن جمع کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت[1] کے اسباب میں تھا۔ کیونکہ حفاظت کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام پر آمادہ کر دیا۔

(ثم قال بفصل يسير بعد

(پھر اس قول مجہول کو بیان کر کے

---

[1] اہل اللہ کی عادت قدسیہ یہ ہے۔ کہ جب تک حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں یہ ہدایت نہ ہو۔ کہ اس معاملہ میں کسی تدبیر ظاہری کی ضرورت نہیں اس وقت تک اس عالم اسباب میں تدابیر ظاہری کو ترک نہیں کرتے۔ حفاظت قرآن کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ کہ خدا نے وعدہ حفاظت کا فرمایا مگر ترک تدابیر کا حکم نہیں دیا۔ جیسے دین اسلام کی ترقی وحفاظت کا وعدہ فرمایا مگر ترک تدبیر کا حکم نہ دیا۔ لہٰذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدابیر ظاہری کو ترک نہ فرمایا۔ اور اخیر وقت تک کوشاں رہے۔ یا جیسے حق تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے رزق کا ذمہ لیا۔ مگر ترک تدبیر کا حکم نہیں دیا۔ وغیر من الامثال الکثیرۃ ۱۲

بيان القول المجهول بان
الضمير يعود الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم، الا ان
القول الاول ارجح
القولين واحسنهما مناسبة
بظاهر التنزيل والله اعلم.
المسألة الثالثة اذا قلنا
الكناية عائدة الى
القرآن فاختلفوا في انه
تعالى كيف يحفظ القرآن
قال بعضهم حفظه بان
جعله معجزا مباينا
لكلام البشر فعجز الخلق
عن الزيادة فيه والنقصان
عنه لانهم لو زادوا فيه
او نقصوا عنه لتغير نظم
القرآن فيظهر لكل
العقلاء ان هذا ليس
من القرآن فصار كونه
معجزا كاحاطة السور
بالمدينة لانه يحصنها
ويحفظها وقال آخرون انه
تعالى صانه وحفظه من

ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف پھرتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ
مگر پہلا قول زیادہ قوی اور
قرآن کی ظاہر عبارت کے زیادہ
مناسب ہے۔ واللہ
اعلم۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ بعد اس
بات کے طے ہو جانے کہ ضمیر قرآن کی
طرف پھرتی ہے۔ اس میں اختلاف
ہوا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن کی حفاظت
کس طرح کرتا ہے۔ بعض کا قول یہ
ہے۔ کہ حفاظت کی صورت یہ ہے
کہ اللہ نے اس کو معجزہ قرار دیا اور
انسانی کلام سے اس کو ممتاز کر دیا۔
لہذا مخلوق اس میں کمی بیشی کرنے سے
عاجز ہو گئی۔ کیونکہ اگر لوگ اس
میں کمی بیشی کریں تو قرآن کا نظم بیان
بدل جائے اور عقلمندوں پر یہ
بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن نہیں
ہے۔ لہذا اس کا معجزہ ہونا ایسا
ہے۔ جیسے شہر کے گرد شہر پناہ کہ
وہ شہر کی حفاظت کرتی ہے۔ اور
بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان یقدر احد من الخلق
علیٰ معارضتہ وقال
اٰخرون اعجز الخلق عن
ابطالہ وافسادہ بان
قیض جماعۃً یحفظونہ
ویدرسونہ ویشھرونہ
فیما بین الخلق الیٰ اٰخر بقاء
التکلیف وقال اٰخرون المراد
بالحفظ ھو ان احد الو حاول
تغییرہ بحرف او نقطۃ
لقال لہ اھل الدنیا
ھذا کذب وتغییر لکلام
اللہ تعالیٰ حتی ان الشیخ
المہیب لو اتفق لہ لحن
او ھفوۃ فی حرف من کتاب
اللہ تعالیٰ لقال لہ کل
الصبیان اخطأت ایہا
الشیخ وصوابہ کذا و
کذا فھذا ھو المراد بقولہ
وانا لہ لحٰفظون واعلم
انہ یتفق لیس من الکتب
مثل ھذا الحفظ فانہ لا
کتاب الا وقد دخلہ

نے قرآن کی حفاظت اس طرح کی
کہ کوئی شخص اس کے مثل بنانے
پر قادر نہ رہا۔ اور بعض کا قول یہ
ہے کہ اللہ نے مخلوقات کو قرآن کے
فنا کرنے اور بگاڑنے سے عاجز کر
دیا۔ اس طریقہ سے کہ ایک جماعت
کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ وہ قرآن
کو حفظ کرے۔ اور اس کا درس دے۔
اور مخلوقات میں آخر دنیا تک اسکی
اشاعت کرتی رہے۔ اور بعض کا
قول یہ ہے کہ حفاظت سے مراد یہ ہے۔
کہ اگر کوئی شخص قرآن کے کسی حرف
کا نقطہ کے بدلنے کا ارادہ کرے۔ تو
ساری دُنیا کے لوگ کہہ دیں گے
کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے
کلام کی تبدیلی ہے۔ یہاں تک کہ
اگر کسی بارعب استاذ سے اتفاقاً
کوئی غلطی یا لغزش کتاب اللہ کے کسی
حرف میں ہو جائے۔ تو تمام بچے
کہہ دینگے۔ کہ اے استاذ آپ نے غلطی
کی۔ صحیح اس طرح ہے۔ یہی مطلب
اللہ تعالیٰ کے قول انا لہ لحافظون
کا ہے جاننا چاہیئے کہ اس قسم کی

التصحيف والتحريف و	حفاظت کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔
التغير اما في اكثر منه	کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ جس
او في القليل وبقاء هذا	میں تصحیف وتحریف اور تبدیلی نہ ہوئی
الكتب مصونا عن جميع	ہو۔ خواہ زیادہ خواہ کم۔ اور اس
جهات التحريف مع ان	کتاب (یعنی قرآن مجید) کا تمام
دواعي الملاحدة واليهود	اقسام تحریف سے محفوظ رہنا باوجودیکہ
والنصارى متوفرة على	ملحدوں اور یہود[1] ونصاریٰ کی کوششیں
ابطاله وافسادة من اعظم	اس کے مٹانے اور بگاڑنے پر بہت
المعجزات وايضا اخبر	زیادہ ہیں۔ بہت بڑا معجزہ ہے۔
الله تعالى عن بقائه	نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے باقی
محفوظا عن التغير والتحريف	رہنے کی تغیر وتحریف سے محفوظ
وانقضى الان قريبا من	رہنے کی خبر دی۔ اور اب تک کہ
ستمائة سنة فكان هذا	قریب چھ سو برس کے گزر چکے یہ
اخبارا عن الغيب فكان	پیشین گوئی ایسی ہی وقوع میں آئی
ذلك ايضا معجزا قاهرا	لہذا یہ بھی ایک معجزۂ قاہرہ ہے۔

ف۔ راقم الحروف کہتا ہے۔ کہ اب تک تیرہ سو برس سے زائد گزر چکے۔ اور کسی کو اس پیشین گوئی میں کلام کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

امام رازی نے اس کے بعد اس آیت سے مخالفین کے مقابلہ میں استدلال

---

[1] یہود ونصاریٰ اور دوسرے ملحدین قابو پاتے تو قرآن میں تحریف کرتے یا نہ کرتے۔ مگر مخالفین اگر موقع پاتے تو ضرور تحریف کر دیتے۔ اور اپنی یا اپنے ائمہ کی تحریفات کو جو آج ان کی کتب میں موجود ہیں۔ ضرور رائج کرتے ؎

گر بہ مسکین اگر پر داشتے
تخم کنجشک از جہاں بر داشتے

کرنے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

المسألة الرابعة احتج	چوتھا مسئلہ یہ ہے۔ کہ قاضی نے
القاضی لقوله انا نحن نزلنا	اللہ تعالیٰ کے قول انا نحن
الذکر وانا له لحافظون	نزلنا الذکر وانا له لحافظون
علی فساد قول الامامیة	سے استدلال کیا ہے فرقہ امامیہ
فی القرآن قد دخله	کے اس قول کے فاسد ہونے پر
التغییر والزیادة والنقصان	کہ قرآن میں تبدیلی اور بیشی اور کمی ہو
قال لانه لو کان الامر کذلک	گئی ہے۔ قاضی نے کہا ہے۔ کہ
لما بقی القرآن محفوظا و	اگر ایسی بات تسلیم کر لی جائے۔ تو
هذا الاستدلال ضعیف	پھر قرآن کا غیر محفوظ ہونا لازم آتا
لانه یجری مجری اثبات	ہے (جو اس آیت کے خلاف ہے)
الشیٔ بنفسه فالامامیة	یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اثبات
الذین یقولون ان القرآن	بنفسہٖ کے مثل ہے۔ یعنی قرآن کو قرآن
قد دخله التغییر والزیادة	سے ثابت کرنا ہے۔ جو امامیہ[1]
والنقصان لعلهم یقولون	کہ قرآن میں تبدیلی اور بیشی
ان هذه الآیة	اور کمی کے قائل ہیں۔ شاید وہ یہ
من جملة الزوائد التی	کہتے ہوں کہ یہ آیت منجملہ ان عبارتوں
الحقت بالقرآن فثبت	کے ہے۔ جو قرآن میں بڑھائی گئی
ان اثبات هذا المطلوب	ہیں۔ لہٰذا اس مدعا کا اس آیت۔

[1] امام رازی کو بھی اس کی تحقیق نہ تھی کہ امامیہ کل کے کل قائل تحریف ہیں۔ یہ عقیدہ ان کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔ اور کیسے تحقیق ہوتی۔ جبکہ امامیہ اپنے مذہب کو اور کتب مذہب کو اس کوشش کے ساتھ چھپاتے تھے۔ جس کو سب جانتے ہیں ۱۲ منہ

اثبات الشئ بنفسہ	سے ثابت کرنا اثبات الشئ
وانہ باطل واللہ اعلم۔	بنفسہ ہے۔ اور یہ استدلال[1]
	غلط ہے۔

۱۱۔ تفسیر روح المعانی میں اسی آیہ کریمہ کے تحت میں ہے۔

وانا لہ لحفظون ای من	بہ تحقیق ہم قرآن کی حفاظت
کل ما یقدح فیہ کالتحریف	کرنے والے ہیں۔ یعنی تمام ان چیزوں
والزیادۃ والنقصان وغیر	سے جو قرآن میں قدح کرنے والی
ذلک حتی ان الشیخ المہیب	ہوں۔ جیسے تحریف اور زیادتی اور
لوغیر نقطۃ یرد علیہ	کمی اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ایسی
الصبیان ویقول لہ من	ہو (قرآن کی محفوظیت کی یہ شان
کان الصواب کذا و	ہے کہ) اگر کوئی باہیبت استاذ
کذا ثم قال بعد فصل	ایک لفظ کا بھی فرق کردے تو
وقال الحسن حفظہ	بچے اس پر اعتراض کردیں گے
بالبقا شریعتہ الی یوم	اور ہر شخص کہہ دے گا کہ صحیح یوں
القیمۃ وجوز غیر واحد ان	ہے۔ پھر چند سطور کے بعد لکھتے
یراد حفظہ بالاعجاز	ہیں کہ حسن بصری نے کہا کہ قرآن

[1] امام رازی صرف اس بات کو غلط کہہ رہے ہیں۔ کہ امامیہ کے مقابلہ میں اس آیت سے استدلال کیا جائے۔ نہ اس بات کو کہ اس آیت سے بطلان تحریف ثابت نہیں ہوتا۔ نہ یہاں یہ بحث ہے۔ کہ عقیدہ تحریف کفر ہے یا نہیں۔ پھر جس چیز کو امام ممدوح غلط کہتے ہیں۔ اس کو بھی اس لئے غلط کہتے ہیں کہ امامیہ اس آیت کو شاید کلام اللہ نہ مانتے ہوں۔ لیکن جب کہ وہ اس آیت کے الحاق نہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ استدلال بھی درست ہے۔

في كل وقت كما يدل عليه الجملة الاسمية من كل زيادة ونقصان وتحريف وتبديل ولم يحفظ سبحانه كتابًا من الكتب كذلك بل استحفظها جل وعلا الربانيين والاحبار فوقع فيها ما وقع وتولى حفظ القرآن بنفسه فلم يزل محفوظا اولًا وآخرًا۔	کی حفاظت کی صورت یہ ہے۔ کہ اس کی شریعت قیامت تک باقی رکھی جائیگی اور متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے۔ کہ قرآن کی حفاظت سے مراد یہ ہے۔ کہ بزور اعجاز ہر وقت میں اس کی حفاظت کی جائیگی۔ ہر زیادتی اور کمی اور تحریف و تبدیلی سے چنانچہ جملہ اسمیہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ حق سبحانہ نے اس طرح کسی کتاب کی حفاظت نہیں کی۔ بلکہ اگلی کتابوں کا محافظ خدا نے ربانیوں

اور احبار کو بنایا تھا۔ لہٰذا ان میں سے ہوا جو کچھ ہوا اور قرآن کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی۔ لہٰذا وہ ہر زمانہ میں رہر آفت سے) محفوظ رہا۔

ثم قال بعد فصل و يعلم مما قررناان ضمير له الذاكر واليه ذهب مجاهد وقتادة والاكثرون وهو الظاهر۔	(پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں) ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ لہٗ کی ضمیر ذکر کی طرف پھرتی ہے۔ یہی قول ہے۔ مجاہد اور قتادہ اور اکثر مفسرین کا اور یہی ظاہر ہے۔

(۱۲) تفسیر سراج المنیر میں اسی آیۂ کریمہ کے تحت میں ہے۔

انا نحن بما لنا من العظمة والقدرة نزلنا اى بالتدريج على لسان	بہ تحقیق ہم نے اپنی عظمت و قدرت کے ساتھ نازل کیا یعنی بتدریج جبریل علیہ السلام کی زبان

جبریل علیه السلام
الذکر القرآن وانا له
لحفظون ای من التحریف
والزیادة والنقصان و
نظیره قوله تعالیٰ ولوکان
من عند غیر الله لوجدوا
فیه اختلافا کثیرا۔ فالقرآن
العظیم محفوظ من هذه
الاشیاء کلها لا یقدر احد
من جمیع الخلق من الجن
والانس ان یزیدوا فیه
او ینقصوا منه کلمة واحدة
او حرفا واحدا وهذا
مختص بالقرآن العظیم بخلاف
سائر الکتب المنزلة فانه
قد دخل علی بعضها التحریف
والتبدیل والزیادة و
النقصان الی ان قال)
وقیل الضمیر فی له راجع
الی النبی صلی الله علیه
وسلم والمعنی وانا لمحمد
لحفظون ممن اراد به سوءً

پر ذکر کو یعنی قرآن کو اور بتحقیق
ہم اس کی حفاظت کرنے والے
ہیں۔ یعنی تحریف اور زیادتی اور
کمی سے اسکی نظیر حق تعالیٰ کا یہ
قول ہے ولو کان من عند
غیر الله یعنی اگر قرآن غیر اللہ
کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس
میں بہت اختلاف ملتا پس قرآن
عظیم ان تمام چیزوں سے محفوظ
ہے۔ کوئی شخص تمام مخلوقات
میں سے جن ہوں یا انسان یہ
قدرت نہیں رکھتا کہ قرآن میں
کوئی لفظ یا کوئی حرف بڑھاوے
یا کوئی لفظ یا حرف گھٹائے۔ یہ
بات قرآن عظیم کے ساتھ مخصوص
ہے بخلاف کتب سماوی کے ۔
کہ بعض میں تحریف اور تبدیلی اور
بیشی کمی سب کچھ ہوگئی (اس کے
بعد لکھتے ہیں) لہٗ کی ضمیر نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے
اور معنی یہ ہیں کہ ہم محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والے
ہیں۔ ان لوگوں سے جو ان کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہیں۔

(۱۳۱) تفسیر غرائب القرآن میں ہے :-

ثم انكر على الكفار استهزاءهم
في قولهم يا ايها الذي نزل
عليه الذكر فقال على
سبيل التوكيد انا نحن
نزلنا الذكر ثم دل على
كونه اية منزلة من
عنده تعالى فقال وانا له
لحافظون لانه لو كان من
قول البشر او لم يكن اية
لم يبق محفوظا من
التغير والاختلاف وقيل
الضمير في له لرسول الله
عليه وسلّم كقوله والله
يعصمك من الناس و
القول الاوّل اوضح ووجه
حفظ القران قيل هو
جعله معجزا مباينا
لكلام البشر حتى لو زاد
فيه شيئا ظهر ذلك
للعقلاء ولم يخف
فلذلك بقي مصونا
عن التحريف و

پھر اللہ نے کافروں کے اس استہزاء
کا رد کیا جو یا ایہا الذی نزل
علیہ الذکر میں ہے۔ اور
بطور تاکید کے فرمایا کہ بہ تحقیق ہم نے
اس ذکر کو نازل کیا ہے پھر اللہ نے
یہ بتایا کہ قرآن ایک معجزہ ہے جو
اللہ تعالے کی طرف سے اترا ہے۔
فرمایا کہ بہ تحقیق ہم اس کے محافظ ہیں
کیونکہ اگر وہ انسان کا کلام ہوتا یا
معجزہ نہ ہوتا تو تغیر اور اختلاف سے
محفوظ نہ رہتا۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ لہٗ
کی ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف پھرتی ہے۔ اس صورت
میں مطلب وہی ہوگا جو واللہ
یعصمک من الناس کا ہے
مگر پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ اور
قرآن کی حفاظت کی صورت بعض
مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ
اللہ نے اس کو معجزہ بنایا۔ اور
انسانی کلام سے ممتاز کر دیا یہاں
تک کہ اگر کوئی اس میں کچھ بڑھا دے
تو ضرور عقلمندوں پر یہ بات ظاہر ہو

قيل حفظه بالدرس و
البحث ولم يزل طائفة
يحفظونه ويدرسونه
ويكتبونه في القراطيس
باحتياط بليغ وجد كامل
حتى ان الشيخ المهيب لو
اتفق له لحن في حرف من
كتاب الله تعالى فقال له
بعض الصبيان خطأت و
من جملة اعجاز القرآن
وصدقه انه سبحانه
اخبر عن بقائه محفوظاً
عن التغيير والتحريف و
كان كما اخبر بعد تسع
مائة سنة فلم يبق
الموحد شك في اخباره
وههنا نكتة هي انه
سبحانه تولى حفظ القرآن
ولم يكله الى غيره

جائیگی۔ تو پوشیدہ نہ رہے گی۔ اسی
وجہ سے قرآن تحریف سے محفوظ
رہا۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ قرآن
کے حفاظت کی صورت یہ ہوئی کہ
خدا نے اس کے پڑھنے اور اس کی
بحث و تحقیقات کا سلسلہ قائم
کر دیا ہمیشہ کچھ لوگ ایسے رہے جو
قرآن کو حفظ کریں اور محنت[1] سے
لکھیں (قرآن کی محفوظیت) یہاں
تک ہے کہ اگر کوئی باہیبت استاذ
اتفاقاً کسی حرف میں غلطی کرے تو
بچے اس سے کہہ دینگے تم سے غلطی
ہوئی۔ اور قرآن کے معجزات اور
اس کی سچائی کی ایک بات یہ بھی
ہے کہ اللہ نے اس کے باقی رہنے
اور تغیر و تحریف سے محفوظ رہنے کی
پہلے ہی سے خبر دے دی اور آج نو
سو برس گزرنے پر بھی وہ پیشین گوئی
سچی ہے۔ لہذا موحد کو قرآن کے

---

[1] اب چھاپے خانوں کی وجہ سے لکھنے کی وہ محنت تو نہ رہی۔ مگر تصحیح کی محنت اب اس سے بھی زائد ہے۔ کاپی اور پروف اور مطابق کی تصحیح دو دو مرتبہ کی جاتی ہے یعنی ہر ورق کی تصحیح کم از کم چھ مرتبہ ہوتی ہے۔

فبقی محفوظا علی مر الدهور — اعجاز میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔
بخلاف الکتب المتقدمة — یہاں ایک نکتہ ہے۔ کہ اللہ نے قرآن
فانه لم یتول حفظها — کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی اور
وانما استحفظها الربانیین — اس کو اپنے غیر کے سپرد نہ کیا۔ لہذا وہ
والاحبار فاختلفوا فیما — قرنہا قرن کے بعد بھی محفوظ رہ گیا۔
بینهم ووقع التحریف۔ — بخلاف اگلی کتابوں کے کہ اللہ نے
ان کی حفاظت اپنے ذمہ نہ لی۔ ربانیوں سے اور احبار سے ان کی حفاظت طلب کی۔ لہذا ان میں باہم اختلاف پڑا اور (اس اختلاف کی وجہ سے) تحریف ہو گئی۔

۱۴۔ تفسیر روح البیان میں ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر ذلك — بے تحقیق ہم نے نازل کیا اس
الذکر الذی انکروه و — ذکر کو جس کے یہ لوگ منکر ہیں۔
انکروا نزوله ونسبوك — اور اس کی وجہ سے آپ کو جنون
بذلك الی الجنون دعموا — کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور
منزله حیث بنوا الفعل — اس کے نازل کرنے والے کو گمنامی
للمفعول ایماءً الی انه — میں ڈال کر فعل مجہول کا استعمال کیا۔
امر لا مصدر له فعل — اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ
لا فاعل له قال الکاشفی — یہ ایک ایسا کام ہے جس کا کوئی
ذکر بمعنی شرف نیز آمدہ یعنی — صادر کرنے والا نہیں اور ایک
این کتاب موجب شرف خوانندگان — ایسا فعل ہے جس کا کوئی فاعل
است، یعنی فی الدنیا و — نہیں۔ کاشفی نے بیان کیا ہے۔ کہ
الآخرة کما قال تعالیٰ — ذکر بزرگی کے معنی میں آتا ہے۔
بل اتینا هو بذکرهم ای — یعنی یہ کتاب پڑھنے والوں کے لئے

بما فیہ سرفہم وعزتہم
وھو الکتاب وانا لہ لحفظون
فی کل وقت من کل ماہ
یلیق بہ کالطعن فیہ
والمجادلۃ فی حقیتہ و
التکذیب لہ والاستہزاء
بہ والتحریف والتبدیل
والزیادۃ والنقصان و
نحوھا۔ واما الکتب
المتقدمۃ فلما لم یتول
حفظہا واستحفظہا الناس
تطرق الیہا الخلل و
فی التبیان او حافظون
لہ من الشیاطین من
وساوسہم وتخالیطہم
(یعنی شیطان نتواند کہ درو چیزے
از باطل بیفزاید یا چیزے از حق کم
کند) قال فی بحر العلوم
حفظہ ایاہ بالصرفۃ
علی معنی ان الناس
کانوا قادرین علی
تحریفہ ونقصانہ
کما حرفوا التوراۃ

بزرگی کا سبب ہے دنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی۔ جیسا کہ دوسری آیت
میں فرمایا بل اتیناھم بذکرھم
یعنی ہم نے ان کو وہ چیز دی جس
میں ان کی بزرگی اور عزت ہے
اور وہ چیز کتاب اللہ ہے۔ اور
بتحقیق ہم اس کے حفاظت کرنے
والے ہیں۔ ہر وقت میں تمام ان
چیزوں سے جو اس کے لائق نہ ہوں
مثلاً اعتراضات سے اس کی حفاظت
اس کی حقانیت میں جھگڑنے سے
حفاظت تکذیب واستہزاء سے
حفاظت تحریف اور تبدیلی اور
بیشی اور کمی اور اس کے مثل
دوسری چیزوں سے حفاظت
ولیکن اگلی کتابوں کی حفاظت
چونکہ خدا نے اپنے ذمہ نہیں لی
تھی۔ بلکہ لوگوں کو ان کا محافظ
بنایا تھا اس لئے ان میں خلل
آگیا۔ اور تبیان میں ہے۔ کہ
شیاطین سے اور ان کے وسوسوں
سے اور ان کے خلط ملط کرنے سے
حفاظت مراد ہے یعنی شیطان

والانجیل لکن اللہ صرفهم عن ذلك او بحفظ العلماء وتصنيفهم الكتب التى صنفوها فى شرح الفاظه ومعانيه ككتب التفسير والمقرأة وغير ذلك۔

یہ قدرت نہیں رکھتا کہ اس میں کوئی چیز از قسم باطل بڑھا دے یا کوئی چیز از قسم حق اس میں سے کم کردے بحر العلوم میں ہے کہ قرآن کی حفاظت خدا نے اس طور پر کی کہ لوگ اس کی تحریف اور کمی بیشی پر قادر تھے۔ جیسا کہ توراۃ وانجیل میں انہوں نے تحریف کی۔ مگر اللہ نے ان کو اس سے باز رکھا یا اس طور پر حفاظت کی کہ علماء کو ان کتابوں کے تصنیف کرنے کی توفیق دی۔ جو قرآن کے الفاظ و معانی کی شرح میں تصنیف کی گئی ہیں۔ مثلاً کتب تفسیر و قرأت وغیرہ کے۔

عن ابى هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل سنة من يجدد لها دينها ذكره ابوداؤد فى سننه وفيما ذكر اشارة الى ان القرآن مادام بين الناس لا يخلوا وجه الارض عن المهرة من العلماء و القراء والحفاظ وروى انه يرفع القرآن فى اخر الزمان من المصاحف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایسے شخص کو مقرر کرتا رہے گا۔ جو دین کی تجدید کرے اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ قرآن لوگوں کے درمیان میں ہمیشہ رہے گا اور کبھی روئے زمین قرآن کے علماء و قراء و حفاظ سے خالی نہ ہوگا۔ روایت ہے آخیر زمانے میں قرآن

فیصبح الناس فاذا الورق	مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا۔
ابیض یلوح لیس فیہ حرف	صبح کو لوگ دیکھیں گے تو بکایک
ثم ینسخ القرآن من	مصحف کے اوراق بالکل صاف
القلوب فلا یذکر منہ	ہوں گے مثل اس تختی کے جس پر
کلمۃ ثم یرجع الناس	کوئی حرف نہ ہو اس کے بعد قرآن
الی الاشعار والاغانی و	دلوں سے بھی نکال لیا جائے گا۔
اخبار الجاھلیۃ کما	کہ ایک کلمہ بھی اس کا یاد نہ ہو گا
فی فصل الخطاب فعلی	اس کے بعد لوگ اشعار کی طرف
العاقل التمسک بالقرآن	اور گانے کی چیزوں اور جاہلیت
وحفظہ نظمًا و معنی	کی خبروں کی طرف متوجہ ہو جائیں
فان النجاۃ فیہ وفی الحدیث	گے۔ یہ سب مضامین فصل الخطاب
من استظھر القرآن خفف	میں ہیں۔ پس عقلمند کو لازم ہے۔
عن والدیہ العذاب و	کہ قرآن کے ساتھ تمسک کرے
ان کان مشرکین وفی	اور اس کی عبارت کو معنی کو یاد
حدیث اخر اقرؤا	کرے۔ نجات اس میں ہے ۔
القرآن واستظھروہ	حدیث میں ہے کہ جو شخص قرآن
فان اللہ لا یعذب	کو حفظ یاد کرے۔ اس کے والدین
قلبا دعی القرآن ۔	پر عذاب کی تخفیف ہو جاتی ہے۔
	اگرچہ وہ مشرک ہوں۔ اور ایک

دوسری حدیث میں ہے۔ کہ قرآن کو پڑھو اور اس کو حفظ یاد کرو۔ کیونکہ اللہ تعالے اس دل کو عذاب نہ دے گا۔ جس میں قرآن ہو۔

۱۵۔ علامہ ابو سعود اپنی تفسیر مشہور بہ تفسیر ابو سعود میں لکھتے ہیں :۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا ذکر کو یہ

لكارهم استنزل و
استهزاءهم برسول الله
صلى الله عليه وسلم
بذلك وتسلية له اى
نحن نعظم شانا وعلو
جنابنا نزلنا ذلك الذكر
الذى انكروه وانكروا
نزوله عليك ونبوك
بذلك الى الجنون وعموا
منزله حيث بنوا
الفعل للمفعول ايماء الى
انه امر لا مصدر له
وفعل لا فاعل له وانا
له لحافظون من كل ما
لا يليق به فيدخل
فيه تكذيبهم
له واستهزاءهم به
دخولا اولياء فيكون
وعيد للمستهزئين
واما الحفظ عن مجرد
التحريف والزيادة و
النقص وامثالها فليس
بمقتضى المقام الوحيد

رد ہے کافروں کی اس بات کا کہ
وہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا
انکار کرتے تھے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن
کی وجہ سے تمسخر کرتے تھے۔ اور
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے
تسلی ہے (مطلب آیت کا یہ ہے
کہ) ہم نے اتنی عظمت شان اور
برتری بارگاہ کے ساتھ اس ذکر
کو جسکے یہ لوگ منکر ہیں۔ اور آپ
کے اوپر اس کے نزول کا انکار
کرتے ہیں اور اسکی وجہ سے آپکو
جنون کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
اور اسکے نازل کرنے والے کا نام
پوشیدہ کرکے فعل مجہول کا استعمال
کرتے ہیں۔ اس بات کے ظاہر
کرنے کے لئے کہ یہ ایک ایسا کام
ہے جس کا کوئی صادر کرنے والا
نہیں۔ اور ایک ایسا فعل ہے
جس کا کوئی فاعل نہیں اور یقیناً
ہم اس کی حفاظت کرنے والے
ہیں یعنی تمام ان نالائق چیزوں
میں سب سے پہلی چیز تو ان کی تکذیب اور

الحمل على الحفظ من جميع
ما يقدح فيه من الطعن
فيه والمجادلة في حقيته
ويجوز ان يراد حفظه
بالاعجاز دليلا على التنزيل
من عنده تعالى اذ لو كان
من عند غير الله لتطرق
عليه الزيادة والنقص
والاختلاف وفي سياق
الجملتين من الدلالة
على كمال الكبرياء والجلالة
في على فخامة شان
التنزيل مالا يخفى وفي
ايراد الثانية بالجملة
الاسمية دلالة على
دوام الحفظ والله
سبحانه اعلم وقيل الضمير
المجرور للرسول صلى
الله عليه وسلم كقوله
تعالى والله يعصمك
من الناس ۔

ان کا تمسخر ہے لہذا یہ آیت تمسخر
کرنے والوں کے لئے وعید ہے۔
اور صرف تحریف اور بیشی اور کمی
اور اسی قسم کی چیزوں سے حفاظت
مراد لینا اس مقام کے مناسب
نہیں ۔ پس بہتر یہ ہے کہ تمام
ان چیزوں سے حفاظت مراد لی
جائے ۔ جو قرآن کے لئے موجب
اعتراض اور اس کی حقانیت میں
جھگڑنے کا باعث ہوں ۔ اور ہو
سکتا ہے ۔ کہ قرآن کی حفاظت
بذریعہ اعجاز کے مراد لی جائے ۔
تاکہ یہ حفاظت اس منزل من اللہ
ہونے کی دلیل ہو جائے ۔ کیونکہ
اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا
تو ضرور اس میں بیشی اور کمی اور
اختلاف ہو جاتا ۔ ان دونوں
جملوں کے سیاق میں حق تعالیٰ
کی کمال کبریائی اور جلالت اور
قرآن مجید کی شان کی عظمت کا اظہار
ہے ۔ یہ بات مخفی نہیں ہے اور
دوسرے جملہ کو جملہ اسمیہ لانے میں
دلیل اس بات کی ہے کہ قرآن

کی حفاظت ہمیشہ ہمیش رہے گی۔ واللہ سبحانہ اعلم اور کہا گیا ہے۔ کہ ضمیر مجرد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اس صورت میں مطلب وہ ہوگا جو واللہ یعصمک من الناس کا ہے۔

۱۶۔ علامہ[1] قرطبی اپنی تفسیر جامع احکام القرآن کی جلد ۹ ورق ۱۰۱ میں فرماتے ہیں۔

انا نحن نزلنا الذکر یعنی	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر
القرآن وانا لہ لحفظون	کو یعنی قرآن کو اور بہ تحقیق ہم اسکی
من ان یزاد فیہ او ینقص	حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس بات
منہ قال قتادۃ وثابت	سے کہ اس میں بڑھایا جاوے یا
البنان حفظہ اللہ من	گھٹایا جائے۔ قتادہ اور ثابت
ان تزید فیہ الشیاطین	بنانی نے کہا ہے۔ کہ اللہ نے اسکی
باطلا وتنقص منہ حقا	حفاظت کی ہے۔ اس بات سے کہ
فتولی سبحانہ حفظہ	شیاطین اس میں کوئی خلاف حق
فلم یزل محفوظا وقال فی	بات نہ بڑھا سکیں یا اس سے
غیرہ بما استحفظوا	کوئی حق بات گھٹا سکیں۔ حق سبحانہ
فوکل حفظہ الیھم	نے قرآن کی حفاظت خود اپنے
فبدلوا وغیروا وقیل	ذمہ لی لہذا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ
انا لہ لحافظون ای	رہا۔ قرآن کے سوا دوسری کتابوں
لمحمد من ان یتقول	کے لئے اللہ نے فرمایا۔ بما
علینا او یتقول علیہ او	استحفظوا یعنی ان کتابوں کی

[1] تفسیر قرطبی کا ایک قلمی نسخہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کے کتب خانہ کا دار العلوم ندوہ میں ہے۔ اور سنا گیا ہے کہ ایک نسخہ اس کا دنیا میں اور ہے ۱۲

انا لہ لحافظون من ان	حفاظت انسانوں کے سپرد کی تھی۔
یوذی او یقتل نظیرہ	لہٰذا انہوں نے ان میں تغیر و تبدل کر
واللہ یعصمک من	دیا اور کہا گیا ہے کہ مطلب آیت کا
الناس ۔	یہ ہے۔ کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے محافظ ہیں۔ اس بات سے کہ وہ ہم پر افترا کریں یا اس بات سے کہ ان پر افترا کیا جائے یا اس بات سے کہ ان کو ایذا پہنچائی جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں۔ اس کی نظیر واللہ یعصمک من الناس ہے۔

(۱۷) علامہ طنطاوی اپنی تفسیر الجواہر[1] کے جلد ۸ صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں۔

انا نحن نزلنا الذکر الخ	بہ تحقیق ہم نے نازل کیا اس ذکر کو۔
انما انتم قوم مکذبون	تم لوگ تکذیب کرنے والے اور گمراہ
ضالون مستھزء ون	اور تمہارے نبی کے ساتھ تمسخر کرنے
بنبینا فلیس استھزاءکم	والے لوگ ہو۔ مگر تمہارا تمسخر ان کو
بضارہ لانا نحن نزلنا	کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ
القرآن ونحن حافظوہ	ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس
فقولوا انہ مجنون	کی حفاظت کرنے والے ہیں تم ان
ونقول انا نحفظ الکتاب	کو مجنون کہو مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم اس
الذی انزلناہ علیہ من	کتاب کی حفاظت کریں گے۔ جو
الزیادۃ والنقص و	ہم نے ان پر نازل کی ہے۔ زیادتی
التغیر والتبدیل و	اور کمی اور تغیر اور تبدیل اور ہر
التحریف والمعارضۃ	قسم کی تحریف سے اور اس بات سے

---

[1] یہ تفسیر قریب زمانہ کی لکھی ہوئی ہے۔ یورپ کے علوم رائج الوقت کو مدنظر رکھ کر یہ تفسیر لکھی گئی۔ مصر میں چھپ رہی ہے۔ تیرہ جلدیں چھپ کر آ چکی ہیں۔ جن میں سورہ یوسف تک کی تفسیر ہے ۱۲۔

وابطاله وافادة وتنقيص له علماء في الاجيال المقبلة يتولون حفظه ويذبون عنه ويدعون الناس اليه ويخرجون الناس ما مكن فيه من العلوم لينتاب العصر الذي هو فيه ليقبل عليه المتنورون ويقرأه الجهلاء والمتعلمون فما قيمة نبتكم اياه للجنون فلا تبتئس يا محمد بما يقولون۔

کہ کوئی اس کا مثل بنا سکے۔ اور اس کو فنا کر سکے یا اس کو بگاڑ سکے۔ اور عنقریب ہم علما کو آئندہ نسلوں میں آمادہ کریں گے۔ کہ اسکی حفاظت کا کام کریں۔ اور اس کی حمایت کریں۔ اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں۔ اور لوگوں کے لئے ان علوم کو ظاہر کریں۔ جو اس میں پوشیدہ ہیں تاکہ (قرآنی تعلیم) زمانہ حال کے مناسب ہو جائے۔ اور تاکہ روشن خیال بننے والے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور بے علم لوگ اور علم حاصل کرنے والے لوگ اس کو پڑھیں۔ پس (اب بتاؤ کہ) تم نے جو ان کو مجنون کہا اس کہنے کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے لہذا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔

بالفعل ان سترہ تفسیروں کی عبارتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ابھی بہت سی تفسیریں مشہور و غیر مشہور باقی ہیں۔ جن میں اکثر عربی میں ہیں۔ اور بعض فارسی یا اردو میں جن کو بخیال طول نہیں لیا گیا۔

تفاسیر منقولہ کی عبارتوں سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

۱۔ ذکر سے باجماع مفسرین قرآن مجید مراد ہے۔

۲۔ لہ لحافظون میں لہ کی ضمیر ائمہ مفسرین نے ذکر کی طرف پھیری ہے۔

۳۔ لہ کی ضمیر کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا ایک قول مجہول ہے۔

(۴) آیت مذکورہ باجماع مفسرین قرآن مجید کے آخر بقائے دنیا تک تمام ان اشیاء سے محفوظ رہنے پر دلالت کرتی ہے۔ جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں جن میں ایک چیز تحریف بھی ہے۔

(۵) باجماع مفسرین قرآن مجید کا تحریف وغیرہ سے محفوظ رہنا ایک معجزہ ہے۔ جو قرآن کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۶) صورت حفاظت میں مفسرین کے اقوال مختلف و متعدد ہیں۔ یعنی یہ کہ قرآن مجید کی حفاظت حق تعالےٰ نے کس طرح سے کی۔ انشاء اللہ اس کے متعلق قول فیصل مبحث چہارم میں بیان ہوگا۔

RESEARCH LIBRARY

مبحث سوم

مخالفین صحابہ کو قرآن مجید سے کچھ ایسی عداوت اور نفرت ہے۔ کہ قرآن مجید کے نام ہی سے ان کو پریشانی پیدا ہوجاتی ہے۔ بالکل وہی حالت ہے کہ اہل مکہ اللہ کے ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اللہ کے ذکر سے ان کو بہت بے چینی[1] ہوتی تھی۔

یہی سبب ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو محرف و مشکوک بنانے کے لئے صدیوں تک اپنی متفقہ قوتیں اور بے نظیر تدبیریں صرف کیں۔ جن کا ناکام[2] رہنا خدا کی قدرت کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

خصوصیت کے ساتھ دو مضمون کی آیتوں سے ان کو بہت پریشانی اور نہایت

---

[1] سورہ زمر میں اس بے چینی کا بیان فرمایا گیا ہے کہ اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون ۱۲

[2] مخالفین نے یہ کوشش کی قرآن کو معمیٰ اور چیستان قرار دیا جائے (بقیہ حاشیہ ص ۶۵۴)

ہی بے چینی ہوتی ہے۔ اول وہ کہ جن میں سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا مضمون ہے یا بالفاظ دیگر آپ کی ذات اقدس کو قیامت تک کیلئے مفترض الاطاعت اور قیام حجت الٰہیہ کا واحد مرجع قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ کے اتباع کو نجات آخرت اور خوشنودی رب العزت کے لئے کافی فرمایا گیا۔

دوم۔ وہ کہ جن میں قرآن مجید کا عام فہم اور واجب الاتباع ہونا یا تا قیام قیامت اس کے موجود اور تمام آفات و تحریفات سے محفوظ رہنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے کیوں کہ ان دونوں قسم کی آیتوں سے ان کے مذہب کو ضرب شدید پہنچتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۶۵۵) کہ قرآن کا سمجھنا صرف امام معصوم کا کام ہے۔ کہ کوئی غیر معصوم قرآن کو کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مگر حق تعالے نے اپنے فضل و کرم سے اس کوشش کو بھی رائگاں کر دیا۔ قبلۃ المجتہدین مولوی دلدار علی اساس الاصول کے ص۱۹ پر علامہ محمد تقی کا قول نقل کرتے ہیں کا استشہاد المصنف بالآیات تبخالا اصحاب وان لم یکن من داب الاخباریین فان الظاهر من کلامهم انهم یقولون ما نفهم کلام اللہ تعالے حتیٰ نستدل به۔ یعنی اللہ تعالے کے کلام کو ہم نہیں سمجھتے نہ اس سے استدلال کر سکتے ہیں۔ اس عبارت میں یہ قول اخبار مخالفین کا بیان کیا گیا ہے۔ مگر درحقیقت یہ قول اخباری اور دونوں قسم کے مخالفین کا ہے۔ چنانچہ سہیل لکھنؤ نہ معلوم کتنی مرتبہ لکھ چکا ہے۔ کہ قرآن کا سمجھنا انہیں لوگوں کا کام ہے جن کے گھر میں قرآن اترا۔

لے اس کے لئے مذہب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ان دو چیزوں کو اگرچہ تولا اور تبرا کی خوب صورت لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر حقیقت شناس لوگ جانتے ہیں۔ کہ ان دو لفظوں کے اندر کیسا زہر ہلاہل پوشیدہ ہے۔ مسئلہ تولا کا مقصد اصلی ختم نبوت کا انکار ہے۔ اور مسئلہ تبرا کا مقصد اصلی قرآن مجید سے بغاوت و انحراف ہے۔ تولا کے پردہ میں محبت اہل بیت کا نام لے کر بارہ اشخاص کو اس قدر بڑھایا جاتا ہے۔ اور ان کی اس قدر مدح سرائی کی جاتی ہے۔ کہ وہ ہر بات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر اور ہم مرتبہ ہو جاتے ہیں۔ اور ختم نبوت ایک لفظ بے معنی رہ جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۶۵۵ پر)

آخرالذکر مضمون کی آیتوں میں ایک آیت یہ بھی ہے ۔ لہذا اس کے متعلق ان کی حیرانی و پریشانی جس قدر بھی ہو حق بجانب ہے ۔ اگر موافق اس آیت کے قرآن مجید کو ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے محفوظ مانتے ہیں ۔ تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے ۔ اور اگر آیت کا انکار کرتے ہیں ۔ تو اسلامی فرقوں کی فہرست سے نام خارج ہوتا ہے ۔ کچھ بنائے نہیں بنتی ۔ اسی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں ان کے اقوال اس قدر پراگندہ اور اس قدر متضاد ہیں ۔ کہ بہت عبرت ہوتی ہے ۔

کوئی صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ اس آیت میں جو حفاظت قرآن مجید کی بیان کی گئی ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے ۔ کہ لوح محفوظ میں قرآن مجید کی حفاظت کی جائے گی ۔

کوئی صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ غار میں امام غائب کے پاس قرآن مجید بحفاظت موجود ہے ۔ یہی حفاظت اس آیت میں مراد ہے ۔ کوئی صاحب ان سب سے ترقی کر کے فرماتے ہیں ۔ کہ آیت میں قرآن کی حفاظت کا تذکرہ ہی نہیں ۔ بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد ہے ۔ ذکر سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے ۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں ۔ یہ تمام مختلف اقوال مخالفین کی تفسیروں اور ان کے مجتہدین کی تصنیفات میں موجود ہیں ۔ اور دور قدیم میں ایڈیٹران الشمس النجم کے مقابلہ میں پیش کر چکے ہیں ۔

قبلہ شیعہ مولوی فرمان علی نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں ان سب اقوال کو جمع کر دیا ہے ۔ لہذا یہاں صرف انہی کی عبارت نقل کر دینا کافی ہے ۔

" ذکر سے ایک تو قرآن مراد ہے ۔ جس کو میں نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے ۔ تب نگہبانی کا مطلب یہ ہے ۔ کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ

(بقیہ حاشیہ) دیکھو ہمارا رسالہ الخامس من المائتین اور تبرا کے پردہ میں صحابہ کرام کو (جو قرآن مجید کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کے چشم دید گواہ ہیں) غیر معتبر قرار دے کر قرآن مجید کو مشکوک و ناقابل اعتبار بنایا جاتا ہے ۱۲ ؛

ہونے دیں گے۔ پس اگر تمام[1] دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہو۔ تب بھی یہ کہنا صحیح ہوگا۔ کہ وہ محفوظ ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر[2] ہے۔ کہ اس زمانہ تک قرآن مجید میں کیا کیا تغیرات[3] ہوگئے۔ کم سے کم اس میں تو شک[4] ہی نہیں۔ کہ ترتیب بالکل بدل دی گئی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر ہر فرد کو محفوظ رکھیں گے۔ کیوں کہ اس زمانہ میں

۱؎ قبلہ مولوی صاحب کا مطلب یہ ہے۔ کہ امام غائب کے پاس ایک نسخہ اصلی قرآن کا اصلی حالت پر موجود ہے۔ اور امام غائب اسی دنیا میں ہیں۔ لہٰذا وعدۂ خداوندی پورا ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ مگر اس کا کیا جواب ہے۔ کہ امام غائب کا موجود ہونا نہ ہونا مخلوق کے حق میں یکساں ہے۔ وجودے است بے منفعت چوں عدم کس کے رسائی نہ ان کے پاس تک نہ ان کے قرآن تک ہے لہٰذا لوح محفوظ کے اندر موجود ہوتے ہیں اور ایسے امام غائب کے پاس موجود ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اور آیت میں ایسی حفاظت ہرگز مراد نہیں ہو سکتی۔ جس کا کوئی نفع نہ ہو۔ ایسی حفاظت کا تذکرہ کفار کے سامنے کوئی معنی رکھتا ہے۔ ایسی حفاظت تو تمام کتب کی ہے۔ قرآن کی کیا تخصیص توریت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینۂ اقدس میں محفوظ ہے۔ توریت کو چھوڑئیے۔ قرآن مجید بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ انور میں محفوظ ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اپنی قبر اطہر میں مسلمانوں کے نزدیک امام غائب جیسے سینکڑوں کے وجود سے اعلیٰ وارفع ہے۔

۲؎ آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ اپنی اپنی نظر ہے۔ آپ کے نزدیک یہ ظاہر ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے نزدیک بلکہ باانصاف غیر مسلموں کے نزدیک بھی قطعًا خلاف واقع ہے۔ بلکہ قرآن مجید کا ہر قسم کے تغیرات سے بصیغہ جمع۔ نعوذ باللہ من ہذا الکفر الفضیح ۱۲

۳؎۔ اللہ اکبر ایک تغیر نہیں۔ بلکہ تغیرات بصیغہ جمع۔ نعوذ باللہ من ہذا الکفر الفضیح ۱۲

۴؎ ایمان کے خلاف جتنی باتیں ہیں خواہ وہ کیسی ہی بے بنیاد ہوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۹ پر)

چھاپہ خانوں کی کثرت سے روزانہ سینکڑوں ہزاروں اوراق قرآن کے برباد کئے جاتے ہیں
دوسرے ذکر سے مراد جناب رسالت مآب ہیں۔ تب یہ مطلب ہوگا۔ کہ
کفار کے شر سے خدا تم کو محفوظ رکھے گا۔"
اور اس لفظ ذکر سے خدا نے حضرت رسول کو دوسرے مقام پر یوں یاد کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) آپ کے فرقہ کو ان میں شک کیسے ہو سکتا ہے۔ بقول خواجہ حافظ ؎

ما مریداں روبسوی کعبہ چوں آریم چوں　　روبسوی خانہ خمار دارد پیر ما ۱۲

؎ مجتہد صاحب نے بالکل کا لفظ اس لئے بڑھایا کہ ترتیب کی چار قسمیں ہیں۔ ترتیب سور، ترتیب آیات۔ ترتیب کلمات۔ ترتیب حروف ان چاروں قسم کی ترتیب کا بدل جانا اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ ۱۲

؎ ایسا خلاف عقل مطلب کسی نے کبھی مراد لیا نہ لے سکتا ہے ایسی فرضی باتوں کے ابطال میں کوشش کرنا خاص شیوہ اہل باطل کا ہے ۱۲ ش۔

؎ قبلہ مولوی فرمان علی کا استدلال بتا رہا ہے۔ کہ اس دوسرے مقام میں لفظ ذکر سے رسول کا مراد ہونا متفق علیہ ہے۔ حالانکہ یہ خالص فریب ہے۔ اہل سنت نے وہاں بھی لفظ ذکر سے رسول کو مراد نہیں لیا۔ نہ کوئی ذی ہوش مراد لے سکتا ہے کیونکہ لفظ انزل اس کے مناسب نہیں رسول کے لئے بعث یا ارسال کی لفظ آتی ہے نہ کہ انزال کی۔ ذکر سے مراد وہاں بھی قرآن ہے اور رسول سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اب رہی یہ بات کہ ذکراً اور رسولاً کے درمیان میں واؤ کیوں آیا۔ یہ شبہ لغت عرب کی ابتدائی کتابوں سے دفع ہو جاتا ہے۔ تعداد کے طور پر متعدد اشیاء کا ذکر بغیر حرف عطف کے ہوا کرتا ہے عرب کا محاورہ ہے۔ اشتریت دارا جاویۃ بساطا۔ دیکھو تین چیزوں کا ذکر بغیر حرف عطف کے ہو گیا۔ اس طرح آیت میں ذکراً اور رسولاً دو چیزوں کا تذکرہ بغیر حرف عطف وارد ہو گیا۔ لطف یہ ہے کہ خود قبلہ مولوی صاحب نے اس دوسری آیت کے ترجمہ میں لفظ ذکر سے قرآن ہی مراد لیا ہے۔ چنانچہ اس کے ترجمہ میں فرماتے

(بقیہ حاشیہ ۶۵۸ پر)

قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم اٰیٰت اللہ الاٰیۃ ۱۲

یہ ہے ان کی سراسیمگی کا ایک عمدہ نمونہ۔ کہ ایک صاف و صریح آیت کو کس طرح پیچ در پیچ مغالطوں میں ڈال کر خبط کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ایک نمایاں معجزہ قرآن مجید کا ہے۔ کہ اس آیت کا انکار نہیں کیا گیا۔ ورنہ آیت کا انکار کر دینا بہ نسبت ان دور از کار تاویلات کے زیادہ سہل تھا۔

قرآن کریم کا ایک معجزہ یہ بھی ہے۔ کہ مخالفین کے چند علماء کو اس آیت کی صحیح تفسیر اختیار کرنی پڑی۔ اگرچہ یہ لوگ ان چار اشخاص میں سے ہیں جو تحریف قرآن کے منکر کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

ثم زاد سبحانہ فی البیان فقال انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون عن الزیادۃ والنقصان والتحریف والتغییر عن قتادۃ وابن عباس و	پھر اللہ سبحانہ نے اور زیادہ صاف بیان کیا اور فرمایا کہ بیشک ہم نے نازل کیا ہے ذکر کو بیشک ہم بیشی اور کمی اور ہر قسم کی تحریف و تغیر سے اس کے محافظ ہیں۔ یہ تفسیر قتادہ

؎ مخالفین میں سے صرف چار اشخاص نے تحریف کی جمیع اقسام کا انکار کر کے اہل سنت کی طرح قرآن مجید پر اپنا ایمان ظاہر کیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان چاروں کا انکار از راہ تقیہ ہے۔ انہیں چار میں تفسیر مجمع البیان کا مصنف بھی ہے ۱۲ ش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵۷) ہیں دو خدا نے تمہارے پاس اپنی یاد (قرآن) اور اپنا رسول بھیج دیا ہے۔ جو تمہارے سامنے واضح آیتیں پڑھتا ہے (دیکھو ترجمہ فرمان علی صفحہ ۸۹۳ سورہ طلاق پارہ ۲۸، اب قبلہ مولوی صاحب سے یا ان کا نام لینے والوں سے پوچھو کہ یہ کیا ہوا تم تو کہتے تھے کہ لفظ ذکر سے رسول مراد ہیں۔ یہ ہے خدا کی قدرت کا کرشمہ ۱۲ ش

مثله لا يأتيه الباطل
من بين يديه و
لا من خلفه وقيل
معناه تتكفل بحفظه
الى آخر الدهر على
هو عليه فتنقله
الامة فتحفظه
عصراً بعد عصر الى يوم
القيامة لقيام الحجة
به على الجماعة
من كل من لزمته
دعوة النبي صلى الله
عليه وآله وسلم
عن الحسن وقيل
نحفظه من كيد
المشركين فلا يمكنهم
ابطاله ولا يندرس
ولا ينسى عن الجبائي
وقال الفراء يجوز
ان يكون الهاء في له
كناية عن النبي صلى
الله عليه وآله وسلم
فكانه قال انا انزلنا

اور ابن عباسؓ سے منقول ہے۔
اور اس کے مثل وہ آیت ہے
کہ باطل قرآن کے پاس نہیں
آسکتا۔ نہ اس کے آگے نہ اسکے
پیچھے سے اور کہا گیا ہے کہ اس
کے معنی یہ ہیں کہ ہم اخیر زمانہ
تک قرآن کی حفاظت کریں گے۔
جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔
اُمت اس کو نقل کرتی رہے گی
اور قرناً بعد قرن قیامت تک
اس کی حفاظت کرتی رہے گی۔ تاکہ اس
سے تمام ان لوگوں پر جن کو نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ چکی
ہے۔ حجت قائم رہے۔ یہ تفسیر
حسن بصری سے منقول ہے۔
اور بعض لوگوں نے کہا ہے۔
کہ مطلب یہ ہے کہ ہم مشرکوں
کی کید سے قرآن کی حفاظت
کریں گے۔ تاکہ قرآن کے مٹانے
پر ان کو قدرت نہ ہو۔ اور قرآن
نہ مٹے نہ فراموش ہو۔ یہ تفسیر
جبائی سے منقول ہے۔ اور فرا
نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ

القرآن وانا لمحمد حافظون ۔

لہ کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹتی ہو ۔ گویا اللہ نے یوں فرمایا کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ۔ اور یقیناً ہم محمدؐ کے محافظ ہیں ۔

ف :۔ اس مفسر نے بڑی صفائی کے ساتھ وہ آیات قرآنیہ کی بابت تصریح کر دی ۔ کہ وہ قرآن مجید کے جمیع اقسام تحریف سے محفوظ ہونے پر دلالت کرتی ہیں ۔

حالانکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا ۔ کہ اس مفسر کا بھی تحریف قرآن سے انکار مبنی بر تقیہ ہے ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے ۔ کہ جمہور مخالفین کے عقیدہ میں یہ قرآن مجید جو آج مسلمانوں کے پاس ہے ۔ اور ہر زمانہ میں یہی قرآن مجید مسلمانوں کے پاس رہا ۔ محرف ہے ۔ اور تحریف کی جتنی قسمیں ہوسکتی ہیں سب اس قرآن میں ہوئی ہیں ۔ یعنی اس میں کمی بھی ہوئی ہے ۔ جابجا سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں ۔ اور اس میں زیادتی بھی ہوئی ہے ۔ جابجا انسانی کلام اس میں شامل کردیا گیا ۔ اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی ہوئی ہے ۔ جابجا انسانی کلام اس میں شامل کردیا گیا ۔ اور اس میں الفاظ و حروف کی تبدیلی بھی ہوئی ہے ۔ اور اس کی ترتیب بھی خراب کردی گئی ہے ۔ ترتیب کی چار قسمیں ہیں ۔ اول ترتیب سورتوں کی ، دوم ترتیب آیتوں کی ، سوم ترتیب کلمات ، چہارم ترتیب حروف کی ۔ کتب شیعہ میں یہ تصریح موجود ہے ۔ کہ چاروں قسم کی ترتیب بگاڑ دی گئی اگر صرف سورتوں کی ترتیب میں کلام کیا جاتا ۔ تو چنداں خرابی نہ تھی ۔ کیونکہ ہر سورت بجائے خود مستقل چیز ہے ۔ اس کے تقدم و تاخر سے مقصود کلام کچھ اثر نہیں پڑ سکتا ۔ بخلاف باقی تین ترتیبوں کے کہ ان سے مقصود کلام کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے ۔

مخالفین کی کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ قرآن کے محرف

ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کس قدر اہتمام کیا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مسئلہ میں نہیں کیا۔ اس اہتمام کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے۔ کہ آج ان کی معتبر کتابوں میں ائمہ معصومین سے زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی منقول ہیں۔ اور تحریف کی نفی میں ایک روایت بھی کسی امام سے ان کی کسی کتاب میں نہیں[1]۔

مبحث چہارم

خداوند کریم نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ یہ ایک عظیم الشان انعام اور مخصوص امتیاز اس امت مرحومہ کے لئے ہے اور بوجہ ایک زبردست پیشن گوئی ہونے کے ایک معجزہ بھی ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے جو صورت اپنے اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے اختیار فرمائی۔ وہ بہت ہی زیادہ عجیب اور بہت ہی بڑا معجزہ ہے۔

حق تعالیٰ کی قدرت میں تھا۔ کہ اپنے وعدہ کے پورا کرنے کے لئے یہ صورت اختیار فرماتا۔ کہ قرآن مجید کے متعدد نسخے متعدد پہاڑوں کی اونچی اور مضبوط چٹانوں پر دست قدرت سے کندہ ہو جاتے اور قیامت تک وہ چٹانیں باقی

---

[1] قرآن کی تعریف جن روایات میں ہے۔ ان سے نفی تحریف ثابت نہیں ہو سکتی۔ بدو وجہ اول یہ کہ ممکن ہے۔ کہ یہ روایات بحالت تقیہ ہوں۔ ہر طرف مسلمانوں کی حکومت قائم تھی۔ لہٰذا ائمہ نے دیکھا کہ قرآن کی تعریف نہ کی جائے تو لوگ مار ڈالیں گے۔ دوم یہ کہ ممکن ہے۔ کہ یہ تعریفیں اسی قرآن کی ہوں۔ جو ائمہ کے پاس تھا۔ اور اب بقول مخالفین بارھویں امام کے پاس غار مرض زلئے میں ہے۔ اور اصل بات یہ ہے۔ کہ جس صراحت وصفائی کے ساتھ تحریف کا بیان ہے اس صراحت ووضاحت کے ساتھ نفی تحریف کی روایات ہوتیں تو یہ کہنا صحیح ہوتا کہ نفی کی روایات اصلی کتب مخالفین میں ہیں ۱۲ ش

رہتیں۔ جب انسانی افراد یعنی قوم ثمود کے تراشے ہوئے مکانات اب تک مدائن صالح میں موجود ہیں۔ تو قدرت کے کندہ کیے ہوئے نقوش کا قیامت تک باقی رہ جانا بعید از عقل بھی نہ تھا۔ یہ بھی قدرت میں تھا۔ کہ قرآن مجید جواہر کی تختیوں میں نقش کیا ہوا اترتا۔ جیسے توریت اتری تھی۔ اور بعد میں وہ تختیاں فضائے ہوا میں معلق ہو جائیں۔ اور قیامت تک معلق رہتیں۔

یہ بھی قدرت میں تھا۔ کہ قرآن مجید فضائے ہوا میں ہم سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر اتنے بڑے بڑے حروف میں منقش ہو جاتا۔ کہ ضعیف البصر لوگ بھی بآسانی یہاں سے بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے۔ اور رات کو اُن نقوش میں ایسی چمک پیدا ہو جاتی جیسی آفتاب یا مہتاب میں ہے۔ کہ رات کو بھی قرآن مجید کی تلاوت ہو سکتی۔

یہ آخری صورت سب سے زیادہ عمدہ تھی۔ کہ وہاں تک انسان کا ہاتھ ہی نہ پہنچتا۔ تحریف کون کر سکتا یا فنا کون کر سکتا۔ مگر حق تعالیٰ نے ان جیسی تمام صورتوں کو جو تحت قدرت تھیں۔ ترک فرما کر وہ صورت اختیار فرمائی جو اس کے فاعل باختیار اور مالک باقتدار ہونے پر سب سے زیادہ روشن دلیل بن سکے۔ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن مجید کو اسی عالم کون و فساد میں انہیں انسانوں کے ہاتھ میں رکھا۔ جہاں اور جن ہاتھوں میں کسی چیز کا تھوڑے سے دنوں میں بھی ایک حالت پر قائم رہنا گویا محالات سے ہے۔ جہاں ہر چیز کے لئے ہر وقت تغیر لازم ہے۔ اور اسی تغیر کو دیکھ کر بڑے بڑے حکماء و فلاسفہ کو حدوث عالم کا سراغ ملا۔ جس سے منطق کی یہ شکل اول بدیہی الانتاج تیار ہوئی کہ العالم متغیر و کل متغیر حادث

اس عالم میں قرآن مجید کو رکھ کر کس جلال و جبروت کے ساتھ اعلان دیا کہ انا لہ لحافظون اور انہیں انسانوں کو اس کی حفاظت کا آلہ بنایا یہ ہے کمال قدرت کا عجیب در عجیب ظہور۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند بازمے گوئید دامن ترمکن ہشیار باش

یہ دُنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں باستثنائے شاذ و نادر جو کام ہوتے ہیں وہ سبب و مسبب کے سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ لہذا حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے لئے متعدد اسباب مہیا فرمائے۔ اور ہر ہر سبب کو اس قدر قوت تاثیر عطا فرمائی۔ کہ ایک ہی سبب ان میں سے مراد الٰہی کے پورا کرنے کے لئے کافی تھا۔ واللہ غالب علیٰ امرہ۔

قرآن مجید کی حفاظت کے لئے جو اسباب وجود میں آئے۔ ان کا مطالعہ بھی بجائے خود ایک بڑی چیز ہے۔ اُن میں سے چند چیزوں کا تذکرہ سرسری طور پر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

(۱) ازاں جملہ یہ کہ صاحب القرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں مبعوث فرمایا۔ جب کہ کتابت اور آلات[۱] کتابت کا رواج[۲] عام تھا۔ اور آپ کو حکم دیا کہ آپ[۳] کے اصحاب میں جو لوگ لکھنا نہ جانتے ہوں۔ اُن کو اس فن کی تعلیم[۴] دلائیے۔

---

[۱] آلات کتابت سے مراد کاغذ، قلم، روشنائی۔ ۱۲

[۲] رواج عام کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ یہودیان مدینہ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ توریت کو کاغذوں پر لکھا کرتے تھے قولہ تعالیٰ تجعلونہ قراطیس قرض کے معاملات کو لکھ لینے کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ قولہ تعالیٰ: ولیکتب بینکم کاتب بالعدل خود قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوا کہ اساطیر الاولین اکتتبھا۔ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں ہیں۔ اور روایات تو حد شمار سے باہر ہیں ۱۲

[۳] چونکہ انبیاء علیہم السلام جو کام کرتے ہیں بحکم خداوندی سے کرتے ہیں۔ اس لئے ہم نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو حکم الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ ۱۲

[۴] چنانچہ غزوہ بدر میں جب کفار قید ہو کر آئے تو جو لوگ ان میں لکھنا جانتے تھے ان کے لئے آپ نے فدیہ بھی مقرر کیا کہ آپ کے اصحاب کو کتابت سکھا دیں۔ ازواج مطہرات بھی کتابت جانتی تھیں۔

(۲) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ملک میں مبعوث فرمایا جہاں کے لوگ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔ بڑے بڑے طولانی قصیدے ایک دفعہ سننے سے ان کو یاد ہو جاتے تھے۔ عرب کے شاخ در شاخ قبائل کے انساب کا یاد رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ مگر وہ ان کے لئے نہایت سہل تھا۔ اس طرح یاد رکھتے تھے کہ کیا ممکن کہیں غلطی ہو جائے۔ انسانوں کے انساب کا کیا ذکر۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب ان کے نوک زبان پر رہتے تھے۔

(۳) اور ازاں جملہ یہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ قرآن مجید کی کتابت کا خاص اہتمام کریں۔ کتابت[1] وحی کا ایک خاص امتیازی عہدہ قائم کیا جائے۔ نازل ہونے کے بعد لکھوانے میں ذرا بھی[2] دیر نہ فرمائیں اور لکھے ہوئے اجزاء کو روزانہ صبح و شام دونوں وقت خود[3] سننے کا معمول قرار دیں۔ اور لکھنے کے لئے اپنے اصحاب میں ایسے لوگوں کو متعین کریں۔ جو بہت زیادہ محتاط اور متدین اور باعزت ہوں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ

---

[1] چنانچہ کتابت وحی کا عہدہ ایک ایسا ممتاز عہدہ تھا۔ کہ محدثین اس کو بڑے اہتمام سے فضائل صحابہ میں ذکر کرتے ہیں۔

[2] چنانچہ مسند احمد اور ابوداؤد ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں روایت ہے کہ فکان اذا نزل علیہ الشیء یدعوا بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ کہ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی۔ تو آپ جو کاتب وحی اس وقت موجود ہوتا۔ اس سے فرماتے کہ اس کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسوقت اگر کاغذ موجود نہ ہوا تو کاغذ کے منگانے کا انتظار بھی نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ شانے کی ہڈی یا پتھر یا جو کوئی چیز بھی اس وقت میسر ہوئی۔ اس پر فوراً لکھ لیا جاتا تھا۔۱۲ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۵)

متعدد[1] اشخاص اس کام پر مقرر کیئے جائیں ۔ تاکہ کوئی نہ کوئی ہر وقت آپ کے پاس موجود رہے ۔ اور نازل شدہ آیت یا سورت کے لکھنے میں کسی لکھنے والے کا انتظار نہ کرنا پڑے ۔ اور اپنے اصحاب کو منع کر دیں ۔ کہ سوا قرآن مجید کے اور کوئی چیز از قسم احادیث وغیرہ نہ لکھیں[2] ۔ تاکہ آیندہ نسلوں کو اگر کوئی نوشتہ اس وقت کا دستیاب ہو جائے ۔ تو کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو ۔

(بقیہ حاشیہ) یہ بات قرآن مجید ہی سے ثابت ہے ۔ قولہ تعالےٰ (کتبتھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا) یعنی کفار کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلوں کے قصے لکھوا لیئے ہیں اور وہ ان کو صبح و شام سنائے جاتے ہیں ۱۲ ۔ لے مطلق کتابت ہیں خواہ وحی نہ ہو بلکہ خطوط وغیرہ ہوں ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دیانت دار اور امانتدار شخص سے کام لیتے تھے ۔ چنانچہ احادیث میں ہے ۔ کہ کان لا یکتب الا امینا صادقا اور پھر کتابت وحی میں تو خاص اہتمام تھا ۔ قرآن مجید میں بھی کاتبان وحی کی امانت و دیانت کی خدا نے تعریف فرمائی ہے ۔ قولہ تعالیٰ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ بایدی سفرۃ کرام بررۃ ۔ یعنی یہ نصیحت ان صحیفوں میں ملے گی جو باعزت بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں ۔ اور ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں ۔ جو بزرگ اور نیکوکار ہیں ۱۲ ۔

[1] چنانچہ متعدد کاتبان وحی آپ کے تھے ۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں خلفائے اربعہ ۔ حضرت زبیر بن عوام ۔ حضرت خالد بن سعید اور حضرت ابان بن سعید اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت حنظلہ ابن ربیع اور حضرت زید بن ثابت ، حضرت معیقیب ، حضرت عبداللہ بن ارقم ، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین ۱۲

[2] مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تکتبوا عنی الا القرآن یعنی مجھ سے سوا قرآن کے اور کچھ نہ لکھو ۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ جو آپ کی احادیث کو لکھ کر یاد کرتے تھے ۔ جیسے عبداللہ بن عمرو بن عاص وہ یاد کرنے کے بعد اس نوشتہ کو ضائع کر دیا کرتے تھے ۔

(۴) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ قرآن مجید کے تلاوت کی خود بھی کثرت کریں۔ اور۔ اور اپنے اصحاب کو بھی کثرت تلاوت کی ترغیب دیں۔ اور اعلان فرمادیں۔ کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب یہ ہے کہ ہر ہر حرف سے لفظ مراد نہیں ہے۔ الم ایک حرف نہیں ہے۔ بلکہ تین حرف ہیں۔

چنانچہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت تلاوت اور تلاوت کے وقت میں آپ کی محویت تو عجیب چیز تھی ہی۔ آپ کے صحابہ کرام کی کثرت تلاوت اور قرآن مجید کے ساتھ ان کا شغف اور ان کی محویت کچھ کم ولولہ آموز نہ تھی۔

(۵) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ قرآن مجید حفظ کرنے کی تاکید فرمائیں۔ اور حفظ کرنے کے ثوابات کا اعلان کریں۔ اور حفاظ قرآن کی عزت کریں۔ زندہ کی بھی اور مردہ کی بھی۔

(۶) اور ازاں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ نماز جو اجل معالم دین سے ہے۔ جس کی عظمت ورفعت اور جس کی تاکید اور اہمیت

ؐ چنانچہ سفر وحضر میں جو مشغولیت آپ کو تلاوت قرآن میں ہوتی تھی۔ احادیث سے ظاہر ہے حتی کہ سفر ہجرت جیسے خطرناک سفر میں بھی آپ اونٹ پر بیٹھے ہوئے تلاوت فرماتے تھے اور اس قدر محویت کے ساتھ کہ سراقہ تعاقب کے لئے پہنچ گئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے کئی بار آپ سے عرض کیا کہ کفار آگئے۔ مگر آپؐ کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ آخر میں جب حضرت صدیقؓ نے کہا کہ بالکل قریب آگئے۔ اس وقت آپ متوجہ ہوئے۔ حضرت صدیقؓ کا مشغلہ تلاوت قرآن مجید کا اپنے مکان کے سامنے چبوترہ پر قبل ہجرت بڑا عظیم الشان واقعہ ہے جس پر کفار مکہ سخت مزاحم ہوئے۔ مگر حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ میں اس کام کو ترک نہ کروں گا۔ مکہ کا رہنا چھوڑ دوں گا۔ چناں چہ وہ ہجرت کرکے جارہے تھے۔ اثنائے راہ سے ابن الدغنہ تاجر واپس لایا ۱۲۔

کے بیان میں سات سو آیتیں قرآن مجید کی نازل ہوئیں۔ اس نماز میں زبانی تلاوت قرآن مجید کی مسلمانوں کے لئے لازم اور ضروری قرار دیں اور تین وقت کی نماز میں امام کے لئے بلند آواز سے تلاوت قرآن مجید کا حکم دیں۔ اور خود اکثر اوقات نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھا کریں۔

۷۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی تعلیم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے اہتمامات کا حکم دیا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر شغف کے ساتھ ان اہتماموں کو پورا کیا۔ جس کا کوئی نمونہ دنیا میں نہیں مل سکتا۔

۸۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی عبارت میں سلاست اور دل بستگی رکھی۔ کہ بے معنی سمجھے ہوئے بھی اس کا حفظ کرنا دشوار نہ رہا۔ چہ جائیکہ معنی سمجھنے والوں کو۔

۹۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کی آیات میں عجیب عجیب تاثیرات رکھیں۔ ایک طرف اس کی روحانی تاثیرات کا یہ عالم کہ ملک عرب جیسے وحشی اور ناتعلیم یافتہ خطہ میں اس نے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور نہ صرف ملک عرب۔ بلکہ ساری دُنیا کو ہلا دیا۔

جو لوگ بکریوں اور اونٹوں کے چرانے کا سلیقہ نہ رکھتے تھے۔ ان میں جہاں بانی اور فرماں روائی کی ایسی اعلیٰ قابلیت اور اس قدر جلد پیدا کر دی جس کی مثال پیش کرنے سے دُنیا کی تاریخ ماضی وحال عاجز ہے۔ جو لوگ اپنی اولاد پر مہربانی کرنا نہ جانتے تھے۔ اور اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے خوگر ہو رہے تھے۔ ان میں مربی عالم بننے کی وہ بہترین صلاحیت پیدا کر دی۔ کہ جب اس کا وقت آیا۔ تو انہوں نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ایسی ایسی مربیانہ مہربانیاں کیں۔ کہ آج تک نصاریٰ کی تاریخیں اس اعتراف سے پُر ہیں۔ جو لوگ امی تھے۔ کسی علم وہنر کی ہوا بھی ان کو نہ لگی تھی۔ چند ہی روز میں ان کے سینوں سے

علم وحکمت کے دریا بہنے لگے ۔ کہ ساری دنیا کے کتب خانے ان کے علوم ومعارف کے سامنے بیکار ہو گئے ۔ اور عبادت ومعرفت الٰہی میں ان کو جس ذروۂ کمال پر پہنچایا ۔ اس کا تو ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ دنیا والوں کے وہم وخیال کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی ۔

حیف باشد شرح او اندر جہاں
ہمچو راز عشق باید در نہاں

دوسری طرف اس کی جسمانی تاثیرات کا یہ عالم کہ بیماری تو بیماری سانپ کے کاٹے ہوئے پر پڑھ کر دم کیا گیا ۔ اور موت کے پنجہ سے رہائی مل گئی پھر لطف یہ کہ قرآن مجید کی ان تمام فوق الفطرت تاثیرات کا اعلان بھی پہلے ہی سے قرآن مجید میں کر دیا گیا ۔

۱۰ ۔ اور از اں جملہ یہ کہ قرآن مجید کو سید الانبیاء کی نبوت کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیا گیا اور طرح طرح کے اعجاز اس میں رکھے گئے ۔ کہ ان میں سے ہر ہر اعجاز ساری دنیا کو کیا موافق کیا مخالف اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھا ۔ مثلاً اس کی فصاحت وبلاغت جس کا شغف عرب کے بچہ بچہ کو تھا ۔ اور مثلاً اس کی اخبار غیب وغیرہ وغیرہ ۔

۱۱ ۔ اور از اں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب ایسے عطا فرمائے ۔ جو اطاعت اور فرماں برداری اور جاں نثاری اور دینداری میں بے نمونہ اور بے مثال تھے ۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ چشم فلک نے کبھی ایسی صورتیں نہیں دیکھیں ۔ ایسے لائق شاگردوں نے کیا کیا تدبیریں قرآن مجید کی حفاظت اور اشاعت کے لئے کیں ۔ اُن کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیئے ۔

۱۲ ۔ اور از اں جملہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ایک مستقل زبردست بادشاہت کا مالک بنایا ۔ کہ ان کو اپنی ہر خواہش کے پورا کرنے

کے لیئے بہتر سے بہتر سامان میسر ہو گئے ۔

۱۴ ۔ اور ازاں جملہ یہ کہ قرآن مجید کا ایسا عشق اور اس کی ایسی محبت عامۂ تمام اُمت اسلامیہ کے دل میں قیام قیامت تک کے لئے پیدا کر دی کہ کسی نبی کی اُمت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔

یہ چند باتیں جو بر سبیل ارتجال بطور مثال کے بیان کی گئیں ۔ ان باتوں پر غور کرو ۔ تو تم کو یقین ہو جائے گا ۔ کہ یہ سب باتیں جس کتاب کے لئے جمع ہو جائیں ۔ وہ کتاب کبھی دنیا سے مٹ نہیں سکتی ۔ نہ اس میں کسی کی تحریف چل سکتی ہے ۔ اور یہ باتیں ایسی ہیں ۔ کہ دُنیا میں آج تک کسی کتاب کے لئے ان میں سے دو چار بھی نہیں پائی گئیں ۔ خصوصاً ان میں سے آخری بات پر ایک غائر نظر ڈالو ۔ تو تم کو قدرت کا ایک عجیب راز آنکھوں سے دکھائی دے گا ۔

کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے ۔ کہ اہل سُنت میں آج بھی حافظ قرآن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے ۔ تمام دنیا نہیں اور تمام ہندوستان نہیں ۔ صرف لکھنؤ میں حفاظ قرآن کس قدر ہیں ۔ کوئی بتا سکتا ہے ۔ یا شمار کر سکتا ہے ۔

اگر آج ابلیس اور اس کی تمام ذریات جن و انس مل کر کوئی ایسا تدبیر کریں ۔ کہ دنیا سے قرآن مجید کے تمام نسخوں کو معدوم کر دیں ۔ تو بھی قرآن فنا نہیں ہو سکتا ۔ ایک ہی دن میں ہزاروں نسخے قرآن کے حفاظ کے سینوں سے نکل کر پھر موجود ہو جائیں گے ۔ کیا یہ شان دُنیا میں کسی اور کتاب کی کبھی ہوئی ۔

آخر اہل سُنت کو اس قدر شوق اور شغف حفظ قرآن کا کیوں ہے اور ان میں اس قدر کثرت حفاظ کی کیوں ہے ؟

اگر کہو کہ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ اہل سُنت کا یہ مسلم الکل مسئلہ ہے ۔ کہ قرآن مجید کا حفظ کرنا اُمت پر فرض کفایہ ہے ۔ اور حفظ قرآن کا ثواب ان کے مذہب میں بے حد و بے نہایت ہے ۔ نیز ان کے یہاں متفقہ مسئلہ یہ بھی ہے ۔

کہ اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی ہر زمانہ میں رہنا ضروری ہے ۔کہ تواتر قرآن کا سلسلہ نہ ٹوٹے ۔ اور کسی دشمن کو تحریف کا موقع نہ مل سکے ۔ اگر خدانخواستہ کسی زمانہ میں اس قدر کثرت حفاظ قرآن کی نہ رہے ۔ تو اس زمانہ کے تمام مسلمان کیا مشرق کے رہنے والے اور کیا مغرب کے سب کے سب گنہ گار ہو جائیں گے ۔ اور گنہ گار مریں گے یہ مسئلہ نہایت عمدہ طریقہ سے اتقان کے چونتیسویں نوع میں بیان کیا گیا ہے ۔

تو اس کا جواب یہ ہے ۔کہ ہاں یہ مسئلہ تو بے شک ہمارے یہاں مسلم الکل ہے ۔مگر یہ مسئلہ ہرگز ہرگز کثرت حفاظ کا سبب نہیں کہا جا سکتا ۔ اول تو آج مسلمان جس پستی میں ہیں ۔ اور جیسی غفلت اور بے پرواہی دین اور مسائل دین کی طرف سے ان پر طاری ہے ۔ وہ اظہر من الشمس ہے ۔آج دنیا کے افکار و مصائب نے ان پر ایسا ہجوم کیا ہے ۔کہ وہ اپنے دین کو بالکل بھولے ہوئے ہیں ۔ بڑے بڑے اہم فرائض اسلام سے بے خبر ہیں ۔اس کی پابندی ان میں نہیں رہی ۔الا ماشاء اللہ ۔ ایسی حالت میں حفظ قرآن جیسے با مشقت مسئلہ کی پابندی کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے ۔

دوسرے یہ کہ اس مسئلہ کی اکثر عوام بلکہ بعض خواص کو بھی خبر نہیں مگر جو اس مسئلہ کو نہیں جانتے ۔ وہ بھی حفظ قرآن میں اسی طرح سرگرم نظر آتے ہیں ۔ جس طرح اس مسئلہ کو جاننے والے یقیناً اس کا سبب سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتا ۔کہ خداوند ذوالجلال والاکرام نے قرآن مجید کی بے اندازہ محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے ۔جو ہماری تمام فطریات پر غالب آکر ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے ۔کہ ہم اس محبوب کو اپنے سینوں میں رکھیں ۔اپنی آنکھوں سے لگائیں ۔اس کا ورد رکھیں ۔ اور اس کی تلاوت اور ہر ممکن خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد وحید سمجھیں ۔

من نہ باختیار خود میروم از خفائے او   آں او کمند عنبریں مے بردم کشاں کشاں

یہی بے اندازہ محبت ہے۔ جس کے پردہ میں روز قضا اپنا کام کر رہا ہے۔ اور خدا کا سچا وعدہ انا لہ لحافظون پورا ہو رہا ہے۔

ہر ماں یہ کہاں جانتی ہے۔ کہ بچہ کی پرورش اور اس کی حفاظت شرعاً میرے اوپر فرض ہے۔ مگر پھر بھی دیکھو کس سرگرمی سے اپنے بچہ کی پرورش میں مصروف رہتی ہے۔ اس کے پیچھے اپنی ہستی فراموش کر دیتی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ وہی فطری محبت جو کارپردازان قضا و قدر نے اس کے دل میں رکھی ہے! انسان تو انسان جانوروں میں بھی اس محبت کے عجیب عجیب کرشمے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔

خدا کی قدرت تو دیکھو۔ ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ مسلمانوں کی سلطنت تھی۔ اور سلطنت بھی معمولی نہیں۔ بلکہ بڑے جاہ و جلال کی۔ اور سلطنت کی طرف سے حفاظ قرآن کی بڑی عزت و منزلت ہوتی تھی۔ ان کو بڑے بڑے وظائف ملتے تھے۔ کوئی کہہ سکتا تھا۔ کہ اس عزت و منزلت اور ان وظائف کی بدولت حفاظ قرآن کی یہ کثرت ہے۔ لیکن چند روز کے بعد وہ سلطنت بھی گئی۔ اور حفاظ قرآن کی وہ عزت و منزلت بھی دُنیا سے رخصت ہو گئی۔ اور وظائف کا تو ذکر ہی کیا۔ حفظ قرآن کا مشغلہ معاش میں مخل نظر آنے لگا۔ کم از کم پانچ سال میں قرآن مجید حفظ ہوتا ہے آتنی مدت کسی صنعت و حرفت کے سیکھنے میں یا کسی فن کے حاصل کرنے میں صرف کی جائے تو اچھا خاصہ ذریعہ کسب معاش کا ہو جائے۔

مگر بایں ہمہ کیا اس قدر و عزت کے زمانہ سے آج حفاظِ قرآن کی کثرت میں کچھ کمی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس کثرت کا سبب سوا اس کے کچھ نہیں۔ کہ خدا کا سچا وعدہ ہم کو اپنا آلہ و جارحہ بنا کر ہمارے پردے میں اپنا کرشمہ دکھا رہا ہے۔ ؎

اور بجز نائی و ما بجز نے نایم

جب یہ حالت قرآن مجید کے عشق و محبت کی آج اس گئے گزرے وقت میں ہے۔ تو قرن صحابہ میں قرن تابعین میں زمانہ سلف میں کیا کیفیت رہی ہو گی۔ اور قرآن مجید کا عشق ان سے کیا کچھ کراتا ہوگا۔ ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

علامہ سیوطی نے اتقان میں اور دوسرے علماء نے تاریخ و سیر و حدیث کی کتابوں میں عجیب عجیب واقعات صحابہ و تابعین کے شغف بالقرآن کے لکھے ہیں۔ جن کو پڑھ کر اندھے کی بھی آنکھیں ہو جاتی ہیں۔

فسبحان من یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید ۔

ISLAMIC RESEARCH INSTITUTE LIBRARY

تفسیر

آیۂ تطہیر

جس میں

روز روشن کی طرح دکھا دیا گیا ہے کہ اہل بیت زبان
عرب میں زوجہ کو کہتے ہیں اور آیۂ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے ازواج
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد اہی ہیں۔ ان کے سوا نہ کوئی مراد ہے نہ ہو سکتا ہے۔

پہلی آیت کی تفسیر جب میں لکھ چکا۔ تو اتفاقاً بعض اہل علم[1] یہاں تشریف لائے۔ اور اس تقریر کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے۔ اور ساتھ ہی مجھ سے یہ اصرار کیا کہ آیت تطہیر کے متعلق بھی تجھے کچھ لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ حضرات مخالفین کے زعم میں وہ آیت بھی عصمت پر دلیل صریح ہے۔ اور موقع بے موقع اکثر ناواقف سنیوں کے سامنے اس آیت کو پڑھ کر اپنے مکائد کی بہار دکھایا کرتے ہیں۔ لہذا خدا کا نام لے کر اس آیت کی تقریر بھی لکھتا ہوں ایک مصلحت اس میں یہ بھی ہے۔ کہ اس آیت کی تقریر صاحب قوت قدسیہ مصنف تحفہ اثنا عشریہ اعلی اللہ مقامہ نے بھی لکھی ہے۔ اور بوارق میں مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے اس کے رد میں اپنا پورا زور دکھایا۔ اور اپنے اسلاف کی تمام کمائی خرچ کر دی ہے پس اس ذریعہ سے مجھے جوابات تحفہ کے ایک اور نمونہ پیش کرنے کا موقع مل جائے گا۔

وہ آیت یہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (ترجمہ) لئے اہل بیت (نبی) اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ تم سے رجس (یعنی ناپاکی) کو دور کرے۔ اور تم کو پاک کرے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ سب سے پہلے اس آیت کا جو صحیح مطلب ہے۔ سمجھ لینا چاہیئے۔

واضح ہو کہ عبارت مذکور پوری آیت نہیں ہے۔ بلکہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ جو نصف سے بھی کم ہے۔ یہ ایک مسلسل مضمون ہے۔ جس کا سلسلہ کئی آیت پہلے سے شروع ہوا ہے۔ اور ایک آیت کے بعد ختم ہوا ہے پس جب تک آگے پیچھے کی سب آیتیں نہ دیکھی جائیں۔ صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ لہذا وہ تمام آیتیں اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

یایھا النبی قل لازواجک۔ اے نبی اپنی بیبیوں سے کہہ دو

---

[1] مراد جناب مولوی حافظ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ساکن ایرایاں ضلع فتحپور دامت برکاتہم و دیگر حضرات ہیں ۱۲

ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا	کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس
وزینتها فتعالین امتعکن	کی آرائش چاہتی ہو۔ تو آؤ میں
واسرحکن سراحا جمیلا ٥	تمہیں کچھ مال دے دوں اور
وان کنتن تردن اللہ	اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور
ورسولہ والدار الاٰخرۃ	اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو
فان اللہ اعد للمحسنٰت	اور دار آخرت (کے عیش وعشرت)
منکن اجرا عظیما ٥	کو چاہتی ہو تو (جان لو کہ) بیشک
ینسآء النبی من یات	اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے
منکن بفاحشۃ مبینۃ	لئے (آخرت میں) بڑا (اچھا)
یضعف لها العذاب	بدلہ تیار کر رکھا ہے۔
ضعفین وکان ذلک	اے نبی کی بیبیو! جو کوئی تم میں
علی اللہ یسیرا ٥ ومن	سے صریح[1] بدکاری کا ارتکاب
یقنت منکن للہ ورسولہ	کرے گی۔ تو اس کے لئے دوگنا
وتعمل صالحا نؤتها	عذاب آخرت میں بڑھایا جائے گا۔
اجرها مرتین واعتدنا	اور یہ بات اللہ پر آسان ہے۔
لها رزقا کریما ٥ ینساء	(مگر اس کے ساتھ ایک بات)
النبی لستن کاحد من	اور بھی ہے کہ) جو کوئی تم میں سے
النساء ان اتقیتن فلا	اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت
تخضعن بالقول فیطمع	کرے گی اور نیک کام کرتی رہے
الذی فی قلبہ مرض	گی ہم اس کو اس کا ثواب (بھی)

[1] صریح کی قید کا یہ فائدہ ہے۔ کہ بعض برے کام ایسے ہوتے ہیں۔ جنکی برائی صریح نہیں ہوتی ان کے ارتکاب پر یہ سزا نہ ہوگی۔ برائی کے صریح نہ ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ قرآن وحدیث میں اس کی برائی مذکور نہ ہو۔ ظاہر عقل سے اس کی برائی معلوم ہو سکے ۱۲ ش

وقلن قولا معروفا ۝ و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی واقمن الصلوٰة واتین الزکوٰة واطعن اللہ ورسولہ ط انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ۝ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایات اللہ والحکمة ان اللہ کان لطیفا خبیرا ۝

دونا دبن گے اور ہم نے اس کے لئے باعزت روزی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیبیو! تم (خدا کے نزدیک رتبہ میں دنیا کی) اور کسی عورت کے برابر نہیں ہو بشرطیکہ پرہیزگاری کرو۔ لہذا تم کو چاہیئے کہ (کسی مرد سے) گفتگو میں نرمی نہ کرو۔ ورنہ جس شخص کے دل میں (فسق) کا مرض ہے۔ وہ کچھ (اور) طمع کریگا اور معقول بات کہہ دیا کرو۔ اپنے گھروں میں قرار پذیر رہو۔ اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت دکھاتی نہ پھرو اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ کی اور اسکے رسول کی فرمانبردار رہو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ اے اہل بیت (نبی) تم سے نجاست کو دور کردے اور تم کو خوب پاک کردے اور اللہ کی آیتیں اور حکمت کی (باتیں) جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کیا کرو۔ بیشک اللہ پاکیزہ باخبر ہے۔

ازواج مطہرات نے جب دیکھا۔ کہ عسرت اور تنگ دستی کا زمانہ گزر گیا مسلمانوں

سلہ علامہ زمخشری جو لغت عرب کے مسلم الکل امام ہیں۔ اپنی تفسیر کشاف میں آیہ تطہیر کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں ۔ مال غنیمت آتا ہے ۔ اور لوگوں میں تقسیم ہوتا ہے ۔
سب لوگ آسودہ حال ہو رہے ہیں ۔ مگر ہم لوگوں کی اب بھی وہی حالت ہے ۔ وہی

(بقیہ حاشیہ ص ٩٧٦)

أمرهن أمرا خاصا بالصلوة
والزكوة ثم جاء به عاما
في جميع الطاعات لان
هتين الطاعتين البدنية
والمالية هي اصل سائر
الطاعات من اعتنى بهما
حق اعتنائه جوستاه
الى ما وراءهما ثم بين
انه انما نهاهن وامرهن
ووعظهن لئلا يتعارف
اهل بيت رسول الله صلى
الله عليه وسلم المآثم
وليتصونوا عنها بالتقوى
واستعار للذنوب الرجس
وللتقوى الطهر لان عرض
المقترف للمقبحات
يتلوث بها ويتدنس
كما يتلوث بدنه بالأ
رجاس واما الحسنات
فالعرض معها نقي مصون

اللہ نے پہلے ازواج النبی کو پہلے خاص
نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ۔ پھر ایک عام
حکم جمیع عبادات کے متعلق دیا ۔
کیونکہ یہ دونوں عبادتیں بدنی اور
مالی اصل تمام عبادات کی ہیں ۔ جو
شخص ان دونوں عبادتوں کی طرف
کامل توجہ کرنے تو یہی دونوں عبادتیں
اس کو دوسری عبادات تک پہنچا
دیں گے ۔ پھر خدا نے بیان فرمایا ۔
کہ اس نے انہیں امر و وعظ اس
لئے کیا تاکہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے اہل بیت گناہوں کا
ارتکاب نہ کریں اور بذریعہ
تقوٰی کے گناہوں سے بچیں ۔
اور خدا نے گناہ کو استعارۃ
ناپاکی سے تعبیر کیا ۔ اور تقوٰی کو
طہارت سے ۔ اس لئے کہ جو
شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ۔
اس کی آبرو ملوث اور مکدر
ہو جاتی ہے ۔ جس طرح بدن نجاست

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ)

کالثواب الطاهر وفی	سے متلوث ہوجاتا ہے۔ اور نیکوکار
هذه الاستعارة ما	عورتوں کی آبرو ایسی محفوظ رہتی ہے۔
ینفذ اولوا الالباب	جیسے پاک کپڑا۔ اور یہ استعارہ
عما کرهم الله لعبادة	عقل والوں کو ان چیزوں سے
ونهاهم عنه وبیرغبهم	نفرت دلانے کے لئے ہے۔ جو چیزیں
فیما رضی لهم وامرهم	اللہ نے اپنے بندوں کے لئے ناپسند
به واهل البیت نصب	کی ہیں۔ اور ان سے منع کیا ہے۔
علی النداء وعلی المدح	اور لفظ اہل بیت کو نصب یا ندا کی
وفی هذا دلیل بین علی	وجہ سے یا مدح کے سبب سے اور
ان نساء النبی صلے الله	یہ آیت روشن دلیل اس بات کی ہے۔
علیه وسلم من اهل	کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
بیته ثم ذکرهن	بیبیاں آپ کی اہل بیت سے ہیں
ان بیوتهن مهابط الوحی	پھر خدا نے ازواج مطہرات کو یہ
وامرهن ان لا ینسین	بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول
ما یتلی فیها من الکتاب	وحی کے مقام ہیں اور ان کو حکم دیا
الجامع بین امرین هو	کہ جو کتاب مقدس کہ فلاح دارین
آیات بینات تدل علی	کی جامع ہے۔ اور ان کے گھروں
صدق النبوة لانه معجزة	میں پڑھی جاتی ہے اس کو فراموش
بنظمه وهو حکمة وعلوم	نہ کریں۔ اس کتاب میں واضح
وشرائع ان الله کان لطیفا	دلائل صدق نبوت کے ہیں۔ وہ

کئی کئی دن کے فاقے اور فاقوں کے بعد وہی جَو کی روٹی۔ تو انہوں نے بہ نیت عرض حال حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی حالت بیان کی۔ اور اپنے نان و نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی۔ حضرت سید المرسل کی مقدس ازواج کا دُنیا کی طرف اتنا التفات بھی حق سبحانہٗ کو خوش نہ آیا۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیتوں میں حضرت کو حکم ہُوا کہ اپنی بیبیوں سے پوچھو کہ وہ دنیا چاہتی ہیں۔ یا اللہ و رسول کی اور

(بقیہ حاشیہ)

خبیراحین علم ما ینفعکم	اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی
ویصلحکم فی دینکم	معجزہ ہے۔ اس میں حکمت ہے۔
فانزلہ علیکم اوعلم	علوم ہیں۔ شرائع ہیں۔ اللہ باخبر
من یصلح للنبوۃ ومن	ہے۔ خوب جانتا ہے۔ کہ تمہارے
یصلح ان یکونوا اھل	حق میں کون چیزیں دین میں نافع
بیتہ اوحیث جعل الکلام	ہیں۔ لہذا وہی چیزیں نازل کرتا ہے۔
الواحد جامعا بین	وُہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص
الغرضین۔	نبوت کے لائق ہے۔ اور کون لوگ
	اس کے اہل بیت بننے کے لائق ہیں ۱۲ منہ

ملہ یہ حاصل مطلب آیت کا ہے۔ مگر الفاظ آیت کے بہت زیادہ سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اور نہایت غور و تامل چاہتے ہیں۔ خاص کر دو باتیں۔ اول یہ کہ فرمایا کنتن تردن معلوم ہُوا کہ خداوند عالم الغیب جل شانہٗ نے ازواج مطہرات کی حالت واقعی پر بنیاد حکم کی رکھی ہے۔ نہ ان کے زبانی قول پر۔ یعنی فی الواقع اگر ان کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت اور دار آخرت کی طلب نہ ہو۔ بلکہ دنیا کی خواہش ہو۔ تو نبی کو حکم ہے کہ ان کو طلاق دے دیں۔ اگر ان کے زبانی قول پر بنیاد حکم کی ہوتی۔ تو عبارت یوں ہوتی کہ ان قلتن نحن نرید پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کا (باقی حاشیہ صفحہ)

آخرت کی طلب گار ہیں۔ اگر وہ دنیا کی طرف رُخ کریں۔ تو انہیں طلاق دے دو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷۹) ان کو طلاق نہ دینا خدا کے طرف سے گواہی اس بات کی ہے۔ کہ ان ازواج مقدسات کے قلوب لوث دنیا سے بالکل پاک ہیں۔ چہ جائیکہ اس آیت کے بعد ان کو طلاق دینے کی ممانعت بھی قرآن مجید میں ہے۔ دوم: یہ کہ فرمایا الحیوة الدنیا وزینتھا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو صرف دنیا کے عیش و آرام کی خواہش سے نہیں روکا گیا۔ بلکہ دنیا میں جینے اور زندہ رہنے کی خواہش کا بھی ان کے قلب میں آنا خدا کو ناپسند ہے انصاف سے بتلاؤ کہ نبیؐ کی بیبیاں کس قدر سخت اور شدید کامل، مکمل زہد و ترک دنیا کے ساتھ مکلف کی گئیں۔ اور پھر خدا کی طرف سے یہ شہادت بھی دی جاچکی۔ کہ یہ اعلیٰ و اکمل زہد ان میں موجود تھا۔ کیا ان کے بعد بھی کوئی اور عورت کیسی ہی زاہدہ و عابدہ ہو۔ ان کی ہم رتبہ کہی جاسکتی ہے۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں اس آیت کی تعلیم پر منکران اسلام غور کریں۔ تو ان کو ایک روشن دلیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی معلوم ہوگی۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی کامل العقل، راسخ الحکمۃ انسان آئندہ کے عظیم الشان منافع اور مدارج کا کسی مضبوط اور قطعی بنیاد پر یقین کئے بغیر نہ صرف اپنے کو نقد وقت عیش و آرام سے محروم کر دے۔ بلکہ اپنے متعلقین کو بھی سختی کے ساتھ یہ تعلیم دے۔ کہ نہ فقط عیش و آرام کو ترک کرو۔ بلکہ دنیا میں جینے کی خواہش بھی دل میں نہ لاؤ۔ نیز یہ آیت ہوا پرستوں کے اس اعتراض کا بھی جواب دے رہی ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت ازواج کا سبب کوئی نفسانی امر تھا۔ معاذ اللہ منہ۔ اوّلاً تو یہ اعتراض یوں بھی قابل سماعت نہ تھا کیونکہ ترپن برس کی عمر کے بعد یہ کثرت ازدواج عمل میں آئی۔ جوانی کی تمام عمر کچھ تو بے نکاح اور کچھ ایک بوڑھی خاتون حضرت خدیجہ رضؓ کی زوجیت میں بسر ہوئی بھلا کوئی نفسانی امر ہوتا۔ تو اس کا وقت سن شباب تھا۔ نہ کہ سن شیخوخت۔ ثانیاً یہ آیت بتلا رہی ہے۔ کہ آپ اپنی ازواج کو زیب و زینت آرام و راحت میں دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ بڑی سختی کے ساتھ ان کو زہد کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور کچھ مال دے کر رخصت کردو اور اگر اللہ و رسول کی طالب ہوں۔ تو ان سے کہہ دو کہ دنیاوی عیش و عشرت سے ہاتھ دھولیں۔ ہاں آخرت میں ان کے لئے بڑی تیاریاں کی گئی ہیں۔ ان آیتوں کے نازل ہوتے ہی حضرت رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مقدس ازواج کے پاس تشریف لے گئے۔ اور ابتداء حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے کی۔ فرمایا کہ اے عائشہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا۔ بلکہ اپنے والد ابوبکر صدیق سے مشورہ کرکے جواب دینا۔ بعد اس کے یہ آیتیں آپ نے انہیں سنادیں۔ حضرت صدیقہ نے سنتے ہی بے تامل کہا۔ اس میں مشورہ کی کیا بات ہے۔ ہم تو آپ ہی کے طالب ہیں۔ دنیاوی تکالیف کی شکایت اگر ناگوار خاطر ہے۔ تو اب کبھی کچھ نہ کہیں گے۔ حضرت عائشہ کے بعد آپ نے اور سب سے یہی گفتگو کی۔ سب نے یک زبان ہوکر ایسا ہی جواب باصواب دیا۔ سب کی زبان حال پر اس شعر کا مضمون جاری تھا۔

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

فی الحقیقت حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی سے بڑھکر اور کون دولت ہوسکتی ہے۔ اس دولت کا حصول ازواج مطہرات کے لئے حق سبحانہ نے تو صرف ترک دنیا پر معلق فرمایا۔ اگر دنیا و آخرت دونوں کے ترک پر اس کے حصول کا وعدہ ہوجائے۔ تو ازواج مطہرات کا رتبہ تو بہت عالی ہے۔ اس زمانہ میں بھی شاید ایسے مسلمان بہت ہونگے جو اس وعدہ کو سنتے ہی بے ساختہ نہایت ذوق وشوق میں بار بار اس شعر کا مضمون عرض کریں ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸۰) تعلیم دیتے تھے۔ نفسانی لوگ ہمیشہ عورت کی رضامندی کے تابع۔ اس کی فرمائشوں کے غلام رہتے ہیں۔ ؎ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔ المختصر یہ آیت بڑے بڑے مطالب دینیہ پر حاوی ہے ۱۲

ازواج مطہرات کا یہ جواب سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ حضرت کی خوشنودی کا صلہ بارگاہ رب العزت سے یہ ملا کہ ان مقدس ازواج کو طلاق دینے کی قطعی ممانعت نازل ہوگئی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سردار دو عالم کی زوجیت میں رہنے کی بشارت سے ان کے قلوب مطمئن کر دیئے گئے۔ اس وقت نو بلند اقبال خواتین آپ کی زوجیت کا شرف رکھتی تھیں۔ جن کے نام نامی یہ ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ، حفصہؓ، ام حبیبہؓ، سودہؓ، ام سلمہؓ، صفیہؓ، میمونہؓ، زینبؓ، جویریہؓ۔ ان آیتوں میں پہلے تو ازواج نبی کی آزمائش کی گئی۔ اس کے بعد انہیں یہ بتا دیا گیا۔ کہ اگر وہ برا کام کریں گی۔ تو انہیں دونا عذاب ہوگا۔ اور نیک کام کریں گی تو انہیں ثواب بھی دونا ملے گا۔ اس کے بعد انہیں یہ بشارت دی گئی۔ کہ اگر وہ پرہیزگاری کرینگی تو آخرت میں ان کے مرتبہ کو کوئی دوسری عورت نہ پہنچ سکے گی۔ پرہیزگاری کیا چیز ہے۔ کس قسم کے اعمال سے آدمی پرہیزگار بنتا ہے۔ اس کے لئے انہیں چھ باتوں کا حکم ہوا۔ کہ ان پر عمل کرنے سے پرہیزگاری کا مرتبہ حاصل ہوگا ان چھ باتوں کا ترجمہ آیات میں ہم نے ہندسے بنا دیئے ہیں۔

اب ان سب آیات پر ایک غائر نظر ڈالو۔ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ کہ اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں۔ اور یہ کہ اس جملہ سے مقصود حضرت متکلم جل شانہ کا کیا ہے۔

ایک سمجھ دار بچہ بھی ان آیات کے سلسلہ مضامین کو دیکھ کر کہہ دے گا۔ کہ اہل بیت سے ازواج نبی مراد ہیں۔ کیوں کہ آگے پیچھے برابر انہیں سے خطاب ہو رہا ہے۔ اب درمیان میں ایک پوری آیت بھی نہیں۔ بلکہ آیت کے ایک ٹکڑے میں کسی دوسرے کا ذکر کیوں کر آسکتا ہے۔ باقی رہا اس جملہ کا مقصود کیا ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ ناصح مشفق جب اپنے کسی محبوب کو نصیحت کرتا ہے۔ تو نصیحت کی تلخی کے ساتھ کچھ شیرینی بھی ملا دیتا ہے۔ تاکہ طبیعت متنفر نہ ہو۔ اور اس نصیحت کا اثر دل و دماغ پر اچھا پڑے روزمرہ یہ بات مشاہدہ میں

آتی رہتی ہے۔ کہ باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو جب نصیحت کرتا ہے۔ تو نصیحت سے آگے یا پیچھے یا درمیان میں دو ایک جملہ اس قسم کے کہہ دیتا ہے۔ کہ میاں ہم تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ تم سنور جاؤ لوگ تمہیں اچھا کہیں۔ تمہاری نیک نامی کا شہرہ ہو۔ یہی عادت کلام الٰہی میں بھی جاری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کو بھی بعض بعض مقام پر اس قسم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے۔

پس اسی عادت کے موافق ازواج مطہرات کو نصیحت کرکے حق تعالٰے نے غایت محبت سے یہ فرمایا۔ کہ ہمارا مقصود ان نصائح سے یہ ہے۔ کہ تم سنور جاؤ۔ گناہوں سے پاک ہو جاؤ۔ ان نصائح پر عمل کرنے سے ہم تم کو گناہوں سے پاک کردیں گے۔ پس اس آیت کا مقصود صرف اسی قدر ہے۔

بلاشک اس آیت سے ازواج مطہرات کی بہت بڑی فضیلتیں ثابت

ؔ قرآن مجید کا ایک معجزہ یہ بھی ہے۔ کہ کوئی مضمون اس میں ایک ہی عبارت و عنوان سے نہیں بیان ہوا۔ بلکہ ہر مضمون مختلف عبارات وعنوانات میں ایک سے زیادہ مرتبہ بیان ہوا ہے۔ کتابا متشابھا مثانی چنانچہ یہ مضمون آیت تطہیر کا دوسرے مقام پر یوں بیان ہوا ہے کہ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات و الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات ۔ ترجمہ : پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے۔ معلوم ہوا کہ عام قانون قدرت یہ ہے۔ کہ جب مرد پاکیزہ ہو تو اس کو عورت بھی پاکیزہ ملنی چاہیئے۔ عورت پاکیزہ ہو تو اس کو مرد بھی پاک ملنا چاہیئے۔ لہٰذا نبی جو پاک ۔۔۔ اور پاکیزہ ہیں۔ ان کی بیبیوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ آیت حضرت عائشہ کی برات کے موقع پر ہے بھی۔ اس عام قانون کے خلاف اگر کہیں شاذ و نادر طور پر ہو جاتا ہے۔ تو وہ ضرب المثل بنانے کے قابل ہوتا ہے۔ تمام جماعت انبیاء میں صرف دو نبیوں کے لئے اس کے خلاف ہوا تو قرآن مجید میں اس کو ضرب المثل بنایا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۸۴ پر)

ہوتی ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ جن باتوں کا ذکر فرما کر خدا نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ان باتوں پر عمل کرو تو تمہارے برابر کوئی دوسری عورت نہیں ہو سکتی۔ ان باتوں کے خلاف ان سے کبھی ظہور میں نہیں آیا۔ دشمنوں نے بہت کوشش کی۔ مگر کوئی خفیف واقعہ بھی نہ بتا سکے۔ جن سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی پس معلوم ہوا کہ اور

(بقیہ حاشیہ ۶۸۳) ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأۃ نوح و امرأۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین ۔ ترجمہ:۔ اللہ ایک مثل کافروں کی بیان فرماتا ہے۔ یعنی نوح کی عورت اور لوط کی عورت۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے تحت میں تھیں۔ مگر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ پھر وہ دونوں بندے ان کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے۔ اور ان دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ داخل ہونے والوں کے ساتھ۔

لہ مخالفین صاحبان بہت کچھ ہاتھ پاؤں مار کر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے مطاعن میں بیان کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ حج کے لئے گئیں۔ لہذا جو حکم ہوا تھا۔ کہ اپنے گھروں میں قرار پذیر رہو۔ انہوں نے اس کے خلاف کیا اور نیز یہ حکم تھا کہ صریح بدکاری کا ارتکاب نہ کرنا۔ اور وہ امام برحق یعنی حضرت علی مرتضیٰ سے لڑیں جو صریح بدکاری ہے۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ گھروں میں قرار پذیر رہنے سے حج کی ممانعت نہیں ورنہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع میں کیوں ان کو حج کے لئے ساتھ لے جاتے۔ بلکہ اس میں ممانعت بے پردہ باہر نکلنے کی ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی سے لڑائی صریح بدکاری کی حد میں نہیں آ سکتی کیونکہ وہ لڑائی بالکل دھوکا میں بے قصد واقع ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا۔ یہ واقعہ حضرت زبیر رضی کے حال میں اسد الغابہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

کوئی عورت خواہ کتنے ہی بڑے رتبے کی ہو۔ ازواج نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ دوسرے ان آیات سے معلوم ہُوا۔ کہ حق تعالےٰ ان لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور خدا کی مراد پوری نہ ہونا اہل اسلام کے اصول پر تو محال ہے ان کے اصول پر چاہے ممکن ہو۔

سبائیہ انجمن کے چلتے پرزوں نے جب ان آیات بینات کو دیکھا جن سے ان کے مذہب کا قرار واقعی استیصال ہو رہا ہے۔ جن بزرگوں کی عداوت پر انہوں نے اپنا مذہب قائم کیا تھا ان کے ایسے اعلیٰ مناقب اس آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ کہ وہاں تک کسی کا دست امید بھی نہیں پہنچ سکتا یہ تو ناممکن تھا کہ ام المومنین عائشہؓ اور حفصہؓ رضی اللہ عنہا کی عداوت سے دست بردار ہو جاتے کیونکہ ان دونوں کے بلند رتبہ باپوں یعنی حضرت صدیقؓ و فاروقؓ نے گبریوں اور مجوسیوں کا ستیاناس کر دیا تھا۔ ایران جیسی پرشوکت سلطنت انہیں کے پے در پے حملوں سے زیر و زبر ہو گئی تھی۔ سبائیہ انجمن کے اراکین اپنے باپ دادا بھائی بھتیجوں کو انہیں کی چمکتی ہوئی تلواروں سے واصل جہنم ہوتا ہوا دیکھ چکے تھے۔ پھر بھلا یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ یہ کینہ دل سے نکل جاتا لہذا دیکھئے تو کس صفائی سے کیسا عمدہ فقرہ تراشا چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ جھٹ پٹ چند واہی تباہی مقدمات ترتیب دے کر فرمانے لگے کہ یہ آیت تو ہمارے ہی مذہب کی تائید کرتی ہے اور سنیوں کے مذہب کا بطلان ظاہر کرتی ہے۔ آپ بھی ہر فن جرائم پیشہ ایسا کیا کرتے ہیں کہ خود ہی ارتکاب جرم کیا کسی کو مار بیٹھا اور خود ہی مدعی بن کر عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ پس یہاں بھی پوری یہی حالت ہے۔ کہ یہ آیت بالاتفاق مفسرین فریقین حضرت علی مرتضیٰؓ و فاطمۃ الزہراؓ و حسنینؓ رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا اہل بیت کے لفظ سے مراد ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ اور ناپاکی کے دور کرنے سے مراد یہ ہے کہ خدا نے انہیں تمام گناہوں سے معصوم کر دیا۔ پس آیت سے

ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے ۔ لفظ اہل بیت سے انہیں چار شخصوں کے مراد ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا ۔ کہ خود سنیوں کی صحیح ترین احادیث میں وارد ہوا ہے ۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰؓ و فاطمۃ الزہراؓ و حسنینؓ کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال کر فرمایا ۔ اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرًا ترجمہ : یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس (یعنی) ناپاکی کو دور کر اور ان کو خوب پاک کر ۔ حضرت ام سلمہؓ نے خواہش بھی کی کہ مجھے بھی اس کملی میں داخل کر لیجئے ۔ مگر آں حضرت نے داخل نہ کیا ۔ یہ حدیث سنیوں کی کتب جامع ترمذی میں موجود ہے ۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے ۔ پس اب کس سنی کی مجال ہے ۔ کہ ان چار حضرات کے علاوہ کسی اور کو اہل بیت کے لفظ سے مراد لے سنی جو لفظ اہل بیت سے ازواج مراد لیتے ہیں ۔ اور اس پر یہ قرینہ پیش کرتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے اور نیز اسی آیت کے شروع حصہ میں اور نیز اس آیت کے بعد ازواج کا ذکر ہے ۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے ۔ اول یہ کہ یہ قرآن جمع کیا ہوا انہیں کے خلفاء کا ہے ۔ اس کی ترتیب[1] ان پر کیوں کر حجت ہو سکتی ہے ۔ سنیوں کے خلفاء نے قرآن جمع کرتے وقت کہیں کی آیتیں کہیں اور کہیں کی کہیں لکھ دیں ۔ بھلا تحریف قرآن تو ایک ایسا مسئلہ ہے کہ چند شیعہ اس کے منکر بھی ہیں ۔ گو ان کا انکار محض بے وجہ اور سراسر ہٹ دھرمی ہے ۔ مگر غلطی ترتیب کا تو کوئی شیعہ آج تک منکر نہیں ہوا ۔ سوا شریف مرتضےٰ جیسے دو تین ہٹ دھرم لوگوں کے ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ عنکم اور یطہرکم میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں ۔ صاف بتا رہی ہیں کہ اس آیت میں ازواج سے نہیں ورنہ ضمیریں مونث کی مستعمل ہوتیں ۔ مگر افسوس ہے کہ سنی ان باتوں کو نہیں دیکھتے اور برابر یہی کہتے جاتے ہیں ۔ کہ اہل بیت سے

[1] چنانچہ سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب اپنی کتاب میں متعلق بہ وطی فی الدبر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸۷ پر)

ازواج نبی مراد ہیں۔

اہل سنت کہتے ہیں

کہ اس آیت سے شیعوں کا استدلال عصمت آئمہ پر صریح تحریف ہے۔ اس استدلال میں جیسی قطع برید آیات ربانی کی ان حضرات نے کی ہے اس کو دیکھ کر باللہ العظیم دل کانپ جاتا ہے اور بے اختیار زبان سے وہ جملہ نکل جاتا ہے جو حضرت محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اعضائے ایشان را از ہم جدا سازد۔ چنانچہ ایشان آیات متسقۃ بعضہا ببعض را از ہم جدا ساختند۔

الحاصل یہ استدلال مخالفین کا دو باتوں پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ لفظ اہل بیت سے یہ چار شخص ہیں۔ دوسرے یہ کہ رجس کے دور کرنے سے مراد معصوم بنا دینا ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی مخالفین کا استدلال کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ مگر آج تک مخالفین نے ان دونوں باتوں کو ثابت نہیں کیا نہ تا قیام قیامت ثابت کر سکیں گے۔ جس قدر کوشش علماء مخالفین نے ان دونوں باتوں کے ثابت کرنے میں کی ہے۔ وہ کوشش خود مخالفین کی عاجزی و سراسیمگی کا پتہ دے رہی ہے۔

چنانچہ لفظ اہل بیت سے ان چار شخصوں کے مراد ہونے پر حسب ذیل خدشات قائم ہیں۔ جن کا معقول جواب اگر آج کوئی مخالف دے دے تو ہم اسی جواب پر

(بقیہ حاشیہ ۶۸۶) میں لکھ چکے ہیں کہ این نظم قرآنی نظم عثمانی ست بر شیعان احتجاج بآن نشاید اور شیعوں کے صدر المحققین مولوی ناصر حسین صاحب رسالہ روشنی میں زیب رقم کر چکے ہیں۔ کہ آیتیں الٹ پلٹ کر دی گئیں۔ کہیں کی آیتیں کہیں رکھ دی گئیں جن سے مطلب خبط بے ربط ہو گیا ۱۲

قناعت کرکے ان کے مذہب کی بہت سی غیر ثابت باتوں کے ماننے کو موجود ہے۔

ا۔ لفظ اہل بیت لغت عرب میں ازواج ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور اس لفظ کا ترجمہ ہر زبان میں ازواج ہی کے لئے مستعمل ہے۔ چنانچہ اس کا فارسی ترجمہ اہل خانہ اور اردو ترجمہ گھر والے برابر اس معنے میں استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس قدر ہر کس وناکس سمجھ سکتا ہے۔ کہ اہل بیت ہر شخص کے لوگ ہیں جو اس گھر میں رہتے ہیں اور ہر زمانے کی رسم وعادت یہی ہے کہ ہر شخص کی بیبیاں ہمیشہ اس کے گھر میں رہتی ہیں۔ بیبیوں کے علاوہ بیٹی بیٹوں کا ہمیشہ کے لئے کسی کے گھر میں رہنا شاذ ونادر خلاف عادت اور اتفاقی امر ہے۔ خاص کر سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کی حالت ظاہر ہے۔ کہ آپ کے گھروں میں سوا آپ کے ازواج کے کوئی نہ تھا۔ خاتون جنت فاطمۃ الزہرا حضرت علی مرتضےٰ کے گھر میں رہتی تھیں۔ شرعاً بھی ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بی بی کو نان ونفقہ اور رہنے کا مکان دے۔ بیٹی بیٹوں کے لئے بلوغ اور خصوصاً نکاح کے بعد نان ونفقہ اور رہنے کا مکان شرعاً باپ کے ذمہ فرض نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جس مکان پر ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے۔ وہی شخص اس مقام کا اہل کہلاتا ہے۔ نہ وہ شخص جو چند روز کے لئے بطور مہمان کے کسی مقام پر رہتا ہے۔ مثلاً اہل مصر اس شخص کو کہیں گے جو مصر میں ہمیشہ بود وباش رکھنے والا ہو نہ اس کو جو چند روز کیلئے مصر میں جا کر رہ آیا ہو۔ اسی طرح اہل مکہ اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لئے مکہ میں رہنے والا ہو۔ پس اسی طرح اہل بیت اس کو کہیں گے جو ہمیشہ کے لئے اس بیت میں رہنے والا ہو۔ اور ہمیشہ کے لئے کسی شخص کے بیت میں رہنے والا سوا اس کی بیبیوں کے اسما عادتاً[1] شرعاً کوئی نہیں ہے۔ لہذا بیبیوں کے علاوہ اہل بیت کا حقیقی واصلی مصداق کوئی نہیں ہو سکتا۔

---

[1] مخالفین اس پر ایک مناقشہ یہ پیش کرتے ہیں کہ زوجہ ہمیشہ کے لئے اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸۹)

۲۔ قرآن کی آئتیں خود بتا رہی ہیں۔ کہ اہل بیت سے مراد ازواج ہی ہیں کیونکہ کئی آیت میں اوپر سے ازواج ہی سے خطاب ہو رہا ہے۔ اور خود اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اور نیز اس آیت کے بعد بھی انہیں سے خطاب ہے ترتیب قرآنی اگر مخالفین حجت نہیں مانتے تو نہ مانیں ترتیب کیا۔ بلکہ ان کے اصول موضوعہ پر اور ان کی احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی رو سے تو خود قرآن ہی حجت نہیں۔ مگر اس مقام پر یہ عذر بالکل بے سود ہے۔ کیونکہ اس وقت شیعہ اس آیت سے ہمارے اوپر استدلال کر رہے ہیں اور اپنے فرضی اماموں کی عصمت و امامت اس آیت سے ثابت کر کے ہمیں الزام دینا چاہتے ہیں۔ پس حسب قاعدہ مناظرہ ان کو ہمارے مسلمات سے الزام دینا چاہیئے۔ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف ہمیں الزام

(بقیہ حاشیہ) زوج کے گھر میں رہنے والی نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ شوہر طلاق دے دے تو اس کو اس گھر سے علیحدہ ہو جانا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بیت وہی ہو سکتا ہے۔ جو کبھی اہل بیت سے خارج نہ ہو سکے۔ جواب اس مناقشہ کا یہ ہے کہ زوجہ یقیناً ہمیشہ کے لئے اپنے زوج کے گھر میں رہنے والی ہوتی ہے نکاح تعلق دائمی کا نام ہے۔ طلاق دینا ایک امر اتفاقی ہے اور بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص متوطن مکہ تھا۔ اس کو اہل مکہ کہتے ہیں۔ پھر کسی سبب سے وہ اپنا وطن مکہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر خراسان میں بود و باش اختیار کر لے اب اس کو اہل خراسان کہیں گے قطع نظر اس سے ازواج نبی کے متعلق تو یہ مناقشہ یوں بھی نہیں چل سکتا۔ کہ ان کے حق میں طلاق کا احتمال ہی باقی نہ رہا تھا نص قرآنی میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے طلاق کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اہل بیت اور زوجہ کا مفہوم بالکل ایک ہے جب تک کسی کو زوجہ کہیں گے اس وقت تک اس کو اہل بیت بھی کہیں گے نبی کی بیبیاں چونکہ آپ کی ابدی و دائمی زوجہ ہیں لہذا وہ کبھی اہل بیت سے خارج نہیں ہو سکتیں۔

دیں تو ہم کو حق ہے۔ کہ ہم اس الزام کو اپنے مسلمات سے دفع کر دیں۔ لہذا ہم اس مقام پر دفع الزام کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ الزام تمہارا ہمارے مسلمات کی رو سے صحیح نہیں۔ اہل بیت سے غیر ازواج کا مراد ہونا اور ازواج کا مراد نہ ہونا آیات سابقہ ولاحقہ کے مناسب نہیں۔ اور قرآن کی فصاحت و بلاغت ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ اس کے مسلسل مضامین کو اس طرح خبط بے ربط کر دیا جائے۔ قرآن کی صحت ترتیب اور اس کی فوق العادت فصاحت و بلاغت ہمیں مسلم ہے۔ ہاں اگر ہم مخالفین کو اس آیت سے الزام دیتے اور امہات المومنین کے فضائل اس آیت سے ان کے مقابلہ میں ثابت کرنا چاہتے تو اس وقت بے شک مخالفین یہ دیکھ سکتے تھے۔ کہ ترتیب قرآنی ہم پر حجت نہیں ہے۔

۳۔ قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی لفظ اہل بیت کا اطلاق ازواج پر ہوا ہے اور وہاں مخالفین بھی چون وچرا نہیں کر سکتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہؓ کو فرشتوں نے فرزند کی بشارت دی۔ اور انہوں نے اپنے بانجھ ہونے اور اپنے شوہر کے بوڑھے ہونے کے باعث اس بشارت پر تعجب کیا۔ تو فرشتوں نے انکو جواب دیا وہ قرآن مجید میں باین عبارت منقول ہے۔

اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید ط یعنی کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ اے اہل بیت تم پر اللہ کی رحمت ہے۔ اور اس کی برکتیں ہیں۔ بے شک وہ ستودہ اور بزرگ ہے۔ اس آیت میں مخالفین بھی اعتراف رکھتے ہیں۔ کہ اہل بیت سے حضرت سارہؓ ہی مراد ہیں۔ بعض مخالفین کو جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا۔ تو یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت سارہؓ کو اس وجہ سے اہل بیت نہیں کہا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی تھیں بلکہ اس وجہ سے کہا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد یا خالہ زاد بہن تھیں۔ جب اس رکیک تاویل کا جواب اہل سنت کی طرف سے یہ دیا گیا کہ اگر یہی بات ہے تو سرور عالم صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں نے کیا

قصور کیا کہ وہ اہل بیت نہ سمجھے جائیں۔ عقیل کو بھی اہل بیت کہنا چاہیئے۔ حضرت ابن عباس کو بھی اہل بیت کہنا چاہیئے۔ پھر کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔

باقی رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو عنکم اور یطہرکم میں مذکر ضمیریں کیوں آتیں۔ اس کے تین جواب ہیں۔ اوّل[1] یہ کہ لفظ اہل بیت مذکر ہے۔ اور مصداق اس کا مونث ہے۔ لہذا برعایت لفظ ضمیر مذکر مستعمل ہوئی ہے۔ دوسرا[2] جواب یہ ہے۔ کہ اہل بیت میں خود ذات پاک سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی داخل ہے کیونکہ اس بیت کے رہنے والے آپ بھی تھے۔ پس آپ کے داخل ہونے کے سبب سے تغلیباً ضمیر مذکر کی مستعمل ہوئی تیسرا[3] جواب اس کا یہ ہے کہ بغرضِ اظہار عظمت یا محبت کلام عرب میں عورتوں کے لئے بھی ضمیر مذکر آجاتی ہے۔ ایک شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہوکر

---

[1] عربی زبان میں اس کے نظائر بہت ہیں کہ لفظ کی حیثیت کچھ اور ہے۔ اور معنی کی حیثیت کچھ اور۔ ایسے الفاظ میں لفظ کی رعایت کرتے ہیں کبھی معنی کی مثلاً لفظ من باعتبار لفظ کے مفرد ہے۔ اور باعتبار معنی کے جمع قولہ تعالٰے ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وماھم بمؤمنین۔ دیکھو اسی لفظ من کے لئے ایک جگہ برعایت یقول صیغۂ واحد آیا اور دوسری جگہ برعایت معنی ہم ضمیر جمع آئی ۱۲۔

[2] علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تقریر منہاج السنہ میں خوب لکھی ہے ۱۲۔

[3] علامہ زمخشری نے اس قاعدہ کو کہ عورت کے لئے مذکر کی ضمیریں کسی موقعہ پر لاتے ہیں۔ واحد کے لئے جمع کی ضمیریں کس مقام پر لاتے ہیں خوب بیان کیا ہے اور اس پر شعرائے جاہلیت کے یہ دو شعر بھی سنداً نقل کئے ہیں۔

فان شئت حرمت النساء سواکم ۔۔۔ وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

فان تنکم اتکہ وان تتایمی ۔۔۔ وان کنت افتی منکم اتیتم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۲)

کہتا ہے۔ ع

فان شئت حرمت النساء سواکم

شاعر اس مصرع میں کم ضمیر جمع مذکر اپنی محبوبہ کے لئے لایا ہے۔

باقی رہی حدیث کساء

جس کو شیعہ بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہتے ہیں کہ یہ سنیوں کی صحیح ترین حدیث ہے اور لفظ اہل بیت سے انہیں چار بزرگوں کے مراد ہونے پر دلیل صریح ہے۔ اول تو یہ محض غلط ہے ہرگز یہ ہمارے یہاں کی صحیح ترین حدیث نہیں ہے۔ دوسرے یہ حدیث ہرگز اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹۴) ان دونوں شعروں میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے لئے ضمیر کم جو جمع مذکر کے لئے مخصوص ہے استعمال کی ہے۔ قرآن مجید میں بھی بکثرت یہ محاورہ جابجا مستعمل ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ کہ قال لاھلہ امکثوا عورت کے لئے مکثن ہونا چاہیئے تھا! امکثوا جمع مذکر کے لئے ہے۔ شرح شواہد کشاف مطبوعہ مصر صفحہ ۴۳۴ میں ہے۔ ربما خوطبت المراۃ الواحدۃ بخطاب الجمع المذکر یقول الرجل عن اھلہ فعلوا کذا مبالغۃ فی سترھا حتیٰ لا ینطق با الضمیر الموضوع لھا ومنہ قولہ تعالےٰ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام قال لاھلہ امکثوا۔ بسا اوقات ایک عورت جمع مذکر کے صیغہ سے مخاطب بنائی جاتی ہے مثلاً آدمی اپنی بی بی کے متعلق کہتا ہے۔ فعلوا کذا یعنی انہوں نے ایسا کیا اس سے مقصود اس کے پردہ کا بلیغ اہتمام ہوتا ہے یہاں تک کہ جو ضمیر عورت کے لئے مقرر ہے وہ بھی نہیں استعمال کرتا اور اسی قسم میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول حضرت موسیٰ کی حکایت میں کہ انہوں نے اپنی بی بی سے امکثو کہا یعنی ٹھہر جاؤ ۱۲۔

اہل بیت سے ازواج مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہی چار بزرگ مراد ہیں اس حدیث میں تو آنحضرت نے دعا مانگی ہے کہ یا اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں لہذا ان کو بھی پاک کر دے حضرت ام سلمہ کو کملی میں نہ داخل کرنے کی وجہ خود اس حدیث میں مذکور ہے جس کو مخالفین نقل نہیں کرتے۔ جب حضرت ام سلمہ نے اپنے داخل کرنے کی خواہش کی تو حضرت نے فرمایا انت علی مکانک انت علی خیر۔ یعنی تم اپنی جگہ پر رہو تم تو اس سے اچھی حالت میں ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو حقیقتاً لفظ اہل بیت سے مراد ہی ہو۔ تمہارے داخل کرنے کی اور تمہارے لئے دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا سمجھنے کی بات ہے۔ کہ اگر یہ حضرات لفظ اہل بیت سے مراد ہوتے تو حضرت دعا کیوں مانگتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبی کون لوگ ہیں حضرت نے بتلایا کہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں پس انصاف سے دیکھو تو یہ حدیث خود ہی بتا رہی ہے کہ یہ چاروں بزرگ اہل بیت میں داخل نہ تھے حضرت نے ان کو داخل کیا۔ اسی وجہ سے علمائے محققین کہتے ہیں۔ کہ حقیقۃً اہل بیت ازواج مطہرات ہیں اور حکماً یہ حضرات بھی ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت یہ چاروں بزرگوار اہل بیت نہ تھے اہل سنت کی روایات میں صرف انہیں چار بزرگوں کے لئے نہیں بلکہ حضرت عباس اور ان کے فرزندوں کے لئے بھی اسی قسم کی دعا منقول ہے اور مخالفین کی روایات میں بھی سلیمان فارسی کے لئے لفظ اہل بیت مستعمل ہوئی ہے۔

مخالفین صاحبان جو یہ افسوس کرتے ہیں کہ اہلسنت کچھ نہیں دیکھتے یہ ان کا افسوس بالکل بیجا ہے اہل سنت سب دیکھتے ہیں مگر وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں قرآن کے مخالف روایتوں کو راوی کے منہ پر مار دیتے ہیں۔ ہاں مخالفین کو اپنی اس حالت پر افسوس کرنا چاہیئے۔ کہ انہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور قرآن کی مخالف روایات و حکایات پر اپنے مذہب کا گھروندہ قائم کیا ہے۔

ملہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۲۵۴ میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔ دائما

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۴)

ان کے استدلال کے ایک جز یعنی لفظ اہل بیت سے بھی چار بزرگ مراد ہیں)
پر جو خدشات تھے ان میں سے چند بطور نمونہ بیان ہو چکے اب دوسرے جز یعنی
رجس دور کرنے اور پاک کرنے سے معصوم ہونا مراد ہے) پر جو خدشات ہیں
ان میں سے بھی چند سن لیجئے۔

۱۔ رجس سے اگر مطلق گناہ اور اس کے دور کرنے سے اور پاک کرنے
سے معصوم بنا دینا مراد ہے تو تمام صحابہ خصوصًا اہل بدر معصوم ہونا لازم آجائے
گا کیونکہ ان کے لئے بھی اسی قسم کا لفظ دوسری آیت میں مستعمل ہوا ہے الفاظ
آیت کے یہ ہیں ۔ ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم
ولعلکم تشکرون اور لیذھب عنکم رجس الشیطان یعنی اللہ
چاہتا ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور یہ سب اس واسطے تاکہ تم شکر
کرو اور وہ چاہتا ہے) تم سے شیطان کی ناپاکی دور کر لے غور سے دیکھو تو
صحابہ کے لئے ایک بات زائد ارشاد ہوئی ہے جو اس آیت تطہیر میں نہیں ہے
وہ بات زائد یہ ہے کہ خدا نے ان سے فرمایا کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کرنا
چاہتے ہیں اور دوسری آیت میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ ہم نے اپنی نعمت تم پر
پوری کر دی ۔ نعمت کا پورا کر دینا ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ تمام فضائل و
کمالات کو حاوی ہے ۔ اور اس کا استعمال قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام
کے لئے ہوا ہے ایک جگہ یہ لفظ حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے لئے آیا ہے اور دوسری جگہ سردار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وارد
ہوا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۶۹۳)
صار سلمان من العلماء لانہ امرءٌ منا اھل البیت فلذلک نسبۃ
الی العلماء ۔ ترجمہ :۔ اور شمار علما میں اس سبب سے ہوا کہ وہ ہم میں سے یعنی اہل بیت
میں سے ایک شخص ہیں اس لئے میں نے ان کو علماء کی طرف منسوب کیا ۱۲ ۔

۲ . . . . . . کا مذہب تو یہ ہے کہ ان کے ائمہ وقت ولادت سے وفات کے وقت تک کسی وقت صفت عصمت سے خالی نہیں ہوئے اور اس آیت سے بفرض محال اگر ان کا معصوم ہونا ثابت ہوگا تو بعد نزول اس آیت کے کیونکہ اس آیت میں صیغہ مضارع مستعمل ہے ۔ جو زمانہ حال یا مستقبل میں وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے ۔ بلکہ اس مطلب کے لئے ماضی کا صیغہ ہونا چاہیئے تھا ۔ اور یوں ارشاد ہونا چاہیئے تھا کہ اللہ نے ناپاکی تم سے دور کردی اور تم کو پاک کردیا ۔ قدرت خدا دیکھئے کہ مخالفین کی ایک صحیح[1] حدیث میں صحابہ کرامؓ کے لئے یہ فضیلت

---

[1] فروع کافی جلد اول مطبوعہ نولکشور کتاب الجہاد صفحہ ۶۰۹ سے لے کر ۶۱۲ تک یہ حدیث منقول ہے ۔ گو حدیث بہت طویل ہے مگر چونکہ بے شمار فوائد پر متضمن ہے اور کوئی بھی فضائل و محامد کی ایسی باقی نہیں رہی جو اس حدیث میں صحابہ کے لئے ثابت نہ کی گئی ہو اور دنیا و آخرت کی کوئی برائی اور کوئی عیب ایسا نہیں ہے جس سے صحابہ کا پاک و پاکیزہ ہونا نہ بیان کیا گیا ہو ۔ غرض سبائیہ مذہب کی بیخ کنی اس حدیث سے ہوتی ہے لہٰذا ہم اس حدیث کو پورا نقل کرتے ہیں ناظرین کو چاہیئے کہ اس حدیث کے لفظ بلفظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ حکیم اعلیٰ مجدہ اپنے مقاصد کو کہاں کہاں سے پورا کر دیتا ہے ۔

وہ حدیث یہ ہے

علی ابن ابراھیم عن ابیہ	علی بن ابراہیم اپنے والد سے
عن بکر بن صالح عن	وہ بکر بن صالح سے وہ
القسم بن یزید عن ابی	قاسم بن یزید سے وہ ابو عمرو
عمرو الزبیری عن ابی	زبیری سے وہ ابو عبداللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۶ پر)

بصیغہ ماضی مستعمل ہوئی ہے ۔ اس روایت میں امام نے یہ فرمایا ہے ۔ کہ خدا فرماتا

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹۵)

عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ خبرنی عن الدعاء الی اللہ والجہاد فی سبیلہ وھو یقوم لا یحل الا لھم ولا یقوم بہ الا من کان منھم ام ھو مباح لکل من وحد اللہ عزوجل وآمن برسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من کن فلہ ان یدعوا الی اللہ عزوجل والی طاعتہ وان یجاھد فی سبیلہ فقال ذلک لقوم لا یحل الا لھم ولا یقوم بذلک الا من کان منھم قلت من اولئک قال من قام بشرائط اللہ عزوجل فی القتال والجہاد علی المجاھدین فھو الماذون لہ فی الدعاء الی اللہ عزوجل ومن لم

(یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں ۔ ابو عمر کہتے تھے میں نے امام سے عرض کیا کہ اللہ کی طرف بلانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کیا کچھ لوگوں کے ساتھ خاص ہے ۔ ان کے سوا اوروں کیلئے جائز نہیں اور یہ کام سوا اس کے جو ان میں سے نہ ہو اور کوئی نہیں کرسکتا یا یہ کام تمام لوگوں کے لئے جائز ہے جو اللہ عزوجل کو وحدہ لاشریک لہ جانتے ہوں اور اس کے رسول علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہوں کیا جو کوئی ایسا ہو اسے اختیار ہے ۔ کہ اللہ عزوجل کی طرف اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلائے اور اس کی راہ میں جہاد کرے امام نے فرمایا یہ کام کچھ لوگوں کے ساتھ خاص ہے اس کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں اس کام کو وہی شخص کرے جو ان میں سے ہو۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ص ٦٩٦)

يكن قائما بشرائط الله في
الجهاد على المجاهدين
فليس بماذون له في الجهاد
والدعاء الى الله حتى
يحكم في نفسه ما اخذ
الله عليه من شرائط
الجهاد فبيّن لي يرحمك
الله قال الله تبارك و
تعالى اخبر نبيه في
كتابه الدعاء اليه و
وصف الدعاة اليه فجعل
ذلك لهم درجات يعرف
بعضها بعضا ليستدل
ببعضها على بعض واخبر انه
تبارك وتعالى اول من
دعا الى نفسه ودعا
الى طاعته واتباع امره
فبدأ بنفسه فقال
والله يدعوا الى دار السلام
ويهدي من يشاء الى
صراط مستقيم ثم ثنى
برسوله فقال ادع الى

میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں
جن کے ساتھ یہ مخصوص ہے، امام
نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل
کی اُن شرائط پر قائم ہوں جو اس
نے جہاد کے متعلق مجاہدین پر لازم
کر دیں۔ پس کوئی شخص جہاد کیلئے
اور اللہ کی طرف بلانے کے لئے
مجاز نہیں ہو سکتا جب تک اپنی
ذات میں ان شرائط مضبوطی کے
ساتھ قائم نہ کرے جو اللہ نے جہاد
کے لئے لازم کی ہیں۔ میں نے عرض
کیا اللہ آپ پر رحمت کرے مجھ
سے ان شرطوں کو بیان فرمائیے۔
امام نے فرمایا اللہ بزرگ و برتر
نے اپنی کتاب میں اپنی طرف
بلانے کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی
طرف بلانے والوں کا حال بیان
کیا ہے۔ ان کے کئی درجے بیان
کیے ہیں کہ ایک درجے سے دوسرے
درجے کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔
اور ایک سے دوسرے کا پتہ مل
سکتا ہے۔ پس اس نے خبر دی ہے

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۷ کا)

سبیل ربک بالحکمۃ	کہ سب سے پہلے تو اللہ بزرگ برتر
والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم	نے خود اپنی طرف بلایا اپنی عبادت
بالتی ھی احسن یعنی بالقرآن	اور اپنے احکام کی پیروی کی دعوت
ولم یکن داعیا الی	دی۔ چنانچہ سب سے پہلے درجہ
عزوجل من خالف امر اللہ	میں اللہ نے اپنے آپ کو رکھا اور
یدعوا الیہ بغیر ما امر	فرمایا واللہ یدعوا الی دار السلام
وفی کتابہ والذی امران	ویھدی من یشاء الی
لا یدی الابہ وقال فی	سبیل ربک بالحکمۃ
نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ	صراط مستقیم۔ پھر دوسرے
وسلم وانک لتھدی	درجہ میں اپنے رسول کو رکھا اور
الی صراط مستقیم یقول	فرمایا کہ ادع الی سبیل ربک
یدعو ثم ثلث بالدعاء	بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ
الیہ بکتابہ ایضاً فقال	وجادلھم بالتی ھی احسن۔
تبارک وتعالیٰ ان ھذا	احسن سے مراد قرآن ہے معلوم ہوا
القرآن یھدی للتی ھی	کہ اللہ کی طرف وہ شخص نہیں بلا
اقوم ای یدعوا ویبشر	سکتا جو اس کے حکم کے خلاف کرتا
المؤمنین ثم ذکر من	ہے اور جس طریقہ سے بلانے کا حکم
اذن لہ فی الدعاء الیہ	اللہ نے دیا ہے اس کے خلاف
بعدہ وبعد رسولہ فی	کسی دوسرے طریقہ سے بلاتا ہے
کتابہ فقال ولتکن منکم	اپنے نبی کے بارے میں اللہ نے
امۃ یدعون الی الخیر	یہ بھی فرمادیا وانک لتھدی
ویامرون بالمعروف ینھون	الی صراط مستقیم پھر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٩٨ کا)

عن المنكر واولئك
هم المفلحون ثم اخبر
عن هذه الامة وممن
هي وانها من ذريته
ابراهيم ومن ذريته
اسمعيل من سكان الحرم
ممن لم يعبدوا غير
الله قط الذين وجبت
لهم الدعوة دعوة ابراهيم
واسمعيل من اهل المسجد
الذين اخبر عنهم في
كتابه ان اذهب عنهم
الرجس وطهرهم تطهيرا
الذين وصفناهم قبل
هذا في صفة امة
ابراهيم صلى الله عليه
الذين عناهم الله تبارك
وتعالى في قوله ادعوا الى
الله على بصيرة انا ومن
اتبعني يعني اول من اتبعه
على الايمان به والتصديق
له وبما جاءبه من عند الله

تیسرے درجہ میں اللہ نے اپنی کتاب
کو رکھا ہے۔ فرمایا ہے ان
ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم
اس کے بعد اللہ نے اپنی کتاب
میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔
جن کو اپنے بعد اور اپنے رسول
کے بعد (اپنی طرف) بلانے کی
اجازت دی ہے۔ چنانچہ
فرمایا ولتکن منکم امۃ
یدعون الی الخیر ویامرون
بالمعروف وینھون عن المنکر
واولئک ھم المفلحون۔
پھر اللہ نے اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔
اور یہ کہ وہ کس خاندان سے ہو
گا (یہ بیان کر دیا ہے) کہ یہ
گروہ ابراہیم و اسمٰعیل کی اولاد
سے ہوگا یہ لوگ حرم کے رہنے
والے ہوں گے ایسے ہوں گے
کہ انہوں نے کبھی غیر خدا کی پرستش
نہیں کی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے
جن کے لئے ابراہیم و اسماعیل کی
دعا قبول ہوئی۔ یہ لوگ مکہ کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ۶۹۹)

عزوجل من الامة التي
بعث فيها ومنها واليها
قبل الخلق من لم يشرك
بالله قط ولم يلبس
ايمانه بظلم وهو الشرك
ثم ذكر اتباع نبيه
صلى الله عليه وآله
واتباع هذه الامة
التي وصفها في كتابه
بالامر بالمعروف والنهي
عن المنكر وجعلها داعية
اليه واذن له في الدعاء
اليه فقال يايها النبي
حسبك الله ومن
اتبعك من المؤمنين
ثم وصف اتباع نبيه
صلى الله عليه وآله
من المؤمنين فقال
عزوجل محمد رسول الله
والذين معه اشداء
على الكفار رحماء بينهم
تراهم ركعا سجدا يبتغون

رہنے والے ہوں گے۔ جن کے
متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں بیان
کیا ہے۔ کہ ان سے خدا نے ناپاکی
کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک
کر دیا یہ وہی لوگ ہیں جن کا حال
ہم اس سے پہلے امت ابراہیم
کے حال میں لکھ چکے ہیں جن کو اللہ نے
ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ
انا ومن اتبعنی مراد اس سے
امت ابراہیم کے وہ لوگ ہیں۔
جنہوں نے سب سے پہلے ابراہیم کی
اور ابراہیم کے شریعت کی تصدیق
کی حق کو قبول کر لیا۔ اور اللہ کے
ساتھ کبھی شرک نہ کیا۔ اور اپنے
ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ
نہ کیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے
نبی (آخر الزمان) صلی اللہ علیہ
وسلم کے پیروؤں کا اور اس گروہ
کے پیروؤں کا ذکر فرمایا ہے۔
جن کو اپنی کتاب مقدس میں
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ اور
ان کو اپنی طرف بلانے والا بنایا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ ہم نے ان سے ناپاکی دور کر دی۔ اور ان کو پاک کر دیا۔ پس تعجب ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ)
فضلاً من اللہ و رضوانا
سیماھم فی وجوھھم من
اثر السجود ذلک مثلھم
فی التوراۃ ومثلھم
فی الانجیل وقال لا یخزی
اللہ النبی والذین امنوا
معہ نورھم یسعی بین
ایدیھم وبایمانھم
(یعنی) اولئک المؤمنین
وقال قد افلح المؤمنون ثم
حلاھم ووصفھم کیلا
یطمع فی اللحاق بھم الا من
کان منھم فقال فیما حلاھم
وبہ وصفھم الذین ھم فی
صلوتھم خاشعون والذین
ھم عن اللغو معرضون
الی قولہ واولئک ھم
الوارثون الذین یرثون
الفردوس ھم فیھا خالدون
وقال فی صفتھم وحلیتھم

اور ان کو اپنے طرف بلانے کی
اجازت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا
ہے یا ایھا النبی حسبک
اللہ ومن اتبعک من
المؤمنین بعد اس کے اپنے
نبی کی پیروی کرنے والے مسلمانوں
کا ذکر اس آیت میں یوں فرمایا
محمد رسول اللہ والذین
معہ اشداء علی الکفار
رحماء بینھم تراھم رکعا
سجدا یبتغون فضلا من
اللہ ورضوانا سیماھم
فی وجوھھم من اثر
السجود ذلک مثلھم
فی التوراۃ ومثلھم فی
الانجیل اور نیز انہیں مسلمانوں
کے حال میں فرمایا ہے یوم
لا یخزی اللہ النبی
والذین امنوا معہ نورھم
یسعی بین ایدیھم و
بایمانھم مراد ان آیتوں میں)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کہ حضرات مخالفین اس لفظ سے صحابہ کا معصوم ہونا نہیں سمجھتے۔ باوجودیکہ ان کے لئے یہ لفظ

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۱)
ایضًا الذین لا یدعون
مع اللہ الٰھا اخر ولا یقتلون
النفس التی حرم اللہ الا
بالحق ولا یزنون ومن
یفعل ذلک یلق اثاما
یضاعف لہ العذاب
یوم القیمۃ ویخلد فیہ
مھانا ثم اخبر انہ اشتری
من ھؤلاء المؤمنین
ومن کان علی مثل صفتھم
انفسھم واموالھم بان
لھم الجنۃ یقاتلون فی
سبیل اللہ فیقتلون و
یقتلون وعدا علیہ
حقا فی التوراۃ والانجیل
والقران ثم ذکر وفاھم
اللہ بعھدہ وما یغتنہ
فقال ومن اوفی بعھدہ
من اللہ فاستبشروا
ببیعکم الذی بایعتم

وہی مسلمان ہیں۔ پھر اللہ نے (انکی
شان میں) یہ بھی فرمایا قد افلح
المؤمنون۔ پھر خدا نے ان کا حلیہ
اور وصف بیان کر دیا۔ تاکہ جو
شخص ان میں سے نہ ہو وہ ان
میں ملنے کی آرزو نہ کرے۔ چنانچہ
ایک حلیہ اور ایک وصف ان کا
یہ بیان کیا۔ الذین ھم فی
صلوتھم خاشعون والذین
ھم عن اللغو معرضون تا اولٰ
ئک ھم الوارثون الذین
یرثون الفردوس ھم فیھا
خلدون پھر ان کا ایک اور
حلیہ اور وصف بیان کر دیا تاکہ جو
شخص ان میں سے نہ ہو۔ وہ ان
میں ملنے کی آرزو نہ کرے۔ چنانچہ
ان کے وصف میں فرمایا الذین
لا یدعون مع اللہ الٰھا اخر
پھر اللہ نے یہ بھی خبر دی کہ خدا نے
ان مسلمانوں سے اور جو ان کی صفات
پر ہوں ان سے ان کی جان اور مال اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

بصیغہ ماضی مستعمل ہے۔ اور اپنے مزعومی اہل بیت کا معصوم ہونا سمجھ

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۲)
بہ وذلک ھو الفوز العظیم

فلما نزلت ھذہ الایۃ ان اللہ

وعدہ پر عمل لے لیے ہیں۔ کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ پر ثابت ہے۔ توریت وانجیل اور قرآن میں (مذکور ہے) پھر اللہ نے ان کے وعدہ اور بیعت کے پورا کرنے کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ ومن اوفیٰ بعھدہٖ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ تو ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور اس نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ کوئی شخص تلوار لے کر جہاد میں مشغول ہو جائے یہاں تک کہ قتل کر دیا جائے مگر وہ محرمات کا ارتکاب کیا کرتا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بصیغہ ماضی مستعمل ہے۔ اور اپنے مزعومہ اہل بیت کا معصوم ہونا سمجھ

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۳)

اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنة قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ فقال یا نبی اللہ ارایتک الرجل یاخذ سیفہ فیقاتل حتی یقتل الا انہ یقترف من ھذہ المحارم اشھید ھو فانزل اللہ عزوجل علی رسولہ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ و بشر المؤمنین ففسر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ المجاھدون من المومنین الذین ھذہ صفتھم وحلیتھم بالشھادة والجنة وقال التائبون من الذنوب العابدون الذین لا یعبدون الا اللہ ولا یشرکون بہ شیئا الحامدون الذین یحمدون اللہ علی کل حال فی الشدة والرخاء السائحون و ھم الصائمون الراکعون الساجدون

سفا۔ یہ شخص شہید ہوگا۔ اسکے جواب میں عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفسیر میں بیان فرمایا کہ مومنین سے وہ مجاہدین مراد ہیں جوان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں۔ انہیں کو جنت کی اور شہادت کی بشارت دی جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ تائبون سے مراد یہ ہے۔ کہ انہوں نے گناہوں سے توبہ کرلی ہو۔ اور عابدون سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہوں۔ اس کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں۔ حامدون سے مراد یہ ہے کہ تکلیف اور آرام غرض ہر حال میں اللہ کا شکر کیا کرتے ہوں۔ سائحون سے مراد یہ ہے کہ پنج گانہ نمازوں کا التزام رکھتے ہوں اور خشوع اور خضوع کے ساتھ وقت پر نماز پڑھتے ہوں۔ آمرون بالمعروف سے مراد یہ ہے۔ کہ ان سب باتوں کے بعد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے یہ لفظ بصیغہ مضارع وارد ہوتی ہے مخالفین کے

(بقیہ حاشیہ صہ ۷۰۴)

الذین یواظبون علی صلوٰۃ الخمس والحافظون لھا والمحافظون علیھا برکوعھا وسجودھا فی الخشوع فیھا وفی اوقاتھا الامرون بالمعروف بعد ذلک والعاملون بہ والناھون عن المنکر والمنتھون عنہ قال نبشر من قتل وھو قائم بھذہ الشروط بالشھادۃ والجنۃ ثم اخبر تبارک وتعالیٰ انہ لم یامر بالقتال الا صحاب ھذہ الشروط فقال عزوجل اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ وذلک ان جمیع ما بین السماء والارض للہ عزوجل ورسولہ ولاتباعھم من المومنین من اھل ھذہ الصفۃ فما کان من الدنیا فی ایدی المشرکین والکفار و الظلمۃ والفجار من اھل الخلاف

اچھی باتوں پر خود بھی عمل کرتے ہوں۔ دوسروں کو بھی حکم دیتے ہوں۔ ناہون المنکر سے مراد یہ ہے۔ کہ بری باتوں سے خود بھی پرہیز کرتے ہوں۔ دوسروں کو بھی منع کرتے ہوں۔ پس جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہونے کی حالت میں قتل کیئے گئے تھے۔ انکو شہادت ملی اور جنت کی بشارت دے دی گئی۔ پھر اللہ بزرگ و برتر نے یہ بھی بیان کردیا کہ اس نے جہاد کا حکم انہیں لوگوں کو دیا۔ جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں۔ چنانچہ فرمایا اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق ان یقولوا ربنا اللہ اور ان لوگوں کا مظلوم ہونا اس سبب سے ہے۔ کہ جتنی چیزیں آسمان اور زمین کے درمیان میں ہیں۔ وہ سب اللہ و رسول اور ان ایمان داروں کی ہیں۔ جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں پس دنیا کا جس قدر حصہ کافروں اور ظالموں اور فاجروں غرض ان لوگوں کے ہاتھ میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ ص ٧٠٥)

الرسول الله صلى الله عليه
وآله والمولى عن طاعتهما كان في
أيديهم ظلموا فيه المؤمنين
من هذه الصفات وغلبوهم عليه
مما أفاء الله عليهم ورده إليهم
وإنما معنى الفئ كلما صار إلى
المشركين ثم رجع مما كان قد
غلب عليه أو فيه فما رجع إلى مكانه
من قول أو فعل فقد فاء مثل قول
الله عز وجل فان فاءوا فان الله
غفور رحيم أي رجعوا
ثم قال وإن عزموا الطلاق
فان الله سميع عليم وقال و
إن طائفتان من المؤمنين
اقتتلوا فاصلحوا بينهما
فان بغت احدهما على
الاخرى فقاتلوا التي تبغي
حتى تفئ الى امر الله اي
ترجع فان فاءت اي رجعت
فاصلحوا بينهما بالعدل

تھا۔ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے
مخالف اور ان کی اطاعت سے منحرف تھے
وہ اس حصہ دنیا کے متعلق ان صفات کے
مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ اور ان کے
حق کو دبائے ہوئے تھے۔ جو کچھ اللہ نے
(بذریعہ جہاد کے مال غنیمت) اپنے رسول کو
دیا۔ وہ انہیں مسلمانوں کا حق تھا۔ کہ خدا نے
انہیں واپس دلایا فئے کے معنی یہی ہیں کہ
کوئی چیز مشرکوں کے قبضہ میں چلی گئی تھی
وہ پھر مسلمانوں کے پاس واپس آگئی۔ جو
چیز اپنے اصلی مقام پر لوٹ جائے خواہ
وہ فعل ہو یا قول تو اس کو کہتے ہیں فاء
جیسے اللہ کے اس قول میں فان فاءو فان اللہ
غفور رحیم۔ یعنی اگر وہ لوگ ارادہ طلاق سے
لوٹ جائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اس کے بعد فرمایا ہے۔ کہ اگر وہ لوگ طلاق
کا ارادہ کر لیں۔ تو اللہ سنتا جانتا ہے۔ اور
(ایک دوسرے مقام پر) فرمایا ہے۔ و
ان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا
بينهما فان بغت احدهما على الاخرى

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۶)

واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین یعنی بقولہ تفئ ترجع فذلک الدلیل علی ان الفئ کل راجع الی مکان قد کان علیہ اوفیہ ویقال للشمس اذا زالت قد فارت الشمس حین تفئ الفئ عند رجوع الشمس الی زوالھا وکذلک مما افاء اللہ علی المؤمنین من الکفار فانما ھی حقوق المؤمنین رجعت الیھم بعد ظلم الکفار ایاھم فذلک قولہ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا ما کان المؤمنون احق بہ منھم وانما اذن للمؤمنین الذین قاموا بشرائط الایمان التی وصفھا وذلک انہ لا یکون ماذون لہ فی القتال حتی یکون مظلوما ولا یکون مظلوما حتی یکون مومنا ولا یکون مومنا حتی یکون قائما بشرائط الایمان

فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ فان فارت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین یہ دلیل ہے۔ اس بات کی کہ فئے اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو اپنے اس مقام پر لوٹ جائے۔ جہاں وہ پہلے تھی۔ آفتاب کو جب زوال ہو جاتا ہے۔ تو کہتے ہیں فارت الشمس۔ اسی طرح جو چیزیں اللہ نے مسلمانوں کو کافروں سے دلائیں۔ وہ مسلمانوں کا حق تھیں کہ بعد اسکے کہ ان پر ظلم کر کے چھین لی گئی تھیں۔ پھر انکو واپس ملیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا کیونکہ ان چیزوں کے حق دار مسلمان تھے۔ نہ کافر۔ یہ اجازت صرف انہیں مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ جو شرائط ایمان کے ساتھ قائم ہوں۔ جن کا بیان ہم کر چکے۔ یہ اس لئے کہ جب تک کوئی شخص مظلوم نہ ہو اس کو جہاد کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اور مظلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ عزوجل کے ان شرائط پر قائم نہ ہو۔ جو اس نے مومنین اور مجاہدین کیلئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ممکن ہے کہ بعد اس ارادہ کے اللہ کو بداء ہوگیا ہو اور رائے بدل

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۷)

التی اشترط اللہ عزوجل علی المؤمنین والمجاہدین فاذا تکاملت فیہ شرائط اللہ عزوجل کان مؤمنا واذا کان مؤمنا کان مظلوما کان ماذونا لہ فی الجہاد بقولہ عزوجل اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر وان لم تکن مستکملا لشرائط الایمان فھو ظالم ممن تبغی ویجب جہادہ حتی یتوب ولیس لہ ماذون لہ فی الجہاد والدعاء الی اللہ عزوجل لانہ لیس من المؤمنین المظلومین الذین اذن لھم فی القرآن فی القتال فلما نزلت ھذہ الآیۃ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا فی المہاجرین الذین اخرجھم اھل مکۃ من دیارھم واموالھم احل لھم جہادھم بظلمھم ایاھم

مقرر کیے ہیں۔ جب اس میں یہ سب شرطیں کامل ہونگی تو وہ مومن ہوگا۔ اور جب مومن ہوگا تو مظلوم ہوگا۔ اور جب مظلوم ہوگا۔ تو اس کے لئے جہاد کی اجازت اس آیت سے ثابت ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر اور اگر کسی میں یہ شرائط ایمان کامل نہ ہوں تو وہ ظالم ہے۔ باغی ہے۔ اس کے اوپر جہاد واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اس کے لئے نہ جہاد کی اجازت ہے۔ نہ اللہ عزوجل کی طرف بلانے کی۔ کیونکہ وہ ان مظلوم مومنوں میں سے نہیں ہے۔ جن کو جہاد کی اجازت ملی ہے۔ جب آیت للذین یقاتلون بانہم ظلموا مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی۔ جن کو اہل مکہ نے ان کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے نکال دیا تھا۔ تو مہاجرین کو بسبب ان کے مظلوم ہونے کے اہل مکہ سے جہاد کرنا جائز کردیا گیا ہے یعنی عرض کیا کہ یہ آیت مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی بسبب اسکے کہ مشرکین مکہ نے ان پر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گئی ہو۔ جس طرح اور بہت سے مواقع میں ہوا البدا امام جعفر صادق کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

واذن لهم فی القتال فقلت فهذه نزلت فی المهاجرین بظلم مشرکی اهل مکة لهم فما بالهم فی قتالهم کسری وقیصر ومن دونهم من مشرکی قبائل العرب فقال لو کان انما اذن لهم فی قتال من ظلمهم من اهل مکة فقط لم یکن لهم الی قتال جموع کسری وقیصر وغیر اهل مکة من قبائل العرب سبیل لان الذین ظلموهم غیرهم وانما اذن لهم فی قتال من ظلمهم من اهل مکة لاخراجهم ایاهم من دیارهم و اموالهم بغیر حق ولو کانت الایة انما عنت المهاجرین الذین ظلمهم اهل مکة کانت الایة مرتفعة الفرض عن بعدهم اذا لم یبق من الظالمین والمظلومین احد ولیس کما ظننت ولا کما ذکرت ولکن المهاجرین ظلموا من جهتین ظلموا من

ظلم کیا تھا۔ پھر مہاجرین نے جو کسریٰ وقیصر وغیرہ مشرکین قبائل عرب سے جہاد کیا اس کا کیا حال ہے۔ امام نے فرمایا کہ اگر یہی ہوتا کہ انہیں صرف اہل مکہ کے ظالموں سے جہاد کی اجازت ملی ہوتی۔ تو کسریٰ وقیصر اور مکہ کے علاوہ دوسرے قبائل عرب سے جہاد کرنے کی انہیں کوئی سبیل نہ تھی۔ کیونکہ یہ وہ لوگ نہ تھے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہو۔ اور انہیں صرف اہل مکہ سے جہاد کی اجازت ملی تھی۔ کیونکہ انہیں نے ان کو ان کے گھروں اور مالوں سے ناحق نکالا تھا۔ اگر اس آیت میں صرف وہی مہاجرین مراد ہوں جن پر اہل مکہ نے ظلم کیا تھا۔ تو اس آیت کو کوئی تعلق بعد والوں سے نہ رہے گا۔ جب کہ نہ ان ظالموں میں سے کوئی باقی رہا نہ مظلوموں میں سے پس فرض جہاد ان کے بعد سب لوگوں سے اٹھ جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ جیسا تم نے خیال کیا (اصل بات یہ ہے کہ) مہاجرین پر دو طرح کے ظلم ہوئے۔ اہل مکہ نے ان پر ظلم کیا۔ کہ ان کو ان کے گھروں سے اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

اس نے اسماعیل کے امام بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر چند روز کے بعد اسکی

(بقیہ حاشیہ ص۷۰۹)

جهتين ظلمهم اهل مكة باخراجهم من ديارهم واموالهم فقاتلوهم باذن الله لهم في ذلك وظلمهم كسري وقيصر ومن كان دونهم من قبائل العرب والعجم بما كان في ايديهم مما كان المؤمنون احق به منهم فقد قاتلوهم باذن الله عزوجل لهم في ذلك وبحجة هذه الاية يقاتل مومنو كل زمان وانما اذن الله عزوجل للمؤمنين الذين قاموا بما وصف الله عزوجل من الشرائط التي شرطها الله على المؤمنين في الايمان والجهاد ومن كان قائما بتلك الشرائط فهو مؤمن وهو مظلوم ومأذون له في الجهاد بذلك المعنى ومن كان على خلاف ذلك فهو ظالم وليس من المظلومين وليس بماذون له في القتال ولا

ان کے مالوں سے نکالا۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اہل مکہ سے جہاد کیا۔ اور کسریٰ اور قیصر اور نیز اور قبائل عرب و عجم نے بھی مہاجرین پر ظلم کیا کیونکہ جس قدر اموال ان کے قبضہ میں تھے ان کے حق دار مسلمان تھے۔ نہ وہ۔ پس انہوں نے اور اللہ عزوجل کی اجازت سے کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا۔ اور اس آیت کی دلیل سے ہر زمانے کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں اللہ عزوجل نے انہیں مومنوں کو اس آیت میں اجازت دی ہے۔ جو اللہ کے بیان کئے ہوئے شرائط پر قائم ہوں۔ جو اللہ نے مومن اور مجاہد ہونے کے لئے بیان کئے ہیں جو شخص ان شرائط پر قائم ہو۔ وہی مومن ہے وہی مظلوم ہے۔ اور اس کو جہاد کی اجازت ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ ظالم ہے۔ مظلوم نہیں ہے۔ اس کو نہ جہاد کی اجازت ہے نہ بری باتوں سے کسی کو منع کرنے کی اور نہ اچھی باتوں کا حکم دینے کی۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور اس کو غلط

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

رائے بدل گئی۔ اور ارادہ فسخ ہو گیا۔ (بقیہ حاشیہ ص ۷۱۰)

بالنهی عن المنکر والامر
بالمعروف لانه لیس من
اهل ذلك ولا ماذون له فی
الدعاء الی الله عز وجل لا
لیس مجاهد مثله وامر بعائد
الی الله ولا یکون مجاهدا من
قد امر المؤمنون بجهاد ولا و
حضر الجهاد علیه ومنعه منه
ولا یکون داعیا الی الله عز وجل
من امر بدعا مثله الی
التوبة والحق والامر بالمعروف
والنهی عن المنکر ولا یامر با
لمعروف من قد امر ان یومر
به ولا ینهی عنه فمن
کانت قد تمت فیه شرائط
الله عز وجل التی وصف بها اهلها
من اصحاب النبی صلی الله علیه
وآله وهو مظلوم فهو ماذون له
فی الجهاد کما اذن لهم فی الجهاد
ولان حکم الله عز وجل فی الاولین و
الآخرین وفرائضه علیهم سواء
الا من علة او حادث یکون

کی طرف بلانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ
یہ مثل ان لوگوں کے نہیں ہے۔ اور اسکو
خدا کی طرف بلانے . . . .
. . . .
. . . . . . کا حکم ہوا ہے
مجاہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جس کے اوپر خود
جہاد کرنے کا مسلمانوں کو حکم ہوا ہو۔ اور
اس کے لئے جہاد کی ممانعت کر دی گئی ہو۔
اور اللہ عزوجل کی طرف وہ شخص کیونکر
بلا سکتا ہے۔ جس کی بابت خود یہ حکم ہو کہ
وہ توبہ کی طرف اور دین حق کی طرف اور
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلایا جائے
امر بالمعروف وہ شخص نہیں کر سکتا جس کی
بابت خود حکم ہو کہ اسے نہی منکر کی جائے۔
پس جس شخص کی ذات میں عزوجل کے وہ شرائط
جن کے ساتھ اس نے ان شرائط کے اہل کو
جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے
تھے۔ موصوف فرمایا ہے۔ کامل طور پر پائے
جائیں وہ مظلوم ہے۔ اور اسے جہاد کی
اجازت ہے۔ جس طرح اصحاب نبی کو جہاد
کی اجازت تھی۔ کیونکہ اللہ کا حکم اگلوں
پچھلوں سب کو شامل ہے۔ اور اس کے

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اس آیت کی تقریر حضرت مولانا الشیخ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۱)

الا من علته او حادث يكون الاولون فالآخرون ايضا في منع الحوادث شركاء والفرائض عليهم واحدة يسال الآخرون من اداء الفرائض عما يسال عنه الاولون ويحاسبون عما فيه يحاسبون ومن لم يكن على صفته من اذن الله له في الجهاد من المؤمنين وليس من اهل الجهاد وليس بماذون له فيه حتى يفي بما شرط الله عزوجل عليه فاذا تكاملت فيه شرائط الله عزوجل على المؤمنين والمجاهدين فهو من الماذونين لهم في الجهاد فليتق الله عزوجل عنها من هذه الاحاديث الكاذبة على الله التي يكذبها القرآن ويتبرأ منها ومن حملتها ورواتها ولا يقدم

فرائض سب پر یکساں ہیں، سوا اس صورت کے کہ کوئی خاص سبب پیدا ہو جائے۔ سوا اس خاص سبب میں بھی اگلے اور پچھلے سب شریک ہیں۔ پچھلوں سے بھی ان فرائض کے ادا کرنے کا سوال ہوگا۔ جن کا سوال اگلوں سے ہوگا۔ اور پچھلوں سے بھی ان اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ جن کا حساب اگلوں سے لیا جائے گا۔ اور جو شخص ان مسلمانوں کے مثل نہ ہو۔ جن کو اللہ نے جہاد کی اجازت دی تھی تھی۔ تو وہ مجاہد بننے کے قابل نہیں ہے۔ اس کو جہاد کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان شرائط کی طرف رجوع کرے۔ جو اللہ عزوجل نے اس بارہ میں قائم کی ہیں۔ جب اس میں وہ شرطیں کامل ہو جائیں گی۔ جو اللہ عزوجل نے مومنین اور مجاہدین کے لئے قائم کی ہیں۔ تو وہ جہاد کا مجاز ہو جائے گا۔ پس اللہ عزوجل سے بندہ کو ڈرنا چاہیئے۔ اور ان آرزوؤں پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ جن سے خدا نے منع کیا ہے۔ ان جھوٹی حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیئے، جو اللہ پر افترا کی جاتی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تحفہ اثنا عشریہ میں لکھی ہے۔ جو مع ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۱۲)

علی اللہ عزوجل لشبهة	ہیں۔ قرآن جن کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے
لا یعذر بها فانه لیس	اور ان کے سننے والوں اور روایت کرنے
وراء المعترض للقتل فی	والوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ اور کوئی
سبیل الله منزلة یوتی	شخص اللہ عزوجل کے سامنے کسی شبہ کے
الله من قبلها وهی غایة	ساتھ جس میں وہ معذور نہ قرار پائے نہ
الاعمال فی عظم قدرها	جائے۔ کیونکہ اللہ کی راہ میں قتل کے لئے
فلیحکم امرء لنفسه ولیرها	مستعد ہونے والے سے زیادہ کوئی رتبہ
کتاب عزوجل ویعرضها	نہیں ہے۔ یہ تمام عظیم الشان اعمال میں
علیه فانه لا احد اعرف بالمرء	زیادہ قابل قدر ہے۔ پس چاہیئے کہ آدمی اپنے
من نفسه فان وجدها قائمة	نفس کو پیش کرے۔ کیوں کہ اپنے سے زیادہ
بما شرط الله علیه فی الجهاد	اپنا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس اگر
فلیقدم علی الجهاد وان علم	اپنے نفس کو ان شرائط پر قائم دیکھے۔ جو
تقصیرا فلیصلحها ولیقیمها	اللہ عزوجل نے جہاد کے متعلق لگائی ہیں۔
علی ما فرض الله علیها من	تو جہاد کا ارادہ کرے۔ جہاد کے لئے ایسی
الجهاد ثم لیقدم بها وهی	حالت میں جائے۔ کہ اس کا نفس تمام ان
طاهرة مطهرة من کل دنس	کثافتوں سے پاک ہو۔ جو اس کے اور جہاد
یحول بینها وبین جهادها	کے درمیان میں حائل ہوں۔ جو شخص جہاد
ولسنا نقول من اراد الجهاد	کا ارادہ کرے ہم اس سے نہ کہیں گے کہ
وهو علی اخلاف ما وصفنا	وہ اللہ عزوجل کی شرائط کے خلاف ہے
من شرائط الله عزوجل علی	جو اس مومنین و مجاہدین کے خلاف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ ۷۱۳)

المؤمنين والمجاهدين لم
تجاهدوا ولكن نقول قد
علمنا كما ما شرط الله عزو
جل على اهل الجهاد الذين
بايعهم واشترى منهم انفسهم
واموالهم بالجنان ليصلح امرأ
ما علم من نفسه من تقصير
عن ذلك وليعرضها على شرائط
الله فان رأى انه قد ولى
بها وتكاملت فيه فانه ممن
اذن الله عزوجل له في
الجهاد وان ابى ان لا يكون
مجاهدا على ما فيه من الاصرار
على المعاصي والمحارم و
الاقدام على الجهاد بالتخبيط
والعمى والقدوم على الله
عزوجل بالجهل والروايات
المكاذبة فلقد لعمري
جاء الاثر فيمن فعل
هذا الفعل ان الله عزوجل
ينصر هذا الدين باقوام
لا خلاق لهم فليتق الله عزوجل
امرء وليحذر ان يكون

فرمائی ہیں۔) اور ہم کسی سے نہ کہیں گے کہ)
تم جہاد نہ کرو۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ اہل جہاد
کے لیے جن سے اللہ نے بیعت لی۔ اور بعوض
جنت کے ان کی جان و مال خریدا ہے
جو شرطیں اللہ عزوجل نے لگائی ہیں۔ وہ
ہم نے تمہیں بتا دیں۔ پس چاہیے کہ اگر کوئی
شخص اپنے نفس میں کچھ قصور پائے تو اس
کی اصلاح کرے۔ اور اپنے نفس کو اللہ کی
شرطوں پر پیش کرے۔ اگر دیکھے کہ وہ
شرطیں اس میں ہیں اور کامل ہیں تو سمجھ لے
کہ) وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ
عزوجل نے جہاد کی اجازت دی ہے اور
اور وہ باوجود اصرار کے معاصی اور محرمات
پر جہاد کرنے سے باز نہ آئے۔ اور خبط
اور نابینائی اور جہالت اور جھوٹی روایتوں
کے ساتھ اللہ کے یہاں جانے پر اصرار کرے
تو قسم ہے مجھے اپنی جان کی۔ جو لوگ ایسا کام
کریں۔ تو ان کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے
کہ اللہ عزوجل اس دین کو ایسے لوگوں سے
مدد پہنچائے گا۔ جن کو آخرت میں کچھ حصہ
نہیں ہے۔ پس آدمی کو اللہ عزوجل سے
ڈرنا چاہیے۔ اور اس بات سے بچنا چاہیے
کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے۔ اب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عبارت تحفہ متعلق آیۂ تطہیر

ومنها قوله تعالیٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ہ
گویند مفسرین اجماع کردہ اند کہ این آیت در حق علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام نازل شدہ دلالت مے کند بر عصمت ایشاں بتاکید تمام وغیر المعصوم لا یکون اماما ؞

منجملہ دلائل مخالفین کے اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا مخالفین کہتے ہیں۔ کہ مفسرین نے اس بات پر اجماع کیا ہے۔ کہ یہ آیت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ان کے معصوم ہونے پر بتاکید تمام دلالت کرتی ہے۔ اور غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا ؞

(بقیہ حاشیہ ۷۱۴)

منھم فقد بین لکم ولا عذر لکم بعد البیان فی الجھل ولا قوۃ الا باللہ وحسبنا اللہ علیہ توکلنا والیہ المصیر ۔

تم سے خوب واضح بیان کر دیا گیا اور بعد بیان کر دینے کے ناواقف کا عذر نہ سنا جائے گا۔ اور قوت و طاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے

اگرچہ یہ حدیث

ہم نے اس مقام پر محض اس لئے نقل کی تھی کہ اس میں امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔ کہ جن لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت ہے ان کے متعلق اللہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دریں جاہم مقدمات ہمہ مخدوش اند۔ اول اجماع مفسرین بر این ممنوع ابن ابی حاتم از ابن عباس روایت مے کنند۔ کہ

دپس معلوم ہُوا کہ یہی لوگ امام ہیں) اس دلیل کے تمام مقدمات مخدوش ہیں۔ اول تو مفسرین کا اجماع اس بات پر ممنوع ہے (دیکھو ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ

(بقیہ حاشیہ ۷۱۵)

نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔ کہ ان سے اللہ نے رجس (یعنی ناپاکی) کو دور کر دیا۔ اور انہیں خوب پاک کر دیا۔ اور آگے چل کر امام نے یہ بھی فرما دیا۔ کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت ملی تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین تھے۔ پس اگر رجس دور کر دینا اور پاک کر دینا عصمت کو مستلزم ہے۔ تو چاہیئے کہ صحابہ مہاجرین بدرجہ اولیٰ معصوم ہوں۔ کیونکہ خدا نے ان کی تطہیر بصیغہ ماضی بیان فرمائی ہے۔ کہ ہم نے ان سے رجس کو دُور کر دیا اور انہیں پاک کر دیا۔ اور اہل بیت کی تطہیر تو بصیغہ مستقبل بیان فرمائی ہے۔ اس عنوان سے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان سے رجس کو دور کر دے۔ اور انہیں پاک کر دے۔ ان دونوں عنوانوں میں جو فرق ہے۔ وہ ایک میزان پڑھنے والے مبتدی سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا سخت تعجب ہے۔ کہ حضرات شیعہ اسی لفظ سے جو بصیغہ مستقبل وارد ہے۔ اہل بیت کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے حق میں یہی لفظ جو بصیغہ ماضی وارد ہے۔ اس سے ان کی عصمت نہیں ثابت کرتے۔ بلکہ معاذ اللہ ان کو تمام دنیا کے معاصی قبیحہ اور فسق و فجور کا مخزن یقین کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ھذا السفہ والطغیان گو ہمارا مقصود اس حدیث سے اور بھی بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور وہ فوائد ایسے ہیں کہ ان کے سننے سے مخالفین کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔ لہذا بطور نمونہ ان میں سے چند فوائد ہم بیان کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

انہا نزلت فی النساء النبی صلی	آیت ازواج نبی صلعم کے حق میں نازل
علیہ وسلم وابن جریر از عسکرمہ	ہوئی ہے۔ اور ابن جریر عکرمہ سے
روایت مے کنند کہ ان کان	روایت کرتے ہیں۔ کہ بازاروں میں
ینادی فی السوق ان قولہ	چرچا ہوتا تھا۔ کہ یہ آیت ازواج نبی
انما یرید اللہ لیذھب	صلعم کے حق میں نازل ہوئی ہے۔
الایۃ نزلت فی نساء النبی	اس آیت کے آگے پیچھے کی آیتوں کے
صلی اللہ علیہ وسلم وظاہر از ملاحظہ	دیکھنے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے
سیاق وسباق آیتہ ہم ہمیں است زیراکہ	کیونکہ یا نساء النبی لستن
از ابتدا ر یا نساء النبی لستن کاحد	کاحد من النساء سے لے
من النساء تا قولہ واطعن اللہ	کر واطعن اللہ بلکہ والحکمۃ
بلکہ تا والحکمۃ خطاب بازواج	تک ازواج مطہرات ہی سے
مطہرات است۔	خطاب ہے۔

(بقیہ حاشیہ صـ۷۱۶)

اور امید کرتے ہیں کہ مخالفین میں اگر کچھ لوگ منصف مزاج ہوں گے۔ تو اُن فوائد کو دیکھ کر اس مذہب سے قطعًا بیزار ہو جائیں گے۔ اور یقین کر لیں گے کہ ائمہ اہل بیت پر یہ سب افترا ہے وہ حضرات صحابہ کرام کے مناقب ومحامد کے نہایت معتقد اور سنی پاک عقیدہ تھے۔

اس حدیث کے فوائد

(۱) دین اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنا انہیں لوگوں کے لئے جائز ہے۔ جو مظلوم ہوں۔ اور کوئی شخص مظلوم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ مومن نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان دس خصلتوں کے ساتھ موصوف

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

امر و نہی بالیشاں واقع مے شود۔ پس	اور جو کچھ اس آیت میں امر و نہی ہے ۔ وہ انہیں ازواج مطہرات کے متعلق ہے ۔اگر کوئی مخالف کہے

(بقیہ حاشیہ ص۷۱۷)

نہ ہو ۔ غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا ہو ۔ اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو ۔ کافروں پر سخت اور مسلمانوں پر مہربان ہو ۔ اللہ کی رضامندی کا طالب ہو ۔ قتل ناحق اس سے صادر نہ ہوتا ہو ۔ زنا کار نہ ہو ۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہو ۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو ۔ روزہ اور نماز کا خوب پابند ہو ۔ عبادت الٰہی میں خشوع و خضوع کی کیفیت اسے حاصل ہو ۔

۲ ۔ جس شخص میں دس اوصاف مذکورہ بالا پائے جائیں ۔ وہ مومن ہے اور مظلوم ہے ۔ اور اس کے لئے آیت اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت مذکور ہے ۔

۳ ۔ اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جو ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوں ۔ جہاد کر سکتے ہیں ۔

۴ ۔ یہ آیت در اصل مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی ۔ جب کہ کفار مکہ نے ان پر ظلم کیا ۔ اور ان کو ان کے گھروں اور جائدادوں سے نکالا ۔

۵ ۔ مہاجرین نے اسی آیت کی رو سے بحکم خدا مکہ میں جہاد کیا ۔ اور اسی آیت کی رو سے بحکم خدا انہوں نے کسریٰ و قیصر یعنی ایران و روم میں جہاد کیا ۔

۶ ۔ یہ آیت گو مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی تھی ۔ مگر جو شخص ان دس اوصاف کے ساتھ موصوف ہوئے جو اللہ نے اصحاب نبی کے بیان فرمائے ہیں ۔ اس کو بھی یہ آیت شامل ہے ۔

۷ ۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب نبی کے حق میں فرمایا ہے ۔ کہ ہم نے ان کی ناپاکی دور کر دی ان کو خوب پاک کر دیا ۔ اور ان کے یہ اوصاف بیان فرمائے ہیں (باقی ص۷۱۹)

که یہاں اس سے پہلے اور پیچھے تو خطاب ازواج	دراثنائے کلام حال
ہی سے ہے۔ مگر درمیان میں اتنا جملہ ان چار حضرات کے	دیگران مذکور کردن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱۸)

محمد رسول اللہ والذین معہ الخ یعنی محمدؐ خدا کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کافروں پر سخت اور اپنے آپس میں مہربان ہیں رکوع وسجدہ میں رہتے ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی طلب کیا کرتے ہیں یہ حالت ان کی توراۃ انجیل میں مذکور ہے۔ نیز ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے ہر چہار طرف محیط ہوگی۔ اور ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ یقیناً وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ اور لغو باتوں سے درگزر کرتے ہیں۔ یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے۔ اور قتل ناحق نہیں کرتے۔ اور زنا نہیں کرتے۔ پھر خدا نے یہ بھی ان کے حق میں فرمایا۔ کہ ہم نے انکا جان ومال بعوض جنت کے مول لے لیا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اپنے عہد کو پورا کر چکے۔ پس جو شخص اصحاب نبی کے ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو۔ وہ خدا کی طرف سے جہاد کا مجاز ہے۔

۸۔ جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں۔ اس کو چاہیئے۔ کہ ان اوصاف کے حاصل کرنے کے بعد جہاد کا ارادہ کرے۔

۹۔ جو شخص ان اوصاف کے ساتھ موصوف نہ ہو اور وہ فی سبیل اللہ جہاد کرے۔ وہ اس حدیث کا مصداق ہے۔ کہ کبھی اللہ ان لوگوں سے اپنے دین کی مدد کرا دیتا ہے۔ جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوتا۔

۱۰۔ ان سب باتوں کے بیان کرنے کے بعد میں آخر حدیث میں امام جعفر صادق نے یہ بھی فرمادیا کہ دیکھو ہم تمام باتیں بیان کر چکے ہیں۔ بس اب ہر شخص کو چاہیئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

لے تنبیہ پر انقطاع کلام سابق وافتتاح — متعلق ہے۔ تو اس سے کہہ دیا جائے) کہ ایک کلام کے درمیان میں بغیر اس بات کے بتائے ہوئے کہ کلام سابق

(بقیہ حاشیہ ۱۹)

کہ جھوٹی حدیثوں کے افترا کرنے سے ڈرے۔ جن کی قرآن تکذیب کرتا ہے۔ اور جن سے جن کے راویوں سے قرآن بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اصحاب نبی کے مناقب ہم بحوالہ آیات قرآنی تم پر ظاہر کر چکے۔ اب تم لوگ صحابہ کی مذمت کی حدیثیں جو گڑھا کرتے ہو۔ اُن سے باز آؤ۔ وہ حدیثیں آیاتِ قرآنی کی مخالف ہیں۔ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ان سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ ان فوائد پر بنظر انصاف غور کرو اور دیکھو کہ صحابہ کرام اور خصوصاً مہاجرین کے کیسے اعلیٰ اعلیٰ مناقب بیان ہوئے ہیں۔ اب دشمنانِ اصحابِ رسول بتائیں۔ کہ امام جعفر صادق ان اوصاف کے بیان کرنے میں سچے ہیں یا نہیں۔ ولنعم ما قال صاحب النصیحۃ۔

اب اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ کہ کسریٰ و قیصر سے قتال کرنے والا خلفائے ثلاثہ کے سوا اور کون تھا۔ پس انہیں خلفاء اور ان کے ساتھیوں کی نسبت امام جعفر صادق نے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ مہاجرین تھے۔ اور ان پر اہل مکہ نے بھی ظلم کیا تھا۔ اور کسریٰ و قیصر نے بھی ظلم کیا تھا۔ اور ان سب نے انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق قتال کیا اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ وہ امام عادل تھے۔ ورنہ ان کے ساتھ ہو کر قتال جائز نہ ہوتا۔ اور ان کا جہاد اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہوتا۔ نیز وہ مومن کامل اور جہاد کی شرائط سے موصوف تھے۔

الحمد للہ علی ثبوت المطلوب۔

امام جعفر صادق نے صاف فرمایا — جنہوں نے قیصر و کسریٰ کو کر دیا پامال
مجاہدین کے اوصاف سے وہ تھے موصوف — کیا انہوں نے باذن خدا جہاد و قتال
مناقب خلفاء کا ہوا ثبوت ایسا — کہ منکروں کو بھی انکار کی رہی نہ مجال

جناب مولانا حیدر علی صاحب علیہ رحمۃ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا ازالۃ الغین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کلام جدید مخالف روشن بلاغت است — ختم ہوگیا۔ اور اب نیا کلام شروع ہوتا ہے۔ دوسروں کا حال بیان کرنے لگنا روشن بلاغت (بلکہ عقلاً سخت معیوب ہے)

(بقیہ حاشیہ ص ۷۲۰)

میں نقل کیا تھا۔ اس کے جواب میں مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کی حیرانی و بدحواسی قابل دید ہے۔ مجتہد صاحب خوب سمجھ گئے۔ کہ اس حدیث سے صحابہ کرام خصوصاً شیخین کے مناقب اس وضاحت کے ساتھ ثابت ہو رہے ہیں۔ کہ چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ شیخین اور ان کے رفقاء مہاجرین سے نہ تھے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کسریٰ و قیصر سے ان کے سوا کسی اور نے جہاد کیا۔ پس مجتہد صاحب نے اس خوف ناک منظر کو دیکھ کر اور ہر طرف سے راہ گریز مسدود پاکر نہایت سراسیمگی و بدحواسی میں جو جواب دیا ہے وہ تشیید المبانی سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

نہایت آنچہ ازیں حدیث ظاہر مے شود۔ ایں است کہ مہاجرین ماذون بجہاد کسریٰ و قیصر بودند۔ وحقیقت خلافت خلفاء ازاں اصلا مستفاد نمے شود زیرا کہ در احادیث معتمدہ اہل سنت وارد شدہ کہ جناب رسالتمآب مسلمین را خبر تسلط خلفائے جور داده وامر باطاعت آنہا نموده بود۔	انتہائی بات جو اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہے۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ قیصر کے لئے ماذون تھے۔ اس سے خلفاء کی حقیقت خلافت مستفاد نہیں ہوتی۔ کیونکہ اہل سنت کی معتبر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جناب رسالت مآب نے مسلمانوں کو خلفائے جور کے تسلط کی خبر دی تھی۔ اور ان کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔

ناظرین مجتہد صاحب کے ہوش وحواس کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔ حاصل آپ کے جواب کا یہ ہوا کہ جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے مہاجرین کے ماذون ہونے سے ان کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ کلام اللہ را (دیکھو سعدی فرماتے ہیں ۔ سخن راسراست اے خداوندِ دین
از آں پاک باید میاد رسخن درمیان سخن : خدا کے کلام کو اس (عیب) سے
دانست واضافہ پاک یقین کرنا چاہیئے ۔ اور آگے پیچھے کی آیتوں میں دو جگہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲۱)

حقیقت خلافت لازم نہیں آتی ۔ افسوس مجتہد صاحب ہمارے استدلال پر غور نہیں کرتے نہ حدیث کے مضمون کو دیکھتے ہیں ۔ اس حدیث میں صرف یہی بیان نہیں ہوا ۔ کہ مہاجرین جہاد قیصر وکسریٰ کے لئے ماذون تھے ۔ بلکہ یہ بھی بیان ہوا ہے ۔ کہ کوئی شخص جہاد کے لئے ماذون نہیں ہو سکتا ۔ تاوقتیکہ مومن کامل صالح الاعمال نہ ہو ۔ پس جب مہاجرین کا ماذون بجہاد ہونا مجتہد صاحب تسلیم کر چکے ۔ تو اب ان کے مومن کامل صالح الاعمال ہونے میں کیا چون وچرا کر سکتے ہیں ۔ اور جب ان کا مومن کامل صالح الاعمال ہونا ثابت ہو گیا ۔ تو ان کی حقیقت خلافت بالبداہہ ثابت ہو جائے گی ۔

پھر مجتہد صاحب نے جو وجہ حقیقت مستفاد نہ ہونے کی بیان فرمائی ہے ۔ وہ اور بھی لطیف ہے ۔ بالکل سوال از آسمان جواب از ریسمان کا مصداق ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ حقیقت خلافت مستفاد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے ۔ اوّل تو سنیوں کی حدیث کا ذکر اس مقام پر بالکل بے موقع اور خلاف اصول مناظرہ ہے ۔ کیونکہ یہ مقام دفع الزام کا ہے نہ الزام کا اور دفع الزام اپنی روایات سے ہوتا ہے ۔ نہ خصم کی روایات سے ۔ دوسرے اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ مجتہد صاحب نے نہ کلینی کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائی ہے ۔ نہ ہمارے استدلال کی ان کو خبر ہے کلینی کی حدیث میں اگر مہاجرین کا واجب الاطاعت ہونا مذکور ہوتا ۔ اور ہم اس سے استدلال کرتے اور کہتے ۔ کہ واجب الاطاعت ہونے سے ان کا امام برحق ہونا لازم آتا ہے ۔ تو مجتہد صاحب یہ کہہ سکتے تھے ۔ کہ خلفائے جور کی اطاعت کا بھی حکم احادیث میں وارد ہوا ہے ۔ پس کسی کے واجب الاطاعت ہونے سے اس کا امام برحق ہونا لازم نہیں آتا ۔ ہمارا استدلال تو یہ ہے کہ اس حدیث میں بیان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بیوت ازواج — بیوتکن کی لفظ میں بیوت کو ازواج (کی ضمیر) کی طرف
درین قول کہ بیوتکن — مضاف کرنا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اہل بیت
نیز دلالت دارد — سے یہی ازواج مطہرات مراد ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۲۱)

ہُوا ہے۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے خدا کی طرف سے مجاز تھے۔ اور جہاد کے لئے خدا کی طرف سے وہی شخص مجاز ہوتا ہے۔ جو مومن کامل صالح الاعمال ہو پس نتیجہ یہ نکلا کہ مہاجرین مومن کامل صالح الاعمال تھے۔ اور جب مہاجرین کا مومن کامل صالح الاعمال ہونا اس حدیث سے ثابت ہوگیا۔ تو اس سے بالضرور یہ نتیجہ نکل آئے گا۔ مہاجرین میں سے جو شخص امام تھا۔ وہ امام برحق تھا۔

اور مہاجرین جس کو امام برحق سمجھتے تھے وہ فی الواقع امام برحق تھا۔ دوسری تقریر ہمارے استدلال کی اس طرح پر ہے۔ کہ اس حدیث میں مہاجرین کا جہاد کسریٰ و قیصر کے لئے مجاز ہونا بیان کیا گیا۔ اور جب اصول شیعہ جہاد کے لئے وہی شخص مجاز ہوتا ہے۔ جو امام برحق ہو۔ پس ثابت ہوگیا کہ مہاجرین میں سے جو شخص امام تھا۔ وہ امام برحق تھا۔ تیسری تقریر ہمارے استدلال کی اس طرح پر ہے۔ کہ اس حدیث میں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیت محمد رسول اللہ اور آیت قد افلح المومنون اور آیت التائبون العابدون وغیرہ کا مصداق قرار دیا ہے۔ پس جب وہ ان آیات کے مصداق تھے۔ تو وہ ہرگز ظالم و فاسق نہیں ہوسکتے۔ اور ان میں سے جو شخص خلیفہ ہُوا۔ وہ خلیفہ جور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خلیفہ عادل و امام برحق ہوگا۔ ہمارے ان تمام استدلالوں سے مجتہد صاحب نے آنکھ بند کرلی۔ اور ایک عجیب بے تکی کہی۔ جس کو ہمارے استدلال سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

مجتہد صاحب کا یہ فرمانا کہ جہاد کے لئے مجاز ہونے سے حقیقت خلافت لازم نہیں آتی۔ اور اس کی یہ وجہ بیان کرنا کہ خلفائے جور کی اطاعت کا حکم بھی وارد ہُوا ہے۔ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ زید مر گیا۔ اور جب اس سے زید

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

برآنکہ مراد از اہل بیت دریں آیہ ایشانند۔ چہ بیت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر ہوتی کہ ازواج دارد باشند نمی تواند شد۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان سوائے ازواج مطہرات کے مکانات کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔

۷۲۳

(بقیہ حاشیہ)

کے مرجانے کی دلیل پوچھی جائے۔ تو وہ بیان کرے۔ کہ نوشیروان ایران کا بادشاہ تھا۔ بھلا نوشیروان کے بادشاہ ایران ہونے سے اور زید کے مرجانے سے کیا تعلق ہے اسی طرح مہاجرین کے واجب الاطاعت ہونے سے ان کی حقیقت خلافت کے لازم نہ آنے کو ہمارے استدلال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا استدلال ان کے واجب اطاعت ہونے سے نہیں ہے۔

علمائے شیعہ کی یہ عادت قدیم سے ہے۔ کہ جب کچھ نہیں بن پڑتا۔ تو ایسی ناسمجھی کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ کہ خصم ان کو ناقابل خطاب سمجھ کر چھوڑ دے۔ مولوی سید محمد صاحب نے کلینی کی یہ حدیث ضرور دیکھی ہو گی۔ انہیں یہ ضرور معلوم ہو گا۔ کہ نہ اس حدیث میں مہاجرین کا واجب الاطاعت ہونا مذکور ہے۔ نہ اہل سنت ان کے واجب الاطاعت ہونے سے ان کی حقیقت خلافت ثابت کرتے ہیں۔ مگر ان کو اس بات کے کہہ دینے میں کچھ بھی تامل نہ ہوا۔ کہ واجب الاطاعت ہونے سے خلیفہ برحق ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ آں حضرت نے خلفائے جور کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ اس کے بعد مجتہد صاحب نے اپنے منصب اجتہاد کی پوری طاقت ختم کر دی ہے۔ اور بڑے فخر و مباہات کے ساتھ ایک نہایت دقیق بات پیدا کی ہے۔ جو فی الحقیقت انہیں کا حصہ تھی فرماتے ہیں۔

ودریں مقام سرائے دیگر ست۔ کہ تعرض بآن ضرور و آں ایں است کہ خلیفہ ثانی بلکہ خلفائے ثلثہ

اور اس مقام پر ایک سرا اور ہے۔ کہ اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ خلیفہ دوم بلکہ تینوں خلیفہ چونکہ آنکھ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ملا عبداللہ گفتہ کہ جمعیت
بیوت در بیوتکن وافراد بیت
در اہل بیت دال است۔

ملا عبداللہ (شیعی عالم) نے کہا ہے کہ
بیوتکن میں بیت کو جمع لانا اور لفظ
اہل بیت کو مفرد لانا بتا رہا ہے

(بقیہ حاشیہ ۶۷۴)

چوں بہ رائی العین مشاہدہ
نمودہ بودند۔ کہ جناب ولایت
افضل واعلم صحابہ است۔ لہذا در
اکثر امور عظام مثل جہاد واجرائے
حدود وغیرہ بطریق مشورہ مرضی
مبارک جناب امیر دریافت می
نمودند چنانچہ این امر بر متتبع خبیر ظاہر و
روشن است وکلام صدق نظام
خلیفہ ثانی لولا علی لھلک
عمر ومعضلۃ لا ابا حسن لہا کہ در
کتب معتمدہ اہل سنت
وارد شدہ نیز دلالت صریح بران
وارد ودر خصوص جہاد فارس۔
فاضل دہلوی نیز مشورہ
نمودن خلیفہ ثانی باں حضرت
مذکور ساختہ۔ پس برین تقدیر
ماذون بودن مہاجرین وانصار برائے
جہاد فارس شام وغیرہ مستغنی البیان
ست وآنچہ جناب امام جعفر صادق ادر علیہ

سے دیکھ چکے تھے۔ کہ جناب ولایت مآب تمام صحابہ
میں افضل واعلم ہیں۔ لہذا اکثر
بڑے بڑے کاموں میں مثل جہاد اور اجرائے
حدود وغیرہ کے بطور مشورہ کے جناب
امیر کی مرضی مبارک دریافت کر لیا کرتے
تھے۔ چنانچہ یہ بات کتابوں کے دیکھنے
والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور کلام صدق
نظام خلیفہ دوم کا کہ اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ
ہلاک ہو جاتے اور یہ ایسی مشکل ہے کہ
ابوالحسن نہیں ہیں۔ کہ اہل سنت کی معتبر
کتابوں میں وارد ہوا ہے۔ جو صریح دلالت
اس بات پر کرتا ہے۔ اور خاص کر
جہاد فارس میں فاضل دہلوی
(یعنی صاحب تحفہ) نے بھی خلیفہ دوم
کا آں جناب سے مشورہ کرنا ذکر کیا ہے۔
پس اس صورت میں مہاجرین وانصار
جہاد فارس وشام کے لئے مجاز ہونا محتاج
بیان نہیں ہے۔ اور جو کچھ امام جعفر صادق
نے ان کے مجاز ہونے کے متعلق بیان کیا وہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واگر ایشاں غیر بیت نبوت است ۔ واگر اگر ایشاں اھل بیت نبی مے بودند و اذکرن ما یتلی فی بیتکن واقع مے شد ۔ انتہے کلامہ ۔

اس بات کو ازواج مطہرات کے مکانات اور ہیں ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان اور ہے ۔ اگر ازواج مطہرات اہل بیت ہوتیں ۔ تو اس آیت میں واذکرن ما یتلی فی بیتکن واقع ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲۵ کے)

باب اذن آنہا فرمودہ بسبب اذن دادن جناب امیر بود ۔ نہ بسبب حقیقت خلافت ثلثہ

بسبب اجازت دینے جناب امیر کے تھا ۔ نہ بسبب حقیقت خلافت خلفائے ثلثہ کے

مجتہد صاحب کی اس بے نظیر تحقیق و تدقیق کا ماحصل یہ ہے ۔ کہ جناب امیر سے خلفائے کسریٰ و قیصر کے جہاد کے لئے مشورہ طلب کیا تھا ۔ اور جناب امیر نے انکو اس جہاد کی اجازت دی تھی ۔ اس وجہ سے امام جعفر صادق نے یہ فرمایا ۔ کہ مہاجرین جہاد کسریٰ و قیصر کے مجاز تھے ۔ خدا کی طرف سے ان کو اجازت نہ تھی ۔

مخالفین کو اپنے سلطان العلماء کی اس بے نظیر تحقیق کی داد دینی چاہیئے ۔ سبحان اللہ کیا عمدہ تحقیق ہے جسکے حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ آیت اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا میں خدا نے مہاجرین کو جہاد کسریٰ و قیصر کی اجازت دی تھی ۔ جناب امیر کی اجازت کا تو وہاں نام بھی نہیں ہے ۔ پھر آگے چل کر امام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کی رو سے ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کر سکتے ہیں اور جتنے مومن کامل صالح الایمان ہیں سب کے لئے خدا نے اس آیت میں جہاد کی اجازت دیدی ہے اب بتائیے جناب امیر کی اجازت کا کیا تعلق رہ گیا ۔

اور بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب امیر ہی نے اجازت دی تھی اور ان کی اجازت بعینہ خدا کی اجازت تھی ۔ لہذا امام نے کہہ دیا کہ خدا نے انہیں اجازت دی تھی تو بھی اس بات کا کیا علاج ہے کہ امام فرماتے کہ خدا نے اس آیت میں انہی اجازت دی ہے اور اگر اس سے بھی آنکھ بند کر لی جائے تو سوال یہ ہوتا ہے ۔ کہ آیا مہاجرین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بانصاف باید دید کہ	رنہ فی بیوتکن) یہاں تک ملا عبد اللہ کا کلام تھا ہے
چہ حرف بے مغز است	نظر انصاف سے دیکھنا چاہیئے ۔ کہ یہ کیسی بے مغز
زیرا کہ افراد بیت در اہل	بات ہے (ملا عبد اللہ اتنا بھی نہ سمجھا کہ لفظ اہل
بیت کہ اسم جنس است	بیت (جو) اہل بیت میں رہے (چونکہ اسم جنس ہے)

(بقیہ حاشیہ ۷۲۶)

مومن کامل صالح الاعمال تھے یا نہیں اگر تھے تو فہوا المطلوب اگر نہ تھے تو جناب امیر نے بخوشی اجازت دی یا بجبر اگر بجبر ان سے اجازت لی گئی ۔ تو یہ اجازت فی الحقیقت اجازت نہیں کہی جاسکتی ۔ اور نہ ایسی مجبوری کی اجازت خدا کی اجازت سے قرار پاسکتی ہے ۔ اور اگر بخوشی اجازت دی ۔ تو جناب امیر نے حکم خدا کے خلاف کیا ۔ خدا نے تو ایسے لوگوں کے اوپر خود جہاد کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اور نہ ان کو جہاد کی اجازت دینے کا اہل نہیں قرار دیا ۔ جناب امیر نے ایسے لوگوں کو کیوں اجازت دی ۔ مجتہد صاحب بدحواسی میں یہ سب کچھ لکھ گئے ۔ مگر انجام کار کا کچھ خیال نہ فرمایا ۔ پھر مجتہد صاحب جو فرماتے ہیں ۔ کہ خلفاء چونکہ دیکھ چکے تھے ۔ کہ جناب امیر تمام صحابہ میں اعلم و افضل تھے ۔ اس لئے ان سے مشورہ لیتے تھے ایک سفید جھوٹ ہے ۔ جس کی کوئی سند مجتہد صاحب نہیں پیش کرسکتے ۔ ہرگز خلفاء کیا معنی ۔ صحابہ بھی جناب امیر کو اعلم و افضل نہ جانتے تھے ۔ بلکہ یہ رتبہ شیخین ہی کے ساتھ مخصوص تھا ۔ اب رہا مشورہ لینا یہ کوئی بات نہیں دیکھئے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بحکم رب العزت اپنی امت سے مشورہ لیا کرتے تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب امیر سے زیادہ تر مشورہ اس لئے بھی لیتے تھے ۔ کہ جناب امیر ان کے عہد میں منصب وزارت پر مامور تھے ۔ اس منصب کی قابلیت جناب امیر میں بہت اچھی تھی ۔ چنانچہ خود انہوں نے فرمایا ہے ۔ جیسا کہ نہج البلاغۃ میں مذکور ہے ۔ کہ میرا وزیر ہونا بہ نسبت میرے خلیفہ ہونے کے تمہارے لئے زیادہ مفید ہے ۔ اب رہا حضرت عمر رض کا یہ فرمانا کہ علی رض نہ ہوتے ۔ تو عمر رض ہلاک ہوجاتا ۔ یہ ان کی انتہا درجہ کی فروتنی اور کسر نفسی ہے ۔ جناب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واطلاق او بر قلیل وکثیر جائز	اور اسم جنس کا اطلاق قلیل وکثیر پر جائز ہے
باعتبار اضافت بیت بآں حضرت	لہذا بوجہ اس کے کہ ان حضرت کی طرف مضاف
است۔ کہ ہمہ بیوت ازداج	کی گئی مفرد آئی ہے۔ کیونکہ ازداج کے تمام گھر

(بقیہ حاشیہ ۷۲۷)

امیر کا رتبہ تو پھر بھی بڑا تھا۔ حضرت عمرؓ تو پردہ نشین عورتوں کو بھی اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتے تھے ادنیٰ مسلمان کے برابر بھی اپنے کو نہ سمجھتے تھے۔ ان تمام تحقیقات وتدقیقات کے بعد مجتہد صاحب وہی بول بولتے ہیں۔ جو مخالفین کے لئے ہر مشکل کی سپر ہے فرماتے ہیں۔

وھذا کلہ بعد اغضاء البصر عن احتمال التقیہ فی ذالک الحدیث

یہ سب باتیں بعد اس کے ہیں کہ اس حدیث میں احتمال تقیہ سے آنکھ بند کر لی جائے تقیہ کی مجتہد صاحب نے ایک ہی کہی۔ تقیہ کے لئے کوئی موقع محل ہوتا ہے یا ہر جگہ موقع لموقع تقیہ ہو جاتا ہے۔ اگر موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے تو بتائیے اس حدیث میں کون موقع تھا۔ پھر یہ بھی بتائیے کہ امام کو کیا کس نے اس خاص عنوان کے ساتھ اتنے طول طویل عبارت میں آیات قرآنیہ کا حوالہ دے دے کر مہاجرین کے فضائل بیان کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اگر کوئی خوف درپیش تھا اور خواہ مخواہ مہاجرین کی تعریف کرنی ہی تھی۔ تو اس کے لئے اور بہت سے عنوان ہو سکتے تھے آیات قرآنیہ کے حوالہ کی کیا ضرورت تھی پھر اس سے بھی قطع نظر کیجئے امام جعفر صادق کے لئے تو تقیہ کی ممانعت آپ کی حدیث میں مروی ہے پھر ان کی حدیث میں تقیہ کیسا۔ ناظرین نے مجتہد صاحب کے جواب کی کیفیت ملاحظہ فرمائی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے خرافات کسی عاقل کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ حضرات مخالفین جواب دینے کے لئے بہت مستعد رہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اس قسم کے واہی تباہی جوابوں سے سکوت ہزار درجہ بہتر ہے مخالفین کی عجیب کیفیت ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ آؤ قرآن سے فیصلہ کر لو۔ قرآن پہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

باعتبار این اضافت یک خانہ است وجمعیت بیوت در بیوتکن باعتبار اضافت بیوت بازواج است کہ اینہا متعدد اند	باعتبار اس اضافت کے ایک گھر کے حکم میں ہیں۔ اور بیوتکن میں لفظ بیت اس وجہ سے جمع آئی کہ وہاں اضافت اس کی ازواج کی طرف ہے۔ اور وہ بہت تھیں۔

(بقیہ حاشیہ ۷۲۸)

ہمارا بھی ایمان ہے۔ اور تم بھی اس پر ایمان کا دعوے کرتے ہو۔ تو کسی طرح راضی نہیں ہوتے۔ کبھی تحریف کا عذر پیش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ غرض حدیثوں کی طرف جھکتے ہیں۔ اس کو بھی ہم منظور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو تم ہماری دو ہزار حدیثوں سے ہمیں الزام دو اور ان کا جواب ہم سے لو مگر براہِ انصاف ہمیں بھی اس کا موقعہ دو کہ ہم ایک ہی حدیث تمہاری یہاں پیش کریں اور تم اس کا جواب دو۔ اس کو بھی منظور نہیں کرتے اور جب کبھی کوئی موقعہ ایسا پیش آجاتا ہے کہ مجبوراً کچھ نہ کچھ اپنی حدیث کا جواب دینا ہی پڑتا ہے تو ایسے خرافات در خرافات لکھ دیتے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے طبیعت متنفر ہو اور ایسے جواب دینے والے کو نا قابل خطاب سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ کافی کی اسی حدیث کا جو جواب مجتہد صاحب نے دیا نمونہ کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد ہی مجتہد صاحب کو اپنی ایک دوسری حدیث کا بھی جواب دینا پڑا ہے۔ وہ قابل دید ہے۔ یہ حدیث مخالفین کی بہت سی معتبر کتابوں میں منقول ہے۔ خلاصہ مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر نکل آیا جو کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کدال لے کر اس پتھر پر ضرب لگائی پہلی ضرب میں ایک ٹکڑا اس پتھر کا ٹوٹا اور عجیب روشنی نکلی۔ حضرت نے فرمایا اللہ اکبر شام کی کنجیاں مجھے ملیں۔ پھر دوسری ضرب میں ایسا ہی ہوا اور آپ نے فرمایا یمن کی کنجیاں میرے ہاتھ میں آگئیں۔ تیسری ضرب میں وہ پتھر بالکل ٹوٹ گیا اور ویسی ہی روشنی نکلی حضرت نے فرمایا ملک فارس میرے قبضہ میں آگیا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۳۰ پر)

آنچہ ملائے مذکور گفتہ کہ لا یبعد ان یقع بین المعطوف والمعطوف علیہ فاصل وآں فاصل دراز طال چنانچہ دریں آیہ کریمہ واقع شدہ قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل ثم قال بعد تمام ھذہ الایۃ و اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ قال المعتدون و اقیموا الصلوٰۃ عطف علی اطیعوا انتہی کلامہ پوچ تر از کلام سابق اوست ۔ زیراکہ وقوع فصل بین المعطوف والمعطوف

اور ملائے مذکور نے جو یہ کہا ہے ۔ کہ یہ امر از روشن بلاغت سے بعید نہیں ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان میں کوئی چیز فاصل آجاتے ہیں گو وہ فاصل طویل ہو ۔ جس طرح کہ آیت کریمہ میں ہے ۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل ۔ پھر اس آیت کے تمام ہونے کے بعد فرمایا واقیموا الصلوٰۃ کا عطف اطیعوا پر ہے پس دیکھو اقیموا الصلوٰۃ کا عطف اطیعوا کے درمیان میں فان تولوا الخ فاصل آگیا یہاں تک ملا کا کلام تھا یہ کلام اس کے پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے اس وجہ سے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان میں کسی ایسے فاصل کا آجانا جو صرف باعتبار اعراب کے اجنبی ہو اور باعتبار مضمون کے اجنبی نہ ہو)

(بقیہ حاشیہ ۴۲۹)

اہل سنت کا استدلال اس حدیث سے اس طرح ہے ۔ کہ یمن و ملک شام و ملک فارس حضرت کے زمانہ میں مفتوح نہیں ہوا ۔ بلکہ خلفائے ثلاثہ نے فتح کیا اور انہیں کے قبضہ میں آیا پس اس حدیث میں جو حضرت نے ان ممالک کا اپنے قبضہ میں آنا بیان فرمایا ہے اس کے صادق ہونے کے سوا اس کے کوئی صورت نہیں کہ خلفائے ثلثہ آنحضرت صلعم کے خلیفہ برحق اور جانشین تھے ۔ اس لیئے ان کا قبضہ بعینہ حضرت کا قبضہ تھا مجتہد صاحب نے اس کے جواب میں جو خرافات لکھے ہیں ان کے لئے ازالۃ الغین دیکھنا چاہیئے ۱۲ ۔

علیہ بامر اجنبی من حیث الاعراب
کہ تعلق بصنعت نحاۃ دارد
بلاشبہ جائز است لیکن بما ضرر
ندارد زیرا کہ در ما نحن فیہ
اجنبیۃ و مغائرت باعتبار
موارد آیات لاحقہ و سابقہ
لازم می آید و منافی بلاغت
انیست نہ آن و آنچہ از مفسرین
نقل کردہ دا قیموا الصلوۃ معطوف
براطیعوا الرسول است صریح
الفساد است زیرا کہ بعد از
اقیموا الصلوۃ باز لفظ واطیعو
الرسول واقع است پس عطف
الشی علی نفسہ لازم خواہد آمد
وازیں پوچ تر کلامے دیگر
گفتہ است کہ مضحک کافیہ
خوان میتواند شد میگوید
کہ بین الآیات مغائرت
انشائیہ و خبریت چہ آیہ تطہیر
جملہ ندائیہ و خبریہ است و
ماقبل و مابعد او کہ امر و نہی است
انشائیہ و عطف انشائیہ بر خبریہ
نمی آید ممنوع است اول در آیہ

جائز ہے کیونکہ اعراب کی اجنبیت فن
نحو سے تعلق رکھتی ہے (اصل معنی پر اس کا کچھ
اثر نہیں پڑتا) مگر یہ ہمیں مضر نہیں ہے اس واسطے
کہ ہماری اس بحث میں (فاصل کی) اجنبیت اور
مغائرت باعتبار مضمون آیات لاحقہ و سابقہ
کے لازم آتی ہے (نہ صرف باعتبار اعراب
کے) اور بلاغت کلام کے منافی اسی اجنبی کا
آجانا ہے۔ جو باعتبار مضمون کے اجنبی ہو نہ
ایسے اجنبی کا آجانا جو صرف باعتبار اعراب
کے اجنبی ہو۔ پھر ملانے جو بعض مفسرین سے
نقل کیا ہے کہ اقیموا الصلوۃ اطیعوا الرسول
پر معطوف ہے۔ یہ بھی ایک لغو بات ہے
کیونکہ بعد اقیموا الصلوۃ کے پھر لفظ اطیعوا الرسول
واقع ہے۔ پس شی کا لفظ اپنے ہی اوپر لازم
آوے گا اور اس سے زیادہ لغو بات
(ملا عبد اللہ نے) ایک اور کہی ہے۔ کہ اس پر
کافیہ خوان لڑکے بھی ہنسیں گے۔ کہتا ہے
(کہ آیت تطہیر کے آگے پیچھے کی) آیتوں کے
درمیان انشائی و خبری مغائرت ہے۔ کیونکہ
آیت تطہیر جملہ ندائیہ اور خبریہ ہے۔ اور ماقبل
و مابعد اس آیت کا امر و نہی ہے۔ انشائیہ ہے
اور انشائیہ کا عطف خبریہ پر نہیں ہوتا۔ اس
بات کو ہم نہیں مانتے۔ اول تو آیت تطہیر میں

تطہیر حرف عطف کجاست بلکہ
تعلیل است برائے امر باطاعت
فی قولہ واطعن اللہ ورسولہ وجملہ
ندائیہ را معلل بخبریہ کردن در تمام قرآن
واحادیث وکلام بلغا رائج ومشہور
است مثل اضرب زیدا انہ فاسق یا
اطعنی یا غلام انما ارید ان اکرمک واگر
عطف واذکرن مراد دارد پس معطوف
علیہ او اطعن وقرن ودیگر اوامر سابقہ
نہ انما از بنجا عربیت دانی علمائے
ایشاں توان فہمید وباوصف این
قصور ہین کہ در نحو وصرف دارند
میخواہند کہ در تفسیر کلام اللہ دست
انداز شوند بگر موشی بخواب اندر شتر شد
وایراد صیغہ مذکر در عنکم بملاحظہ لفظ
اہل است قاعدہ عرب است کہ چون
چیزے راکہ فی الحقیقۃ مونث باشد
بلفظ مذکر ملاحظہ نمایند وخواہند
کہ بآن لفظ از وتعبیر کنند صیغ تذکیر
درحق آن مونث استعمال کنند مثل قولہ
تعالیٰ خطابا لسارۃ علیہا السلام
اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ
علیکم اہل البیت انہ حمید مجید

حرف عطف کہاں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول
واطعن اللہ ورسولہ میں جو اطاعت کا
حکم دیا گیا ہے۔ آیت تطہیر میں اس کی وجہ بیان
کی گئی ہے اور جملہ انشائیہ کی دلیل میں جملہ خبریہ
کا لانا تمام قرآن وحدیث اور بلغا کے کلام
میں مشہور اور رائج ہے مثلاً اضرب زیدا
انہ فاسق یا اطعنی یا غلام انما ارید ان
اکرمک اور اگر ملانے واذکرن کا عطف
مراد لیا ہے تو معطوف علیہ اس کا واطعن
وقرن امر کے صیغے ہیں۔ نہ انما۔ اسی
اسی جگہ سے شیعی علماء کی عربی دانی کو سمجھ لینا
چاہیے۔ اور باوجود ایسی سخت ناقابلیت
کے چاہتے ہیں کہ کلام اللہ کی تفسیر میں دست
اندازی کریں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک چوہے
نے خواب دیکھا کہ میں اونٹ ہو گیا ہوں اور
صیغہ مذکر عنکم میں لانا لفظ اہل کی رعایت
سے ہے اور اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ
جب کسی چیز کو کہ فی الحقیقت مونث ہوتی ہے
مذکر کے ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں اور چاہیں کہ
اس لفظ سے اسے تعبیر کریں تو مذکر کا صیغہ اس
مونث کے حق میں استعمال کرتے ہیں مثل اللہ تعالیٰ کے قول
کے جس میں حضرت سارہؓ سے خطاب کیا گیا ہے۔
اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ حمید مجید

وآنچه در ترمذی و دیگر صحاح مروی
است. کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم ایں چہار کس را نیز در کساے
گرفت و دعا فرمود کہ اللهم هؤلاء
اهل بیتی فاذهب عنکم الرجس
وطهرهم تطهیرا و ام سلمہ گفت
کہ مرا نیز شریک بکن۔ فرمود کہ
انت علی خیر و انت علی مکانک
دلیل صریح است۔ بر آں کہ
نزول آیت در حق ازواج
بود۔ و آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم ایں چہار کس را نیز بدعائے
خود دریں وعدہ داخل ساخت
و اگر نزول آیت در حق اینہا مے
بود۔ حاجت بدعا چہ بود
و آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
چرا تحصیل حاصل مے فرمود
ولہذا ام سلمہ را دریں دعا
شریک نہ کرد۔ کہ در حق او
ایں دعا را تحصیل حاصل
دانست۔ و محققین اہل سنت
برآنند کہ ہر چند ایں آیت در مخاطبہ
ازواج واقعہ است اما الحکم العبرۃ

باقی رہا جو ترمذی اور دوسری صحیح حدیثوں میں مروی
ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان چار آدمیوں (یعنی علیؓ و
فاطمہؓ حسنؓ حسینؓ) کو بھی اپنی کملی میں داخل کیا اور
دعا فرمائی۔ اللهم هؤلاء اهل بیتی فاذهب
عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا۔ یعنی
اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں پس ان
سے بھی ناپاکی کو دور کردے اور ان کو خوب پاک
کردے تو حضرت ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا کہ مجھ کو
شریک کرلیجئے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا کہ انت علی خیر و انت علی مکانک
یعنی تم اس سے بہتر حالت میں ہو اور اپنے
مرتبہ پر ہو یہ حدیث صاف بتارہی ہے۔ کہ
اس آیت کا نزول ازواج مطہرات ہی کے حق
میں تھا اور حضرت نے ان چار شخصوں
کو بھی بذریعہ دعا اس وعدہ میں داخل کیا۔ اور
اگر اس آیت کا نزول (حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ
حسینؓ) کے حق میں ہوتا تو حضرت کو دعا کرنے کی
کیا حاجت تھی اور جو بات تھی اس کے حاصل
کرنے میں آپ کیوں کوشش فرماتے اس لیئے
ام سلمہؓ کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ ان
کے حق میں اس دعا کو تحصیل حاصل سمجھا محققین اہل سنت
اس طرف ہیں کہ گو یا آیت تمام ازواج مطہرات کے
خطاب میں ہے لیکن بحکم العبرۃ لعموم اللفظ

لعموم اللفظ لا بخصوص السبب
جمیع اہل بیت دریں بشارت داخل
اند و جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ
ایں دعا در حق چہار کس موصوف
فرمود نظر بخصوص سبب بود و
نیز قرائن مخصوصیت بازواج از
سابق ولاحق کلام دریافتہ ترسید
کہ مبادا خاص بازواج باشد و
لہذا در روایت صحیحہ مثل ایں معاملہ
باحضرت عباس و پسران او نیز
ثابت ست و مدعا آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بود کہ جمیع
اقارب خود را در لفظ اہل بیت کہ در
خطاب الٰہی وارد شدہ داخل سازند
مانند آنکہ بادشاہ کریم یکے از مصاحبان
خود را بفرماید کہ اہل خانہ خود را
حاضر کن تا خلعت دہم و نوازش
فرمائم۔ ایں مصاحب عالی ہمت ہمہ
متوسلان خود را گوید اینہا اہل خانہ
من اند تا در خلعت و نوازش بادشاہی
ہر ہمہ را نصیبے باشد۔ اخرج البیہقی
عن ابی اسید الساعدی قال
قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ

لا بخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص
سبب کا تمام اہل بیت اس بشارت میں داخل ہیں
اور جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دعا چار
شخصوں کے واسطے مانگی۔ اس کا کوئی خاص
سبب ہے نیز آں حضرت آگے پیچھے کی آیتوں میں
ازواج مطہرات کے ساتھ خصوصیت سے
قرینے دیکھ کر ڈرتے کہ مبادا یہ وعدہ ازواج
مطہرات سے خاص ہو۔ اسی وجہ سے بیہقی کی
صحیح روایت میں ایسا ہی معاملہ حضرت عباس
اور ان کے صاحبزادوں کے ساتھ بھی ثابت
ہے۔ مدعا یہی تھا کہ اہل بیت کی لفظ تمام
خطاب الٰہی میں وارد ہوا ہے۔ اپنے تمام
عزیزوں کو داخل فرماویں اس کی ایسی مثال ہے
کہ ایک بادشاہ کریم اپنے مصاحبوں میں سے کسی
مصاحب سے کہے کہ میرے پاس اپنے گھر والوں
کو حاضر کرنا کہ میں انہیں خلعت دوں اور ان پر
نوازش کروں یہ مصاحب عالی ہمت اپنے تمام
اعزا و اقارب و احباب کو دربار شاہی میں لائے
اور کہے کہ یہ میرے سب اہل خانہ ہیں۔ اس وجہ سے کہ بادشاہی
خلعت و نوازش سے سب لوگ بہرہ مند ہوں بیہقی
نے ابی اسید ساعدی سے نقل کر کے روایت کی
ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عباس بن عبد المطلب سے فرمایا کہ اے ابو الفضل

وسلم للعباس ابن عبدالمطلب یا ابا الفضل لا ترم منزلك انت وبنوك غداً حتی اٰتیکم فان لی فیکم حاجة فانتظروه حتی جاء بعد ما اضحی فدخل علیهم وقال السلام علیکم فقالوا وعلیك السلام ورحمة الله وبرکاته قال کیف اصبحتم قالوا اصبحنا بخیر نحمد الله فقال لهم تقاربوا فزحف بعضهم الی بعض حتی اذا امکنوه اشتمل علیهم بملاءته ثم قال یارب هذا عمی وصنو ابی وهؤلاء اهل بیتی استرهم من النار کسترتی ایاهم بملاءتی هذه قال فامنت اسکفة الباب وحوائط البیت وقالت آمین آمین ط

وابن ماجه نیز این حدیث را مختصر روایت کرده اند و محدثین دیگر این قصه را بطرق متعدده در اعلام النبوة

کل میں جب تک تمہارے پاس نہ آؤں ۔ اس وقت تک تم اور تمہارے لڑکے اپنے گھر سے باہر نہ جائیں تم سے مجھے کچھ ضرورت ہے پس حضرت عباس نے مع صاحبزادوں کے رسول خدا کا انتظار کیا یہاں تک کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم دوپہرے روز بعد چاشت کے ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا السلام علیکم حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا پھر رسول خدا نے فرمایا کہ تم لوگوں نے کیونکر صبح کی تو حضرت عباس نے کہا صبح ہماری بخیریت ہوئی ہم لوگ اللہ کا شکر کرتے ہیں پھر حضرت نے ان سے فرمایا کہ سب لوگ پاس پاس بیٹھ جاؤ چنانچہ سب لوگ سرک سرک کر قریب ہو گئے جب وہ لوگ برابر ہو گئے تو آپ نے اپنی چادر میں ان کو لے لیا اور دعا کی اے میرے پروردگار یہ میرے چچا اور میرے والد کے ہمسر اور میرے اہلبیت ہیں ان کو آگ سے محفوظ رکھ جس طرح کہ میں نے اپنی چادر سے ان کو پوشیدہ کر لیا ہے اس دعا پر دروازہ کے سائبان اور گھر کی دیواروں نے آمین کہی اور آواز آنے لگی آمین آمین اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو مختصر روایت کیا ہے اور دوسرے محدثین نے اس قصہ کو متعدد سندوں سے علامات نبوت میں روایت کیا ہے۔

روایت کردہ اند و آنچہ ملا عبد اللہ
گفتہ کہ مراد از بیت بیت نبوت است
و اہل بیت لغت شک نیست کہ شامل
ازواج خادماں و امارازواج کہ
مسکنے در بیت داشتہ نیز
ہست۔ اما معنی لغوی باین وسعت
باتفاق مراد نیست پس مراد ازینہا
خمسہ آل عبا باشد کہ حدیث کسا
تخصیص ایشاں کردہ انتہی کلامہ نیز
از قبیل سخناں گذاشتہ اوست زیرا
کہ اگر معنی لغوی باین وسعت مراد
باشد محذوری کہ لازم می آید ہماں
عموم عصمت است کہ نزد شیعہ ازیں
آیت ثابت میشود و چوں اہل سنت
در فہم عصمت ازیں آیت با شیعہ اتفاق
ندارند و معتقد عصمت در حق خمسہ
آل عبا و ازواج مطہرات نیز نیستند
پس در نفی این عموم چرا اتفاق خواہند
کرد کہ رحمۃ واسعہ الٰہی را تنگ کردنست
و نیز ارادہ معنی لغوی باین وسعت
اگر مراد نباشد ازاں جہت نخواہد بود
کہ قرائن و الالا از آیات سابقہ و لاحقہ
تعین مراد میکنند و نیز عقل ہم تخصیص

اور یہ جو ملا عبد اللہ نے کہا ہے کہ مراد بیت سے
بیت نبوت ہے اور لفظ اہل بیت بلا شک از روئے
لغت بیبیوں بلکہ بیبیوں کے لونڈی غلاموں کو جو
اس گھر میں رہتے ہوں شامل ہے مگر معنی لغوی
اس گھر میں رہتے ہوں شامل ہے
پس مراد اہل بیت سے ہی خمسہ آل عبا
ہوں گے۔ جن کی تخصیص حدیث کساء
نے کر دی ہے۔ فقط اس کا یہ کلام بھی
مثل اس کی گذشتہ باتوں کے ہے۔ کیونکہ
اگر معنی لغوی اس وسعت کے ساتھ مراد ہوں
تو یہی خرابی لازم کہ شیعوں کے نزدیک عصمت
جو اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ عام ہو
جائے گی۔ مگر چونکہ اہل سنت اس آیت
سے عصمت کا مضمون سمجھنے میں شیعوں کے
ساتھ متفق نہیں ہیں اور خمسہ آل عبا بلکہ
ازواج مطہرات کو بھی معصوم نہیں سمجھتے۔ پس
وہ اس معنی عام کے مراد نہ ہونے میں کیوں
شیعوں کے ساتھ متفق ہو کر خدا کی وسیع
رحمت کو تنگ کرنے لگے۔ نیز اگر معنی لغوی
اس وسعت کے ساتھ مراد نہ ہوں گے تو اس
کی وجہ یہ ہو گی۔ کہ آگے پیچھے کی آیتوں کے
قرائن تعین مراد کرتی ہیں نیز عقل بھی
تخصیص کرتی ہے کہ یہ لفظ عرب میں انہیں

می نماید این لفظ را در عرف به
کسانی که در خانه سکونت دارند
بقدر انتقال و تحول و تبدل در آنها
عادة جاری نه باشد مثل ازواج
و اولاد نه خدمت گاران و
کنیزکان و غلامان که عرضهٔ
تبدل و تحول اند بانتقال
از ملکے بملکے و اعتاق و
هبه و بیع و اجاره و تخصیص
یکسانے و ستقٰے دلالت
بر تخصیص این چند کس باہل
بیت بودن مے کرد که فائده
دیگر درین تخصیص ظاہر نمی شود
و درین جا فائده اش دفع
مظنه نبودن این اشخاص
در اہل بیت است بنظر
بآنکه مخاطب ازواج اند
فقط و عجب آن است
که باتفاق اہل اسلام
چه شیعه و چه اہل سنت
در تعظیم ازواج آن حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم لفظ مطہرات
و بیشک سنا ولیے

لوگوں پر بولنا چاہیئے۔ جو گھر میں رہتے ہوں
اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے
ہوں تو عادة ان میں تحویل و تبدیل جاری
نہ ہو۔ مثل ازواج و اولاد کے نہ مثل
خدمت گاروں اور لونڈی غلاموں کے
کہ ان میں تبدیل و تحویل ہوتا رہتا ہے ایک
کی ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک
میں جاتے ہیں۔ آزاد کیئے جاتے ہیں بیع
کئے جاتے ہیں۔ اجارہ میں دیئے
جاتے ہیں۔ اور حدیث کسا رخاص انہیں
لوگوں کے اہل بیت ہونے پر اس
وقت دلالت کرتی ہے جب کہ اس تخصیص
میں اور کوئی فائدہ نہ ہوتا حالانکہ یہاں
اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ گمان دفع ہو جائے
کہ یہ لوگ اہل بیت نہیں ہیں بخیال اس
کے کہ مخاطب صرف ازواج ہیں۔ تعجب
یہ ہے کہ باتفاق تمام اہل اسلام کے کیا
شیعہ کیا سنی لفظ مطہرات آں حضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ
بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری
اور ملا عبد اللہ مشہدی اور ان کے دوسرے
علماء کے کلام میں ہزاروں جگہ دیکھا گیا اور ظاہر
ہے کہ یہ لقب آیت تطہیر سے لیا گیا ہے۔ اور

دغدغہ برزبان منصفان
ایشان جاری مے شود اگر کسے
گوید کہ آیہ تطہیر شعریہ تطہیر
ازواج است رگ گردن
برداشتہ بہ بحث وجدال
مے آویزند العیاذ باللہ
دوم آنکہ دلالت این آیہ بر
عصمۃ مبنی بر چند بحث است
یکے آنکہ لیذہب عنکم الرجس
در ترکیب نحوی چہ محل دارد
مفعول برائے یرید است
یا مفعول بہ دیگر آنکہ معنی اہل
بیت چہ چیز است واز رجس
چہ ارادہ نمودہ اند ودرین ہر
سہ مقام گفتگو بسیار است
کہ در تفاسیر مبسوط باید دید
وبعد اللتیا والتی اگر لیذہب
مفعول بہ است۔ واہل بیت
ونیز منحصر درہمیں چہار کس و
مراد از رجس مطلق گناہ باز ہم
دلالت این آیت بر عصمۃ مسلم
نیست۔ بلکہ بر عدم عصمت
دلالت دارد۔ زیرا کہ چیزے

لفظ ازواج مطہرات بے شبہ اور بے قابل
اُن کے منصفوں کی زبان پر جاری ہے
لیکن اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ آیت تطہیر
ازواج کی پاکی کو ظاہر کر رہی ہے
تو ... یہ گردن کی رگیں پھلا کر لڑنے کے
لئے آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ معاذ اللہ
دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا
عصمت پر دلالت کرنا ہی چند بحثوں
پر موقوف ہے ۔ اول یہ کلمہ لیذہب
عنکم الرجس ترکیب نحوی میں موقع پر
آیا ہے آیا یرید کا مفعول کہ ہے یا مفعول بہ
دوسرے یہ کہ اہل بیت کے معنے کیا
ہیں ۔ اور رجس سے کیا مراد ہے ان تینوں
باتوں میں بہت گفتگو ہے ۔ بڑی بڑی
تفسیروں میں دیکھنا چاہیئے اور بعد ان
تمام باتوں کے اگر لیذہب مفعول بہ
ہو اور اہل بیت بھی انہیں چار شخصوں
میں منحصر ہوں اور رجس سے بھی مراد مطلق گناہ
ہو تب بھی اس آیت کی دلالت عصمت پر
مسلم نہیں ہے ۔ کیونکہ جو چیز پاک ہوتی
ہے اس کو نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس کو پاک
کرنا چاہتے ہیں ۔ انتہا کی بات یہ ہے
کہ بعد تعلق اس ارادہ کے ان چند اشخاص

پاک شد او را نمے توان گفت کہ مے خواہیم کہ پاک کنیم غایۃ ما فی الباب محفوظ بودن این اشخاص چند بعد از تعلق این ارادہ از رجس و گناہ ثابت میشود لیکن اینہم بر اصول اہل سنت نہ بر اصول شیعہ زیراکہ وقوع مراد الٰہی لازم ارادہ او نیست نزد ایشان بسا چیزہا کہ حق تعالےٰ ارادہ مے فرماید و شیطان و بنی آدم واقع شدن نمی دہند چنانچہ در الٰہیات گذشت بالجملہ اگر افادہ معنی عصمت منظور مے بود می فرمود اِنَّ اللّٰہ اذہب عنکم الرجس اہل البیت وطہرکم تطہیرا و این بر ظاہر است اغبیا ہم این را مے فہمند چہ جائے از کیا و نیز این کلمہ مفید عصمت مے شد بالیقین کہ ہمہ صحابہ علی الخصوص حاضران جنگ بدر قاطبۃ معصوم مے شدند۔ زیراکہ در حق ایشان بتفریق فرمودہ اند و قولہ تعالیٰ ولکن یرید لیطہرکم و

کا رجس و گناہ سے محفوظ ہونا ثابت ہوگا لیکن وہ بھی اصول اہل سنت پر نہ اصول شیعہ پر کیونکہ ان کے نزدیک مراد الٰہی کا واقع ہوجانا ارادہ میں ضروری نہیں۔ بہت چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ حق تعالےٰ ان کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر شیطان اور بنی آدم . . . . . . اس کو واقع ہونے نہیں دیتے۔ چنانچہ الٰہیات میں گذر چکا۔ خلاصہ یہ کہ اگر مضمون عصمت کا ادا کرنا مقصود ہوتا تو اللہ تعالےٰ یوں فرماتا۔ ان اللّٰہ اذہب عنکم الرجس (یعنے خدا تعالےٰ نے تم سے ناپاکی دور کردی) اہل البیت وطہرکم تطہیرا۔ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ غبی لوگ بھی اس کو سمجھ سکتے۔ چہ جائے کہ عقلا نیز اگر یہ کلمہ مفید عصمت ہو تو چاہیئے کہ تمام صحابہ خصوصًا حاضران جنگ بدر قطعًا معصوم ہو جائیں۔ کیونکہ ان کے حق میں اللہ تعالےٰ نے کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے ولکن یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم و لعلکم تشکرون اور نیز فرمایا ویذہب عنکم رجس الشیطان اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ کے حق میں نعمت کے پورا کرنے کا مضمون

لیتم نعمته علیکم ولعلکم
تشکرون وقوله تعالیٰ ویذھب
عنکم رجس الشیطان وظاہر
است کہ اتمام نعمت بدون
حفظ از معاصی واز شر شیطان متصور
نیست وتخصیص ہے کہ در لفظ
تطہیر واذہاب رجس بطریق احتمال
راہ مے یافت دریں جا
ھباءً منثوراً گشت سوم آنکہ
غیر المعصوم لا یکون اماما
مقدمہ ایست باطل و
ممنوع در کتاب و اقوال
عترت تکذیب آں سفیر
مابید سلمنا لیکن ازیں دلیل
صحۃ امامت حضرت امیر ثابت
شد اما آنکہ امام بلا فصل
او بود پس از کجا جائز ست کہ یکے
از سبطین امام باشد ولقاعدہ
لا قائل بہ تمسک کردن دلیل عجز
است اذا المعترض لا مذہب لہ

بہ نسبت ان دونوں لفظوں کے زائد
ہے۔ اور عصمت پر زیادہ دلالت
کرتا ہے۔ کیونکہ نعمت کا پورا کرنا بغیر
گناہوں سے اور شیطان کے شر سے
محفوظ رکھنے کے ممکن نہیں۔ اور جو
خصوصیتیں کہ لفظ تطہیر اور اذہاب رجس
میں بطور احتمال ہو سکتی تھیں۔ وہ سب
یہاں کافور ہو گئیں۔ تیسری بات یہ
ہے کہ مخالفین کا یہ کہنا کہ غیر معصوم امام
نہیں ہوتا۔ ایک غلط و ممنوع
بات ہے۔ قرآن و اقوال عترت
اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ہم
تسلیم بھی کر لیں۔ تو اس سے جناب
امیر کا صرف امام بحق ہونا ثابت ہو جائے
گا۔ مگر امام بلا فصل ہونا کہاں سے
ثابت ہو گا۔ جائز ہے کہ امام بلا
فصل حسنینؑ میں سے کوئی ہو اور
یہ کہنا کہ اس کا کوئی قائل نہیں
عاجزی کی دلیل ہے کیونکہ معترض کا
کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

تحفہ کی عبارت ختم ہو گئی۔ دیکھئے کیسی متین اور پرزور عبارت ہے کیا
ممکن ہے کہ کوئی منصف ایسی عبارت کو دیکھ کر پھر زبان سے یہ بیہودہ لفظ نکالے
کہ آیت تطہیر سے عصمت و امامت مفروضہ ائمہ کرام کی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ

دیکھیے مخالفین کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب متعلین عبارت کے جواب میں کیا۔ گوہر افشانی فرماتے ہیں لکھتے ہیں۔

اقول تحریر استدلال بایں آیہ علیٰ وجہ الاختصار بریں نہج است کہ بنا بر روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ بالمعنی کہ در کتب فریقین مزبور گردیدہ وہم بنا بر اقوال جمہور مفسرین اہل سنت آیہ مزبورہ در شان حضرت امیر و فاطمہ و حسن و حسین نازل شدہ و مراد از ارادہ ازالہ رجس ارادہ است کہ علت تامہ وقوع مراد باشد و عند وجود علت تحیت وجود المعلول نہ یراکہ مطلق ارادہ کہ متبتع وقوع مراد نہ باشد۔ درحق سائر مکلفین متحقق است۔ پس اختصاص باہل بیت و انحصار کہ مقتضائے لفظ انما است لغو باشد۔ و نیز آیہ در محل مدح اہل بیت وارد شدہ اتفاقاً وارادہ غیر متبتع فعل مستلزم مدح نیست کما لایخفیٰ

میں کہتا ہوں کہ (شیعوں) کے استدلال کی تقریر اس آیت سے مختصر طور پر اس طرح ہے کہ بنائے روایات مستفیضہ بلکہ متواترہ جو فریقین کی کتابوں میں درج ہیں اور بر بنائے اقوال جمہور مفسرین اہل سنت آیہ مذکورہ حضرت امیر و فاطمہ و حسن و حسین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور مراد رجس کے دور کرنے کے ارادہ سے وہ ارادہ ہے جو علت تامہ وقوع مراد کا ہو اور ثبوت پائے جانے علت کے وجود معلول کا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ مطلق ارادہ رجس سے وقوع مراد لازم نہ آئے۔ تمام مکلفین کے حق میں پایا جاتا ہے۔ پس خصوصیت اہل بیت کی اور انحصار جو مقتضائے لفظ انما کا ہے۔ لغو ہو جائے گا نیز یہ آیت بالاتفاق مقام تعریف اہل بیت میں ہے۔ اور وہ ارادہ جو مستلزم فعل کو ہے مفید مدح نہیں ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز موافق بعض احادیث کے نزول اس آیت کا بعد اس کے ہوا کہ پیغمبر نے

ونیز بنا بر بعضے از اخبار نزول
آیہ بعد دعائے پیغمبر خدا باذھاب
رجس از اہل بیت است نہ
ارادہ آں فقط۔ پس لامحالہ
متضمن اجابۃ دعائے آں
جناب باشد۔ فتعین وقوع
ازالۃ الرجس و مراد از رجس
ذنب است۔ کما مر بہ الرازی
وغیرہ من علمائھم۔ ونیز ارادہ
معنی دیگر از رجس صحیح نمے
تواند شد۔ کما ستطلع علیہ پس
اہل بیت معصوم و افضل باشند
وغیر المعصوم وکذا المفضول
لا یستحق الامامۃ فثبت
ان کل معصوم امام لا ان الموجبۃ
الکلیۃ لا تنعکس کنفسھاء
وحضرت امیر علیہ السلام ادعائے امامت
برائے خود کردہ۔ چنانچہ بتواتر منقول
گشتہ واز اخبار سقیفہ وغیرہ از
کتب سنیاں ظاہر مے شود وباقی
اہل بیت تصدیق آں جناب کردند
فتعین کونہ اماما لان المعصومین
مبرؤن عن الخطاء

اہل بیت سے رجس سے دور کرنے
کی دعا مانگی۔ نہ صرف ارادہ کی پس
لامحالہ یہ آیت آں جناب کی دعا
کی مقبول ہونے کو متضمن ہوگی پس
ثابت ہوگیا۔ وقوع زوال رجس کا
اور مراد رجس سے گناہ ہے جیسا کہ
رازی وغیرہ علمائے اہل سنت
نے اس کا اقرار کیا ہے اور نیز کسی
دوسرے معنی کا رجس سے ارادہ کرنا
صحیح نہیں ہو سکتا جیسا کہ عنقریب تم کو
معلوم ہوگا۔ پس اہل بیت معصوم
اور افضل ہوئے اور غیر معصوم اور اسی
طرح مفضول مستحق امامت نہیں ہوتا
پس ثابت ہوگیا۔ کہ ہر امام معصوم ہوتا
ہے نہ یہ کہ ہر معصوم امام ہوتا
ہے کیونکہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ
نہیں آتا اور حضرت امیر علیہ السلام
نے اپنے لئے دعوی امامت کا جیسا کہ تواتر
منقول ہے اور سقیفہ وغیرہ کی خبروں سے جو
سنیوں کی کتابوں میں ہیں ظاہر ہوتا ہے پس
آں جناب کا امام ہونا ثابت ہوگیا
کیوں کہ معصومین خطا سے بری
ہوتے ہیں۔

یہ انہیں مجتہد صاحب کی عبارت ہے۔ جن کو مخالفین سلطان العلما کہتے ہیں۔ اور غالباً یہ خطاب سلطنت کی طرف سے ملا تھا۔ اور مخالفین کے امام والامقام مولوی حامد حسین صاحب ان کو امام ہمام کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پس اس حساب سے وہ مخالفین کے امام نہیں۔ بلکہ امام الائمہ ہوئے۔ مگر قدرت خدا دیکھئے۔ کہ اس بارہ سطر کی عبارت میں کم از کم بیس پچیس غلطیاں انہوں نے کی ہیں۔ اور غلطیاں بھی ایسی فاش اور ناروا جو نہ صرف ان کے علم و فضل بلکہ ان کی دیانت و امانت پر بھی خطرناک حملہ کرتی ہیں۔ ناواقف اور جاہل تو خوش ہو گئے۔ کہ مجتہد صاحب نے بڑا تیر مارا۔ اور تحفہ اثنا عشریہ کے باب الامامت کا جواب لکھ کر ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ دیا۔ مگر اہل نظر جانتے ہیں۔ کہ یہ جواب کس پایہ کا ہے۔ اگر اس کا نام جواب ہے۔ تو حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں کفار نابکار کے مقالات فاسدہ بدرجہ اولیٰ جواب کے ساتھ موسوم ہونے چاہئیں۔

مجتہد صاحب نے جس قدر غلطیاں ان چند سطروں میں کی ہیں۔ اگر سب پر بالتفصیل بحث کی جائے۔ تو بہت طول ہو گا۔ لہٰذا چند ضروری الاظہار کے بیان پر اکتفا کی جاتی ہے۔

(۱) مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کا جناب امیر و سیدہ و حسنین رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہونا فریقین کی مستفیض بلکہ متواتر روایتوں میں وارد ہے۔ حالانکہ اہل سنت کے یہاں اس مضمون کی ایک صحیح روایت بھی نہیں ہے۔ چہ جائے مستفیض یا متواتر۔ اہل سنت کی روایات کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہو چکی۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے لئے تطہیر کی دعا مانگی۔ اور ان کو بھی اہل بیت کہا۔ یہ مضمون اہل سنت کی کسی روایت میں نہیں ہے۔ کہ یہ آیت ان حضرات کی شان میں نازل ہوئی۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ جن روایتوں کا ماحصل میں نے بیان کیا وہ روایتیں بھی برابر

نہیں ہیں۔

۲۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اہل سنت کے جمہور مفسرین اس امر کے قائل ہیں۔ کہ یہ آیت مذکورین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی صریح کذب یا ناواقفی ہے۔ اہل سنت کا کوئی معتبر مفسر اس کا قائل نہیں ہے۔ اہل سنت کے یہاں جب کوئی صحیح روایت ہی اس مضمون کی نہیں ہے۔ تو کوئی مفسر قائل کیا کر ہو سکتا ہے۔ ہاں مفسرین نے وہ روایتیں نقل کی ہیں۔ جن کا ماحصل میں نے بیان کیا۔ تو اس سے ان روایتوں کا قائل ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ ناقل ہونا اور چیز ہے۔ قائل ہونا اور چیز ہے۔

۳۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ارادہ رجس سے وہ ارادہ مراد ہے۔ جو علت تامہ ہو۔ یہ بھی غلط اور بے اصل ہے۔ کوئی قرینہ اس مراد کا نہیں ہے۔

۴۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ارادۂ تطہیر کی تخصیص اہل بیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ مجتہد صاحب کی سخافت نظر ہے۔ ارادہ تطہیر کی تخصیص اہل بیت کے ساتھ نہیں کی گئی۔ بلکہ ارادہ کی تخصیص تطہیر کے ساتھ کی گئی ہے۔ مطلب آیت کا یہ نہیں ہے۔ کہ اے اہل بیت اللہ تمہارے سوا اور کسی کو پاک کرنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ مطلب ہوتا۔ تو اس کے لئے کوئی حرف تخصیص کا لفظ اہل بیت کے ساتھ ہوتا۔ مجتہد صاحب یہ قرآنی مطالب ہیں۔ کافی دمن لایحضر نہیں ہے۔ کہ جو چاہا کہہ گئے۔

۵۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مطلق ارادۂ تطہیر حق سبحانہ تعالیٰ کا تمام مکلفین کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ مجتہد صاحب کی اعلیٰ درجہ کی خام خیالی بلکہ ابلہ فریبی ہے۔ مطلق ارادہ تطہیر کا تمام مکلفین کے ساتھ متعلق ہونا نہ اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے۔ نہ شیعوں کے نزدیک صحیح ہو سکتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک تو ازالۂ رجس و تطہیر سے۔ مراد مغفرت ذنوب ہے۔ اور عام مکلفین کی مغفرت ذنوب کے ساتھ ارادہ الٰہی ہرگز متعلق نہیں ہے۔ خود قرآن شاہد

ہے ذیغفر ما دون ذلک لمن یشاء ۔ یعنی جسے چاہے گا ۔ اس کے گناہ بخش دے گا ۔ اور مخالفین کے نزدیک ازالہ رجس و تطہیر سے عطائے عصمت مراد ہے ۔ تو کیا خدا کا ارادہ تمام مکلفین کو معصوم بنا دینے کا ہے ۔ مجتہد صاحب نے یہ بات بہت ہی نفیس کہی ۔ کیوں نہ ہو ۔ آخر مجتہد تھے ۔ نائب امام تھے ۔

۶ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ یہ آیت مدح اہل بیت کے موقع میں ہے غلط بالکل غلط ۔ یہ آیت ہرگز مدح کے موقع میں نہیں ہے ۔ بلکہ نصیحت کے موقع میں ہے ۔ آگے پیچھے کی آیتوں میں مسلسل ازواج مطہرات کو نصیحت کی گئی ہے درمیان میں یہ جملہ محض اس لئے ارشاد ہوا ہے ۔ کہ منصوح ناصح کو اپنا شفیق و محب سمجھے ۔ اور اس کی نصیحت کو سراسر اپنے لئے مفید خیال کر کے نصیحت سے خوب متاثر ہو ۔

۷ ۔ مجتہد صاحب یہ فرماتے ہیں ۔ کہ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بعد دعا کے یہ آیت نازل ہوئی ۔ یہ بھی سخت ابلہ فریبی ہے ۔ کسی صحیح حدیث میں یہ مضمون نہیں ہے ۔ اب مجتہد صاحب کے حمایتی کوئی صحیح حدیث اس مضمون کی نقل کر دیں ۔

۸ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ غیر معصوم یا مفضول مستحق امامت نہیں ہوتا ۔ اس کی کوئی دلیل مجتہد صاحب نے نہ یہاں ذکر کی ہے نہ اس سے پہلے یہ بات لغو اور باطل ہے ۔

۹ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ معصومین خطا سے بری ہوتے ہیں ۔ معلوم نہیں کس دھن میں مجتہد صاحب سے یہ کلام سرزد ہوا ہے ۔ جناب امیر علیہ السلام تو نہج البلاغت میں فرماتے ہیں کہ انی لست فوق ان اخطی ۔ یعنی میں اس سے بری نہیں ہوں ۔ کہ خطا کر جاؤں ۔ پھر خطا سے خطائے عمد مراد ہے ۔ یا خطائے اجتہادی ۔ خطائے اجتہادی سے معصوم کا بری ہونا مجتہد صاحب نے کہاں سے ثابت کیا ۔

۱۰۔ سب سے بڑی بات جو استدلال اہل تشیع کی جان ہے یہ ہے کہ ازالہ رجس و تطہیر سے مراد عطائے عصمت ہے۔ اس کا کچھ ذکر ہی مجتہد صاحب نے نہ کیا۔ ادھر ادھر کی واہی تباہی باتیں بہت سی لکھ گئے مگر اصل کام کی بات کو بالکل پی گئے۔ جتنی باتیں اس سے پہلے مجتہد صاحب نے لکھی ہیں۔ اگر ان کو ہم تسلیم بھی کرلیں (کتسلیم الخرافات) یہ بھی مان لیں کہ یہ آیت انہیں چار حضرات کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ بھی مان لیں کہ ارادہ انہیں چار کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ بھی مان لیں کہ آیت بعد دعا کے نازل ہوئی۔ تب بھی مخالفین کا کیا فائدہ ہوگا۔ تاوقتیکہ یہ نہ ثابت کریں۔ کہ ازالہ رجس و تطہیر سے عطائے عصمت مراد ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں۔ کہ ازالہ رجس و تطہیر سے مغفرت ذنوب مقصود ہے۔

تلك عشرة كاملة

یہ تھا نمونہ ان فحش اغلاط کا۔ جو اس تھوڑی سی عبارت میں جناب مجتہد صاحب سے ظاہر ہوئیں۔ اب اس کے بعد جو جو درفشانی آپ نے فرمائی ہے۔ وہ اور بھی زیادہ لطیف ہے۔

۱۔ مجتہد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اجماع سے مراد شیعہ سنی کا اتفاق ہے یعنی چونکہ شیعہ اور کچھ سنی اس آیت کے بحق چہار تن نازل ہونے کے قائل ہیں۔ اس لئے ہم نے اس شان نزول کو اجماعی لکھ دیا۔ یہ معنی اجماع کے جو مجتہد صاحب نے بیان فرمائے ہیں۔ عجیب و غریب ہیں۔ آپ اہل سنت پر حجت قائم کرنے کے لئے شانِ نزول کو اجماعی کہہ رہے ہیں۔ لہذا یہ معنی اجماع کے کتب اہل سنت میں دکھا دیجئے۔

۲۔ قرآن میں جو حضرت ابراہیم کی بی بی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ اس کا جواب

مجتہد صاحب یہ دیتے ہیں۔ کہ ادخال حضرت سارہ در قولہ تعالیٰ رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم اہل البیت نہ از حیثیت زوجیت حضرت ابراہیم ست۔ بلکہ چوں بنت عم آں جناب علی اختلاف الروایات بودہ اند۔ داخل اہل بیت بودہ باشد۔

ناظرین! اس لطیف جواب کو بغور دیکھیں۔ اور یہ مجتہد صاحب کے حامیوں سے پوچھیں۔ کہ اگر اہل بیت ہونے کی یہی وجہ ہے۔ کہ وہ خالہ یا چچا کی بیٹی تھیں تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بہن اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں مجتہد صاحب خود بھی اپنے دل میں اس جواب کی لغویت سمجھتے ہوں گے۔ اس لئے اس جواب کے بعد ایک جواب اور بھی آپ دیتے ہیں۔ جو اس سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ فرماتے ہیں۔ ومعہذا قرابت معنویہ کہ مناط فوز باہل بیت ودر اندراج در زمرہ اہل بیت است۔ نیز متحقق بودہ حاصل اس جواب کا یہ ہوا۔ کہ حضرت سارہؑ کو چونکہ حضرت ابراہیمؑ سے قرابت معنوی بھی حاصل تھی۔ یعنی مومنہ تھیں۔ اس لئے ان کو اہل بیت کہا گیا۔ یہ جواب تو بیشک عمدہ ہے مگر ذرا شیعہ صاحبان اس جواب کے نتائج پر غور فرمائیں۔ تو بڑی عنایت ہوگی اس جواب کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اُمت محمدیہ کے جتنے باایمان لوگ ہیں سب اہل بیت میں داخل ہو جائیں گے۔ عام اس سے کہ ان کو کوئی نسبی قرابت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قرابت معنوی تمام مسلمانوں کو آپ سے حاصل ہے

۳۔ مجتہد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر ازواج مراد ہوں۔ تو مطلب آیت کا خبط ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ ازواج معصوم نہ تھیں۔

افسوس مجتہد صاحب خدا جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ اس آیت سے عصمت کا مستفادہ ہونا انہوں نے کہاں سے ثابت کیا۔ اصل بات ثابت کرنے کی یہی تھی۔ کہ اذہاب رجس سے مراد عطائے عصمت ہے۔ جس کا نام تک مجتہد صاحب نے نہیں لیا۔

۴۔ مجتہد صاحب نے یہ بھی اقرار کیا ہے۔ کہ بعد نزول آیت کے دعا مانگنا

بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔ محتاج تاویل ہوگا۔ پس جب مجتہد صاحب خود اس کا اقرار کرتے ہیں۔ تو اب کیا بات باقی رہی۔ اور استدلال ہیں کیا جان رہ گئی۔ رہا ان کا یہ دعویٰ۔ کہ سُنیوں کی بعض روایات سے دعا کا قبل نزول ہونا ثابت ہے۔ محض زبانی لفاظی ہے۔ کسی روایت سے وہ اس مضمون کو ثابت نہیں کر سکے۔

مجتہد صاحب کی دلیری تو دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے اس مضمون کی روائتیں نقل کی ہیں۔ کیا کوئی ..... بتا سکتا ہے۔ کہ وہ روائتیں بوارق میں کہاں ہیں۔

۵۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر یہ آیت حق ازواج میں ہو۔ تو جو دعا تطہیر کی آپ نے آل عبا کے لئے مانگی تھی۔ لغو ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی قبولیت کا ذکر قرآن میں نہ رہے گا۔

سبحان اللہ! یہ عجیب و غریب فقرہ مجتہد صاحب نے تراشا۔ اور عجب لطیفہ ایجاد کیا۔ ہر دعائے نبی کے اثر قبولیت کا قرآن میں مذکور ہونا انہوں نے کس دلیل سے ثابت کیا کیا مجتہد صاحب اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ جس قدر دعائیں آں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں۔ سب کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے۔

۶۔ مجتہد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آیات قرآنی کی ترتیب شیعوں پر حجت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ یہ ترتیب حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے دی ہے۔ عبارت مجتہد صاحب کی یہ ہے۔ ” اگر ہمیں ترتیب در لوح محفوظ ثابت شود ترتیب قرآنی از تغیر عثمانی محفوظ باشد۔ قابل استناد مے تواند شد۔ وچوں حضرت ثالث بالخیر مصاحف بسیار را احراق فرمودہ۔ حسب رائے خود ترتیب دادہ باشد۔ بر ما حجت نمی تواند شد مخالفین کو چاہیئے۔ کہ مجتہد صاحب کی اس عبارت کو غور سے دیکھیں۔ اور یقین کر لیں۔ کہ تحریف قرآن کا عقیدہ مخالفین کے یہاں ضروریات دین و مذہب سے ہے۔ کوئی کام ان کا نہیں ٹھیک ہو سکتا۔ جب تک قرآن کا عذر پیش نہ کریں۔

کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ خرابی ترتیب کے نتائج کمی بیشی کے نتائج سے کچھ کم خراب ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جس طرح کمی بیشی کے باعث قرآن کا کوئی حرف قابل

اعتبار نہیں رہتا ۔ اسی طرح خرابی ترتیب کے سبب سے بھی قرآن دائرہ اعتبار سے خارج ہوا جاتا ہے ۔ جیسا کہ ہم حصہ اول میں لکھ چکے ہیں ۔

۷ ۔ مجتہد صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ ازالہ نجاست میں یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جس چیز سے ازالہ نجاست کی جائے ۔ وہ چیز پہلے نجس ہو ۔ ورنہ لازم آئیگا کہ ازواج نجس ہوں ۔ نیز اہل عرب بولتے ہیں کہ اذھب اللہ عنک المرض حالانکہ وہ شخص مریض نہیں ہوتا ۔

مجتہد صاحب اتنا تو سمجھتے نہیں ۔ کہ ازالہ رجس سے کیا مراد ہے ۔ اور خواہ مخواہ اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اے جناب ازالہ رجس سے مراد مغفرت ذنوب وعفو خطا ہے ۔ پس ہم ازواج کے لئے اگر یہ بات تسلیم کرلیں ۔ کہ ان میں کچھ ذنوب تھے تو کیا خرابی ہو ۔ کیونکہ ہم عصمت خاصہ انبیاء سمجھتے ہیں ۔ اور کسی دوسرے کو مثل نبی نہیں جانتے ۔ رہا عرب کا قول ۔ جب تک مجتہد صاحب اس کو مع سند اہل عرب سے نقل نہ کریں ۔ ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا ۔

۸ ۔ مجتہد صاحب نے بڑی کوشش وکاوش سے ایک روایت تفسیر ثعلبی سے نقل کی ہے ۔ کہ یہ آیت علیؓ و فاطمہؓ وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ۔ اور ایک عبارت صواعق کی نقل کی ہے ۔ کہ اکثر مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ یہ آیت ان چار کے حق میں نازل ہوئی ۔ افسوس مجتہد صاحب ہمارے مقابلہ میں اگر اصول مناظرہ سے بالکل نابلد ہو جاتے ہیں ۔ اور ناسمجھ بچوں کی طرح ادھر ادھر کی بے جوڑ باتیں کرنے لگتے ہیں ۔ اول تو تفسیر ثعلبی نایاب دوسرے روایت بے سند ۔ علیٰ ہذا صواعق کی عبارت بھی محض بے سند ۔

کیوں جناب مجتہد صاحب ۔ آپ کو جب آپ کے علماء کے اقوال سے جواب دیا جائے ۔ تو آپ بلا تامل کہہ دیں ۔ کہ یہ قول بے سند ہے ۔ نہ مانا جانے گا ۔ حضرت حیدریہ میں آپ نے اکثر یہ کارروائی کی ۔ پھر ہم ایسی بے سند روایت و عبارت کو کیوں کر مان سکتے ہیں ۔ خصوصاً اس حال میں کہ یہ نہایت

وعبارت خصم کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔ مگر انصاف و حق پرستی سے انہوں نے کام نہ لیا۔

خلاصۃ الکلام وخاتمۃ المرام

بعونہٖ تعالیٰ اس تفسیر آیہ تطہیر سے دس باتیں قطعی طور پر واضح ہو گئیں۔

۱۔ آیہ تطہیر میں لفظ اہل بیت سے مراد آں ازواج مطہرات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا مراد ہو ہی نہیں سکتا۔

(۲) محاورہ قرآنی میں کسی کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہا گیا۔ اور اگر کسی مقام[1] پر لفظ اہل بیت بغیر کسی کی طرف مضاف کئے ہوئے مستعمل ہوا ہے۔ تو وہاں بھی اس گھر کے رہنے والے ہی مراد ہیں۔ نہ کوئی اور۔

---

[1] مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ کہ جب وہ پیدا ہوئے۔ اور ان کی والدہ نے بخوف فرعون تعلیم خداوندی ان کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق فرعون کی بی بی کے ہاتھ لگا۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا فرزند بنا لیا۔ اب دودھ پلانے والی کی تلاش ہوئی۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو ایسا کیا کہ انہوں نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن بھی اجنبی بن کر وہاں پہنچیں۔
فقالت هل ادلكم اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون فرددناه الى امه۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی بہن نے کہا کہ ہم ایک ایسے اہل بیت کا پتہ بتلائیں۔ جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کر دیں۔ اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ ہوں گے۔ چنانچہ اس تدبیر سے ہم نے موسیٰؑ کو ان کی ماں کی طرف واپس کیا۔ اس آیت میں لفظ اہل بیت کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں تو بھی اس گھر کی رہنے والی حضرت موسیٰؑ کی ماں مراد ہیں۔ ۱۲

۳ - لغت عرب میں بھی کسی شخص کا اہل بیت سوا اس کی زوجہ کے کسی کو نہیں کہتے۔

۴ - مذکر کی ضمیریں جو آیۂ تطہیر میں ہیں۔ وہ ہرگز قرینہ اس بات کا نہیں بن سکتیں۔ کہ اس آیت میں لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ کوئی اور مراد ہے۔

۵ - قرآن مجید میں لفظ اہل بیت کے لئے ہر جگہ[۱] مذکر کے صیغے اور ضمیریں مستعمل ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مقامات میں باتفاق فریقین سوا عورتوں کے کوئی مراد نہیں۔

۶ - روایات میں اہل بیت کا لفظ اگر حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کے لئے وارد ہوا ہے۔ تو حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم کیلئے بھی وارد ہوا ہے۔ بلکہ بعض ایسے حضرات کے لئے جو کسی طرح کی قرابت نسبی یا صہری یا رضاعی نہ رکھتے تھے۔ بھی لفظ اہل بیت وارد ہوا ہے۔ جیسے حضرت سلمان فارسی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کے سوا جن کو بھی اہل بیت فرمایا۔ وہ پیار و محبت کے طور پر مجازاً فرمایا گیا ہے۔

۷ - اگر کچھ فرق حضرت سلمان کے اہل بیت ہونے میں اور اہل عبا کے اہل بیت ہونے میں نکل بھی سکے۔ تو حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے وہ فرق بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ اہل عبا بھی ہیں۔ اور بالکل اسی طرح کی دعا بھی ان کے لئے ہے۔

---

[۱] چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں جہاں حضرت سارہ کو اہل بیت فرمایا ہے۔ وہاں بھی مذکر کی ضمیریں ہیں۔ اور ابھی حاشیہ سابقہ میں حضرت موسٰی کے قصہ کی آیت منقول ہوئی۔ اس میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ مراد ہیں۔ اور ان کے لیے یکفون صیغہ جمع مذکر اور ہم ضمیر جمع مذکر مستعمل ہوئی ہے ۱۲ ش

۸ - محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ کہ اہل بیت رسول حقیقۃً ازواج مطہرات ہیں۔ اور حضرت علی و فاطمہ و حسنین و حضرت عباس اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم بدعائے رسول اس فضیلت میں شامل کیے گئے ہیں۔

۹ - ازواج مطہرات کے لئے قرآن کریم گواہی دے رہا ہے۔ کہ وہؓ دنیا کی زندگی اور اس کے زینت کی طالب نہ تھیں۔ بلکہ اللہ و رسول و دار آخرت کی طالب تھیں۔ وہؓ تمام ایمان والوں کی ماں ہیں۔ ان سے ابدی طور پر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا نے یہ اختیار سلب کر لیا۔ کہ وہ اپنی ازواج کو طلاق دیں۔ یہ ایک بے نظیر بات ہے۔

۱۰ - ازواج مطہرات کے برابر کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔

حضرت فاطمہ زہراؓ کو اگر زنان جنت کا سردار فرمایا گیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی روحانی ماؤں کی بھی سردار ہوں جس طرح حضرات حسنینؓ کو جوانان جنت کا سردار فرمایا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ حضرات خلفائے ثلثہ یا حضرت علی مرتضےٰ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار ہو جائیں۔ اس وجہ سے کہ جنت میں تو یہ سب حضرات جوان ہوں گے۔ بلکہ ضرور ہے۔ کہ حضرت فاطمہؓ کی سرداری سے امہات المومنین مستثنےٰ کی جائیں۔ جس طرح حضرات حسنینؓ کی سرداری سے۔ یہ حضرات مستثنےٰ ہیں۔ اس قسم کے عقلی استثناء محتاج ذکر نہیں ہوتے۔

(۱۱) ان تمام تحقیقات کی بنیاد قرآن عظیم پر ہے۔ لہذا نہ کوئی روایت ان کا معارضہ کر سکتی ہے۔ نہ کسی کا قول۔

هذا آخر الكلام والحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

بتحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس راہ کی جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو۔

الحمد للہ تعالےٰ کہ سلسلہ تفسیر آیات خلافت کا چودھواں نمبر موسوم بہ

تفسیر آیتِ تبلیغ

جسمیں

سورۂ مائدہ کی آیت تبلیغ یعنی آیت کریمہ یا ایھا الرسول بلغ کی صحیح تفسیر کرکے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ شیعوں کا اس آیت سے خلافت بلافصل پر استدلال کرنا قرآن شریف کی تحریف معنوی اور خدا اور رسول کے ساتھ تمسخر کرنا ہے نیز مولوی حامد حسین مصنف عبقات کی پیش کردہ روایات کی حقیقت کما حقہٗ ظاہر کرکے اُن کے علم و دیانت پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر آیت تبلیغ

الحمد للہ الذی انزل الینا الکتب المبین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ وصحبہ اجمعین

اما بعد تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ مین دونون قسم کی آیتون کی تفسیر مرکوز خاطر تھی یعنی اُن آیتون کی بھی جنسے حضرات خلفاے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی حقیت خلافت ثابت ہوتی ہے اوران آیتون کی بھی جن سے شیعہ اپنے مقصد فاسد یعنی خلافت بلافصل پر استدلال کرتے ہین - چنانچہ اب تک جو تفسیرین شایع ہوئین اُن مین دونون قسم کی آیتین ہین - آیت ولایت آیت تطہیر آیت مودۃ القربیٰ آیت اولی الامر آیت مباہلہ اسی دوسری قسم کی آیتون مین ہین جنکی تفسیر ہوچکی - اس وقت آیت تبلیغ کی تفسیر ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے یہ بھی دوسری قسم کی آیت ہے۔

شیعون کی حالت بھی عجیب حیرت انگیز حالت ہے - ایک طرف تو قرآن مجید کی توہین وتنقیص پر کمر بستہ ہین بلکہ اصلی مقصد ان کے مذہب کا یہی ہے - قرآن شریف کو محرف کہتے ہین اُسکی عبارت کو خلاف فصاحت بلاغت بتاتے ہین اور فرماتے ہین کہ اُس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہین اُس مین نبی کی توہین ہے اس سے خلق اللہ گمراہ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ - اور دوسری طرف قرآن کریم سے استدلال بھی کرتے ہین ؎

دشمن مے بودن وہمرنگ مستان زیستن ۔۔۔ وجہد ومنع بادہ ای زاہد چہ کافر نعمتی ست

مگر اُن کا استدلال دیکھکر سب حیرت برطرف ہوجاتی ہے کیونکہ اُن کے استدلال مین دو باتین صاف نظر آتی ہین - اوّل یہ کہ ان کا استدلال محض اسلیے ہوتا ہے کہ لوگ اُن کو بھی مسلمانون کے فرقون مین شمار کرین دوسرے یہ کہ استدلال کے پردہ مین قرآن شریف کی تحریف معنوی کرتے ہین اور کوئی نہ کوئی پہلو قرآن شریف کی

مذمت کا یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اُس مین پیدا کرتے ہین گویا ہجو ملیح کا حق ادا کرتے ہین۔

اور یہ بات تو اُن کے ہر استدلال مین ہر شخص عُلیان طور پر دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کو معمّا اور چیستان قرار دیتے ہین کہ جبتک آیت کے ساتھ کچھ روایات نہ ملائی جائین آیت کا کوئی مطلب ہی نہین سمجھا جاسکتا اسکے الفاظ کے کوئی معنی ہی نہین معلوم ہوسکتے۔ آیت کو اگر بغیر ان روایات کے قواعد زبان عرب کے لحاظ سے دیکھو تو اُسکے معنی کچھ اور ہین مگر ان روایتون کو ملاکر اسکے معنی کچھ اور ہوجاتے ہین۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھکر وہ روایات لیجاتی ہین جو بالکل جعلی اور موضوع ہوتی ہین۔

آیت ولایت مین جھوٹا قصہ نماز مین انگوٹھی دینے کا ملایا اسپر بھی کام نہ چلا تو خلاف لُغت عرب ولی کو بمعنی حاکم لیا پھر جمع کے صیغون اور ضمیرون سے ایک شخص واحد یعنی حضرت علی کو مراد لیا۔ آیت تطہیر مین درمیان کا ایک ٹکڑا لیکر ماقبل و مابعد سے بالکل بے ربط کردیا آیت مودۃ القربیٰ مین وہ مطلب پیدا کیا کہ رسولؐ کی حیثیت ایک دنیا دار خودغرض مزدور کی ہوگئی۔ آیت مباہلہ مین خلاف لغت انفسنا سے حضرت علی کو اور نسارنا سے حضرت فاطمہ کو مراد لیکر آیت کو خبط کردیا۔

اب اس آیت تبلیغ کو دیکھو جس کی تفسیر اس وقت کی جارہی ہے کہ اسکے متعلق جو کچھ شیعہ بیان کرتے ہین اُس مین کس قدر توہین خداوند عالم جل شانہ کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیگئی ہے دین کو ایک بازیچہ طفلان بنایا گیا ہے۔ درحقیقت قرآن شریف سے استدلال نہین کیا گیا بلکہ دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کیا گیا ہے۔ اور بس۔

چودھوین آیت تبلیغ چھٹا پارہ۔ سورۂ مائدہ۔ تیرھوان رکوع

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ٥

ترجمہ

اے رسول پہونچا دیجئے وہ باتین جو اُتاری گئین آپ کی طرف آپ کے رب کیجانب سے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو نہین پہونچائی آپ نے رسالت اُسکی۔ اور اللہ بچائے گا آپ کو لوگون سے بیشک اللہ نہین ہدایت کرتا کافر لوگون کو۔

آیت کی صحیح تفسیر

آیت کی صحیح تفسیر جو کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے جس میں نہ کسی روایت کے ماننے کی حاجت نہ کسی اور کارروائی کی ضرورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ جو جو احکام ہمارے طرف سے نازل ہوئے ہیں اُن سب کو بندوں تک پہونچا دیجئے ورنہ آپ کے ذمہ فریضہ رسالت باقی رہ جائیگا اور کفار کی ایذا رسانیوں کا بالکل خیال نہ کیجئے ہم آپ کے محافظ ہیں یہ مضمون یعنی احکام الٰہی کے تبلیغ کی تاکید کچھ اسی آیت کے ساتھ مخصوص نہیں اور آیات میں بھی ہے قرآن مجید میں بیسیوں آیتیں اس تاکید سے بھری ہوئی ہیں۔

اس آیت میں نہ خلافت کا تذکرہ ہے نہ حضرت علی کی کسی قسم کی فضیلت اس سے نکل سکتی ہے نہ آیت کو کسی خاص واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔

مگر شیعہ کہتے ہیں۔

کہ یہ آیت حضرت علی کی خلافت بلافصل کی بڑی روشن دلیل ہے حتی کہ اُن کے امام اعظم شیخ حلی نے منہاج الکرامہ میں آیہ انما ولیکم اللہ کے بعد اسی آیت کو ذکر کیا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں جس چیز کی تبلیغ کا حکم ہے وہ حضرت علی کی خلافت ہی کا حکم تھا عام احکام کی تبلیغ مراد نہیں ہے اور اسکے ساتھ اُنھوں نے ایک روایت بھی گڑھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری حج سے واپس ہوتے ہوئے مقام غدیر خم میں پہونچے تو جبرئیل آئے اور اُنھوں نے کہا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اس مجمع میں علی کی خلافت کا اعلان کر دیجئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کیا کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے لوگ علی کی خلافت سنکر آمادۂ قتل و قتال ہو جائینگے جبریل نے واپس جاکر اللہ سے یہ سب ماجرا بیان کیا تب یہ آیت اُتری کہ اے رسول اللہ کی طرف سے جو حکم نازل ہوا ہے اسکی تبلیغ کر دیجئے ورنہ آپ ادا کرنے والے فرائض رسالت کے نہ قرار پائینگے۔ مگر پھر بھی رسول کی ہمت نہ ہوئی اور اُنھوں نے عذر کیا تب اللہ نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ مجبور ہو کر رسول خدا نے سب کو جمع کیا اور علی کی خلافت کا اعلان بایں الفاظ کیا کہ مَن کُنتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص حضرت علی کی خلافت کے اعلان کا حکم ہے لفظ مَا اس آیت میں اپنے معنی عام پر نہیں ہے پس یہ آیت حضرت علی کے خلیفہ بلافصل ہونے کی واضح دلیل ہوگی۔

اہل سنت کہتے ہین کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قصہ از سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہے اہل سنت کی کتابون مین کہین اسکا وجود نہین اہل سنت کی کتابون مین صرف آخری فقرہ مَن کُنتُ مَولَاہُ منقول ہے تو اسکو بھی محدثین نے کہا کہ صحیح نہین ہے۔ علامہ ابن تیمیہ منہاج السنہ مین لکھتے ہین۔

اما قوله من كنت مولاه فعلي مولاه فليس في الصحاح لكن هو مما رواه العلماء وتنازع الناس في صحته نقل عن البخاري وابراهيم الحربي وطائفة من اهل العلم بالحديث انهم طعنوا فيه وضعفوه وقال ابو محمد بن حزم واما من كنت مولاه فعلي مولاه فلا يصح من طريق الثقات اصلا

لیکن یہ قول من کنت مولاہ فعلی مولاہ صحیح احادیث مین نہین ہے بلکہ منجملہ ان چیزون کے ہے جنکو علما نے روایت کیا ہے مگر لوگون نے ان کی صحت مین اختلاف کیا ہے امام بخاری اور ابراہیم حربی اور علماے حدیث کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انھون نے اس روایت پر جرح کی اور اس کو ضعیف کہا اور ابو محمد بن حزم کہتے ہین کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ باسناد ثقات کسی طرح ثابت نہین ہے۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ مین لکھتے ہین۔

الطاعنون في صحته جماعة من ائمة الحديث وعدوله المرجوع اليهم كابي داؤد السجستاني وابي حاتم الرازي۔

اس حدیث کی صحت پر جرح کرنے والے ایک جماعت ان ائمہ محدثین کی ہے جو بڑے معتبر ہین اور جن پر جرح و تعدیل کا دارومدار ہے مثل ابو داؤد سجستانی اور ابو حاتم رازی کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض من کنت مولاہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس مین حضرت علی کی خلافت کا اعلان کجا اشارہ تک نہین حضرت علی کی خلافت اس حدیث سے اسوقت ثابت ہو سکتی کہ جبکہ مولی بمعنی حاکم ہوا اور حدیث کا ترجمہ یہ ہو کہ مین جسکا حاکم ہون علی بھی اسکے حاکم ہین حالانکہ زبان عرب مین مولی بمعنی حاکم نہین آتا قرآن مجید مین ہے فان الله هُوَ مَوْلٰهُ وجبريل وصالح المؤمنين اگر مولی بمعنی حاکم ہو تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جبریل اور مومنین صالحین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاکم ہین۔ معاذ اللہ منہ لہذا اس روایت کے صحیح مان لینے سے بھی کچھ نتیجہ نہ ہوا اور نہ اس

حدیث مین حضرت علی کی خلافت کا ذکر ثابت ہوا اور نہ یہ حدیث آیت کے ساتھ کوئی تعلق پیدا کر سکی۔

شیعون کے امام اسناظرین مولوی حامد حسین نے اپنی مشہور کتاب عبقات الانوار مین بڑا زور اس بات پر دیا ہے کہ مولی بمعنی حاکم آتا ہے انشاء اللہ تعالے جب شرح احادیث کا سلسلہ شروع ہوگا اس وقت عبقات کے ایک ایک لفظ کا رد کر کے دکھا دیا جائیگا کہ مولی بمعنی حاکم ہرگز مستعمل نہین اور جو عبارتین مولوی حامد حسین نے نقل کی ہین ان کا مطلب ہی وہ نہین سمجھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا بروز غدیر خم نازل ہونا بھی غلط ہے یہ آیت غدیر خم کے موقع سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔

مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات مجلد حدیث غدیر مین اسپر بھی بڑا زور دیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور شیعون کو کتاب عبقات پر بڑا ناز ہے، کبھی کبھی سنیون کو طعنہ دیتے ہین کہ تمھارے علماء نے عبقات کا جواب کیون نہ لکھا۔

اگرچہ مولوی حامد حسین کی کتاب استقصار الافحام اور عبقات الانوار دونون کی کافی تفضیح دور قدیم مین ہو چکی ہے لیکن یہ بحث چونکہ تمام عبقات مین چوٹی کا بحث سمجھا جاتا ہے لہٰذا اسکی حالت کا اظہار اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے یہ بات بھی ظاہر ہو جائے گی کہ عبقات کا جواب نہ لکھنے کی وجہ سوا اسکے اور کچھ نہین ہے کہ ان خرافات کی طرف توجہ کرنا کو دکندن کاہ برآوردن کا مرادف ہے۔

اہل سنت کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ مین رات کے وقت نازل ہوئی تھی نہ غدیر خم مین دن کے وقت۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین ترمذی وغیرہ بہت سے محدثین سے یہ روایت نقل کی ہے صحابہ کرام رات کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بالاخانہ سے سر باہر نکالا اور فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ حق تعالیٰ نے مجھسے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اب کسی کے پاسبانی کی ضرورت نہین حاکم نے مستدرک مین اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

نیز مجھین حافظ ابن کثیر نے سورۂ مائدہ کی آیت یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء کے تحت مین بحوالہ تفسیر طبری زہری سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت نے یہودیون

دوستی قطع کردی مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ان سے تعلق قائم رکھا اسوقت اللہ نے یاایھاالذین آمنوا سے واللہ یعصمک من الناس تک یہ سب آیتین نازل فرمائین۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیر خم سے برسون پہلے مدینہ مین بوقت شب نازل ہوئی اور اُسکے نزول کے وقت عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین بھی زندہ تھا۔

اب دیکھئے مولوی حامد حسین صاحب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت مین کہ یہ آیت غدیر خم کے روز نازل ہوئی تھی کیا دلائل پیش فرمائے ہین۔

واضح ہو کہ مولوی حامد حسین نے اپنی عادت شریف کے مطابق اس بحث کو طول تو بہت دیا کئی جزکا غذ سیاہ کر ڈالا ہے مگر روایتین کل چار پیش کی ہین اور کارروائی یہ کی ہے کہ ان روایتون کو متعدد کتابون سے نقل کر کے ہر ہر کتاب کے اعتبار سے اسکو ایک جُداگانہ روایت قرار دیا ہے (۷)
اس طور پر چار روایتون کو بہت سی روایات بنا کر بہت کچھ ناز کیا ہے۔

پہلی روایت ابوسعید خُدری کی ہے جسکو عطیۂ کوفی روایت کرتا ہے۔ عطیہ مذکور کی نسبت میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ ضعیف ہے امام احمد فرماتے ہین بلغنی انه کان یاتی الکلبی وکان یسأله عن التفسیر وکان یکنیه بابی سعید فیقول قال ابوسعید یعنی یہ عطیہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اُس سے تفسیر آیات کی پوچھا کرتا تھا اور کلبی کی کنیت اسنے ابوسعید رکھی تھی لہذا یہ کہا کرتا تھا کہ مجھسے ابوسعید نے یون بیان کیا۔ نیز امام احمد فرماتے ہین حدثنا ابواحمد الزبیری سمعت الکلبی یقول کنانی عطیة ابوسعید وقال ابن حبان سمع من ابی سعید احادیث فلما مات جعل یجالس الکلبی یحضر بصفة مغاذا قال الکلبی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیحفظه وکناہ اباسعید ویروی عنه فاذا قیل من حدثك بهذا فیقول حدثنی ابوسعید فیتوهمون انه یرید اباسعید الخدری وانما اراد الکلبی۔ لایحل کتب حدیثه الا علی جهة التعجب وقال الساجی لیس بحجة وکان یقدم علیا علی الکل وقال ابن عدی کان یعد مع شیعة اهل الکوفة وقال الجوزجانی مائل وقال ابوداؤد لیس بالذی یعتمد علیه وقال ابوبکر البزار کان یعد فی التشیع ترجمہ مجھسے ابواحمد زبیری نے بیان کیا وہ کہتے تھے مین نے کلبی کو یہ کہتے ہوے سُنا کہ میری کنیت عطیہ نے ابوسعید رکھی تھی ابن حبان

کہتے ہین عطیہ نے حضرت ابوسعید خدری سے کچھ حدیثین سُنی تھین مگر جب ان کی وفات ہوگئی تو یہ جاکر کلبی کے پاس بیٹھنے لگا اور کلبی جب قال رسول اللہ کہتا تھا تو یہ اسکو یاد کرلیتا تھا اور کلبی کی کنیت اس نے ابوسعید رکھ لی تھی اور کلبی ہی سے یہ روایت کیا کرتا تھا جب اس سے کوئی پوچھتا کہ یہ حدیث تجھسے کس نے بیان کی تو کہتا تھا کہ ابوسعید نے لوگ یہ گمان کرتے تھے کہ ابوسعید خدری مراد ہین حالانکہ یہ کلبی کو مراد لیتا تھا عطیہ کی روایت کو لکھنا جائز نہین مگر بطور تعجب کے اور ساجی نے کہا ہے کہ عطیہ معتبر شخص نہین ہے وہ حضرت علی کو تمام صحابہ پر مقدم سمجھتا تھا اور ابن عدی نے کہا ہے کہ عطیہ کا شمار کوفہ کے شیعون مین تھا اور جوزجانی نے اسکو مائل تشیع بیان کیا ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ عطیہ ایسا شخص نہین ہے جس پر اعتماد کیا جائے اور کہا ہے کہ ابوبکر بزار کا مرتبہ تشیع مین عطیہ کے بعد ہے۔

پس اس روایت مین دو رافضی ہوئے ایک عطیہ دوسرا کلبی جسکو دھوکا دینے کے لیے ابوسعید کہا گیا ہے تاکہ لوگ ابوسعید صحابی سمجھکر روایت کو قبول کرلین حالانکہ وہ ابوسعید کلبی ہے اور یہ روایت اسی کے گڑھی ہے لہٰذا اس روایت کو اہلِ سنت کے سامنے پیش کرنا مولوی حامد حسین کی دیانت کا ایک نمونہ ہے اور پھر اسپر مزید یہ کہ اس روایت کو متعدد کتابون سے نقل کرکے ہر کتاب کے لحاظ سے اسکو جداگانہ روایت قرار دے کر یہ ظاہر کرنا کہ یہ روایت کثرت طرق سے مروی ہے مولوی حامد حسین صاحب کی چالاکی کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔

دوسری روایت ابن عباس کی ہے جسکو کلبی نے بواسطہ ابوصالح کے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کلبی کا رافضی اور کذاب ہونا مسلم الکل ہے میزان الاعتدال مین ہے کہ امام بخاری فرماتے تھے کہ سفیان کہتے تھے کہ کلبی نے مجھسے کہا کہ جتنی روایتین مین ابوصالح سے نقل کرون وہ سب جھوٹی ہین یزید بن زریع کہتے ہین کہ کلبی عبداللہ بن سبا کے فرقہ کا شخص تھا ابن حبان کہتے ہین کہ کلبی عبداللہ بن سبا کے فرقہ کا شخص تھا اور ان لوگون مین سے تھا جو یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ علی نہین مرے اور جب بادل کو دیکھتے ہین تو کہتے ہین کہ امیر المومنین اس مین ہین تبوذکی کہتے ہین کہ مین نے کلبی سے سُنا وہ کہتا تھا کہ مین سبائی مذہب ہون یعنی عبداللہ بن سبا کا پیرو ہون۔ حسن بن یحییٰ کہتے ہین کہ مین نے کلبی سے سُنا کہ جبریل نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی لیکر آتے تھے اور اگر نبی پاخانہ مین چلے جاتے تو اتنی دیر علی سے وحی بیان کرتے تھے احمد بن زہیر کہتے ہین مین نے امام

سے پوچھا کہ کلبی کی تفسیر کو پڑھنا جائز ہے تو انھون نے کہا کہ جائز نہین جوزجانی نے کلبی کو کذاب کہا ہے اور دار قطنی اور ایک جماعت نے اسکو متروک الروایۃ کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہین کہ کلبی کا رافضی اور کذاب ہونا ایسا ظاہر ہے کہ محتاج بیان نہین اور کلبی بواسطہ ابو صالح کے ابن عباس رض سے روایت کرتا ہے حالانکہ ابو صالح نے ابن عباس کو دیکھا بھی نہین کلبی ایسا شخص تھا کہ کتابون مین اسکا ذکر جائز نہین۔

کلبی کا شیعہ ہونا خود شیعون کی کتابون سے بھی ثابت ہے چنانچہ اصول کافی مین کلبی کی بہت سی روایات ہین اور اصول کافی صفحہ مین ہے فلم یزل الکلبی یدین اللہ بحب اھل ھذا البیت حتی مات یعنی کلبی ہمیشہ اللہ کی اطاعت محبت اہل بیت کے ذریعہ سے کرتا رہا یہانتک کہ مر گیا۔

پس ظاہر ہو گیا کہ یہ روایت بھی قابل اعتبار نہین کلبی رافضی کذاب کی گڑھی ہوئی ہے مولوی حامد حسین صاحب نے اس روایت کو اہل سنت کے مقابلہ مین پیش کرکے اپنی دیانت کا ایک عمدہ ثبوت پیش کر دیا۔

اس روایت کو بھی مولوی حامد حسین نے متعدد کتابون سے نقل کرکے ایک روایت کو متعدد (۹) بنانے کی کارروائی کی ہے۔

اگر خدانخواستہ کوئی سنی اس قسم کی کارروائی شیعون کے مقابلہ مین کرتا تو علمائے شیعہ تو جو کچھ کہتے بعد مین کہتے پہلے علمائے اہل سنت اسکو ذلیل وخوار کرتے مگر شیعہ ہین کہ مولوی حامد حسین کی مدح وثنا مین رطب اللسان رہتے ہین۔ اسکا سبب سوا اسکے کیا ہو سکتا ہے کہ شیعون کے یہان اس قسم کے فریب دغا کی کارروائیان جائز ہین بلکہ موجب کمال ہین۔

تیسری روایت براء بن عازب کی ہے مگر مولوی حامد حسین صاحب نے اسکی پوری سند ہی نقل نہین کی کہ معلوم ہوتا کہ اسکی سند مین کون کون لوگ راوی ہین اور ان راویون کی بابت ائمہ جرح وتعدیل نے کیا لکھا ہے لہذا ایسی مجہول السند روایت کو پیش کرنا سوا مولوی حامد حسین صاحب یا ان کے ہم مذہب علما کے اور کسی سے شاید نہو سکتا۔

چوتھی روایت۔ مولوی حامد حسین صاحب نے عبقات مین یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود زمانے مین کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اس آیت کو یون پڑھتے تھے یا ایہا الرسول

بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المؤمنین۔ اس روایت کو مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافحام میں بھی ذکر کیا ہے اور اس سے تحریف قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ پوری سند اس روایت کی بھی مولوی صاحب نے ذکر نہیں کی صرف اس قدر نقل کیا ہے کہ ابوبکر بن عیاش نے عاصم سے انھوں نے زر سے انھوں نے ابن مسعود سے اسکو نقل کیا ہے ابوبکر بن عیاش کے بعد کے راوی معلوم نہیں کیسے ہیں لہذا ایک خرابی تو اس روایت میں یہ ہوئی کہ سند اسکی مجہول ہے دوسری خرابی یہ ہے کہ ابوبکر بن عیاش مجروح ہیں میزان الاعتدال میں ہے کہ وہ حدیث میں غلطی کرتے تھے اور ان کو وہم ہو جاتا تھا محمد بن عبداللہ بن نمیر نے ان کو ضعیف کہا ہے یحییٰ بن سعید انکا بالکل اعتبار نہ کرتے تھے اور جب ان کے سامنے ابوبکر بن عیاش کا ذکر ہوتا تو چیں بجبیں ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ابوبکر بن عیاش میرے سامنے موجود ہوتے تو میں ان سے کچھ نہ پوچھتا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ حد سے زیادہ کثیر الغلط ہیں۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر بن عیاش سے بڑھکر حدیث پر بہت جلد جرأت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا تیسری خرابی یہ ہے کہ ابوبکر بن عیاش عاصم سے روایت کرتے ہیں عاصم نام کے کئی راوی ہیں جن میں بعض کذاب بھی ہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کون عاصم ہیں اس وقت تک یہ راوی بھی مجہول و ناقابل اعتبار ہے۔

بس یہ کل چار روایتیں مولوی حامد حسین صاحب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی تھیں کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی۔ جبقات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے یہ نمونہ کافی ہے فان الغرفۃ تنبئ عن الغدیر

ایک عجیب لطف یہ ہے ۔ کہ شیعوں کی معتبر روایتوں سے بھی یہ ثابت ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نہیں نازل ہوئی بلکہ عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی جو غدیر خم سے نو دن پہلے تھا۔ اب اسکے بعد مولوی حامد حسین کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ ؎ درکفر ہم ثابت نہ زنار را رسوا مکن ۔ کیونکہ ان کی تحقیق شیعوں کے بھی خلاف نکلی۔ ملاحظہ ہو۔

اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۷۸ میں ہے کہ ابو الجارود کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔

ثم نزلت الولایۃ وانما اتاہ ذلک فی	پھر نازل ہوئی امامت علی کی اور یہ حکم جس کے پاس جمعہ کے دن

يوم الجمعة بعرفة انزل الله عز وجل
اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم
نعمتي وكان كمال الدين بولاية علي بن
ابي طالب عليه السلام فقال عند ذلك
رسول الله صلى الله عليه واله امتي حديثو
عهد بالجاهلية ومتى اخبرتهم بهذا
في ابن عمي يقول قائل ويقول قائل
فقلت في نفسي من غير ان ينطق به
لساني فاتاني عزيمة من الله عز وجل
بتلة فنزلت يا ايها الرسول بلغ
ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل
فما بلغت رسالته والله يعصمك
من الناس ان الله لا يهدي القوم الكافرين

عرفہ میں آیا۔ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی الیوم
اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ دین کا کمال
علی بن ابی طالب علیہ السلام کی امامت سے ہوا
تو اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے
فرمایا کہ میری امت جاہلیت سے قریب العہد ہے
جب میں ان کو اپنے چچا کے بیٹے (یعنی علی) کے متعلق خبر دونگا
تو کوئی کچھ کہے گا اور کوئی کچھ کہے گا۔ یہ خیال
میں نے اپنے دل میں کیا تھا زبان سے میں نے کوئی
لفظ نکالا نہ تھا کہ اللہ عزوجل کی طرف سے سخت
تاکید مجھے ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی یا ایہا (۱۱)
الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم
تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من
الناس ان اللہ لا یہدی القوم الکافرین۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آیت تبلیغ کا نزول غدیر خم کے دن نہیں ہوا بلکہ عرفہ کے دن ہوا علمائے شیعہ کا عجب حال ہے سنیوں کے مقابلہ میں اکر وہ اپنی کتابوں سے بھی ناواقف بنجاتے ہیں۔

تنبیہ

اس آیت کے متعلق جو قصہ شیعہ صاحبان نے جبریل کے بار بار آنے اور خدا کے بار بار تاکید کرنے اور رسول کے ہر بار عذر کرنے کا بیان کیا ہے اس میں جس قدر تمسخر خدا اور رسول کے ساتھ ہے ظاہر ہے عجب تماشا ہے کہ توحید کے تبلیغ میں رسول نے کفار مکہ کا کچھ خوف نہ کیا اور بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ تمام اہل مکہ کے خلاف توحید کے مضامین کو بیان فرمایا خدا نے بھی قرآن مجید میں توحید کا مضمون خوب تفصیل و توضیح سے بیشمار آیتوں میں نازل فرمایا لیکن حضرت علی کی خلافت خدا جانے کیسی خطرناک چیز تھی کہ خدا نے بھی اس کا بیان صاف صاف نہ کیا

اور رسول بھی اسکی تبلیغ مین اس قدر خائف ہوئے۔ اگر خدا حفاظت کا وعدہ نہ کرتا تو جانے کتنی تاکیدات خدا کی طرف سے ہوتین رسول ہرگز تبلیغ نہ کرتے۔ پھر ان سب امور کے بعد یہ بھی کچھ کم قابل حیرت نہین کہ رسول تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تو ان کو حضرت علی کی خلافت کے بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ ہی نہ ملا۔ مولیٰ کا لفظ ارشاد فرمایا جس سے خلافت کا مفہوم کسی طرح ثابت نہین ہو سکتا ایسا افصح العرب اور اس معاملہ مین اسکو کوئی صریح لفظ ہی نہ ملے العجب کل العجب۔

اچھا ہم اس تمام قصہ سے قطع نظر کرلین اور صرف اتنی سی بات مان لین کہ اس آیت مین لفظ مَا سے حضرت علی کی خلافت مراد ہے تب بھی یہ اعتراض خدا پر ضرور ہوتا ہے کہ جب علی کی خلافت ایسی اہم اور ضروری چیز ہے کہ رسول کو اس کے اعلان کی اس قدر تاکید کیجا رہی ہے کہ اس قدر تاکید نہ عقیدہ توحید کے لیے کی گئی نہ عقیدہ قیامت کے لیے نہ عقیدہ رسالت کیلئے حتیٰ کہ اس خلافت کا اعلان نہ کرنے کی صورت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسولون کی فہرست سے کاٹ دینے کی وعید آئی ایسی اہم اور ضروری چیز کو خدا نے مبہم کیون بیان فرمایا۔ جس طرح عقیدہ توحید وغیرہ کو خدا نے صاف صاف بیان فرمایا تھا کہ آج ہر شخص ان آیات کو دیکھکر اصل مقصود کو سمجھ لیتا ہے خلاف مقصود کا وہم بھی کسی کو نہین ہوتا اسی طرح حضرت علی کی خلافت کو صاف صاف کیون نہ بیان فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھی ڈرتا تھا کہ مین اگر علی کی خلافت کو صاف صاف بیان کردون گا تو نہ معلوم میرے ساتھ اور میرے قرآن کے ساتھ مخالفان علی کیا سلوک کرین۔ اور رسول پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انھون نے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کی خدا کا حکم تو تھا کہ علی کے خلافت کا اعلان کرو انھون نے بجائے خلافت کے علی کے مولےٰ ہونے کا اعلان کرکے خاموشی اختیار کرلی۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

مذہب شیعہ کی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین الٰہی کا مقصود سوا حضرت علی کی خلافت کے اور کچھ تھا ہی نہین نہ توحید کا اس قدر اہتمام ہے نہ رسالت کا نہ کسی اور چیز کا لہذا وہ شعر مشہور اثنا عشریون کے مذہب کے مطابق بھی بالکل صحیح ہے کہ ؎

جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچون ۔۔۔ در پیش محمد شد و مقصود علی بود

گر رونا اس کا ہے کہ دین الٰہی کا یہ مقصود پورا نہ ہوا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب سے زیادہ ناکام رہی کیونکہ جو مقصد اصلی آپ کی بعثت کا تھا یعنی علی کی خلافت اس میں کوئی کامیابی نہوئی حضرت علی کو پہلی خلافت تو کیا ملتی چوتھے درجہ میں ملی بھی تو بقول شیعہ برائے نام اسکا ماتم حضرات شیعہ جس قدر کرین بجا ہے اور جتنا روئین حق بجانب ہے۔

تتمۂ بحث

آیت تبلیغ کی تفسیر پوری ہوگئی شیعوں نے ادھر اُدھر کے قصہ ملاکو بہت چاہا کہ حضرت علی کی خلافت بلافصل کا مفہوم آیت مین پیدا ہوجائے مگر نہوا۔

شیعہ خود بھی جانتے ہین اور اول روز سے جانتے ہین کہ قرآن مجید سے وہ کسیطرح اپنا کوئی مطلب حاصل نہین کر سکتے چنانچہ اس معاملہ خلافت مین بھی اُن کے علما کو چاروناچار اس کا اقرار کرنا پڑا اور نہ صرف علما کا اقرار بلکہ ان کے راویوں نے ائمہ معصومین کے نام سے ایسی روایتین بھی تصنیف ۳)
فرمائین جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن سے حضرت علی کی خلافت ثابت نہین ہوسکتی۔

علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی کتاب الحجۃ باب ما نص اللہ مین لکھتے ہین۔

دمیل رسول آن بود کہ تصریح وتفسیر ولایت در قرآن شود واکتفا بسنت نہ شود۔	رسول کی خواہش یہ تھی کہ امامت کی تصریح اور تفسیر قرآن شریف مین ہوجائے اور صرف احادیث پر اکتفا نہ ہو۔

یہ تو علامۂ قزوینی کا قول تھا اب روایت دیکھیے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۸۴ میں امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔

قال ابوجعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبرئیل واسرھا جبرئیل الی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلک۔	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ولایت الٰہی یعنی امامت کا مسئلہ خدا نے بطور راز کے جبرئیل سے بیان کیا اور جبرئیل نے بطور راز کے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ سے کہا اور محمد نے بطور راز کے علی علیہ السلام سے کہا اور علی علیہ السلام نے بطور راز کے جس سے چاہا کہا مگر اب تم لوگ اسکو مشہور کر رہے ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کیا معنی حدیث مین بھی کہین امامت علی کا تذکرہ نہین

کہ رسُول بھی اگر ان کی خلافت کا اعلان دیتے تو وہ رسولؐ کے بھی کھلم کھلا مخالف ہو جاتے لیکن کیا کوئی شیعہ یہ بتا سکتا ہے کہ یہ عام مخالفت حضرت علی سے کیوں تھی۔

کاش شیعہ صاحبان اس بات پر غور کریں تو یہ بات اُن کی سمجھ میں آ جائے کہ اس عام مخالفت کا کوئی سبب سوا اس کے کہ حضرت علی میں حکومت کرنے کی قابلیت بالکل نہ تھی اور وہ تدبیر اور سیاست سے قطعاً نا آشنا تھے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس نتیجہ کو اگر حضرت علی کے لئے باعثِ کمال سمجھا جائے تو شوق سے اس مخالفت عامہ کے مرثیے پڑھے جائیں اور خوب ماتم کیا جائے ورنہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مذہب شیعہ کے تصنیف کرنے والوں کا مقصود حضرت علی کو بڑھانا نہ تھا بلکہ ان کو آسمان پر چڑھا کر گرانا چاہتے تھے۔ مذہب شیعہ کو غیر جانب دارانہ نظر سے دیکھنے کے بعد اس مذہب کے تصنیف کرنے والوں کی نیت کا بخوبی پتہ مل جاتا ہے ؎

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں
سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ میں

ھٰذا اٰخر الکلام والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الامین و علیٰ اٰلہ اجمعین ط